رسول الله
محمد
والذين معه
اشداء على الكفار رحماء بينهم

لا إله إلا الله محمد رسول الله

زبیر طیب

جانباز

قسط ۱

میں کون ہوں؟ میرا نام کیا ہے؟ میں کہاں سے آیا ہوں؟ میرا ماضی کیسا ہے؟

ان سب سوالوں کو فی الحال رہنے دیں۔ ان کے جواب آپ کو آہستہ آہستہ خود ملتے رہیں گے۔ فی الحال آپ کو کشمیر میں واقع سرینگر شہر میں ایک فوجی کیمپ کی طرف لیے چلتا ہوں۔ جس کی اینٹ سے اینٹ بجانے کا آج میرا مصمم ارادہ ہے۔

☆......☆......☆
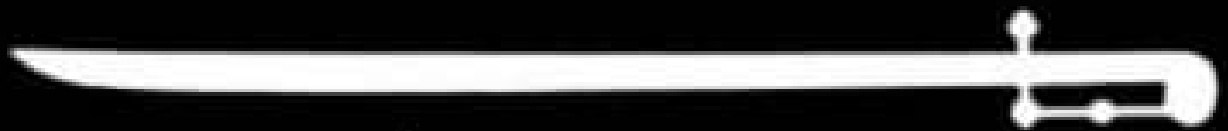
رات کا آخری پہر چل رہا تھا۔ موسم بہت سرد لیکن خوشگوار تھا۔ گلیاں ویران اور سنسان پڑیں تھیں۔ سب لوگ اپنے اپنے بستروں میں سکون کی نیند سو رہے تھے۔ میں اپنی عارضی قیام گاہ سے نکل چکا تھا۔ ۳ میل کے فاصلے پر وہ فوجی کیمپ تھا جس کی طرف مجھے جانا تھا۔ چنانچہ میں اپنی سوئی فرن میں ہاتھ ڈالے پیدل چلتا ہوا کیمپ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد میں اس کیمپ کے سامنے پہنچ گیا۔ کیمپ کے چاروں طرف خاردار باڑھ لگی ہوئی تھی۔ میں نسبتاً اندھیرے والی جانب چلا گیا، جہاں سے مجھے امید تھی کہ کسی کی نظر اس طرف نہیں پڑے گی۔

میں فوجی کیمپ کی خاردار باڑھ کے آگے زمین پر پیٹ کے بل لیٹ گیا اور اپنی جیب سے پلاس لے کر تار کاٹنے لگا کہ اچانک مجھے زوردار آواز سنائی دی اور میں نے ہاتھ کھڑے کر

دیے۔

وہ ایک سکھ فوجی تھا اور اس کی رائفل کا رخ میری طرف تھا۔ جس پلاس سے میں خاردار باڑھ کو کاٹ رہا تھا وہ پلاس میرے پاس ہی زمین پر پڑا تھا۔ میری جیب میں پانچ انتہائی طاقتور دھماکہ خیز گرنیڈ تھے اور ایک پسٹل تھا۔ باڑھ کی کافی تاریں بھی کاٹ چکا تھا۔ اس لئے میرے پاس کوئی عذر یا بہانہ نہیں تھا۔ میں رنگے ہاتھوں پکڑا جا چکا تھا اور یہ سب کچھ اس قدر اچانک ہوا کہ مجھے زمین سے اٹھنے کی مہلت ہی نہ ملی تھی۔ یہ فوجی نہ جانے ٹہلتا ہوا اس وقت کیسے آ نکلا تھا لیکن میں گھبرا بالکل نہیں رہا تھا۔

وہ جو اپنی جانوں کو ہتھیلیوں میں رکھ کر موت ڈھونڈتے ہیں انہیں ایسی صورتحال سے قطعاً گھبراہٹ نہیں ہوتی۔ میں گھبرا نہیں رہا تھا لیکن خود پر غصہ ضرور آ رہا تھا کہ میں اس کیمپ سے آج خالی ہاتھ کیسے رہ گیا......؟

"کھڑا ہو جا" اس نے ایک زور دار ٹانگ مارتے ہوئے مجھے حکم دیا۔

اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی رائفل کو مضبوطی سے تھام کر ٹریگر پر مزید دباؤ بڑھا دیا تھا۔ میں اس خاموشی میں رائفل کی سیفٹی کیچ آگے کرنے کی آواز سن چکا تھا۔ اب صرف ٹریگر کے ہلکے سے دباؤ کی ضرورت تھی اور رائفل کی نال سے نکلی ہوئی گولی نے میرے سر کے پرخچے اڑا دینے تھے۔ میرے پاس اپنے بچاؤ کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا، لیکن مجھے کوئی فیصلہ کرنا تھا۔ ابھی اور اسی وقت......

بالآخر میں نے فیصلہ کر لیا یہ فیصلہ میری زندگی کا آخری فیصلہ بھی ہو سکتا تھا مگر مجھے یہ رسک لینا ہی تھا۔ چنانچہ میں نے سکھ فوجی کے کہنے کے مطابق زمین سے اٹھتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر ٹکا دیے اور ساتھ ہی گھٹنے ٹیکے۔ سیدھا کھڑے ہونے کے لئے جیسے ہی میں نے ہاتھوں کو زمین سے اٹھایا تو اس کے ساتھ ہی سیدھی ٹانگ کا ٹھڈا پوری قوت کے ساتھ اس کے پیٹ میں دے مارا۔ یہ ضرب اتنی برمحل اور زوردار تھی کہ وہ سکھ فوجی ایک لمحے کے لیے دوہرا ہو گیا اور اسی لمحہ کا مجھے انتظار تھا۔ اس سے پہلے کہ میں اسے سنبھلنے کا موقع دیتا۔ میں نے بجلی کی سی تیزی سے اس کی گردن پر بھرپور وار کیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ اس سکھ فوجی کے حلق سے کوئی آواز نکلے۔ ایک آواز اس کے حلق سے ہلکی سی آواز نکلی ضرور مگر یہ اس کی خرخراہٹ کی آواز تھی۔ میں نے اس کی گردن اپنے بازو کے شکنجے میں لے کر ایک اور جھٹکا دیا نتیجتاً اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ میں نے اسے وہیں زمین پر ڈال دیا اور خود لیٹ گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ مگر مجھے وہاں دوسرا کوئی فوجی نظر نہیں آیا۔ اس سارے عمل میں زیادہ سے زیادہ دو منٹ سے بھی کم وقت لگا ہوگا۔ اس سے پہلے کہ کوئی اور فوجی اس طرف نکل آئے مجھے اپنا کام اب جلد از جلد کرنا تھا۔

میں جلدی جلدی پلاس کی مدد سے تار کاٹنے لگا۔ میں نے باڑھ میں اتنا راستہ بنا لیا تھا کہ با آسانی اس میں سے رینگ کر کیمپ کے اندر جا سکتا تھا۔ میں نے پلاس کو جیب میں ڈالا اور تاروں کے درمیان جو راستہ بن چکا تھا اس میں سے رینگتا ہوا گزر گیا۔ کیمپ میں بھی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اکا، دکا آوازیں بولنے کی آ رہی تھیں، مگر زیادہ تر خاموشی تھی۔ میں پیٹ کے بل رینگ کر کرالنگ پوزیشن میں مسلسل آگے بڑھ رہا تھا۔ مجھے فوجی بیرکیں اور ٹینک نظر آنے لگے تھے۔ اب مجھے

حرکت میں آتا تھا۔ چنانچہ میں اپنی جگہ پر کھڑا ہوا اور جیب سے ایک گرنیڈ نکال کر اس کی پن نکال کر ایک فوجی بیرک کی طرف اچھال دیا۔ اس کے ساتھ جیسے مجھ پر پاگل پن کا دورہ پڑ گیا میں مسلسل جیب سے گرنیڈ نکال کر انہیں دوڑتا ہوا ٹینکوں اور بیرکوں پر اچھال رہا تھا۔ میری جیب میں جتنے گرنیڈ تھے میں انہیں استعمال کر چکا تھا۔ اسی اثناء میں پہلے گرنیڈ کا زوردھماکہ سنائی دیا پھر دوسرا گرنیڈ پھٹا اور پھر تیسرا یکے بعد دیگرے سب پھٹتے چلے گئے۔

کیمپ میں چاروں طرف آگ کے شعلے بلند ہونے لگے۔ اندھادھند فائرنگ بھی شروع ہوگئی لیکن کوئی مجھے دیکھ نہیں پایا۔ میں نے جیب سے پسٹل نکال لیا تاکہ اچانک کوئی سامنے آ جائے تو اسے ڈھیر کر سکوں۔ ہر طرف افراتفری کا عالم تھا۔ مجھے یہ منظر بڑا بھلا لگا۔ اب میرا یہاں کام تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ مجھے واپس جانا تھا۔ اس آگ میں ان کو جلتا چھوڑ کر مجھے اپنے ساتھیوں کے پاس جا کر انہیں خوشخبری سنانی تھی۔ میں زمین پر لیٹ چکا تھا اور تیزی سے خاردار باڑھ کے سوراخ کی طرف رینگنے لگا۔ کیمپ میں اب بھی دھماکے ہو رہے تھے۔ ٹینک پھٹ چکے تھے اور ان کے پٹرول سے بھری ٹینکیوں کو آگ لگ چکی تھی جس کی وجہ مزید آگ بھڑک اٹھی تھی۔ بلند ہوتے شعلوں نے سارا احاطہ روشن کر دیا تھا۔ میں اٹھ کر دوڑ نہیں سکتا تھا کیوں کہ مجھے اس طرح دیکھا جا سکتا تھا۔ میں جتنی تیز کرالنگ کر سکتا تھا اتنی تیز کرالنگ کر کے میں بالآخر خاردار تاروں کے پاس پہنچ ہی گیا اور سوراخ میں سے دوسری طرف آتے ہی میں اٹھ کر دوڑنے لگا اور پاس ہی موجود کھیتوں میں گھس گیا۔

میرے کھڑے ہونے پر شاید کیمپ میں موجود کچھ فوجیوں نے دیکھ لیا تھا جس پر انہوں نے میری طرف اندھادھند فائر شروع کر دیے تھے۔ مشین گن سے مسلسل فائرنگ جاری تھی۔ دو تین برسٹ میرے سر کے اوپر سے گزرے۔ لیکن خوش قسمتی سے ابھی تک کوئی گولی مجھے لگی نہ تھی۔ میں کھیتوں میں ساکت لیٹ گیا۔ دوسری طرف سے کچھ دیر بعد فائرنگ بند ہوگئی اور انہوں نے مجھے ڈھونڈنے کے لئے دستے روانہ کر دیئے جو جلد از جلد مجھ تک پہنچ سکتے تھے اس لئے مجھے اب یہاں سے نکلنا تھا۔ چنانچہ میں رکوع کے بل چلتا ہوا کھیتوں سے باہر نکلنے لگا۔ مجھ پر تین اطراف سے مسلسل فائرنگ ہو رہی تھی۔ میں جتنا تیز دوڑ سکتا تھا اب دوڑ رہا تھا۔ میرا رخ پاس ہی موجود پہاڑی علاقے کے گھنے جنگل میں گھسنے کا تھا تاکہ میں وہاں آسانی سے چھپ سکوں۔

دوڑتے دوڑتے اچانک میرے پاؤں میں گولی لگی اور میں منہ کے بل گرتا ہوا دور جا گرا۔ جنگل کچھ ہی دور تھا مجھ سے لیکن اس اچانک افتاد نے جنگل تک پہنچنا اب میرے لئے بہت مشکل بنا دیا تھا۔ لیکن میں ہمت کر کے پھر بھی خود کو گھسیٹ رہا تھا۔ وہ درجنوں کی تعداد میں میرے قریب پہنچ کر مجھے زندہ گرفتار کرنا چاہتے تھے۔ میں نے اپنے ہاتھ میں موجود پستول پر اپنی گرفت کو مزید سخت کر لیا تاکہ کسی کو اپنے قریب نہ آنے دو۔ پیچھے سے آنے والوں کی رفتار کم کرنے کے لئے میں نے ایک دو فائر بھی کیے تاکہ کسی طرح میں جنگل میں داخل ہو جاؤں۔ میرے فائر کرنے سے بزدل فوجیوں کی رفتار کافی کم ہوگئی اور وہ سنبھل کر چلنے لگے جس سے مجھے مزید وقت مل گیا۔

بالآخر میں جنگل میں داخل ہو گیا۔ ٹانگ سے مسلسل خون

بہہ رہا تھا جس سے دماغ میں غنودگی کی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔ لیکن مجھے خود کو سنبھالنا تھا کیونکہ ابھی میرا مشن مکمل نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ میں جنگل میں داخل ہوا اور ادھر ادھر کوئی مضبوط پناہ گاہ دیکھنے لگا۔ دماغ پر آئے اندھیرے بری طرح مجھ پر حاوی ہو رہے تھے مگر اللہ کی نصرت میرے ساتھ تھی اس لئے میں ہوش و حواس برقرار رکھے ہوئے تھا۔ دشمن میرے بہت قریب پہنچ چکا تھا۔ ان کی حواس باختہ آوازیں مجھے صاف سنائی دے رہیں تھیں۔

مجھے چھپنے کی کوئی جگہ فی الحال موزوں نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں نے پستول کا رخ دشمن کی طرف کیا اور ایک درخت کی اوٹ لے لی۔

☆......☆......☆

"کتنا نقصان ہوا ہمارا؟" کرنل جگد اس نے تحکمانہ لہجے میں اپنے ماتحت کیپ آفیسر سے پوچھا۔

"سر! یہ کارروائی "جانباز" کی طرف سے کی گئی ہے۔ ہمارے دو ٹینک اور بارہ فوجی قتل ہوئے ہیں جبکہ زخمیوں کی تعداد کا ابھی صحیح اندازہ نہیں ہو پا رہا ہے۔ تقریباً دو درجن کے قریب اہلکار زخمی ہوئے ہیں اور چھ بیرکیں مکمل طور پر تباہ ہو گئیں ہیں۔ اہلکار جیسے جیسے تفصیل بتاتا چلا گیا کرنل کا چہرا غصے کی شدت سے سرخ ہونے لگا۔

"ایک آدمی...... ایک انسان تم لوگوں سے نہیں سنبھلتا۔ بارہ سالوں سے اس نے ہماری ناک میں دم کر رکھا ہے۔ وہ جہاں چاہتا ہے پہنچ جاتا ہے۔ کیا وہ کوئی جادوگر ہے......؟ کیا وہ کوئی اوتار ہے......؟ کیا ہے وہ......؟ مجھے وہ زندہ چاہیے۔ میں اس کی ایک ایک رگ اس کے جسم سے نکالوں گا۔ اس کے جیسی موت دنیا میں کسی کو نہ آئی ہو گی۔ کرنل کے منہ سے مسلسل گالیاں نکل رہیں تھی۔ وہ غصے کی شدت سے باؤلا ہو کر چلا رہا تھا۔ اس کا کیمپ کباڑ خانے میں بدلنے والا صرف ایک انسان تھا اور اسی بات کا دکھ تھا۔

"جانباز" کی کوئی کمزوری ہے یا نہیں؟ اس کا خاندان، اس کے ماں، باپ، اس کے بہن بھائی کسی کو بھی تلاش کرو۔ تاکہ اسکے ذریعے ہم اسے ٹریس کر سکیں۔ کرنل جگد اس نے پوچھا۔

"نہیں سر! آج تک کی اطلاعات کے مطابق اس کا خاندان، اس کے ماں، باپ اس کے بھائی، بہن کسی کا پتہ نہیں چلا سر۔ ورنہ اب تک ہم اسکے ہر گھر والے کو زندہ جلا چکے ہوتے سر! اور حد یہ ہے کہ وہ اکیلا کام کرتا ہے۔ اس کے کسی ساتھی کا بھی اب تک کوئی پتہ نہیں چلا۔ اس کی کوئی تصویر بھی ہمارے پاس موجود نہیں ہے سر۔ کیمپ آفیسر نے جواب دیا۔

"جو پارٹی "جانباز" کو ڈھونڈنے نکلی ہے ان کی طرف سے کیا اطلاع ہے؟" کرنل نے پوچھا۔

"سر! ان سے وائرلیس پر بات ہوئی ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ "جانباز" کی ٹانگ میں گولی لگی ہے لیکن وہ مشرق والی سائیڈ پر موجود گھنے جنگل میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ مزید فوجیوں کو بھی بھیج دیا گیا ہے۔ اسے پورے جنگل میں تلاش کیا جا رہا ہے۔ جلد ہی مل جائے گا سر......!" کیمپ آفیسر نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"گولی لگنے کے بعد وہ زیادہ دور نہیں جا سکتا اور وہاں کوئی گھر بھی نہیں جو اسے پناہ دے۔ مزید نفری بھیجو اور جلد از جلد مجھے وہ ادھر کیمپ میں چاہیے۔ وہ بھی زندہ۔ اب کھڑے ہو

کر میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو...... دفع ہو جاؤ......" کرنل نے غصے سے چیختے ہوئے کہا۔

"یس سر" کہہ کر کیمپ آفیسر نے اباؤٹ ٹرن لیا اور تقریباً دوڑتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

میرے پاس وقت بہت کم تھا۔ میرے پستول میں گولیاں بھی بہت کم تھیں۔ اچانک مجھے ایک ترکیب سوجھی۔ میں جس درخت کی اوٹ لے کر کھڑا تھا۔ وہ زیادہ اونچائی میں نہیں تھا۔ میں کوشش کرتا تو اس درخت پر چڑھ کر خود کو ان درندوں سے محفوظ رکھ سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے اپنی کمانڈو صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے درخت پر بجلی کی سی تیزی سے چڑھنا شروع کر دیا اور اس سے پہلے وہ اس جگہ پہنچتے...... میں درخت پر چڑھ چکا تھا۔ صرف چند سیکنڈ کے بعد دو درجن سے زائد فوجی عین اسی جگہ پر کھڑے تھے جہاں تھوڑی دیر پہلے میں کھڑا تھا۔ وہ سب آپس میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے کہ میں کہاں چھپا ہوا ہوں۔ وہ چاروں طرف سرچ لائٹوں کی طرح اپنی آنکھوں کو گھما رہے تھے۔ اچانک ان میں سے ایک سپاہی کو درخت کے نیچے خون دکھائی دیا جو میری ہی ٹانگ سے بہہ کر وہاں گرا تھا۔ سب لوگ اسی خون کی طرف متوجہ تھے۔ لیکن حیرت کی بات تھی کسی کا دھیان درخت کے اوپر نہیں جا رہا تھا۔ اسے سوائے اللہ کی مدد کے اور کیا نام دے سکتا ہوں۔

ان میں سے کچھ فوجی آپس میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے کہ کچھ دیر اسی درخت کے نیچے ٹھہرتے ہیں اور صبح روشنی ہونے پر مزید کمک بھی آجائے گی اور نفری بھی بڑھ جائے گی۔ اس طرح ہم "جانباز" کو جلد ہی پکڑ پائیں گے۔ یہ سن کر میں ذرا پریشان ہو گیا۔ کیونکہ مجھ پر بے ہوشی کا غلبہ آہستہ آہستہ حاوی ہوتا چلا جا رہا تھا۔ مجھے اپنے زخم پر پٹی باندھ کر خون روکنے کی ہر ممکن کوشش کرنی تھی ورنہ میں غنودگی کی حالت میں درخت سے گر سکتا تھا۔

میں نے نیچے سپاہیوں کو دیکھا تو وہ ایک، ایک کر کے درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر زمین پر آرام دہ حالت میں بیٹھ گئے تھے۔ ان کی مشین گنیں اب کندھوں سے اتر کر گود میں پڑی تھیں۔ آپس میں خوش گپیوں میں مصروف کسی بھی فوجی کا دھیان اوپر کی طرف ہوا تو میرا پکڑے جانا اٹل تھا۔ میں نے آہستگی سے اپنی قرن اتاری اور اس کے ذریعے سے خود کو درخت سے اچھی طرح باندھ دیا تاکہ گر نہ پاؤں۔ اچانک میں نے محسوس کیا کہ میری ٹانگ سے خون کا ایک بڑا قطرہ نیچے زمین پر گرنے والا ہے۔ میں نے فوراً نیچے دیکھا تو عین اسی جگہ پر ایک فوجی بیٹھا تھا اور سو رہا تھا۔ خون کا قطرہ سیدھا اس کی گردن پر گرتا اور پھر اسے پتہ چل جاتا کہ یہ خون کا قطرہ کہاں سے آیا ہے۔ میں نے سیدھا ہو کر جلدی سے اس قطرے کو ہاتھوں کی مدد سے روکنا چاہا مگر شاید تب تک دیر ہو چکی تھی۔

(جاری ہے)

☆......☆......☆

کیا دشمن کو "جانباز" کے چھپے ہونے کی خبر مل گئی؟ کیا "جانباز" دشمن کے اس قدر مضبوط محاصرے سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا؟ جانباز کون تھا؟ آخر اس کا مقصد کیا تھا؟ یہ سب جاننے کے لئے "مسلمان بچے" کے اگلے شمارے تک آپ کو انتظار کرنا ہو گا۔

☆......☆......☆

جانباز

زبیر طیب

قسط ۲

رات کافی گزر چکی تھی۔ کرنل جگد اس کی نیند آج غائب ہو چکی تھی۔ وہ بے بسی سے اپنے کمرے میں چکر کاٹ رہا تھا۔ اس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور وہ غصے کے مارے بار بار میز پر مکہ مارتا اور پھر چکر کاٹنے لگتا۔ آخر کار کرنل کا انتظار ختم ہوا اور اس کے اسسٹنٹ نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔

''آ جاؤ......!'' کرنل جگد اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''یس سر! جانباز کو ڈھونڈنے کے لئے ایک پارٹی جنگل میں داخل ہو چکی ہے سر۔ لیکن ابھی تک اس کا پتا نہیں چلا سر۔'' کیمپ آفیسر اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔

''میجر آنند! ایک بات کان کھول کو سن لو! اگر اپنی خیر چاہتے ہو تو آج جانباز کو میرے سامنے زندہ یا مردہ حاضر کرو۔ تم بستیوں کی بستیاں اجاڑ ڈالو مگر مجھے جانباز زندہ یا مردہ حالت میں چاہیے۔ پوری چھاؤنی لے جاؤ۔ آس پاس کے تمام چھاؤنیوں سے فورس منگوا لو۔ لیکن آج جانباز مجھے چاہیے۔'' کرنل جگد اس نے غصے کے عالم میں باؤلے کتے کی طرح منہ سے جھاگ نکالتے ہوئے کہا۔

''یس سر! آپ بے فکر رہیں۔ آج جانباز ہماری نظروں سے کسی صورت نہیں بچ سکتا۔ آج اس کا پکڑا جانا یقینی ہے۔ ہم نے آس پاس کے تمام علاقوں میں کڑا کرفیو لگا دیا ہے۔ جنگل کے باہر بھی مکمل پہرا لگا دیا ہے اور ہماری تین درجن سے زائد

فوجی پارٹیاں اسے جنگل کے اندر سے تلاش کر رہی ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ وہ کسی زیرزمین سرنگ میں چھپا ہوا ہے۔ لیکن کب تک چھپا رہے گا۔ اس لئے آپ بے فکر رہیے اور ہم پر بھروسہ رکھیے۔" میجر آنند نے بڑے اطمینان بھرے انداز میں جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ اب تم جا سکتے ہو۔ جیسے ہی کوئی خاص اطلاع ہو فوراً مجھے اطلاع کرو۔" کرنل نے کہا اور میجر آنند نے اباؤٹ ٹرن لیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

خون کا وہ قطرہ جو میرے ٹانگ کے زخم سے نکلا تھا اب نیچے گرنے ہی والا تھا اور میرے پاس اسے روکنے کا کوئی طریقہ نہیں تھا۔ چنانچہ وہ قطرہ زمین کی طرف بڑی تیزی سے نیچے جانے لگا اور نیچے بیٹھے فوجی کے گردن پر گرنے کی بجائے کالر کے کپڑے پر جا گرا۔ لیکن فوجی کو اس قطرے کا ذرا بھر بھی احساس نہیں ہوا اور وہ اسی طرح بند آنکھیں کیے بیٹھا رہا۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا اور زخم کے گرد بھی فرن کو اچھی طرح لپیٹ لیا تا کہ اب کسی قسم کا خطرہ باقی نہ رہے۔ گولی میری ٹانگ کے ماس کو پھاڑتی ہوئی نکل گئی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ ہڈی سلامت رہ گئی ورنہ چلنا دوبھر ہو جاتا اور پھر میرے پکڑے جانے کے سو فیصد چانس بڑھ جاتے۔ چاند کی پہلی تاریخیں تھیں اس لئے چاند کی روشنی بھی نہ ہونے کے برابر تھی۔ جنگل میں ہر طرف گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔

سردی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ میں نے ایک اچٹتی نگاہ نیچے بیٹھے ان فوجیوں پر ڈالی۔ ان میں سے اکثر سو رہے تھے صرف دو فوجی پہرا دے رہے تھے۔ درخت کافی گھنا تھا۔ جب تک کوئی باقاعدہ غور سے نہ دیکھے۔ وہ مجھے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لیکن اب مجھے یہاں سے نکلنا تھا۔ ہر وقت یہی ڈر رہتا تھا کہ ان میں سے کسی نے بھی اوپر کی طرف دیکھا تو وہ مجھے دیکھ نہ لیں۔ اس پریشانی سے بچنے کا کوئی حل میرے پاس موجود نہیں تھا۔ میں مسلسل ہر درخت اور زمینی صورتحال کا جائزہ لے رہا تھا مگر کوئی راستہ ایسا نہیں مل رہا تھا جس سے میں اس درخت سے نیچے اتر کر کسی اور محفوظ پناہ گاہ کو تلاش کروں۔

☆......☆......☆

کم و بیش آٹھ بھیڑیں سر نیچے کیے پگڈنڈی پر بھاگی چلی جا رہی تھیں۔ ایک آٹھ سال کا بچہ مختلف آوازیں نکالتا ہوا ان کے پیچھے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سے چھڑی تھی۔ جس کو وہ اس طرح حرکت دے رہا تھا جیسے وہ ان کو آگے جانے سے روک رہا ہو۔ لیکن بھیڑیں اس کے قابو میں نہیں آ رہی تھیں۔ اس نے کچھ فاصلے پر ایک بڑی فوجی چھاؤنی دیکھ لی تھی۔ بھیڑوں کا رخ بھی اسی چھاؤنی کی طرف تھا۔ دو فوجی کیمپ کے آس پاس ٹہل رہے تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ بہت ساری بھیڑیں کیمپ کی طرف بڑھ رہیں ہیں تو انہوں نے گنوں کو کندھوں پر لٹکایا اور بھیڑوں کو روکنے لگے۔ لیکن بھیڑیں بالکل بے قابو ہو چکی تھیں۔ وہ کسی ایسی چیز سے بدحواس ہو چکیں تھیں کہ پیچھے مڑنا نہیں چاہ رہیں تھیں۔ یکے بعد دیگرے ساری بھیڑیں کیمپ میں داخل ہو گئیں اور ہر طرف ایک بھگدڑ سے مچ گئی۔ بہت سارے فوجی کیمپوں سے نکل آئے اور بھیڑوں کو پکڑنے لگے۔ وہ چھوٹا بچہ بھی ساتھ ساتھ

پیچھے چلائے جا رہا تھا کہ انہیں پکڑو...... انہیں پکڑو۔

اس بھاگ دوڑ کو ایک گرج دار آواز نے روک دیا۔ لڑکے نے سہم کر دیکھا، ایک لمبا تڑنگا آدمی ایک بڑے کمرے سے باہر نکل رہا تھا۔ پہرے دار سپاہیوں نے اسے سیلوٹ کیا اور اسے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اس نے بھیڑوں کو گولی مارنے کا حکم دیا اور کہا کہ اس لڑکے کو پکڑ لاؤ۔ یہ سن کر لڑکے نے بھاگنا شروع کیا مگر جلد ہی اسے دو فوجیوں نے آ کر دبوچ لیا۔ اسی دوران چار پانچ فائر ہوئے اور بھیڑیں زمین پر گر کر تڑپنے لگیں۔ جو بچ گئیں وہ مزید بدحواس ہو کر دوڑتے ہوئے کیمپ سے باہر نکل گئیں۔ لڑکے کو گھسیٹ کر آفیسر کے پاس لے جایا گیا۔

آفیسر نے ایک جھٹکے سے بچے کو گریبان سے پکڑ کر ایک ہاتھ میں اوپر اٹھایا۔ بچے کی آنکھوں میں خوف ضرور تھا مگر اتنا نہیں کہ وہ آفیسر کی سرخ آنکھوں سے آنکھیں نہ ملا سکے۔ اس نے آفیسر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ آفیسر اپنی یہ بے عزتی برداشت نہیں کر سکا اور اسے زمین پر زور سے پٹخ کر اپنا بھاری بوٹ اس کی کمر پر رکھ کر دباؤ ڈالنے لگا۔ بچے کا چہرہ تکلیف کی شدت سے بگڑتا چلا جا رہا تھا۔ لیکن وہ رویا نہیں اور نہ ہی اس نے اپنے اماں، ابا کو آوازیں دیں۔ آفیسر کا جب کھیل تماشا ختم ہوا تو اس نے پہریدار سپاہیوں سے کہا کہ اسے کیمپ سے باہر چھوڑ آؤ اور آئندہ اگر یہ اس طرف نظر آئے تو اسے گولی مار دو۔ یہ کہہ کر آفیسر اپنے کمرے کی جانب چل دیا اور پہریدار سپاہیوں نے اسے پکڑ کر کیمپ کے باہر پہنچا دیا۔

لڑکے کو اپنی تذلیل اور اپنی تکلیف کا دکھ نہیں تھا۔ اسے دکھ تھا تو بھیڑوں کا۔ اسے اپنی بھیڑوں سے بہت پیار تھا۔ وہ غریب بھی نہیں تھے بلکہ اچھی خاصے مالدار گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے والد لکڑیوں کا بڑا وسیع وعریض کاروبار رکھتے تھے۔ اس کے والد نے اس کے شوق کی خاطر اسے بھیڑیں لا کر دی تھیں۔ جن کا صبح و شام وہ ایسا خیال رکھتا جیسے یہ بھیڑیں اس کی حقیقی دوست ہوں۔ اسے بھارتی فوجیوں سے نفرت تو تھی ہی۔ لیکن آج کے دن اس کے دل نے نفرت کا ایک الگ رخ متعین کیا۔

گھر جاتے ہوئے اس نے شام کے گہرے سائے میں ایک بار پیچھے مڑ کر اس آرمی کیمپ کو دیکھا۔ اس کے معصوم آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ اس نے غصے سے اپنی خالی مٹھیاں بھینچ لیں اور گھر کی طرف چل دیا۔ اس کے ابو نے اپنے اکلوتے بیٹے کی پٹائی سننے کے بعد اسے گلے سے لگا لیا اور فکر نہ کرنے کے لئے کہا اور اگلے دن ایک خوبصورت بھیڑ اسے لا کر دے دی۔ آہستہ آہستہ اس کے معصوم مچلتے ذہن نے اس المناک واقعے کو بھلا دیا اور وہ اپنے ماں، باپ اور دو بہنوں کے ساتھ ہنسی خوشی رہنے لگا۔ لیکن ایک دن اس بچے کے ساتھ ایسا ہو گیا جس نے اسے "جانباز" بننے پر مجبور کر دیا۔

☆......☆......☆

چلو......! چلو تیز چلو......! کی چیختی ہوئی آواز نے مجھے جگا دیا تھا۔ میں نے ادھ کھلی آنکھوں سے دیکھا تو صبح کا اجالا ابھی پوری طرح پھیلا نہیں تھا۔ میری آنکھ کب لگی مجھے پتا ہی نہیں چلا۔ میں نے خود کو بڑی مضبوطی سے درخت کی ٹہنی سے باندھ رکھا تھا ورنہ اب تک میں گر چکا ہوتا۔ میں نے درخت کے

ساتھ ٹیک لگائے ان فوجیوں کو قطار بنا کر ایک دوسرے کے پیچھے چلتے ہوئے دیکھا۔ اب وہ تعداد میں کچھ اور زیادہ نظر آنے لگے تھے۔ شاید انہوں نے ایک اور فوجی پارٹی کیمپ سے بلوائی تھی۔ ان سب کا رخ آگے کی طرف تھا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور ان کے جاتے ہی میں درخت سے نیچے اتر آیا۔ ٹانگ کا زخم ابھی بھی بہت تکلیف دے رہا تھا مگر اب خون بہنا بند ہو چکا تھا۔ خون بہت زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے جسم میں نقاہت پیدا ہو رہی تھی۔ لیکن مجھے خود کو سنبھالنا تھا کیونکہ ابھی میرا کام ختم نہیں ہوا تھا۔

جس طرف فوجی پارٹی گئی تھی میں اس کے مخالف واپس پیچھے کی جانب چل پڑا۔ میری رفتار بہت آہستہ تھی اور میں ہر قدم چاروں طرف دیکھ کر پھونک پھونک کر رکھ رہا تھا۔ جانتا تھا کہ بھارتی سورماؤں سے ان کا اتنا بڑا نقصان ہضم نہیں ہو رہا ہوگا۔ اسی دوران میں جس جگہ سے جنگل میں داخل ہوا تھا اسی طرف سے باہر نکل کر اب زمین پر لیٹ کر چاروں اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔ کافی دور اب بھی کیمپوں سے اٹھتا دھواں صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اس دھویں کو دیکھ کر میری روح تک سرشار ہو گئی اور اندر سے ایک ایسی قوت نصیب ہوئی جسے میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔

میں جس جگہ کھڑا تھا وہاں سے کچھ ہی دور ایک ندی تھی جسے پار کرنے کی صورت میں میں ان کی دسترس سے نکل سکتا تھا۔ لیکن مجھے ڈر تھا کہ کیمپ کی چھتوں میں نصب طاقتور دوربینوں سے مجھے دیکھ نہ لیا جائے۔ خیر میں نے اللہ کا نام لے کر لیٹے لیٹے ہی آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے لیٹ کر آگے بڑھنے میں کافی تکلیف محسوس ہو رہی تھی کیونکہ میری ٹانگ زخمی تھی۔ میں ندی پر پہنچ گیا تھا۔ ندی کا پانی بے حد ٹھنڈا تھا۔ پانی پر برف کی ہلکی تہہ جمی ہوئی تھی لیکن مجھے تیرنا تھا اور تیرنا بھی اس انداز میں تھا کہ پانی میں ہلچل کم سے کم ہو۔ تاکہ کوئی دیکھ نہ سکے۔ میں نے خود کو اس ٹھنڈے یخ پانی میں ڈال دیا اور آگے بڑھنے کے لئے تیراکی کرنے لگا۔ جسم اکڑ گیا تھا اور میں ابھی آدھے راستے میں ہی پہنچا تھا کہ میری ہمت جواب دینے لگی اور میں اپنے ہاتھ پاؤں ہلانے کی طاقت خود میں نہیں پا رہا تھا۔

☆......☆......☆

”کیا ہوا رک کیوں گئے“ میجر آنند جو اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ جنگل میں موجود اس فوجی پارٹی سے آکر مل گیا تھا اور اب اسی کی سربراہی میں ”جانباز“ کو ڈھونڈنے کے لئے وہ کافی دیر سے در بدر گھوم رہے تھے۔ اس نے دو سپاہیوں کو رکتے اور آپس میں بات کرتے دیکھا تو ان کے پاس چلا آیا۔

”سر میں گرپیت سنگھ کے پیچھے چل رہا تھا کہ اچانک میری نظر اس کے کالر پر پڑی۔ اس پر خون لگا ہوا ہے سر“ ایک سپاہی نے سیلوٹ مارتے ہوئے کہا۔

”کہاں ہے خون؟“ میجر آنند نے گرپیت سنگھ کا کالر دیکھا اور گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ چیختے ہوئے بولا۔

”سب کے سب واپس فوراً اس جگہ پہنچو جہاں پر تم رات کو رکے تھے۔ چنانچہ سب جنونیوں کی طرح اس درخت کے پاس پہنچے اور اس درخت کو دیکھنے لگے۔ درخت کی جڑوں اور

لکڑی پر جا بجا خون کے نمایاں دھبے لگے ہوئے تھے۔ میجر نے ایک سپاہی کو اوپر چڑھ کر دیکھنے کا کہا۔

"یہاں ایک بڑی ٹہنی پر خون کے دھبے اور رگڑ کے نشان ہیں سر!" ایک سپاہی نے اوپر پہنچ کر کہا اور میجر آنند نے اپنا سر پکڑ لیا۔

"وہ یہاں تمہارے سر کے اوپر چھپا بیٹھا تھا اور تمہیں اس کا پتا تک نہ چلا۔ اب ڈھونڈو اسے فوراً۔ وہ زخمی ہے زیادہ دور نہیں گیا ہوگا۔" میجر نے چیختے ہوئے کہا اور سارے فوجی ادھر ادھر پھیل گئے۔

اسی دوران اچانک وائرلیس سیٹ کی گھنٹی بج اٹھی تو میجر آنند نے رسیور آن کر دیا۔

"میجر! ابھی کیا پوزیشن ہے؟" دوسری طرف کرنل جگداس تھا۔ جواب میں میجر نے اب تک کی ساری صورتحال بتا دی اور کرنل کی بھی وہی حالت ہوگئی جو کچھ دیر پہلے میجر کی ہوئی تھی۔

"نانسنس! میں ان کا کورٹ مارشل کروا دوں گا۔ انہیں بھوکے کتوں کے آگے ڈلوا دوں گا۔ کسی کام کے نہیں ہیں یہ کتے۔ اب تک وہ جنگل سے باہر جا چکا ہوگا۔" کرنل نے غصے کے عالم میں چیختے ہوئے کہا۔

"سر وہ جنگل سے باہر نہیں جا سکتا۔ جائے گا تو فوراً پکڑا جائے گا۔ ہم نے ناکہ بندی کر رکھی ہے۔" میجر نے کہا۔

"کیا تم نے اس طرف سے بھی ناکہ بندی کی ہے جہاں سے "جانباز" جنگل میں داخل ہوا تھا؟" کرنل نے پوچھا تو میجر ایک دم چونک پڑا۔

"نہیں سر! یہ راستہ تو سیدھا ہمارے کیمپ کی جانب جاتا ہے۔ اس طرف وہ کیوں آئے گا۔" میجر نے جواب دیا۔

"نانسنس! تم بھی پاگل ہو۔ تمہارا پورا خاندان پاگل ہے۔ ضروری نہیں وہ ہمارے کیمپ ہی آئے۔ وہ ندی کے راستے بھاگ سکتا ہے۔ فوراً وہاں پہنچو اور اسے تلاش کرو۔" کرنل نے غصے سے چیختے ہوئے کہا۔

"لیکن سر! وہ ندی ناقابل عبور ہے۔ اس کا پانی اتنا سرد ہے کہ وہاں سے گزرنا ناممکن ہے سر! وہاں برف کی تہہ جمی رہتی ہے سر!" میجر آنند کرنل کے غصے کو دیکھ کر بری طرح بوکھلا گیا تھا۔

"اس کیمپ کی اینٹ سے اینٹ بجا دینا بھی ناممکن تھا اور اب دیکھو۔ یہ لوگ ناممکن کو ممکن بنانے والے ہیں۔ تم اب اپنی بکواس اپنے پاس ہی رکھو۔ ایڈیٹ...... بے وقوف...... فوراً وہاں جاؤ! ورنہ آج میں تمہیں زندہ زمین میں گاڑ دوں گا۔ کرنل نے تقریباً پاگلوں کی طرح چیختے ہوئے کہا اور وائرلیس آف ہو گیا۔

میجر نے بند وائرلیس کو ایک بار دیکھا اور کندھے اچکا کر اس نے سب کو ندی کی جانب چلنے کا کہا۔

☆......☆......☆

"جانباز" کا جسم ٹھنڈے یخ پانی میں جم سا گیا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے یہ برفیلا پانی اس کی ہڈیوں کو بھی جما دے گا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے اس کے جسم میں لہو کی بجائے برف موجود ہو۔ لیکن ایک جذبہ، ایک وعدہ جو اس نے خود سے کیا تھا اسے زندہ رکھے ہوئے تھا۔ اس نے آخری

کوشش کی اور قدرت نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ اسے کچھ ہی دور ایک لکڑی کا تختہ دکھائی دیا۔ جانباز نے اپنی پوری طاقت جمع کی اور اس تختے پر پہنچنے کی بھرپور کوشش کرنے لگا۔ بالآخر اپنی مضبوط قوت ارادی کے بل پر وہ اس تختہ کو پکڑنے میں کامیاب ہوگیا۔ تختہ زیادہ بڑا نہیں تھا مگر پھر بھی وہ اس کا سہارا لینے کے لئے کافی تھا۔ وہ کچھ دیر یہاں ٹھہرنا چاہتا تھا۔ تاکہ اپنی بچی کچی قوت کو جمع کر سکے اور مزید تیراکی کے لئے خود کو تیار کر سکے۔ اس کا صرف چہرہ اور دونوں ہاتھ اس تختے پر تھے باقی کا تمام جسم برفیلے پانی میں موجود تھا۔

''جانباز'' زور زور سے سانس لے رہا تھا، اس کے جسم میں حرارت نہ ہونے کی برابر تھی۔ اس کے منہ سے دھواں نکل رہا تھا۔ لیکن وہ ہار ماننے کو کسی صورت تیار نہیں تھا۔ اسے شہادت خوشی سے قبول تھی مگر گرفتاری اسے قطعاً منظور نہیں تھی۔ اچانک اسے دوڑتے قدموں کی زوردار دھمک سنائی دینے لگی۔ اس نے سر کو گھما کر پیچھے دیکھا تو اسے کافی دور جنگل سے نکل کر دوڑتے فوجی نظر آگئے جو مکمل رفتار کے ساتھ دوڑے چلے آرہے تھے۔ ان سب کا رخ ندی کی جانب ہی تھا۔ یہ صورتحال جانباز کے لئے بہت خطرناک ہوگئی تھی۔ اس نے سامنے ندی کے اس پار جانے کا سوچا مگر فاصلہ اتنا زیادہ تھا کہ وہاں وہ جتنی طاقت بھی لگائے اتنی جلدی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ فوجی قریب آرہے تھے لیکن جانباز کو خوف اب بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے بدحواسی سے بھاگتے دوڑتے فوجیوں کو دیکھا اور اس کے چہرے پر خوف کی بجائے مسکراہٹ آگئی۔

☆......☆......☆

کیا ''جانباز'' کی گرفتاری یقینی ہے......؟ کیا میجر آنند ''جانباز'' کو پکڑنے میں کامیاب ہو جائے گا......؟ کیا کرنل جگد اس کی ''جانباز'' کو زندہ یا مردہ پکڑنے کی خواہش پوری ہو جائے گی......؟ یا پھر برفیلے ٹھنڈے پانی میں موجود جانباز کی قسمت ایک بار پھر اس کا ساتھ دے گی......؟

اتنا کچھ جاننے کے لئے کچھ انتظار تو بنتا ہی ہے۔ تو مسلمان بچے کے اگلے شمارے کا انتظار فرمائیے......!

☆......☆......☆

سعادت کی علامتیں

فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں کہ آدمی کی سعادت کی گیارہ علامتیں ہیں۔

(۱) دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طرف رغبت کرنا۔
(۲) عبادت اور تلاوت قرآن کی کثرت۔
(۳) فضول باتوں سے احتراز۔
(۴) نماز کا اپنے اوقات پر خصوصی اہتمام۔
(۵) حرام چیز سے چاہے ادنیٰ درجہ کی حرام ہو بچنا۔
(۶) صلحاء کی صحبت اختیار کرنا۔
(۷) متواضع رہنا، تکبر نہ کرنا۔
(۸) سخی اور کریم ہونا۔
(۹) اللہ کی مخلوق پر شفقت کرنا۔
(۱۰) مخلوق کو نفع پہنچانا۔
(۱۱) موت کو کثرت سے یاد کرنا۔

اللہ تعالیٰ ان تمام امور کو کرنے کی توفیق دے۔ آمین

(انتخاب: ابوزبیر طارق عمران فاروقی، فیصل آباد)

وہ بچہ اپنی نئی بھیڑیں پا کر بہت خوش تھا۔ایسا خوش جیسے اسے سارے جہاں کی دولت مل گئی ہو۔بچے ایسے ہی تو ہوتے ہیں۔اپنی چھوٹی چھوٹی چیزوں کو کل کائنات سمجھتے ہیں اور انہی کے ساتھ خوش رہتے ہیں۔وادی کشمیر کا یہ خوبصورت، پیارا اور معصوم بچہ بھی اپنی بھیڑوں کو کل کائنات سمجھتے ہوئے بہت خوش تھا۔اُس فوجی کیمپ والے حادثہ کے بعد صرف ایک بھیڑ تھی اور اب تو اس کے ابو نے اسے چار مزید بھی لے دیں تھیں۔

جمعہ کا دن تھا اور چھٹی تھی۔وہ آج سکول نہیں گیا تھا۔اسی لئے صبح صبح اپنی بھیڑوں کو لے کر وہ کچھ ہی دور جنگل میں انہیں لے کر چلا گیا۔یہ اس کا سب سے من پسند مشغلہ تھا۔چھٹی کے دن سرسبز وشاداب جنگل میں چلے جانا اور کسی بہتی آبشار یا چشمے کے نزدیک بیٹھ کر اپنی بھیڑوں کو کھلا چھوڑ دینا اور خود کسی ورزش میں لگ جانا، کسی درخت کی شاخ کو گن کی طرح پکڑ کر نشانہ سادھنا تو کبھی کسی پتھر کو مخصوص نشانے پر لگانا، کبھی بھاگ کر درختوں پر چڑھنے کی کوشش کرتا تو کبھی بھیڑوں کے ساتھ اٹھکیلیاں کرتا اور جب وہ تھک جاتا تو پاؤں چشمے میں لٹکا کر پانی کو بہتے دیکھتا رہتا اور کسی گہری سوچ میں کھو سا جاتا۔

وہ اپنی بھیڑوں کو جنگل کی طرف ہانک رہا تھا کہ اچانک اسکی چھوٹی بہن دوڑتی ہوئی اس کے پاس آ پہنچی۔اس کی بہن کا نام نیلوفر تھا اور وہ اس سے دو سال چھوٹی تھی۔اس نے آتے ہی امی کے بلاوے کا کہا کہ بازار سے کچھ سامان لانا ہے۔وہ بچہ اپنی ماں کے بلاوے کا سن کر بھیڑوں کو واپس ہانکنے لگا اور

جلد ہی گھر پہنچ کر اس نے اپنی امی سے پیسے لیے اور اپنے گاؤں سے کچھ ہی دور واقع بازار کی طرف چلا گیا۔ لیکن آج چھٹی تھی اور بازار تقریباً سنسان پڑا تھا۔ اسے اپنی مطلوبہ دوکان نہیں مل رہی تھی۔ اس دوران اچانک ایک طرف سے کشمیری افراد کو جلوس برآمد ہوا۔ انہوں نے ایک چارپائی اٹھا رکھی تھی جس پر ایک نوجوان کی لاش خون میں لت پت موجود تھی۔ وہ لوگ انڈین فوج کے خلاف بہت سخت نعرے بازی کر رہے تھے۔ اس بچے کے لئے یہ سب نیا نہیں تھا۔ کشمیر میں آئے دن بھارتی مظالم کے خلاف ہڑتالیں اور جلوس نکلتے رہتے تھے۔ جلوس بازار میں واقع ایک سرکاری دفتر کے سامنے جا کر رک گیا اور لاش وہیں رکھ کر احتجاج کرنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں اچھی خاصی تعداد بھارتی فوجیوں اور مقامی پولیس کی پہنچ گئی۔ وہ بچہ اس سب سے بے نیاز گھر کا وہ سامان خریدنے کے لئے مسلسل مشغول تھا جس کے لئے اس کی امی نے اسے بھیجا تھا۔ لیکن اب اکا دکا جو دوکانیں کھلیں تھیں وہ بھی جلوس کی وجہ سے بند ہونے لگیں تھیں۔ اس بچے نے واپسی کا سوچا مگر واپسی کا راستہ وہی تھا جو اب انڈین فوجیوں نے بند کر رکھا تھا تا کہ جلوس آگے نہ جائے۔ وہ بچہ ہلکا سا پریشان ضرور تھا مگر گھبرا نہیں رہا تھا۔ وہ جلوس اور پولیس سے ذرا ہٹ کر ایک گوشت کی بند دوکان کے سامنے جا پہنچا، جہاں ایک بینچ نما تختہ پڑا تھا۔ اس نے یہیں بیٹھ کر جلوس کے ختم ہونے اور پولیس کے چلے جانے کے بعد راستہ کے کھلنے کا انتظار کرنے کا فیصلہ کیا۔

جلوس کی تعداد بڑھتی چلی جا رہی تھی اور وہ لوگ مسلسل اپنے بے گناہ نوجوان کی شہادت پر چیخ چیخ کر بھارتی فوج اور پولیس کے خلاف نعرے بازی کر رہے تھے۔ کئی ایک رو رہے تھے اور کئی شدید غم و غصے کا اظہار کر رہے تھے۔ وہ بچہ جس جگہ بیٹھا تھا وہ پولیس اور مظاہرین سے کچھ ہی دور تھی۔ اچانک اس بچے نے دیکھا کہ پولیس اور فوجیوں نے اپنی گنوں کا رخ آسمان کی طرف کیا اور فائرنگ سے آس پاس کا سارا علاقہ گونج اٹھا۔ پولیس نے آنسو گیس کے شیل مظاہرین کی طرف پھینکیں اور پھر بھارتی درندے مظاہرین پر پل پڑے۔ انہیں اپنی مضبوط اور بانس کی بنی ہوئی لمبی لاٹھیوں سے بری طرح پیٹنے لگے۔ وہ بچہ کچھ ہی دور ویسے ہی بیٹھا رہا۔ اس کی آنکھوں میں وردی والے مکروہ چہروں کے لئے خون اتر آیا تھا۔ لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اسے ڈر نہیں لگ رہا تھا۔ وہ اپنی جگہ جم بیٹھا رہا۔ مظاہرین منتشر ہو رہے تھے۔ کچھ لوگوں نے شہید کی لاش کو اٹھایا اور واپس ہو گئے اور بہت سے ابھی تک پولیس کے عتاب کا شکار ہو رہے تھے۔ بھارتی درندوں نے مسلسل لاٹھی چارج کر کے کئی کشمیریوں کو بری طرح زخمی کر ڈالا اور بہت سوں کو پاس کھڑی قیدیوں کے لئے مقرر کردہ ایک بڑی بس میں بھی منتقل کیا گیا۔ ہر طرف افراتفری کا سماں تھا۔ بے چارے خالی ہاتھ لوگ اپنی جان بچانے کے لئے کبھی ادھر تو کبھی اُدھر بھاگے چلے جا رہے تھے۔ کچھ مظاہرین نے اپنے بچاؤ کے لئے لاٹھیاں اٹھا رکھیں تھیں اور ایک دو فوجیوں کو بھی انہی لاٹھیوں کی مار پڑ چکی تھی۔ ان کے سر خون میں ڈوبے ہوئے تھے اور انہیں ایک ڈاکٹر پٹی کر رہا تھا۔ خدا خدا کر کے یہ سب ختم ہوا اور ایک بھی جلوس کا آدمی اب سڑک پر نہ رہا تھا۔ کچھ واپس جا چکے تھے اور کچھ قید کیے جا چکے تھے۔ بھارتی فوج اور پولیس اب راستہ کھول رہی تھی۔ وہ بچہ راستہ کھلتے دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنے راستہ پر جانے لگا۔ اس راستے پر بھارتی فوجیوں کی ابھی بھی چھ سات گاڑیاں کھڑیں تھیں جو اب جانے لگیں تھیں۔ انہوں نے جب ایک بچے کو اسی طرف

خراماں خراماں آتے دیکھا تو سارے گاڑی سے نیچے اتر آئے اور قریب پہنچتے ہی اس بچے کو پکڑ لیا۔اور اس سے اس کے گاؤں کا نام پوچھا۔بچے نے اطمینان سے اپنے گاؤں کا نام بتایا اور یہاں بازار میں آنے کی وجہ بھی ساتھ ہی بتا دی۔بھارتی درندوں کے ہاتھ میں ایک ننھی چڑیا آگئی تھی جسے وہ آسانی سے چھوڑ تو نہ سکتے تھے۔ایک فوجی جس کے سر پہ جلوس میں شامل ایک کشمیری کا زوردار ڈنڈا لگا تھا وہ بھی پاس ہی کھڑا تھا۔اسے ایک شرارت سوجھی۔اس نے اپنے آفیسر سے کہا کہ جب مجھے ڈنڈا لگا تھا تو یہ لڑکا ہنس رہا تھا۔یہ سنتا تھا کہ اس آفیسر نے ایک زوردار طمانچہ معصوم بچے کے منہ پر مارا اور وہ بچہ زمین پر جا گرا۔اس کے منہ سے خون نکل آیا تھا۔وہ حیرانی سے اپنے اوپر آئی اس افتاد کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک اسے اپنی پیٹھ پر زوردار ڈنڈا پڑا۔وہ درد سے دہرا ہو گیا۔آفیسر چار پانچ زوردار لاٹھیاں مارنے کے بعد اس بچے کو بھاری بھرکم بوٹوں سے ٹھڈے مارنے لگا۔وہ بچہ درد کی شدت سے آخرکار چیخ پڑا۔اسے چیختا دیکھ کر بھارتی فوجی واپس گاڑی میں بیٹھے اور قہقہے لگاتے ہوئے واپس ہو گئے۔سڑک سنسان ہو گئی اور ہر طرف خاموشی چھا گئی۔وہ بچہ خون میں لت پت زمین پر پڑا کافی دیر کراہتا رہا۔پھر آہستگی سے اٹھا اور گھر کی طرف لنگڑاتے ہوئے چل دیا۔اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔اس کا بدن جل رہا تھا۔پے در پے پڑنے والی لاٹھیوں نے اس کے معصوم جسم پر نشان ڈال دیے تھے۔اس کے جسم پر پڑنے والے ٹھڈوں نے اسے ادھ موا کر دیا تھا۔اس کے معصوم جسم نے اتنی تکلیف اس سے پہلے کبھی نہ سہی تھی۔بالآخر وہ گھر پہنچ گیا۔اس کی ماں دروازے پر ہی کھڑی تھی۔اس کے لاڈلے بیٹے نے اتنی دیر باہر لگا دی تھی تو ماں کب سکون سے بیٹھ سکتی تھی۔ماں نے بیٹے کی یہ حالت دیکھی تو دھک سے رہ گئی۔جلدی سے اسے اپنی گود میں اٹھا کر اندر لے گئی اور اس کی مرہم پٹی کی۔اس کی بہنیں اپنے بھائی کی یہ حالت دیکھ کر رونے لگیں۔اس بچے نے چپ چاپ لیٹے لیٹے اپنی بہنوں اور ماں کے آنسوؤں کو دیکھا اور دل ہی دل میں کہا۔مجھے ڈرنا نہیں ہے اور مجھے ان کے ایک ایک آنسوؤں کا حساب ان ظالموں سے لینا ہے۔اس بچے کے جسم پر لگے زخم تو جلدی ہی ٹھیک ہو گئے لیکن وہ زخم جو اس کے معصوم دل پر لگا وہ زخم کبھی نہیں بھر سکا اور اس زخم نے اس بچے کو "جانباز" بنا کر ہی دم لیا۔

☆......☆......☆

ندی میں موجود "جانباز" اس فوجی پارٹی کو اپنی طرف آتے دیکھ رہا تھا جو اب کافی قریب آ چکی تھی۔وقت بہت کم تھا یا تو اسے گرفتاری دے دینی چاہیے تھی یا پھر اسے خود کو بچانے کی ایک آخری کوشش کرنی چاہیے تھی۔دونوں میں سے ایک فیصلہ اسے ابھی اور اسی وقت لینا تھا۔اور پھر اس نے جو فیصلہ کیا وہ واقعی "ایک مجاہد" ہی کی شان ہو سکتی ہے۔اس نے ہار نہ ماننے کا راستہ چنا اور ایک آخری کوشش کرنے کا فیصلہ کیا۔اس نے آہستگی سے تختے کو چھوڑا اور نیچے پانی میں چلا گیا۔"جانباز" اپنے جسم کو اس تختے کے نیچے لے گیا جس پر اس نے تھوڑی دیر پہلے بازو ٹکا رکھے تھے۔اب اس کا پورا جسم اور ہاتھ پانی میں تھے۔"جانباز" کے لیے صرف ایک پریشانی تھی اور وہ تھی سانس لینے کی۔لیکن اس کا حل بھی "جانباز" نے ڈھونڈ لیا۔اس نے نیچے سے تختے کو سر کے زور سے ذرا اوپر کر کے تختے کے سوراخوں سے سانس لینا شروع کر دیا۔یہ احتیاطی تدابیر کر کے وہ فوجی پارٹی کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔اس کا

جسم یخ ٹھنڈے پانی میں آہستہ آہستہ برف بنتا جا رہا تھا مگر "جانباز" کو اپنی آخری کوشش کرنی ہی تھی۔

فوجی پارٹی جلد ہی ندی کنارے پہنچ گئی اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ کئی ایک کی آوازیں ابھریں کہ اس ندی کو پار کرنا ممکن ہی نہیں جبکہ "جانباز" زخمی بھی ہے۔ پانی مکمل ساکت تھا اور برف کی تہہ ویسے ہی جمی تھی۔

☆......☆......☆

"یہاں تو "جانباز" آ ہی نہیں سکتا۔ وہ اتنا بے وقوف نہیں۔" میجر آنند نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ وہ ابھی ابھی یہاں پہنچا تھا اور سرچ لائٹوں کی طرح چاروں طرف اپنی نظریں گھما رہا تھا۔

"سر! یہاں پانی کے اندر نہ چھپا ہو۔" ایک فوجی نے میجر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"نانسنس! کیا تم پاگل ہو؟ ہمیں یہاں کھڑے پانچ منٹ سے اوپر ہو گئے ہیں۔ کیا کوئی اتنا لمبا سانس لے سکتا ہے؟" میجر نے غصے سے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔ لیکن وہ دل میں سوچنے لگا کہ ایسا ہے تو ناممکن لیکن پھر بھی شاید "جانباز" ایسا کر سکتا ہو۔

"یہ ملی ٹینٹ ایسے ہی عجیب ہوتے ہیں۔ کیا پتا وہ اندر موجود ہو۔" میجر نے دل ہی دل میں سوچا اور اگلے ہی لمحے اس نے فوجیوں کو پانی کے اندر فائرنگ کرنے کا حکم دے دیا۔ درجنوں فوجیوں نے ادھر ادھر پانی کے اندر فائرنگ شروع کر دی۔ پانی میں ایک بھونچال سا پیدا ہوا۔ برف کی تہہ پھٹ گئی۔ فائرنگ بند ہو چکی تھی اور اب پانی ساکت ہو چکا تھا۔ لیکن "جانباز" کا کوئی نام و نشان تک نہیں تھا۔

اچانک میجر کا وائرلیس فون بج اٹھا۔

"میجر! یہ گولیوں کی آواز کیسی ہے؟ کیا "جانباز" مارا گیا؟" کرنل جگدا اس کی جوش سے کانپتی ہوئی آواز سنائی دی۔ چونکہ یہ ندی کیمپ کے بالکل ساتھ تھی۔ اس لئے گولیوں کی آواز صاف سنائی دے گئی۔

"نو سر" میجر نے مایوس سے لہجے میں جواب دیا۔ اور پھر دوسری طرف سے گالیوں کی ایسی برسات شروع ہوئی کہ میجر آنند کا دل چاہا کہ وہ وائرلیس ندی میں پھینک دے مگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔

"تو پھر یہ فائرنگ کیسی؟ کیا کوئی شکار کھیل رہے ہو؟" کرنل جگدا اس نے گولیاں دینے کے بعد پوچھا۔

"نو سر! ہمیں شک ہوا کہ "جانباز" پانی کے اندر ہے۔ اس لئے ہم نے گولیاں چلائی ہیں۔ تاکہ اندر ہوا تو اب تک تو مر چکا ہوگا۔ لیکن سر کوئی لاش ابھی تک نظر نہیں آئی۔ میجر نے سارا قصہ تفصیل سے سنا دیا۔

"نانسنس! خوامخواہ وقت ضائع کر رہے ہو۔ میں تمہیں ڈس مس کر دوں گا۔ جانے نہیں تم جیسوں کو میجر کون لگا دیتا ہے۔ کسی سکول کے چپڑاسی بھی تم سے اچھے ہوتے ہیں۔ اب ندی کو چھوڑو اور واپس جنگل میں تلاش کرو۔ میں کیمپ سے ایک اور پارٹی بھیج رہا ہوں۔ میری طبیعت خراب ہے ورنہ میں خود اس مشن پر نکلتا اور اب تک "جانباز" کو ڈھونڈ چکا ہوتا۔ تم جنگل کے چاروں طرف ناکہ بندی کر دو۔ آس پاس کے دیہات میں جاؤ اور چیک کرو اور مجھے لمحہ بہ لمحہ رپورٹ کرو۔" کرنل نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔

"لیکن سر! ہم کافی ہیں۔ ہم "جانباز" کو جلد پکڑ لیں گے۔ آپ ایک اور پارٹی نہ بھیجیں۔ ورنہ کیمپ خالی ہو جائے گا سر!" میجر نے ایک اور پارٹی کا سن کر حیرت زدہ ہوتے ہوئے

کہا کیونکہ کیمپ میں اب کرنل کے علاوہ صرف چار فوجی اور تھے۔

"کیمپ میں بچا کیا ہے جواب اس کی حفاظت کے لئے یہاں لوگ موجود ہوں۔ جیسا میں کہتا ہوں ویسا کرو۔ کرنل نے یہ کہہ کر وائرلیس آف کر دیا۔

میجر نے ایک نظر ندی پر ڈالی جواب پرسکون ہو چکی تھی اور فوجیوں کو واپس چلنے کا اشارہ کیا۔ اشارہ پاتے ہی سارے فوجی واپس تقریباً دوڑتے ہوئے جنگل کے اندر چلے گئے اور ہر طرف خاموشی سی چھا گئی۔

☆......☆......☆

"جانباز" نے جیسے ہی میجر کو فائرنگ کا آرڈر دیتے سنا تو جانباز نے تختے کے سوراخوں سے ایک لمبا سانس کھینچا اور ندی کی تہہ میں بیٹھتا چلا گیا۔ وہ مسلسل نیچے جا رہا تھا تاکہ تہہ تک پہنچ جائے۔ کیونکہ گولیوں کی رفتار پانی میں کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ جلد ہی "جانباز" تہہ تک پہنچ گیا اور اوپر سے مسلسل گولیوں کی بوچھاڑ جاری تھی۔ مگر کوئی گولی اسے چھو نہ سکی۔ ایک منٹ سے بھی کم وقت تک فائرنگ رہی اور پھر جیسے ہی فائرنگ بند ہوئی۔ جانباز نے آہستہ آہستہ اوپر کی طرف بڑھنا شروع کیا اور واپس تختے کے نیچے پہنچ کر اس کے سوراخوں سے سانس لینا شروع کیا۔ تختے پر بھی چار، پانچ گولیوں کی نشان تھے۔ جس سے تختہ اچھا خاصہ ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔ مگر ابھی بھی اس کا کافی حصہ صحیح سلامت تھا۔ اسی صحیح سلامت تختے کے نیچے "جانباز" چھپا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد تمام فوجی واپس جانے لگے اور "جانباز" کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ ابھر آئی۔ ان کے جانے کے بعد "جانباز" آہستگی سے تختے کے اوپر آیا اور اس پر اپنے بازو ٹکا دیے اور زور زور سے سانس لینے لگا۔ اس نے اپنی زندگی کی سب سے مشکل گھڑی ابھی ابھی کراس کی تھی۔ اس کا چہرہ سانس ٹھیک سے نہ لے پانے کی وجہ سے سرخ ہو چکا تھا۔ کافی دیر وہ اسی طرح تختے پر پڑا رہا اور اپنے سانس کو درست کرتا رہا۔ پھر سوچنے لگا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے اور پھر اچانک بجلی کے کوندے کی طرح ایک خیال اس کے ذہن میں آیا اور اس کے چہرے پر بڑی زبردست چمک ابھر آئی تھی۔

کرنل جگد اس نے وائرلیس آف کر کے ایک بار پھر میجر کو گالیاں دیں اور پھر سامنے ٹیبل پر رکھے فون کا ریسیور اٹھا کر اس نے آخری فوجی پارٹی کو بھی "جانباز" کی تلاش کا کام سونپ کر ریسیور رکھ دیا۔ اس کے چہرے پر پریشانی تھی۔ وہ فطرتاً ایک سفاک انسان تھا۔ لیکن ہر ناپاک ہندو کی طرح وہ اندر سے بہت بزدل تھا۔ اس لئے وہ باہر کے آپریشن میں حصہ صرف فون پر لیتا تھا۔ "جانباز" سے خوف محسوس کر رہا تھا۔ وہ اسے انسان نہیں بلکہ ایک چھلاوہ سمجھنے لگا تھا۔ تقریباً ایک سو بیس سے زائد کی فوجی نفری اسے ڈھونڈنے میں مصروف تھی لیکن اس کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ وہ پریشانی کی عالم میں دیواروں کو تکنے لگا اور پھر اٹھ کر وہ کمرے کی ایک جانب بڑھتا چلا گیا جو "باتھ روم" کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔

کرنل جگد اس کچھ دیر بعد فارغ ہو کر جیسے ہی "باتھ روم" سے باہر آیا اچانک اس کی نظر اپنی کرسی پر پڑی جس پر ایک نقاب پوش انسان بیٹھا تھا اور اس کے ہاتھ میں گن تھی جس کا رخ کرنل کی طرف تھا۔ کرنل کا جسم اسے دیکھتے ہی اس زور سے کانپا کہ اس نے پاس کی دیوار کا سہارا لے لیا۔

"ک ک ک ک کو وون ن ن ن ہو تم" کرنل نے بری طرح ہکلاتے ہوئے کہا۔

(بقیہ صفحہ ۶۵ پر)

"کمال ہے کرنل! جس کی تلاش میں تم کتوں کی طرح پیچھے پڑے ہو۔وہی تمہارے سامنے آجائے تو تم انجان بن جاؤ گے؟" آنے والے نقاب پوش نے جو اصل میں "جانباز" تھا، بڑے اطمینان سے پوچھا۔

"تمہاری جرات کیسے ہوئی؟ ابھی پوری فورس تمہیں گھیر لے گی۔میری ایک آواز لگانے کی دیر ہے۔" کرنل نے اپنی پوری ہمت و طاقت جمع کر کے خشک زبان سے دھمکی دیتے ہوئے کہا۔

"تو میں نے کب منع کیا ہے کرنل! جسے بلانا ہے خوشی سے بلاؤ!" "جانباز" نے کرسی کے سامنے پڑی ہوئی میز پر ٹانگیں پھیلاتے ہوئے کہا۔

"کیا!!!!......تم تم تم مجھے جانتے نہیں ہو۔میں کون ہوں......تم یہاں کیسے پہنچے ہو۔" کرنل کے لئے اب کھڑے ہونا مشکل ہو رہا تھا۔اسے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ ابھی بے ہوش ہو جائے گا۔یہ صورتحال اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچی تھی۔

"ارے کرنل! تم تو کھڑے کھڑے تھک گئے ہو۔آ جاؤ......بیٹھ جاؤ۔بس کوئی شرارت نہ کرنا ورنہ یہاں تمہاری لاش کو کتے بھنبھوڑیں گے۔" "جانباز" نے سامنے پڑی کرسی پر اشارہ کرتے ہوئے کہا اور آخری بات میں اس کی منہ سے ایسی غراہٹ نکلی کہ کرنل ایک دم بھیگی بلی بن کر سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔"جانباز" نے اس کے ہاتھ پیچھے کر کے اسے اچھی طرح باندھ دیا۔اور پھر واپس کرنل کی کرسی پر خود بیٹھ گیا۔اس نے ابھی تک اپنی ہاتھ میں گن تھامی ہوئی تھی۔

"تم کیا چاہتے ہو؟ دولت چاہتے ہو، جو کچھ چاہتے ہو میں تمہیں دوں گا۔پلیز مجھے مارو نہیں۔" کرنل نے بری طرح خوف سے کانپتے ہوئے کہا۔

"مجھے دولت نہیں چاہیے۔مجھے وہ چاہیے وہ جو تم کبھی نہیں دے سکتے،اس لئے مانگنے کا فائدہ نہیں۔" "جانباز" نے جواب دیا۔

"مجھے آزاد کر دو۔میں تمہیں بھول جاؤں گا۔میں اپنا تبادلہ کروا لوں گا۔اس علاقے کی طرف کبھی رخ بھی نہیں کروں گا۔پلیز مجھے معاف کر دو۔" کرنل نے بھیک مانگتے ہوئے کہا۔

"نہیں کرنل! تم قاتل ہو۔میں تمہیں معاف نہیں کر سکتا۔میں تمہیں چھوڑ نہیں سکتا۔میں تو تم جیسے درندوں کے خون کا پیاسا ہوں۔" "جانباز" نے غراتے ہوئے کہا اور کرنل کے چہرے پر موت کی سی تاریکی چھا گئی۔

"تم م م م م م ی یہاں ت ت ت تک پہنچے کیسے؟" کرنل نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

"میں اسی ندی میں ہی چھپا ہوا تھا اور پھر میں نے تمہاری اور میجر کی وائرلیس پر بات چیت بھی سنی کہ تم کیمپ سے سارے فوجیوں کو میری تلاش میں بھیج رہے ہو۔مجھے اسی موقع کی تلاش تھی۔وہ واپس جنگل میں مجھے تلاش کرنے چلے گئے اور یہاں تم بھی اکیلے رہ گئے۔اس لئے تم سے ملنے چلا آیا۔" "جانباز" نے جیسے جیسے صورتحال بتائی کرنل کا چہرہ حیرانی کی شدت سے مسخ ہوتا چلا گیا۔

"تم جیسے لوگوں سے ہم نہیں جیت سکتے۔تم انسان نہیں ہو۔" کرنل نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا۔

"اب تمہارا وقت ختم کرنل! مجھے جانا ہوگا۔" یہ کہہ کر "جانباز" نے اپنی گن کا رخ کرنل کی طرف کر دیا۔

"رک جاؤ......رک جاؤ...... مجھے معاف کر دو۔ میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔" کرنل نے بری طرح چیختے ہوئے کہا۔ لیکن "جانباز" نے گن کا رخ کرنل کی طرف کرتے ہوئے ٹریگر دبا دیا۔ اور ہلکی سی ٹھس کی آواز آئی اور کرنل نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ اور اپنے جسم کو دیکھنے لگا کہ اسے گولی کیوں نہیں لگی۔

"کرنل! تمہاری قسمت بڑی خراب ہے۔ میری گن پانی میں ہونے کی وجہ سے خراب ہو گئی ہے اور دیکھو اب چل نہیں رہی۔" "جانباز" نے اپنی گن کو دیکھتے ہوئے کہا جس میں اچھا خاصا پانی تھا۔ اور اسی پانی کی وجہ سے گولی نہیں چلی تھی۔

"نہیں بلکہ میری قسمت اچھی ہے۔ دیکھو "جانباز" اب تو مجھے معاف کر دو۔ اب یہ گن بھی نہیں چلی۔ اس کا مطلب ابھی میری زندگی بھگوان نے باقی رکھی ہے۔" کرنل نے منت کرتے ہوئے کہا۔ اس کی ٹانگیں ابھی تک کانپ رہی تھیں۔

"تمہارا کوئی بھگوان اب تمہیں نہیں بچا سکتا کرنل! اور تمہاری قسمت بری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ گن کے ایک ہی فائر سے تمہاری کھوپڑی پھٹ جاتی تو تم مر جاتے۔ اب مجھے اپنا خنجر آزمانا پڑے گا۔" یہ کہہ کر "جانباز" نے اپنی جیکٹ کی جیب سے ایک خوبصورت اور خطرناک خنجر نکال لیا۔

"نہیں نہیں "جانباز" ایسا نہیں کرو۔ کرنل بری طرح گھگیانے لگا۔"

"اگر تم میرا ایک کام کرو تو شاید کچھ ہو سکتا ہے۔" "جانباز" نے تھوڑا سوچ کر کرنل کو کہا۔

"ہاں ہاں بولو۔ میں ہر کام کروں گا۔" کرنل نے فوراً کہا۔

"میں وائرلیس فون آن کر کے تمہارے کان سے لگاؤں گا۔ تم میجر آنند سے کہو کہ فوراً چاروں طرف سے محاصرہ اٹھا کر سب کے سب ندی کے کنارے جمع ہو جائیں اور میری تلاش بند کر دیں اور کہو کہ تم خود وہاں پہنچ رہے ہو اور جب تک میں نہ پہنچوں سب وہیں رہیں۔" "جانباز" نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں کہہ دیتا ہوں۔" کرنل نے فوراً حامی بھرتے ہوئے کہا۔ "جانباز" نے اگلے ہی لمحے میجر آنند کو کال کر کے رسیور کرنل کے کان سے لگا دیا۔ کرنل نے تحکمانہ لہجے میں میجر کو حکم دیا کہ وہ خود ندی کے کنارے پہنچ رہا ہے۔ اس لئے محاصرہ اٹھا کر سب کے سب لوگ وہاں جمع ہو جائیں اور جب تک میں وہاں نہ پہنچوں تم میں سے کوئی بھی وہاں سے ہلنا نہیں چاہیے۔

"اب تو تم مجھے چھوڑ دو گے نا" کرنل نے کہا۔

"ہاں ضرور" یہ کہہ کر "جانباز" نے خنجر کے دستے کو مضبوطی سے پکڑا اور پوری طاقت سے کرنل جکد اس کے گلے کے بالکل درمیان میں خنجر گھسیڑ دیا۔ کرنل کے منہ سے خرخراہٹ کی آواز نکلی اور کچھ ہی دیر بعد اس کا سر ڈھلک گیا۔ "جانباز" نے ایک نفرت بھری نگاہ اس پر ڈالی اور جو سامان کمرے سے اسے اپنے لئے مفید لگا وہ اٹھا کر وہ ایک اور منزل کی جانب چل دیا۔

☆......☆......☆

"جانباز" کا اگلا مشن کیا ہوگا؟ "جانباز" کا بچپن کیسا گزرا؟ کس بات نے اسے "جانباز" بننے پر مجبور کر دیا۔ کیا اس کے بہن بھائی اور ماں باپ زندہ ہیں؟ کیا "جانباز" ہندو فوجیوں کے لئے دہشت کا نشان بنا رہے گا۔ یہ سب جانیے مسلمان بچے کے اگلے شمارے میں۔

☆......☆......☆

ایک بڑی سی میز کے گرد چار اشخاص جو اپنی وضع قطع سے بڑے آدمی معلوم ہوتے تھے، خاموش بیٹھے تھے۔ ان کے سر جھکے ہوئے تھے اور وہ چاروں گہری سوچ میں گم تھے کہ اچانک کمرے کا واحد دروازہ کھلا اور ہندوستان کا وزیر اعظم ''چار جپائی'' آہستہ آہستہ چلتا میز کے قریب آیا اور درمیان میں رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اسے دیکھتے ہی چاروں افراد کھڑے ہوئے اور سیلوٹ مار کر خوش آمدید کہا۔

''بیٹھیں۔'' چار جپائی نے تحکمانہ لہجے میں کہا اور وہ چاروں ایک جھٹکے سے اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

''آج ہم سب یہاں اس لئے اکٹھے ہوئے ہیں کہ کشمیر میں ''گھس بیٹھیوں'' جنہیں وہ لوگ مجاہدین کہتے ہیں، نے بہت تباہی مچا رکھی ہے اور ہم ان کے خلاف مسلسل ناکام جا رہے ہیں۔ ناگ پور کی چھاؤنی کی رپورٹ آپ کے سامنے رکھی ہے اور امید ہے آپ حضرات نے اسے پڑھ لیا ہوگا۔ اب آپ مجھے بتائیں کہ آئندہ کا لائحہ عمل کیا ہونا چاہیے۔'' چار جپائی نے یہ کہہ کر طویل سانس لیا۔

''سر! اس سے پہلے تو میں آپ کو بتانا چاہوں گا کہ مجاہدوں کی یہ کارروائی خود ہمارے ہی کرنل کی غفلت سے کامیاب ہوئی۔ ورنہ ان کی اتنی جرأت آج تک نہیں ہوئی کہ وہ کسی چھاؤنی پر ایسے وار کریں۔ وہ بھی صرف ایک آدمی کے ذریعے جو وہاں اجنبی ہو۔'' ان چاروں میں سے ایک شخص بولا۔ یہ کرنل پرکاش تھا جو انڈین خفیہ ایجنسی کا سربراہ تھا۔

"میں نے آپ سے یہ نہیں پوچھا کہ غفلت کس کی ہے یا تصور کس کا ہے؟ میں نے آئندہ کا لائحہ عمل پوچھا ہے تا کہ ایسا واقعہ آئندہ ہماری ہزیمت کا سبب نہ بنے۔" چار جپائی نے غصے سے منہ سے تھوک نکالتے ہوئے کہا۔

"سر! کشمیر میں آپ "جنرل کرپاڈیا" کو لگا دیجیے اور جنرل سباش کو واپس بلا لیجیے۔ یہ سب سے بیسٹ حل ہے۔ اگر آپ کشمیر میں دراندازی کو روکنا چاہتے ہیں۔" کرنل پرکاش نے کہا۔

"جنرل کرپاڈیا...... لیکن...... وہ تو انتہائی سفاک انسان ہے۔ اس کے خلاف اقوام متحدہ میں کئی بار درخواستیں جا چکیں ہیں۔ وہ تو کسی کو زندہ نہیں چھوڑتا۔ گولی کی زبان میں بات کرتا ہے اور وہ پانی کی بجائے خون پیتا ہے۔" چار جپائی نے جلدی جلدی کہا۔

"سر! آپ مانیں یا نہیں۔ یہی واحد حل ہے۔" کرنل پرکاش نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

"آپ کیا کہتے ہیں جنٹلمین!" چار جپائی نے سر جھکائے تینوں گنجوں سے پوچھا جو ابھی تک خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ تینوں کے سر درمیان سے گنجے تھے اور چہرے پر سفاکی اور درشتی جیسے ثبت ہو کر رہ گئی تھی۔

"سر! ہم بھی تینوں کرنل پرکاش کی رائے سے متفق ہیں۔" تینوں نے یک زبان ہو کر ہاں میں سر ہلایا۔ یہ تینوں بھی ملک کے بڑے عہدیدار تھے۔

"تو میٹنگ برخاست کی جاتی ہے۔ میں آج ہی کرنل کرپاڈیا کو کشمیر میں ڈیوٹی سونپ رہا ہوں۔ آپ بھی اپنی اپنی فورسز کو آنکھ کھلی رکھنے کا حکم دیں اور جاسوسی کے دائرے کار کو بڑھا کر "جانباز" کی گرفتاری یقینی بنائیں یا اگر یہ ممکن نہ ہو تو اسے جلد از جلد ہلاک کریں۔ ناؤ میٹنگ از اوور۔" چار جپائی یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا اور اسی دروازے کی طرف چل پڑا جس سے نمودار ہوا تھا۔ اس کے جانے کے بعد چاروں افراد بھی اپنی اپنی جگہ سے اٹھے، ہاتھ ملایا اور گڈ بائے کہہ کر خفیہ میٹنگ روم سے باہر آ گئے۔

☆......☆......☆

کشمیر کے سرسبز و شاداب باغات میں وہ بچہ کھیلتا کودتا بڑا ہوتا چلا گیا۔ اس دوران بہت سے واقعات پیش آئے مگر وہ ثابت قدم رہا اور خود کو حالات کے مطابق ڈھالتا چلا گیا۔ لیکن ایک واقعہ ایسا ہوا جس نے اس کی زندگی کو بدل کر رکھ دیا۔ وہ واقعہ آخر کیا تھا......؟

وہ 13 دسمبر کی شام تھی، یخ بستہ ہوائیں چل رہیں تھیں۔ بظاہر بڑی پرسکون اور خاموش رات تھی لیکن درحقیقت اپنے اندر ایک بہت بڑا حادثہ لیے ہوئے تھی۔ آج کی شام بڑی خونی ثابت ہونے والی تھی۔ اسی شام کو جب وہ بچہ اپنی بھیڑوں کو چرا کر گھر میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک سیاہ کپڑوں میں لپٹا شخص چارپائی پر لیٹا ہوا ہے اور اس کے ابو اس کے جسم پر جھکے ہوئے ہیں۔ چارپائی کے نیچے خون ٹپک رہا ہے اور اس شخص کا سیاہ لباس خون میں بری طرح لت پت ہے۔ ایسے نوجوان اس بچہ کے لئے اجنبی نہیں تھے۔ یہ لوگ مجاہدین کہلاتے تھے۔ جو انڈین آرمی کے خلاف اپنی تمام تر زندگی وقف کر دیتے تھے۔ انہی مجاہدین میں سے ایک شخص آج زخمی حالت میں ان کے گھر پناہ لیے ہوئے تھا اور اس کے والد اس کی مرہم پٹی کر رہے تھے۔ وہ بچہ بھی جلدی سی اپنی بھیڑوں کو باڑے میں باندھ کر جلد ہی اس نوجوان کی خدمت میں مصروف ہو گیا۔ اسے پیٹ میں دو گولیاں لگیں تھیں اور وہ

مسلسل بے ہوشی کی حالت میں تھا۔ اس کے ابو مسلسل اس کا خون روکنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن خون بہتا ہی جا رہا تھا۔

"اس وقت کسی ڈاکٹر کی سخت ضرورت ہے ورنہ اس کا خون نہ رکا تو یہ جان کی بازی ہار جائے گا۔" اس بچے کے ابو نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"میں جاتا ہوں ابو! شہزاد انکل کو بلا کر لاتا ہوں۔ آپ یہیں رہیں۔" اس بچے نے لہجے کو مضبوط بناتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے بیٹے! لیکن خیال رکھنا۔ باہر اس مجاہد کا ذکر کسی سے نہ کرنا اور شہزاد صاحب کو بھی کہنا کہ کسی کو بتائے بغیر آ جائیں۔" بچے کے ابو نے جلدی جلدی اسے تلقین کرتے ہوئے کہا۔

یہ سن کر بچہ تقریباً بھاگتا ہوا گھر کے دروازے پر پہنچا اور باہر نکل گیا۔ اس کے بدن پر فرن تھا جو اس نے سردی سے بچنے کے لئے پہنا ہوا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو فرن کی جیب میں ڈالا اور بے پرواہ چلنے لگا۔ اس کی چال سے کسی صورت اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ اندر سے کافی سہما ہوا ہے۔ ایک محلہ چھوڑ کر دوسرے محلے میں ہی اس ڈاکٹر کا گھر تھا۔ بچہ اپنے محلے کو عبور کر دوسرے محلے میں داخل ہونے کے لئے جیسے ہی مرکزی سڑک پر پہنچا تو اس نے بہت سے فوجیوں کو دیکھا جو سڑک بلاک کیے ہوئے تھے۔ اس وقت سڑک پر کوئی گاڑی نظر نہ آ رہی تھی۔ ہر طرف ایک خاموشی اور پراسراریت سی چھائی ہوئی تھی۔

"جہاں ہو وہیں رک جاؤ!" اس خاموشی کو ایک فوجی کی کرخت آواز نے توڑ ڈالا۔ اس نے گن سیدھی کر کے بچہ کو رکنے کا اشارہ کیا۔ وہ بچہ آواز سنتے ہی وہیں رک گیا۔ اس کی چہرے پر پریشانی کے آثار واضح ہوئے لیکن اس نے جلد ہی خود کو سنبھال لیا۔

"اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو؟" فوجی نے دور کھڑے کھڑے اس سے پوچھا۔

"میرے ابو کی طبیعت کی خراب ہے ان کے لیے ساتھ والے محلے سے ڈاکٹر کو بلانے جا رہا ہوں۔" بچے نے جواب دیا اور ساتھ ہی اپنے ابو کا نام بھی بتا دیا۔

"ادھر اس طرف دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو جاؤ!"

اس فوجی نے پاس ہی موجود ایک بند دوکان کی دیوار کی طرف اشارہ کر کے کہا اور اس کی تلاشی لی۔ جیب سے کچھ برآمد نہ ہوا تو اسے جانے کا اشارہ کیا۔ بچہ نے اشارے پاتے ہی سڑک عبور کی اور دوسرے محلے میں داخل ہو گیا۔ جلد ہی ڈاکٹر کا گھر تلاش کیا اور اسے اپنے ساتھ چلنے پر راضی کر لیا۔ ڈاکٹر صاحب اس کے ابو کے پرانے جاننے والے تھے اس لئے جیسے ہی ڈاکٹر صاحب نے اس کے ابو کا پیغام سنا تو فوراً آمادگی کا اظہار کر دیا۔ دونوں جلدی جلدی گھر کے دروازے پر پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا تو اس کے ابو نے دروازہ کھول کر ڈاکٹر صاحب کو خوش آمدید کہا۔

"یہ ٹھیک تو ہو جائے گا ناں؟" مجاہد کی مرہم پٹی اور گولیاں نکل جانے کے بعد اس کے ابو نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا۔

"خون بہت بہہ گیا ہے اس لئے کچھ کہہ نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت فرمائیں گے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔" ڈاکٹر صاحب نے تسلی کے انداز میں اس کے ابو سے کہا اور اجازت چاہی۔ اس کے ابو نے ڈاکٹر صاحب کا شکریہ ادا کیا اور انہیں کچھ دینا چاہا لیکن ڈاکٹر صاحب نے اسے اپنا فرض بتاتے ہوئے کچھ لینے سے انکار کر دیا۔

"شکر ہے اب تو سارا مسئلہ ہو گیا ہے۔ گولیاں نکل گئیں ہیں اور خون بھی رک گیا ہے۔ اب ان شاء اللہ ہوش بھی آ جائے گا۔" ڈاکٹر صاحب کے چلے جانے کے بعد اس کے ابو نے پیار سے اپنے لاڈلے کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا اور اس بچے نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ابھی بمشکل ایک گھنٹہ ہی گزرا تھا کہ باہر یکا یک شور سا بلند ہوا اور گھر کا دروازہ زوردار دھاکہ سے تقریباً اڑتا ہوا دور جا گرا۔ بچہ کی دو بہنیں اور ماں فوراً اندر کی طرف بھاگیں اور اس کے ابو باہر صحن میں کھڑے رہے۔ اچانک بہت سے فوجی ہاتھوں میں گنیں لیے گھر میں داخل ہوئے اور اس کے ابو کو گن کا بٹ مار کر زمین پر گرا دیا۔

"کہاں ہے وہ ملی ٹینٹ؟ ہمیں پتا ہے وہ یہیں ہے۔" ایک فوجی نے اس کے ابو کے سر پر زور سے بٹ مار کر پوچھا۔

"کون؟ مجھے نہیں پتا۔ یہاں کوئی نہیں ہے سوائے میرے گھر والوں کے۔" اس کے ابو نے چیختے ہوئے کہا۔ اس وقت وہ بچہ پاس ہی کھڑا سہما ہوا یہ سب دیکھ رہا تھا۔

"پورے گھر کی تلاشی لو اور تلاش کرو اسے۔ چپہ چپہ چھان مارو اور ڈھونڈو۔" اس فوجی نے جو اس پارٹی کا سربراہ لگ رہا تھا، اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"میرے گھر میں عورتیں ہیں کچھ تو عزت کرو۔" اس کے ابو نے کہا۔

"اپنی بکواس بند کر اور خاموش رہ۔" ایک زوردار مکہ اس کے ابو کے چہرہ پر پڑا اور وہ درد سے کہرا کر رہ گئے۔

"سر! یہاں کچھ خون سے لت پت کپڑے اور کچھ کپاس ہے پر جس پر خون لگا ہے پڑا ہوا ہے۔" ایک فوجی ہاتھ میں یہ چیزیں پکڑے ہوئے صحن میں آیا۔

"اس آدمی کو ڈھونڈو اس سامان سے پتا چلتا ہے کہ اس کی مدد ان لوگوں نے کی ہے۔" اس فوجی سربراہ نے غصیلے لہجے میں کہا۔

کچھ ہی دیر بعد اس مجاہد کو آخرکار ڈھونڈ لیا گیا۔ اس کے ابو نے بھیڑوں کے باڑے میں اسے چھپا دیا تھا تاکہ اگر کچھ کارروائی ہو بھی سہی تو اس کا پتہ نہ چلے۔ لیکن اطلاع پکی تھی اور کتے اس مجاہد کی بو ڈھونڈتے ڈھونڈتے آخرکار اس مکان تک آن پہنچے تھے۔ اس لئے تلاشی پورے اطمینان سے لی گئی اور سب پتہ چل گیا۔

پھر تو اس کے ابو کو دو تین فوجیوں نے لاتوں اور گھونسوں سے بری طرح پیٹ ڈالا اور شدید زخمی کر دیا۔ وہ بچہ چیختا رہا لیکن اس کی ایک نہیں سنی گئی اس کی امی اور بہنیں فوجیوں کے سامنے دہائیاں دیتے رہے کہ انہیں چھوڑ دیں لیکن ان ظالموں کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہو رہا تھا۔ وہ مجاہد ابھی تک ویسے ہی بے ہوش پڑا تھا۔ آخرکار اس کے ابو بھی تشدد برداشت نہ کر سکنے کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے اور فوجی سربراہ کے حکم پر دونوں کو بڑی گاڑی میں ڈالا گیا اور شہر سے باہر موجود ایک بڑی چھاؤنی کی طرف لے کر چلے گئے۔

گھر کے باہر پورا محلہ جمع تھا لیکن کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ کسی طرح اس صورت حال کو سنبھال سکیں۔ کچھ دیر پہلے اس محلے کے ہر گھر میں سکون تھا اور امن تھا، اب ان میں سے ایک گھر میں چیخ و پکار اور آہ و بکا جاری تھی۔ جرم تھا ایک مجاہد کو پناہ دینا اور اس کی مرہم پٹی کرنا اور ابھی تو صرف چھوٹا سا طوفان آیا تھا لیکن اس گھر کے لئے ایک بڑی قیامت صبح پیش آنے والی تھی۔

☆......☆......☆

اللہ رب العزت کی خاص نصرت کی وجہ سے میں (جانباز) آخر کار تمام چھاؤنی کو تباہ کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا اور آس پاس کا انتہائی سخت محاصرہ بھی ختم کروا چکا تھا۔ وہ سب فوجی جو میری راہ میں کھڑے تھے اب وہ ندی کے کنارے کھڑے اپنے اُس کرنل کا انتظار کر رہے تھے جو جہنم واصل ہو چکا تھا۔ میرا راستہ صاف ہو چکا تھا۔ میں ندی کے مخالف سمت کی طرف نکل گیا اور جنگل پار کر کے شہر میں داخل ہو گیا۔

میں نے اسی چھاؤنی میں ٹانگ پر مرہم پٹی بھی کر لی تھی جس کی وجہ سے اب چلنے میں خاص مشکل پیش نہ آ رہی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ جلد ہی کرنل کی موت کی خبر ہر طرف پھیل جائے گی اور بھارتی درندے مجھے تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ اس لئے میں خود یہی چاہتا تھا کہ کسی کی مدد نہ لوں۔ تا کہ کوئی میری وجہ سے مشکل میں نہ پڑے۔ میں نے ایک ہوٹل میں چھپ کر رات گزاری، کھانا کھایا اور اچھے سے نہا کر، دھو کر فریش ہو گیا۔ صبح اٹھتے ہی میں نے اس شہر کے آخر میں موجود ایک پولیس اسٹیشن کا پتا لگایا جہاں پر مجاہدین کو کئی کئی دن شدید ٹارچر کر کے انہیں ستایا جاتا تھا۔ مجھے اس اسٹیشن کو تباہ کرنا تھا تا کہ اس شہر سے یہ نحوست ختم ہو۔ میرے پاس دو گرنیڈ، ایک پسٹل اور ایک مائیکروف تھی جو میں نے چھاؤنی سے ہی اٹھائی تھی اور میرا وہ خنجر جو کرنل کی موت کا سبب بنا تھا۔ دیکھا جائے تو میرے پاس سامان نہ ہونے کے برابر تھا لیکن مجھے کوئی نہ کوئی راستہ بہر حال نکالنا تھا۔ چنانچہ میں نے دن کے وقت اس پولیس اسٹیشن کے قریب وقت گزارنے اور وہاں صورت حال کا جائزہ لینے کا فیصلہ کیا۔

ہتھیار وغیرہ اور باقی سامان میں نے ہوٹل کے کمرے میں ہی چھوڑا اور ہوٹل سے باہر آ گیا۔ میں نے ایک دوکان سے سر پر رکھنے والی "پی کیپ" خریدی اور اسے ٹیڑھا کر کے سر پر رکھ لیا تا کہ کچھ نہ کچھ چہرہ چھپ جائے۔ ایک رکشے والے سے بات کی اور وہ چلنے پر راضی ہو گیا۔ رکشہ مختلف راستوں سے ہوتا ہوا ایک بڑی سڑک پر پہنچا جس کا راستہ سیدھا پولیس اسٹیشن کی طرف جاتا تھا۔ لیکن اچانک میں نے دیکھا کہ سڑک پر بیریر لگا کر فوجی تلاشی لینے میں مصروف ہیں اور شک پڑنے پر انہیں پاس ہی کھڑے ایک بڑے ٹرک میں منتقل کر رہے ہیں۔ میں نے واپس ہو جانے کا فیصلہ کیا لیکن شاید اب کافی دیر ہو چکی تھی۔ رکشہ جیسے ہی فوجی پارٹی کے قریب پہنچا تو ایک فوجی نے رکشہ روک کر ڈرائیور اور مجھے اترنے کا اشارہ کیا۔ شناخت پوچھنے پر اسے اپنا کارڈ دکھا دیا اور واپس جانے کے لئے جیسے ہی اس نے اشارہ کیا کہ اچانک ایک فوجی قریب آیا اور مجھے رکنے کا اشارہ کیا۔ اس نے مجھ سے کچھ سوالات کیے اور میں نے اس کے سب سوالوں کے سکون و اطمینان سے جواب دے دیا لیکن شاید اس کے دل میں کچھ نہ کچھ تھا اس لئے وہ مطمئن نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے رکشے والے کو جانے کا اشارہ کیا اور مجھے ایک فوجی گاڑی میں ہتھکڑی لگا کر بٹھا دیا۔ وہ شاید مجھ سے مزید تفتیش کرنا چاہ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد بیریر ہٹا دیے گئے اور فوجی کانوائے روانہ ہو گیا۔

میرے ساتھ دو فوجی اور ایک ڈرائیور تھا۔ وہ لوگ مجھ سے معمول کی گپ شپ لگا رہے تھے۔ میں جانتا تھا کہ جب ان کی تسلی ہو جائے گی تو یہ لوگ مجھے چھوڑ دیں گے۔ میں دل ہی دل میں ہنس رہا تھا کہ اگر ان لوگوں کو پتہ چل جائے کہ میرا نام کیا ہے تو شاید ایک لمحے میں مجھے گولیوں سے بھون ڈالنا زیادہ بہتر خیال کرتے۔ تھوڑی دور جا کر فوجی کانوائے مختلف

حصوں میں تقسیم ہوگیا۔ کچھ گاڑیاں کسی طرف اور کچھ کسی طرف چلی گئیں اور ہماری گاڑی بھی ایک الگ راستے پر روانہ ہوگئی۔ میں نے جیسے ہی گاڑی کو اس راستے پر چلتے دیکھا تو میری چھٹی حس نے خطرے کا الارم بجانا شروع کر دیا۔ میں جانتا تھا کہ اس طرف ایک بڑا تفتیشی اڈہ تھا اور یہ لوگ مزید تسلی کے لئے مجھے اس اڈے میں لے جا کر اصل حقیقت معلوم کرنا چاہتے تھے۔ میرے ایکشن میں آنے کا وقت ہو چکا تھا۔

"سر جی! مجھے پیشاب آرہا ہے۔" میں نے ساتھ بیٹھے ایک فوجی سے لجاجت بھرے انداز میں کہا۔

"چپ کر کے بیٹھ جا...... ابھی دفتر آنے والا ہے۔ وہاں کر لینا۔" فوجی نے ذرا درشت لہجے میں جواب دیا۔

"صاحب! میں بیمار آدمی ہوں۔ برداشت نہیں کر سکتا میرے اوپر مہربانی کرو۔" میں نے مزید کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"یار! کیا اس بیکار کو پکڑ کر لے جا رہے ہو۔ یہ مریل اپنا پیشاب نہیں روک سکتا اور میجر کو لگتا ہے کہ یہ کچھ چھپا رہا ہے اور کوئی بڑا دہشت گرد ہے۔" فرنٹ سیٹ پر بیٹھے فوجی نے دوسرے فوجی کو بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

آخر کار بار بار کے اصرار پر انہوں نے مجھے گاڑی سے اتارا اور ہتھکڑیوں کے ساتھ ہی مجھے پاس ہی موجود جھاڑیوں میں پیشاب کرنے کا کہہ کر خود تینوں سگریٹ سلگا کر کھڑے ہو گئے اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔ میرے پاس صرف یہی موقع تھا کہ بھاگ کھڑا ہوں لیکن ان کے پاس گنیں تھیں اور وہ مجھے ایک منٹ میں شوٹ کر سکتے تھے۔ میں نے جھاڑیوں میں جھوٹ موٹ کا بیٹھ کر پیشاب کرنے کی بہانے بازی کی اور اس وقت اپنے ذہن میں ترکیبیں سوچنے لگا کہ کیسے میں یہاں سے فرار حاصل کر سکتا ہوں۔ کیونکہ ایک بار اگر میں اس خفیہ سینٹر میں پہنچ گیا تو میری اصلیت کا پتہ چلانے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔

میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی اور میں اٹھ کھڑا ہوا اور گاڑی کی طرف چل دیا۔ ایک فوجی نے مجھے پکڑ کر بڑی بے دردی سے گاڑی کی سائیڈ سے لگا دیا اور اب فوجی ڈرائیور بھی پیشاب کرنے کی خاطر جھاڑیوں میں جانے لگا۔ میرے پاس دو افراد تھے۔ میرے ہاتھ میں ہتھکڑی نہ ہوتی تو میں آسانی سے ان دونوں سے نمٹ سکتا تھا مگر میرے ہاتھ بندھے تھے۔ میں نے اپنی پیٹھ پر پٹرول ڈھکن کی ابھار کو محسوس کیا اور ایک ترکیب میرے ذہن میں بجلی کی طرح کوندی۔ میں نے دونوں ہاتھ پیچھے لے جا کر ڈھکن کو کھولنے کی کوشش کی تو حیرت انگیز طور پر اس کا لاک ٹوٹا ہونے کی وجہ سے ڈھکن کھلتا چلا گیا۔ میں نے ان ڈھکن کو ادھ کھلا چھوڑ کر ان میں سے ایک سپاہی سے سگریٹ مانگی تو اس نے میرے منہ سے وہ سگریٹ کا چھوٹا سا ٹکڑا لگا دیا جو وہ اب پھینکنے والا تھا۔ میں نے منہ سے وہ ٹکڑا اپنے ہاتھوں میں پکڑا اور ان کی نظر بچا کر تیزی سے مڑا اور ڈھکن جو ادھ کھلا تھا پورا کھول کر سگریٹ اس میں ڈالا اور مخالف سمت میں بلا سوچے سمجھے چھلانگ لگا دی۔ یکا یک گاڑی ایک دھماکے سے پھٹی اور میں اڑتا ہوا دور سڑک پر گرتا چلا گیا۔ میری آنکھوں کے سامنے ایک دم سے اندھیرا چھا گیا......

☆......☆......☆

پھر کیا ہوا؟ کیا جانباز بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا؟ اور اس بچے کے خاندان کے ساتھ اگلے دن کیا بنی؟ یہ جاننے کے لئے تھوڑا سا انتظار......

☆......☆......☆

انڈین فوجی درندے، زخمی مجاہد اور اس چھوٹے بچے کے ابو کو اٹھا کر تفتیشی مرکز میں لے گئے اور وہاں جا انہیں بدترین تشدد کا نشانہ بنایا۔ ساری رات ان کی چیخیں تہہ خانوں میں گونجتی رہیں لیکن ان کا غصہ پھر بھی ٹھنڈا نہ ہوا اور صبح ہوتے ہی تین سو کی تعداد کے ساتھ بھارتی درندے اس بچے کے ابو کو لے کر ان کے گھر پہنچ گئے۔ سارا گاؤں اکٹھا ہو گیا۔ ابھی سورج بھی ٹھیک طرح سے نہ نکلا تھا۔ گھر کے سامنے ایک باغ تھا جو قدرے کشادہ تھا۔ اس بچے کے ابو کو وہیں لے جایا گیا اور کچھ بھارتی درندے گھر سے اس بچے کی امی اور دو بہنوں کو بھی نکال کر باہر لے آئے۔ وہ دن اس گاؤں کے لئے، اس گاؤں کے رہنے والوں کے لئے اور اس گھر کے لئے بہت قیامت خیز ثابت ہونے والا تھا۔ اس گھر کے کل چار فرد تھے۔ چاروں کو چارپائیوں سے باندھ کر انہیں کھڑا کر دیا گیا۔ بچے نے گردن موڑ کر دیکھا تو اس کے ابو کی گردن ڈھلکی ہوئی تھی اور جسم لہولہان تھا۔ اس کی معصوم آنکھوں سے غصے اور نفرت کے شرارے نکلنے لگے لیکن وہ کیا کر سکتا تھا۔ اس کے ننھے معصوم ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور اگر کھلے بھی ہوتے تو وہ کیا کر سکتا تھا۔ بھارتی فوج کا افسر گالیوں کے ساتھ بکے جا رہا تھا۔ سارا گاؤں بت بنا تماشا دیکھ رہا تھا۔ چاروں طرف فوج کے اہلکار ہاتھوں میں ہتھیار لیے چوکس کھڑے تھے۔

''آخر تم لوگوں نے اس دہشت گرد کی مدد کیوں کی؟'' فوجی افسر نے اس بچے کی ماں کے سامنے جا کر سوال کیا۔

"یہ ہمارا فرض تھا۔" اس بچے کی ماں نے جوش اور جذبہ کی ملی جلی کیفیت میں جواب دیا اور اگلے ہی لمحے فوجی افسر نے اپنی پوری قوت سے اس عورت کے منہ پر طمانچہ جڑ دیا۔ اس بچے کے منہ سے لفظ "ماں" نکل گیا۔

"ہاں! تو چپ نہیں کرتا، کب سے بولتا جا رہا ہے۔" یہ کہہ کر فوجی افسر اس بچے کے قریب آیا اور لگاتار چار پانچ زوردار تھپڑ اس معصوم بچے کے رخساروں کو سرخ کر گئے۔ ماں اپنے بچے کو اس حالت میں دیکھ کر سوائے تڑپنے اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

"گاؤں والو! بولو کیا سزا ہونی چاہیے ان لوگوں کی؟" فوجی افسر نے مجمعے کی طرف منہ کر کے سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ڈرے سہمے لوگوں نے ہاتھ اٹھا کر "رحم، رحم" کہنا شروع کر دیا۔ فوجی افسر نے اپنا پسٹل نکال کر دو تین ہوائی فائر کیے اور سارا مجمع خاموش ہو گیا۔

"ان کے ساتھ کسی قسم کا رحم نہیں کیا جائے گا۔ تاکہ ہر کسی کو عبرت ہو اور وہ آئندہ ان ملی ٹینٹوں (مجاہدوں) کو اپنے گھروں میں پناہ نہ دیں۔" فوجی افسر نے اپنا پسٹل لہراتے ہوئے کہا۔

فوجی افسر نے کچھ دیر بعد پیٹرول کے دو بڑے کنستر منگوائے اور اس بچے کے ابو پر اس پٹرول کو چھڑکنے لگے۔ اس پر چھڑکنے کے بعد انہوں نے آگ جلائی اور اس بچے کے ابو کو آگ کے شعلوں نے چاروں طرف سے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یہ دیکھ کر اس کی ماں بے ہوش ہو گئی اور بچوں نے بے تحاشا چیخنا شروع کر دیا۔ مجمع نے بھی سخت احتجاج کی صورت میں آگے بڑھنا شروع کیا تو بھارتی درندوں نے ان پر بھی فائر کھول دیا اور دو تین کو زخمی کر دیا۔ اس کے ابو زندہ جلتے رہے اور وہ بچہ چیختا رہا۔ یہ خوفناک منظر اس کی زندگی کا سب سے بھیانک منظر تھا۔ وہ خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ کوئی انسان کسی دوسرے انسان کے ساتھ یہ سلوک بھی کر سکتا ہے۔

اس کی دونوں بہنیں بھی بے ہوش ہو چکیں تھیں۔

بھارتی درندے گالیاں بجنے اور قہقہے لگاتے ہوئے آگ میں جلتے ایک زندہ و معصوم انسان کو دیکھتے رہے اور خوش ہوتے رہے اور پھر اس گھر کو بھی آگ لگا دی اور بڑی فوجی گاڑیوں میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ ان کے جانے کے بعد گاؤں والے فوراً آگے بڑھے اور ہر طرف لگی آگ کو پانی سے بجھایا۔ اس بچے کے ابو زندگی کی بازی ہار چکے تھے اور ان کو شہادت نصیب ہو چکی تھی۔ گاؤں والوں نے تینوں کی رسیاں کھول کر انہیں آزاد کروایا اور انہیں ہوش دلانے میں لگ گئے۔ گھر کا سامان اور دیواریں جل کر خاکستر ہو چکیں تھیں۔ بھیڑیں اپنے باڑے سے نکل کر ادھر ادھر بھاگنے لگیں۔ وہ دن قیامت کا دن تھا۔ اس گاؤں میں تو کیا پورے کشمیر میں سرعام ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ کسی انسان کو زندہ جلا دیا گیا ہو۔

اس بچے کی آنکھوں میں خوف کی بجائے اب صرف انتقام کی سرخ لکیر نظر آنے لگی تھی۔ اس کے معصوم دماغ نے سوچ لیا تھا کہ جب تک وہ اپنے ابو اور ان جیسے ہزاروں بے گناہوں کے خون کے ایک ایک قطرے کا حساب نہیں چکا لیتا چین سے نہیں بیٹھے گا۔

اگلے دن اخبارات میں اس فوجی افسر کی تصویر کے ساتھ اس کے گھناؤنے جرم کی تفصیلات درج تھیں اور اسے برخاست کرنے کی بھی درخواست کی گئی تھی۔ مگر بھارتی فوج اور حکومت نے اسے انعام کے طور پر ترقیاں دے دیں اور جلد ہی اس ظالم سفاک انسان کو جنرل کے عہدے پر فائز کر دیا گیا۔ اب وہ کشمیر کا بلا شرکت غیرے حاکم تھا۔ اس کی نس نس میں کشمیری مسلمانوں کے خلاف غصہ اور نفرت کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

اس فوجی افسر کا نام "کرپاڈیا" تھا۔

"کرپاڈیا" نے جنرل بنتے ہی کشمیر میں خونریزی کا بازار گرم

کیے رکھا۔ اس نے سفاکیت کی ایک تاریخ رقم کر دی۔ اس ظلم کے خلاف کشمیر اور پھر باہر کے ممالک نے بھی احتجاج کیا تو حکومت نے "بادل نخواستہ" جنرل کرپاڈیا کو واپس بلا کر نئی ذمہ داری سونپ دی۔ اس کے چلے جانے کے بعد کشمیریوں نے قدرے سکھ کا سانس لیا۔

☆......☆......☆

گاڑی کے پھٹتے ہی میں نے چھلانگ لگائی اور دور اُڑتا ہوا جا گرا اور میرا سر زور سے سڑک پر جا گرا جس کی وجہ سے ایک لمحے کے لئے تو میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا لیکن میں نے ذہن کو جھٹک کر اس اندھیرے کو بھگانے کی کوشش کی اور میں اس میں کامیاب رہا۔ میں نے ایک لمحہ کے لئے پیچھے مڑ کر دیکھا تو تینوں فوجی اوندھے منہ گرے ہوئے تھے اور ان میں سے ایک اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ گاڑی پوری طرح بے کار ہو چکی تھی۔ یہ دیکھ کر میں نے اگلے ہی لمحے دوڑ لگا دی اور میں سڑک سے ہٹ کر دوڑنے لگا۔ سڑک کے دونوں جانب جھاڑیاں بڑی تعداد میں اگی ہوئی تھیں۔ کچھ ہی دور ایک ویگن سٹینڈ تھا جہاں سے میں آسانی سے ویگن پکڑ سکتا تھا۔ مجھے زیادہ چوٹیں نہیں آئی تھیں۔ صرف منہ پر کچھ خراشیں اور پسلی میں کچھ درد محسوس ہو رہا تھا۔ لیکن میں نے اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دوڑنا جاری رکھا اور جلد ہی مطلوبہ اڈے پر پہنچ کر میں نے شہر جانے والی ویگن پکڑی اور اطمینان سے بیٹھ گیا۔ کچھ ہی لمحوں بعد ویگن نے اپنی جگہ چھوڑی اور سڑک پر دوڑنے لگی۔ شہر میں داخل ہو کر میں اپنے ہوٹل پہنچا اور وہاں سے اپنا ضروری سامان اٹھا کر بنا کسی کو بتائے پچھلے دروازے سے ہوٹل سے باہر آ گیا۔ یہ جگہ اب خطرناک ہو چکی تھی۔ بھارتی پولیس جلد ہی تفتیش کرتی ہوئی یہاں پہنچ سکتی تھی۔ اس لئے میں نے ایک نئی جگہ تلاش کرنے کی ٹھانی اور بیگ کو کندھے پر لٹکائے پیدل ہی چلتا ہوا شہر کے معروف ترین علاقے میں چلنے لگا۔

جلد ہی مجھے ایک چھوٹا سا ہوٹل نظر آیا جو رہائشی کمرے بھی دیتا تھا۔ میں نے کرایہ ادا کر کے تین دن کے لئے کمرہ لے لیا اور کمرے میں پہنچ کر میں نے اپنے زخم صاف کیے اور نہا دھو کر میں نے اپنی چادر بچھائی اور نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔

نماز پڑھ کر میں نے اللہ رب العزت سے اپنی کوتاہیوں پر معافی مانگی اور نصرت چاہی۔ دعا مانگ کر دل میں ایک ٹھہراؤ سا آ گیا۔ مشن کی ناکامی پر دل میں جو کشمکش تھی وہ اب کہیں نظر نہ آ رہی تھی۔

میرا اگلا قدم کیا ہونا چاہیے؟ اسی سوچ و بچار میں کافی وقت گزر گیا اور میں نے اپنے ذہن میں ایک پلاننگ بنائی اور اس پر عمل کرنے سے پہلے ایک گہری نیند لینا چاہی تا کہ تازہ دم اٹھ کر میں اپنا مشن سرانجام دے سکوں۔

☆......☆......☆

حکومت نے کشمیر میں مجاہدین کی بڑھتی کارروائیوں کے پیش نظر "جنرل کرپاڈیا" کو تعینات کر دیا تھا۔ آج اس ظالم جنرل کا پہلا دن تھا۔ اس نے آتے ہی گرفتار مجاہدین پر تشدد زیادہ کر دیا تا کہ زیادہ سے زیادہ معلومات اکٹھی کر کے مجاہدین کے ٹھکانوں پر حملے کیے جائیں اور اس کے ساتھ ہی اس نے "جانباز" کو ڈھونڈنے کے لئے ہر طرف چیکنگ کا ایک جال سا بچھا دیا۔ جانباز کے حالیہ واقعہ کا جب اسے پتہ چلا تو وہ آگ بگولہ ہو گیا اور بذات خود ہیلی کاپٹر کے ذریعے اس جگہ پہنچا جہاں گاڑی پھٹی تھی۔

"یہ کس شخص کو لے کر جا رہے تھے۔" کرپاڈیا نے پوچھا۔

"سر! ابھی تک یہ بات کنفرم نہیں ہوئی۔ شہر کی چیک پوسٹ سے ایک مشکوک شخص کو پکڑا گیا تھا اور اسے مزید تفتیش کے لئے

سنٹر میں لایا جا رہا تھا کہ یہ واقعہ ہو گیا۔ زیادہ امکان یہی لگتے ہیں سر کہ یہ کارروائی "جانباز" کی طرف سے کی گئی ہے۔ کیونکہ ایسی دلیرانہ کارروائیاں ہی اس کا خاصہ ہیں۔" ایک فوجی افسر نے کرپاڈیا کو جواب دیا۔

"اس کے ساتھ جو تین اہلکار تھے۔ان کا کیا ہوا؟" کرپاڈیا نے پوچھا۔

"سر ان میں سے دو تو موقع پر ہی ہلاک ہو گئے تھے اور ایک بچ گیا ہے سر!" لیکن اس کی حالت بھی خطرے سے باہر نہیں ہے اور وہ قریبی ملٹری ہوسپٹل میں زیر علاج ہے۔" فوجی افسر نے مؤدبانہ ہو کر جواب دیا۔

"مجھے اس کے پاس لے چلو۔ اب وہی اس شخص کے بارے میں کوئی کلیو دے سکتا ہے۔" کرپاڈیا نے کہا اور ہیلی کاپٹر میں بیٹھ کر سیدھا ہسپتال پہنچ کر مطلوبہ وارڈ میں داخل ہو گیا۔ وہ زخمی فوجی بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کے جسم پر زخم کے گہرے نشانات موجود تھے۔ کرپاڈیا اس کے قریب پہنچ کر رک گیا اور اسے اس کے نام سے پکارنے لگا تاکہ وہ آنکھیں کھول کر جواب دے۔

"ایکسکیوزمی سر! یہ اس حالت میں ابھی نہیں ہیں کہ آپ کو کچھ جواب دے سکیں۔" ایک نرس نے آگے بڑھ کر جنرل کرپاڈیا کو منع کیا۔ لیکن جنرل کرپاڈیا نے اسے ہاتھ کے اشارے سے باہر جانے کا کہا۔

"اٹھ کر آنکھیں کھول اور بتا کہ کون تھا وہ شخص، کیسا نظر آتا تھا؟" کرنل کرپاڈیا نے اس فوجی کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ اس فوجی نے تکلیف کی شدت کی وجہ سے آنکھیں کھول دیں اور بری طرح کراہنے لگا۔

"بول بول......کون تھا وہ؟ حلیہ کیا تھا اس کا؟" کرپاڈیا نے اس کے سر کو پکڑ کر اس سے پوچھا۔ لیکن وہ فوجی کراہنے کے علاوہ کچھ نہ کر رہا تھا۔ اب تو اس کی کراہنے کی آواز مزید بڑھتی جا رہی تھی۔

"مردبن......اور بتا کہ کیا ہوا تھا؟ نہیں تو ابھی اسی وقت تیرا کورٹ مارشل کر دوں گا۔" جنرل کرپاڈیا نے اب اس زخمی فوجی کا گریبان اس زور سے جھٹکا کہ وہ بیڈ سے نیچے گرتا چلا گیا۔ اس کے منہ سے ایک زوردار چیخ نکلی اور وہ ساکت ہو گیا۔ نرسیں جلدی سے آگے بڑھیں اور اسے دیکھا تو وہ ہلاک ہو چکا تھا۔

"مر گیا کتا......ایک آدمی ان سے سنبھالا نہ گیا۔" جنرل کرپاڈیا کا غصہ کے مارے برا حال ہو رہا تھا۔ اس نے نفرت سے ایک نظر اس مردہ فوجی کے خون آلود چہرے کو دیکھا اور واپسی کی طرف قدم بڑھائے اور ہیلی کاپٹر پر سوار ہو کر واپس چلا گیا۔ جاتے جاتے شہر کی سیکیورٹی سخت تر کرنے کا حکم دے گیا۔

☆......☆......☆

رات کے اندھیرے میں کھلے آسمان تلے وہ بچہ کھڑا تھا۔ اس بچے نے آسمان کی طرف دیکھا اور چند آنسو اس کے رخساروں سے بہہ کر سخت پتھریلی زمین پر گر گئے۔ انہیں شہر چھوڑے آج دوسرا روز تھا۔ اس قیامت خیز دن کے بعد اس بچے کے ماموں آ کر انہیں لے گئے تھے۔ اس کے ابو کو وہیں اسی شہر میں دفن کر دیا گیا تھا۔ کشمیر میں ایک اور شہید کی قبر بن چکی تھی۔ ایسی مظلومانہ شہادت وہاں روز کا معمول تھا لیکن کوئی نہیں جانتا تھا کہ آج کی اس مظلومانہ شہادت کا بدلہ ہندو بنیا کئی سالوں تک چکاتا رہے گا۔

آنسو زاروقطار اس کے گالوں پر امڈ آئے تھے۔ جنہیں وہ بار بار ہاتھ کی ہتھیلیوں سے صاف کر دیتا تھا۔

"میرا بیٹا کیوں رو رہا ہے؟" اچانک صحن میں اس کی امی آ گئیں اور اپنے بیٹے کی آنکھوں سے آنسو دیکھ کر آہستگی سے پوچھا۔

"آپ سے زیادہ نہیں رو رہا ماں۔" بچے نے بھیگی آنکھوں سے

پیچھے مڑ کر اپنی ماں کو جواب دیا۔ وہ اپنی ماں کو مسلسل دو دن سے چپ چاپ آنسو بہاتے دیکھ رہا تھا۔

''میں تو کمزور ہوں بیٹا! لیکن تم تو بہادر ہو نا۔ بالکل اپنے ابو کی طرح؟'' ماں نے پچکارتے ہوئے اس بچے کے آنسو اپنے پلو سے صاف کرتے ہوئے کہا۔

''چلو اندر چلو...... سو جاؤ۔ باہر بہت ٹھنڈ ہے۔'' ماں نے پیار بھرے انداز میں اسے اندر جانے کو کہا۔ ''نہیں امی! ابھی نہیں، آپ سو جائیں۔ میں کچھ دیر ابو کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔ وہ میرے پاس ہیں۔ مجھ سے باتیں کر رہے ہیں۔'' بچے نے جواب دیا۔ ''ٹھیک ہے۔ لیکن جلدی آ جانا اور یہ بات نہ بھولنا کہ تم آج سے ایک شہید کے بیٹے ہو۔ غم نہ کرنا۔'' اس کی امی نے اندر جاتے ہوئے کہا۔ ''میں جانتا ہوں امی! میں جلدی آتا ہوں'' بچے نے یہ کہہ کر ماں کو الوداع کہہ دیا اور پھر سے آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھنے لگا۔ اس کی پلکیں ابھی بھی بھیگی ہوئیں تھیں۔ اس نے خود سے کہنا شروع کیا۔

''اے اللہ! میں جانتا ہوں۔ میرے ابو اب آپ کے پاس ہیں۔ میں ان سے روز قیامت ہی مل سکتا ہوں۔ مجھے وہ بہت پیار کرتے تھے۔ میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھا۔ میرے سامنے وہ زندہ جلا دیے گئے۔ اے اللہ! آج میں آپ سے کچھ مانگتا ہوں۔ کیا آپ مجھے دیں گے؟

مجھے ہمت دیجیے! مجھے طاقت دیجیے! مجھے حوصلہ دیجیے کہ میں اپنے ابو کے قاتلوں سے اور بدلہ لے سکوں۔ میں ان ہزاروں ماؤں کے معصوم شہید بچوں کا بدلہ لے سکوں۔ اے اللہ! مجھے اپنے جہاد والے راستے کے لئے چن لیجیے! میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں اس راستے سے پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ میں اپنی جان آپ کے راستے میں قربان کرنے سے دریغ نہیں کروں گا۔

اے اللہ! مجھے ''جانباز'' بنا دیں۔ مجھے بہادری اور ہمت سے اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کی توفیق نصیب فرما اور پھر مجھے شہادت کی موت دے کر انعام عطا فرما دینا تاکہ کل آپ کے سامنے سرخرو ہو کر پیش ہو سکوں۔'' آمین

آنسو اب بھی اس کی آنکھوں میں تھے۔ لیکن اب اس کے دل پر بوجھ نہیں تھا۔ اس نے غم کی شدت کی کمی کو محسوس کیا۔ اپنی ہتھیلیوں سے آنسوؤں کو صاف کیا اور ایک نظر برف پوش پہاڑوں پر ڈالی جو اس کے سامنے سینہ تان کر کھڑے تھے اور آنے والے دنوں میں یہی پہاڑ اس کے سامنے اپنا سب کچھ نچھاور کرنے والے تھے۔ اس کی پناہ گاہ بننے والے تھے۔

☆......☆......☆

میں نے اگلے دن صبح نماز پڑھ کر تلاوت کرنے کے بعد کچھ دیر مزید آرام کیا اور پھر بازار سے کچھ سامان لینے کے لئے ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ میں نے اپنے چہرے پر ترچھی کر کے ایک کیپ رکھ لی تھی تاکہ کوئی پہچان نہ لے۔ مجھے اپنی اگلی کارروائی کے لئے کچھ ایسا سامان خریدنا تھا جس سے میں بارود بنا سکوں۔ کیوں کہ میرے پاس اسلحہ کے نام پر صرف ایک گن اور پسٹل اور چاقو تھا۔ میں چاہتا تھا کہ کسی طرح بارود بنا کر اسے گرنیڈ کی طرح استعمال کر سکوں۔ چنانچہ میں نے ہوٹل کے ساتھ ہی بازار میں سامان خریدنا شروع کر دیا۔ اچانک میری نظر ایک اخبار پر پڑی جو ایک دوکان والے کے پاس پڑا تھا۔ میں نے اٹھا کر یونہی سرسری نگاہ ڈالی تو کل والے واقعے کی تمام تفصیلات درج تھیں۔ جنرل کرپاڈیا کا نام پڑھ کر ''جانباز'' کے ہونٹوں پر ایک حسین مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس کے جسم کے تمام عضلات اکڑ سے گئے اور اس کی آنکھوں میں عجیب چمک ابھر آئی۔ اس وقت ایسی کیفیت تھی جیسے ایک شیر بہت دنوں بعد اپنے من پسند شکار کو دیکھ کر ایک زوردار انگڑائی لیتا ہے۔

میں نے تمام سامان خریدنے کے بعد واپسی کی ٹھانی۔ اچانک

مجھے چند تیز آوازوں نے رکنے پر مجبور کر دیا۔

"میں اپنی تلاشی کیوں دوں؟ کسی لیڈی پولیس کو بلاؤ وہ میری تلاشی لے گی۔" ایک برقعہ پوش خاتون ایک بھارتی پولیس والے سے بات کر رہی تھی۔ وہ پولیس والا شاید اس خاتون کی تلاشی لینا چاہ رہا تھا۔

"میں تیری تلاشی لوں گا۔ نہ دی تو تھانے لے جا کر جیل میں ڈلوا دوں گا۔ ساری عمر سڑتی رہے گی وہاں۔" اس پولیس والے نے گن سیدھی کر کے اس خاتون کو ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا۔

"میں نے کہا ناں کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ پھر کیوں لے رہا ہے تلاشی؟" اس خاتون نے بھی اونچی آواز سے اس سے بات کرنا شروع کر دی۔ یہ بھارتی پولیس کے ٹاؤٹ جگہ جگہ کھڑے ہو کر عام شہریوں کو روز روز تنگ کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ کہیں ایک تو کہیں دو مختلف جگہوں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور آنے جانے والوں کو ہمیشہ تنگ کرتے رہتے ہیں۔ شور سن کر آس پاس کے لوگ بھی آ گئے اور پولیس والے کو سمجھانے لگے کہ ایک عورت ذات کسی غیر مرد کو کیسے تلاشی دے۔ ہمارے مذہب میں یہ جائز نہیں۔

"تم میرے راستے میں نہ آؤ ورنہ ابھی ایک وائرلیس کال کروں گا اور پوری پولیس فورس آ جائے گی اور تمہاری یہ سب دوکانیں سڑک پر ہوں گی۔" وہ پولیس والا اتنے سارے لوگوں کو دیکھ کر اب دھمکی پر اتر آیا تھا۔ لیکن لوگوں نے خاتون کو بغیر تلاشی کے اس پولیس والے سے دور ہٹا دیا اور خود اس کو سمجھانے بجھانے اور اسے ٹھنڈا کرنے میں لگ گئے۔ وہ بے چارے بھی مجبور تھے کہ پولیس فورس آ کر انہیں سخت اذیت سے دوچار کر سکتی ہے۔

"میں دیکھ لوں گا تم سب کو۔ آج شام کو دیکھنا کہ تمہارے ساتھ ہوتا کیا ہے۔" پولیس والے نے دھمکی دی اور علیحدہ ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ مجمع اب اس سے دور ہٹ گیا تھا۔ پولیس والا بار بار وائرلیس نکالتا اور پھر اسے رکھ دیتا۔ اس نے جیب سے سگریٹ نکالی اور اسے سلگا لی۔

میں دور کھڑا یہ سب دیکھ رہا تھا۔ مجھے اس پولیس والے کی ہٹ دھرمی پر شدید غصہ آ رہا تھا۔ میں نے قریب ہی ایک دوکان والے سے ماجرا پوچھا۔

"بس نہ پوچھو بھائی! یہ خبیث جب سے ادھر تعینات ہوا ہے ہمارا جینا دوبھر ہو گیا ہے۔ عورتوں کو دیکھ کر یہ وحشی بن جاتا ہے اور انہیں چھیڑنا روز کا معمول بن گیا ہے۔ ایک دو بار جھگڑا بھی کیا ہم نے لیکن اس نے پولیس فورس بلا لی اور ہمیں لینے کے دینے پڑ گئے۔ اللہ اس سے ہماری جان چھڑائے۔" اس دوکاندار نے جلدی جلدی جانباز کو سب بتا دیا۔

میں واپس ہوٹل پہنچا اور سامان رکھ کر واپس سڑک پر آیا اور واپس اسی مارکیٹ میں پہنچ گیا جہاں وہ پولیس والا کھڑا تھا۔ میرے ذہن میں آج اس پولیس والے کو سبق سکھانے کا خیال آیا تھا۔ جس جگہ پولیس والا کھڑا ہوا تھا وہاں سے چند سو میٹر دور جنگل شروع ہو جاتا تھا اور برف پوش پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ میں نے اپنے چہرے پر بدحواسی طاری کی اور اس کی جانب چل دیا۔

"صاحب! میں نے اس طرف ایک نوجوان لڑکی کو زخمی حالت میں زمین پر پڑے دیکھا ہے۔" میں نے مکاری سے اس پولیس والے کے سامنے بدحواس ہوتے ہوئے کہا۔

"کیا! نشہ تو نہیں ہو گیا تجھے؟ کون ہے تو؟ کس طرف ہے وہ لڑکی؟" پولیس والا میری اس اداکاری پر بوکھلا سا گیا۔

"صاحب! میں سچ کہہ رہا ہوں۔ پچھلی سائیڈ پر جہاں بڑی سڑک ہے صاحب! وہاں دیکھا میں نے اور ساتھ میں ایک

گاڑی بھی کھڑی ہے۔" میں نے مزید پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو جا۔ اپنا کام کر۔ میں پولیس کو بتا دیتا ہوں۔" پولیس والے نے یہ سن کر اپنا وائرلیس سیٹ نکالا اور اس پر فریکوئنسی ایڈجسٹ کرنا شروع کر دی۔ میرے لئے یہ صورتحال کچھ اچھی نہیں تھی۔ مجھے میرا پلان چوپٹ ہوتا نظر آ رہا تھا۔

"اس کو بھی آج ہی خراب ہونا تھا۔" پولیس والے نے وائرلیس فون کو ایک لمبی گالی دیتے ہوئے واپس جیب میں ڈال لیا۔

"اب میں کیا کر سکتا ہوں؟ پڑی رہنے دے اسے۔ ہو گی کوئی گھر سے بھاگی ہوئی۔" پولیس والے نے جواب دیا اور پاس پڑے بنچ پر بیٹھ گیا۔

"صاحب! وہ نوجوان ہے اور مجھے تو غیر ملکی لگتی ہے۔ آپ کے تھانہ کا علاقہ ہے یہ۔ بات آپ پر آ سکتی ہے صاحب! میں تو آپ کے بھلے کے لئے کہہ رہا تھا۔" میں نے آخری زور لگاتے ہوئے کہا۔ اس نے کچھ دیر میرے چہرے کی طرف دیکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں ہے لڑکی۔ چل مجھے لے چل۔" پولیس والے نے کہا اور میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ تین منٹ کے پیدل سفر کے بعد ہم اسی سڑک پر پہنچ گئے۔ جس کے پار جنگل تھا۔ اکا دکا گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ نہ کوئی گاڑی تھی اور نہ کوئی لڑکی۔

"کہاں ہے وہ لڑکی؟" پولیس والے نے کہا۔

"یہاں کوئی نہیں ہے کتے.......!" میں نے غراتے ہوئے کہا اور اس سے پہلے کہ وہ گن کو سیدھا کرتا میں نے اپنی پوری قوت سے اس کے پیٹ میں مکا جڑ دیا اور وہ درد کی شدت سے دہرا ہوتا چلا گیا۔ گن اس کے ہاتھوں سے نکل کر دور جا گری اور میں نے اپنی جیب سے چاقو نکال لیا اور دو تین مزید اسے کے مارنے کے بعد سڑک کے اس پار جنگل کی طرف لے آیا۔ اس کی گن میں نے پہلے ہی اٹھالی تھی۔ اب ہمیں کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ اسے زندہ چھوڑ دوں گا لیکن اس کے منہ سے گالیوں کا ایسا طوفان اٹھا کہ میں نے پوری شدت سے اپنا چاقو اس کے سینے میں گھسیڑ دیا اور وہ تڑپ تڑپ کر جہنم واصل ہو گیا۔ میں نے اس کی گن اور وائرلیس اٹھا کر دور پھینک دیے اور اب اس کی لاش کا مسئلہ تھا۔ اس کی لاش اگر کسی نے یہاں دیکھ لی تو پھر بے چارے مارکیٹ والوں کو پھر عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ اس لئے مجھے اس کی لاش کا کچھ کرنا تھا۔ ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک ایک ٹرک نیچے سڑک پر آ کر رک گیا اور اس میں سے ایک آدمی نیچے اتر کر شاید قضائے حاجت کے لئے جنگل کی طرف آ گیا۔ وہ میرے مخالف سمت میں تھا، اس لئے میں اسے کسی صورت نظر نہیں آ سکتا تھا۔ میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ میں نے اس فوجی کی لاش کو گھسیٹ کر کسی طرح نیچے سڑک تک لایا اور پھر اسے سامان سے بھرے اس ٹرک میں چپکے سے ڈال دیا۔ اس کی گن اور وائرلیس میں نے اٹھا کر اس کے ساتھ ہی رکھ دیے تا کہ یہ ثبوت بھی یہاں نہ رہ جائے۔ ابھی میں گن رکھ ہی رہا تھا کہ اچانک مجھے پیچھے سے ایک زوردار آواز سنائی دی............ اور میں ساکت کھڑا رہ گیا............

☆......☆......☆

وہ آواز دینے والا کون تھا؟ وہ بچہ "جانباز" کیسے بنا؟ اسے کس نے تربیت دی؟ کیا جانباز جنرل کر پاڈیا سے اپنے باپ اور ہزاروں کشمیری مسلمانوں کا بدلہ لے پائے گا؟ یہ سب جاننے کے لئے مسلمان بچے کے اگلے شمارے کا انتظار کیجیے!

☆......☆......☆

(گزشتہ سے پیوستہ......)

وہ زوردار آواز سنتے ہی میں نے ٹرک میں رکھی گن کے اوپر کپڑا بجلی کی سی تیزی سے ڈالا اور پیچھے مڑ کر ہاتھ کھڑے کر دیے کیونکہ سامنے پولیس کی گاڑی کھڑی تھی اور ان میں سے ایک سپاہی نے نیچے اتر کر مجھے زوردار انداز میں پکارا تھا۔ اب تو میری گرفتاری یقینی تھی۔ وہ پولیس والا ذرا سا اور آگے آتا تو اسے لاش نظر آسکتی تھی۔

"اوئے! یہاں بالکل بیچ سڑک پر گاڑی کیوں کھڑی کر دی تو نے؟" اس نے نہایت حقارت بھرے انداز میں وہیں کھڑے کھڑے مجھ سے پوچھا۔

"صاحب! حاجت کے لئے جانا پڑا صاحب! میں ابھی گاڑی یہاں سے ہٹاتا ہوں۔" میں نے انتہائی لجاجت بھرے انداز میں ہاتھ جوڑتے ہوئے آگے بڑھ کر کہا۔ تاکہ وہ پولیس والا وہیں کھڑا رہے اور آگے نہ بڑھے۔

"گاڑی میں کیا ہے؟" اس نے سوال کیا۔

"صاحب! سیب ہیں منڈی لے جا رہا ہوں صاحب!" میں نے لہجا ایسے بنا لیا جیسے ابھی اس کے قدموں میں گر جاؤں گا۔ ایسا کرنا ضروری تھا تاکہ وہ میری ہر بات سچ سمجھے۔ جبکہ

ٹرک میں کیا تھا اس کا مجھے اندازہ تک نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے، دو پیٹیاں صاحب کے گھر پہنچنی چاہئیں۔" اُس نے گاڑی میں سائیڈ سیٹ پر بیٹھے مونچھوں والے آدمی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ شاید وہ اس کا صاحب تھا۔

"جی صاحب! پھر مجھے ایڈریس لکھ دیں۔" میں نے اسی لہجے میں کہا۔ اس نے ہاں میں سر ہلایا اور گاڑی میں جا کر اس نے ایک کاغذ پر مکمل ایڈریس لکھ کر میرے حوالے کر دیا اور زور دار انداز میں بولا۔

"ایک سیکنڈ سے بھی پہلے اس گاڑی کو یہاں سے دفعہ کر اور سڑک خالی کر۔ نہیں تو ابھی اندر کر دوں گا۔" اس پولیس والے نے سختی سے کہا اور جیپ میں بیٹھ کر آگے روانہ ہو گیا۔

مصیبت ٹل چکی تھی۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور ایک نظر اس ٹرک والے کو دیکھا جو خراماں خراماں چلتا ہوا ٹرک کے پاس آیا، دروازہ کھولا اور تھوڑی دیر بعد ٹرک اسٹارٹ کر کے آگے روانہ ہو گیا۔

"خس کم جہاں پاک۔" میرے منہ سے نکلا، ایک اور درندہ جہنم واصل ہو چکا تھا۔

میں واپس اپنے ہوٹل پہنچا اور دو رکعت شکرانے کے نفل پڑھ کر اللہ رب العزت سے مدد چاہی اور تھوڑی دیر کے لئے سونے کی تیاری میں لگ گیا۔

میرا اصل مشن اس پولیس اسٹیشن کو نشانہ بنانا تھا جہاں ٹارچر سیل قائم تھا۔ معصوم کشمیریوں کو رات کی تاریکی میں وہاں لے جایا جاتا اور انہیں شدید تشدد کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ ایسا تشدد جو کسی جانور پر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ایسا خوفناک ٹارچر جو انسان کے رگ و پے کو تڑپا کر رکھ دیتا تھا۔ مجھے اسی ٹارچر سیل کو تباہ کرنا تھا اور وہاں موجود ہر درندے کو جو درندگی کی اعلیٰ سطح کو پہنچ چکے تھے۔ لیکن میں کیسے یہ سب کروں گا؟ اچانک مجھے جیب میں موجود اس رقعہ کا خیال آیا جو اس پولیس والے نے دیا تھا۔ میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر وہ رقعہ نکالا۔ رقعہ دیکھ کر میرے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ ابھر آئی۔ ایک مکمل مشن میرے سامنے آ چکا تھا۔ میں نے ذہن کو اسی جگہ پر روک دیا اور مزید کچھ سوچنے سے خود کو روک کر آنکھیں بند کر لیں۔

☆......☆......☆

وہ مسلسل غصے سے کمرے کے چکر کاٹ رہا تھا۔ اس کی حالت زخمی کتے کی سی تھی۔ وہ مسلسل منہ سے عجیب قسم کی پھنکار نکالتا اور پھر اپنی مٹھی کو دوسرے ہاتھ پر زور سے دے مارتا تھا۔

یہ جنرل کرپا ڈیا تھا، کشمیر میں سات لاکھ انڈین آرمی کا چیف۔ اسے آج ہی اطلاع ملی تھی کہ رات کے وقت دو مجاہدین نے اس کی ایک پوری چھاؤنی کو شدید مشکل سے دو چار کیے رکھا۔ کئی فوجیوں کو قتل اور چھاؤنی آدھے سے زیادہ تباہ کر دی گئی اور چھ گھنٹے کے سخت مقابلے کے بعد ان مجاہدین کو شہید کر ڈالا گیا۔ اسی سلسلے میں اسے دہلی سے اپنے چیف کمانڈر کی کال آنے پر سخت ہزیمت سے دو چار بھی ہونا پڑا اور کرنل کرپا ڈیا صرف "سوری" کر کے رہ گیا۔

چلتے چلتے اچانک وہ میز کے پاس رکا اور فون اٹھا کر اپنے سب سے قابل اعتماد کیپٹن کو بلایا۔

تھوڑی دیر بعد ایک چھریرے بدن کا نوجوان جس کا بدن

کسی باڈی بلڈر کی مانند تھا، کمرے میں داخل ہوا۔

یہ کرپاڈیا کا خاص آدمی ''کیپٹن مہیش'' تھا۔ اس کے کارناموں میں ہزاروں کشمیریوں کا خون لکھا ہوا تھا۔ کئی مجاہدوں کو ٹارچر سیلوں میں جکڑ کر انہیں اپنی درندگی کا نشانہ بنانے والا یہ کیپٹن چہرے سے جس قدر معصوم نظر آتا تھا، حقیقت میں اس سے کہیں زیادہ بھیانک تھا۔ اس نے اندر آتے ہی کرپاڈیا کو سیلوٹ کیا اور ایک طرف ہو کر کھڑا ہو گیا۔

''کیپٹن! تم جانتے ہو رات کو کیا ہوا۔'' کرپاڈیا نے کیپٹن سے پوچھا۔

''یس سر! میں جانتا ہوں۔'' کیپٹن مہیش نے سر جھکا کر جواب دیا۔

''ہم بہت کمزور ہوتے جا رہے ہیں اور وہ بہت طاقتور بن چکے ہیں۔ دہلی سے آج پہلی بار مجھے اتنی جھاڑ سننی پڑ رہی ہے اور ان کتوں کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے کہ ایک دو آدمی بھی ان سے سنبھالے نہیں جاتے۔'' کرپاڈیا شروع میں مہذب اور پھر بعد میں اپنا آپ کھوتا چلا گیا۔ اس کے منہ سے غصے کے مارے تھوک اڑ اڑ کر ادھر ادھر جانے لگی اور کچھ تھوک کیپٹن مہیش کے چہرے پر بھی پڑی لیکن اس نے کمال ادب کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے صاف کرنے کی زحمت نہ کی اور چپ چاپ اپنے باس کی تھوک اپنے چہرے پر برداشت کرتے چلا گیا۔

''سر! آپ فکر نہ کریں۔ مجھے ایک خصوصی فورس دیں۔ میں آپ کو دو دن کے اندر اندر مجاہدین کے بڑے سیٹ اپ لازمی پکڑ کر دوں گا۔ آپ مجھے جانتے ہیں سر! کم از کم ایک سیٹ اپ کا بھی پتہ چل گیا تو آگے کام آسان ہو جائے گا اور دہلی والوں کا منہ بھی ہم بند کر سکتے ہیں۔'' کیپٹن مہیش نے چاپلوسی کے انداز میں بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''مجھے تم سے یہی توقع تھی کیپٹن! تم اپنی مرضی کی ٹیم لے جا سکتے ہو۔ تمہیں تین دن دیتا ہوں۔ مجھے لمحہ بہ لمحہ اطلاع کرتے رہنا اور اس کے لئے تمہیں فری ہینڈ دیتا ہوں۔ جو کچھ کر سکتے ہو کرو لیکن کچھ اچھی خبر لاؤ!'' کرپاڈیا نے کیپٹن کو ہدایات دے کر روانہ کر دیا۔

اب وہ آرام وہ کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔ اسے کیپٹن مہیش کی طاقت اور صلاحیت کا بخوبی اندازہ تھا۔ اس کے چہرے پر تناؤ کی جو کیفیت تھی وہ اب ختم ہو چکی تھی۔ اس نے پاس پڑے پستول کو اٹھایا، اسے چیک کیا اور فون پر چھاؤنی میں موجود ٹارچر سیل میں اپنے آنے کی اطلاع دی۔ یہ اس کا سب سے من پسند مشغلہ تھا۔ اسے جب بھی ذہنی تناؤ سے نجات کی ضرورت ہوتی وہ ٹارچر سیل چلا جاتا اور پھر وہاں بیڑیوں میں جکڑے معصوم مسلمانوں کو تب تک تشدد کا نشانہ بناتا جب تک اس کا جی نہ بھر جاتا تھا۔ اگرچہ اس کے بازوؤں میں اب وہ طاقت نہیں رہی تھی۔ وہ بوڑھا ہو رہا تھا لیکن تشدد اس کا پسندیدہ کھیل بن چکا تھا۔ جب وہ خود تھک جاتا تو بیٹھ کر دوسروں کے ہاتھوں سے تشدد دیکھتا۔ اس کی اسی سفاکی کی وجہ سے مجاہدین نے اس پر کئی بار قاتلانہ حملے کیے لیکن وہ بچ نکلتا۔ شاید قدرت کو ابھی مجاہدین اور کشمیری مسلمانوں کا مزید امتحان مقصود تھا۔

☆......☆......☆

دو سال گزر چکے تھے۔ وہ بچہ اب بڑا ہو چکا تھا۔ لیکن اپنے والد کی المناک شہادت کو نہیں بھولا تھا۔ کشمیر کے

دوسرے بچوں کی طرح اسے بھی اب یتیمی کی زندگی گزارنی تھی۔ اس حقیقت کو اس نے قبول کر لیا تھا۔ لیکن اس نے رات کے اندھیرے میں برف پوش پہاڑوں کے سامنے کھڑے ہو کر نم آنکھوں سے جو دعا مانگی تھی، وہ اسے آج بھی یاد تھی۔ اس نے خود کو اس قابل بنانے کے لئے دن رات محنت شروع کر دی۔

وہ اپنے بازوؤں کو مضبوط کرنے کے لئے سامنے موجود پہاڑوں پر صبح سویرے چلا جاتا اور درختوں پر چڑھنے کی کوشش کرتا اور کبھی پتھروں کو دور پھینکنے کی مسلسل مشق کرتا رہتا۔ اسے نشانہ بازی میں بھی اب خاصی مہارت ہو چکی تھی۔ اپنی ٹانگوں کو مضبوط بنانے کے لئے وہ پہاڑوں کی چوٹیوں کو مسلسل پھلانگتا رہتا، دوڑتا رہتا، کبھی ہانپ کر رک جاتا لیکن پھر دوبارہ دوڑنے لگتا۔ دو سال کی مسلسل محنت کے بعد اب اس کا جسم انتہائی طاقتور ہو گیا تھا۔ اس نے ان دو سالوں میں شاید ایک دن بھی اپنی اس مشق کو نہیں چھوڑا۔ وہ دن چڑھے ناشتہ کر کے ہاتھ میں کھانے کا ٹفن لے کر گھر سے آدھے گھنٹے کی مسافت پر موجود پہاڑوں میں گم ہو جاتا اور شام ڈھلے آتا اور پھر اپنے ماموں کے ساتھ لکڑی کے کام میں ان کی مدد بھی کرتا۔

آج بھی حسب معمول وہ سو کر اٹھا۔ صبح کی اذان ہو رہی تھی۔ اس نے اطمینان سے وضو کیا۔ نماز پڑھی اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیے۔ اس کے نورانی چہرے کو اس کی چھوٹی چھوٹی زلفیں چوم رہی تھیں۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور صبح کی ہوا کے ٹھنڈے جھونکے اس کے حسین چہرے کو چھو رہے تھے۔ کچھ دیر دعا کرنے کے بعد وہ مسجد سے باہر آیا اور گھر پہنچ کر تلاوت کرنے لگا۔ قرآن مجید کی ایسی تلاوت کرتا کہ لوگ عش عش کر اٹھتے۔ پہاڑوں سے آتی ہواؤں کے جھونکوں کے ساتھ اس کی میٹھی آواز بھی مل جاتی اور ایک عجب سماں پیدا ہو جاتا۔ اس کی ماں اپنے کمرے میں بیٹھے بیٹھے بیٹے کی خوبصورت اور درد بھری آواز کو سن کر ٹپ ٹپ آنسو بہاتی رہتی۔ یہ آنسو خوشی کے آنسو ہوتے تھے کہ اللہ نے اسے کیسی آواز سے، کیسے جذبے سے نوازا ہے۔ بن باپ کے بیٹے کیسے ہوتے ہیں یہ وہ جانتی تھی۔ لیکن اس کا بیٹا باپ کے بنا ایسا ہیرا بن رہا تھا جس کی قدر صرف ایک جوہری ہی کر سکتا ہے۔

حسب معمول تلاوت کے بعد اس کی ماں نے اسے ناشتہ دیا۔ ناشتہ کرنے کے بعد اس نے ماں کا ماتھا چوما اور گھر سے باہر نکل کر پہاڑوں کی طرف جانے والے راستے پر دوڑ لگا دی۔ جلد ہی وہ پہاڑوں میں موجود اپنے بنائے ہوئے ٹریننگ سینٹر میں پہنچ گیا اور مخصوص ورزشیں کرنے لگا۔

اچانک اسے دور پہاڑوں پر تیز فائرنگ اور گولہ باری کی آوازیں سنائی دیں۔ ایک لمحے کو تو اس کا دل ڈر گیا اور خوف کی ایک لہر اس کے پورے جسم میں سرایت کر گئی۔ دوسرے ہی لمحے اس نے خود کو سنبھالا اور اس طرف دوڑ لگا دی جس طرف سے مسلسل آوازیں آ رہی تھیں۔ اس کی نقل و حرکت انتہائی محتاط تھی۔ وہ اونچی نیچی ٹیکریوں کا سہارا لیتا آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ جنگل اور گھنا ہوتا جا رہا تھا۔ اچانک اسے تین افراد فائرنگ کرتے اور مسلسل بھاگتے نظر آئے۔ تینوں ایک بڑی پہاڑی کی آڑ لے کر دوسری سائیڈ پر فائرنگ کر رہے تھے۔ اس لڑکے

نے بھی ایک آڑ لے کر دوسری طرف دیکھا اور وردی میں ملبوس بہت سے فوجیوں پر اس کی نظریں جمی رہ گئیں۔ وہ فوجی مشین گنوں اور ہینڈ گرنیڈ سے پوری طرح لیس تھے اور مسلسل گولہ باری کر رہے تھے۔

اسے یہ سمجھنے میں زیادہ دیر نہ لگی کہ مقابلہ انڈین آرمی اور چند مجاہدین کے درمیان میں ہو رہا ہے۔ اچانک ایک گرنیڈ ان تینوں مجاہدین کے بالکل قریب پھٹا اور دو مجاہد اڑتے ہوئے دور جا گرے اور ان کے اعضاء ادھر ادھر بکھر گئے۔ ان میں سے تیسرے نے عین گرنیڈ پھٹتے وقت چھلانگ لگا دی تھی جس کی وجہ سے وہ بچ گیا تھا جبکہ اس کے دو ساتھی اب شہید ہو چکے تھے۔

وہ لڑکا سوچ رہا تھا کہ کیسے اس مجاہد کی مدد کرے۔ لیکن اسے ہتھیار چلانا نہیں آتے تھے۔ وہ ابھی تک ان ہتھیاروں سے دور رہا تھا۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ تیسرے مجاہد نے ایک گرنیڈ فوجیوں کی طرف پھینکا اور دو تین فوجی اسی وقت ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئے۔ یہ دیکھ کر بزدل فوجیوں کی فائرنگ بند ہو گئی اور وہ ذرا پیچھے ہٹ گئے۔ اکا دکا فائر ابھی بھی جاری تھے لیکن وہ تیسرا مجاہد ایک محفوظ آڑ لیے ہوا تھا۔ اس کا انداز انتہائی پھرتیلا تھا۔ وہ ایک چھلاوے کی مانند کبھی ادھر سے ادھر اور کبھی جست لگا کر خود کو بھارتی فوجیوں کے حملے سے محفوظ کر رہا تھا۔ اس کی جسم میں بلا کی طاقت تھی۔ اس کے لمبے گھنے بال پورے چہرے پر پھیلے ہوئے تھے۔ جسم سے وہ کافی سڈول تھا۔ اس کے جسم کو دیکھ کر کوئی یہ اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ اس میں اتنی طاقت ہوگی لیکن وہ اپنے اس کمزور بدن کے ساتھ کس قدر پھرتی سے لڑ رہا تھا، اس بات کا گواہ صرف وہ لڑکا تھا یا پھر انڈین فوجی۔

عین اسی وقت اس لڑکے کی نظر انڈین فوجیوں کی طرف گئی جو ایک بڑے لانچنگ میزائل کو فٹ کر کے اس کا رخ اس طرف کر رہے تھے جس طرف وہ مجاہد چھپا ہوا تھا۔ لڑکا یہ دیکھ کر چونک گیا اور اس نے جست لگائی اور وہ کچھ قدم دور رک کر اس نے اس مجاہد کو آواز لگائی۔ آواز سنتے ہی وہ مجاہد بجلی کی سی پھرتی سے مڑا اور گن سیدھی کر کے فائر کرنے ہی والا تھا کہ اس لڑکے نے ہاتھ کھڑے کر کے اسے راکٹ لانچر کے بارے میں بتایا۔ یہ سن کر مجاہد پریشان ہو گیا اور فوراً دوسری سمت کی طرف دوڑ لگا دی۔ ابھی اس نے دوڑنا ہی شروع کیا تھا کہ ایک زوردار دھماکہ ہوا اور اس ٹیکری کے پرخچے اڑ گئے جس کے پیچھے وہ مجاہد چھپا ہوا تھا۔ اس پتھر کے کچھ ٹکڑے مجاہد کے جسم کو اس زور سے لگے کہ وہ لہراتا ہوا دور جا گرا۔

وہ لڑکا دور کھڑا یہ دیکھ رہا تھا۔ اس کی سانسیں بہت تیز چل رہی تھیں۔ دل کی دھڑکن بے ترتیب تھی اور کیوں نہ ہوتیں یہ اس کی زندگی کا پہلا معرکہ تھا۔ اس نے مجاہد کو دور اٹھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ مجاہد کسی صورت ہمت ہارنے کو تیار نہیں تھا۔ اس کے چہرے کو دیکھ کر لگتا تھا کہ جیسے وہ اپنی آخری سانس تک لڑے گا۔ اس لڑکے نے دور سے اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ اس مجاہد کے پاس اب گولیاں بہت کم رہ گئیں تھیں۔ اس کے پاس اس لڑکے کی بات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا چنانچہ اس نے گن سیدھی کی اور فوجیوں پر گولیاں برساتے ہوئے لڑکے کی طرف دوڑ لگا دی۔ لڑکے

نے اس مجاہد کو اپنے پیچھے آتا دیکھ کر واپسی کی طرف رخ کیا اور دوڑنے لگا۔ اچانک لانچنگ میزائل سے ایک اور کان پھاڑ دھماکہ ہوا اور وہ لڑکا لڑھکتا ہوا دور جا گرا۔ اس کے جسم پر صرف خراشیں آئی تھیں۔ آس پاس کی ساری پہاڑی ملیامیٹ ہو چکی تھی۔ اچانک اس لڑکے کی نظر اس مجاہد پر پڑی جو پتھروں کے درمیان ساکت پڑا ہوا تھا۔ لڑکا تیزی سے اٹھا اور اس نے فوراً مجاہد کی طرف دوڑ لگا دی۔ مجاہد کی سانسیں چل رہی تھیں۔ وہ مسلسل کلمہ پڑھ رہا تھا۔ اس نے آس پاس کے پتھر ہٹائے اور مجاہد کو کسی طرح گھسیٹ کر نکالا۔ مجاہد کے حواس کچھ بحال ہوئے تو اس نے اسے بتایا کہ میری ٹانگیں حرکت نہیں کر رہیں۔ تم مجھے درخت کے کنارے بٹھا کر گن تھما دو اور چلے جاؤ! لیکن لڑکے نے انکار کرتے ہوئے اسے کسی طرح سہارا دے کر آگے بڑھانا شروع کر دیا جتنا تیز وہ چل سکتا تھا وہ چل رہا تھا۔ اسے مجاہد کو کسی محفوظ جگہ پہنچانا تھا۔ اس کے لئے وہ پاگل پن کی حد کو بھی عبور کرنے پر تیار تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اگر اس کام میں اس کی جان بھی چلی جائے تو اسے کچھ پرواہ نہیں۔

جلد ہی وہ اسے بچاتے ہوئے ٹریننگ سنٹر میں پہنچ گیا۔ اس مجاہد کو ابھی گھر لے جانا مناسب نہیں تھا کیونکہ گاؤں کے درمیان سے گزار کر لے جانا تھا اور کوئی بھی اس کی اطلاع کر دیتا۔ اس لڑکے نے مجاہد کو قدرے محفوظ آڑ میں بٹھایا اور اس کے لئے پانی لایا۔ مجاہد نے پانی پی کر قدرے سکون محسوس کیا۔ اس کی ٹانگوں میں بڑے بڑے پتھر اڑتے ہوئے آکر لگے تھے جس کی وجہ سے شاید ٹانگوں کی ہڈیوں کو نقصان پہنچا تھا۔

"بیٹا! تم کون ہو؟" مجاہد نے پوچھا۔

"آپ ابھی آرام کریں۔ آپ کے لئے بولنا ٹھیک نہیں۔ آپ گھبرائیں نہیں میں ایک شہید کا بیٹا ہوں۔" یہ کہہ کر اس لڑکے نے مجاہد کو سہارا دے کر ایک چھوٹی سی مصنوعی غار نما کوہ میں لٹا دیا۔ یہ چھوٹی سی غار دور سے دیکھنے سے کسی کو نظر نہ آ سکتی تھی۔ یہ اس لڑکے نے ڈھونڈی تھی تاکہ آڑے وقتوں میں کام آسکے اور آج یہ غار اس کے خوب کام آ رہی تھی۔

وہ لڑکا ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ گھر جا کر اس زخمی مجاہد کے لئے کچھ لے کر آئے کہ اچانک اسے بہت سے دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی اور وہ لرز کر رہ گیا......

☆......☆......☆

کیا یہ لڑکا اس مجاہد کی مدد کر پایا......؟

یا آنے والی قیامت کی تاب نہ لاتے ہوئے حوصلہ ہار گیا......؟

کیا "جانباز" اس ٹارچر سیل سنٹر کو تباہ کرنے میں کامیاب ہو جائے گا......؟

اس کا پلان کیا ہے......؟

وہ اکیلا یہ سب کیسے کر پائے گا یا اس کا ساتھ کوئی دے گا......؟

کیا کیپٹن مبشر مجاہدین کے کسی بڑے سیٹ اپ کو پکڑ لے گا......؟

یہ سب جانیے گا مگر اگلی قسط میں......ان شاء اللہ

☆......☆......☆

دوڑتے قدموں کی آواز سن کر وہ لڑکا ایک دم چونک سا گیا۔ اس کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ سمجھ گیا کہ اس مجاہد کو ڈھونڈنے کے لیے ضرور کوئی فوجی پارٹی آئی ہے۔ وہ اپنے ذہن میں جلدی جلدی کچھ سوچنے لگا کہ ایسا کیا کہے جس سے پارٹی کو اس پر شک نہ ہو اور وہ بچ بھی جائے۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک "ہالٹ...... ہالٹ" ایک ساتھ کئی آوازیں ابھریں اور اس لڑکے نے ہاتھ کھڑے کر دیئے۔

درجنوں فوجی بڑے محتاط انداز میں ارد گرد کے ماحول کا جائزہ لے رہے تھے۔ وہ اتنے چوکس تھے کہ ذرا سی آواز پر وہ حرکت میں آ جاتے اور وہاں فائر کھول دیتے۔ اچھی طرح چیکنگ کرنے کے بعد جب کچھ نہ ملا تو "کیپٹن ہاکی" جو اس پارٹی کو لیڈ کر رہا تھا آگے بڑھا اور اس لڑکے سے سوال کرنے لگا۔

"تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟" کیپٹن نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"جی صاحب......! ہیں...... کیا کہا، آپ نے......؟"

اس لڑکے نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ کر زور زور سے "ہیں............ ہیں" کی آوازیں نکالنا شروع کر دیں۔ گویا وہ اپنے آپ کو بہرا بنا رہا تھا۔

"تجھے میری آواز نہیں آئی کیا......؟ کون ہو تم......؟"

کیپٹن نے اس لڑکے کے کان میں تقریباً اپنا منہ گھسیڑتے ہوئے اونچی آواز سے پھر دوبارہ سوال دھرایا۔

"تھوڑا سا تو اونچا بولو صاحب! مہربانی کرو۔" لڑکے نے دوبارہ اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ کر اونچی آواز سے کہا۔

"اور کتنا اونچا بولوں؟ کیا بہرے ہو؟" کیپٹن نے غصے سے جھنجلاتے ہوئے کہا۔ اس کی حالت اس صورتحال میں دیکھنے والی ہو رہی تھی۔ اس نے لڑکے کی طرف دیکھا جو ابھی بھی اپنے ایک کان پر ہاتھ رکھے کیپٹن کی طرف معصومانہ نگاہوں سے دیکھے جا رہا تھا۔

"گاڑی سے سپیکر نکال کر لاؤ شاید پھر اس لڑکے کو آواز سنائی دے جائے۔" کیپٹن نے ہر حربہ ناکام دیکھتے ہوئے آخر کار سپیکر منگوانے کا ارادہ کیا۔ سپیکر آ جانے کے بعد کیپٹن نے سپیکر میں اپنا منہ گھسایا اور اس کا دوسرا سرا اس لڑکے کے کان کی طرف کر دیا اور دوبارہ اپنا سوال دہرانے لگا۔ اتنی تیز آواز ابھری کہ پورا جنگل گونج اٹھا لیکن وہ لڑکا یونہی کھڑا رہا جیسے اس نے ہلکی سی آواز بھی نہ سنی ہو۔ یہ دیکھ کر کیپٹن باکی نے اپنا سر پیٹ ڈالا اور بری طرح چلانے چیخنے لگا۔ اس کی حالت ایسی تھی جیسے وہ پاگل ہو کر ابھی زمین پر گر جائے گا۔

اچانک ایک زوردار تھپڑ اس لڑکے کو اپنے کان کے نیچے محسوس ہوا اور وہ دوہرا ہو کر گرتا چلا گیا۔ یہ تھپڑ پاس کھڑے ایک فوجی نے مارا تھا جو یہ صورتحال دیکھ کر اپنا آپ کھو بیٹھا تھا۔ لڑکے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور چہرے پر مزید معصومیت طاری ہو گئی۔ کیپٹن کو اچانک ایک خیال آیا اور وہ چونک اٹھا۔ اس نے جلدی سے گاڑی سے ایک کاغذ اور پنسل لانے کا کہا۔

"یہاں تم نے کسی کو دیکھا ہے۔ کسی زخمی شخص کو۔" کیپٹن نے کاغذ پر لکھ کر وہ کاغذ اس لڑکے کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

"نہیں صاحب! یہاں کوئی نہیں آتا۔ میں یہاں پچھلے دو گھنٹوں سے ہوں اور یہاں میں نے کسی کو نہیں دیکھا اور صاحب مجھے معاف کر دو میں بہت کم سنتا ہوں۔ میرا علاج چل رہا ہے۔" لڑکے نے منہ سے بول کر جواب دیا۔

"جھوٹ بولتا ہے یہ۔ اوئے سچ بول نہیں تو یہاں تیری لاش کو کتے بھنبھوڑیں گے۔ کون آیا تھا یہاں......؟" کیپٹن باکی نے مزید لکھ کر اسے دکھایا۔

"صاحب! یہاں کوئی نہیں آیا۔ آپ میرا یقین کرو۔" لڑکے نے دوبارہ کہا۔

"یہ لڑکا نخرے کر رہا ہے۔ اب میرا دماغ گھوم رہا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے پاس کھڑے ایک فوجی کو اشارہ کیا اور وہ فوجی اشارہ پاتے ہی اس لڑکے کو بری طرح پیٹنے لگا۔ لاتوں گھونسوں کے بعد گن کے بٹ سے بری طرح اس لڑکے کو مارنے لگا۔ وہ لڑکا کسی ذبح ہوتے بکرے کی طرح چیخنے لگا تھا۔ کیپٹن باکی نے اسے کھڑا کرنے کا کہا گریبان سے پکڑ کر دوبارہ کہنے لگا۔

"دیکھ بچے! میں آخری بار پوچھ رہا ہوں۔ سچ بول دے۔ نہیں تو میں تیری کھال ادھیڑ دوں گا۔" کیپٹن نے کان کے پاس اپنا منہ کر کے دوبارہ چیخ کر بولا۔ لیکن لڑکا چپ چاپ کھڑا رہا اور سنی ان سنی کرتا رہا۔

"سر! آپ کہیں تو اس لڑکے کو ہم سینٹر میں لے چلتے ہیں۔ وہاں گونگے بھی بول پڑتے ہیں۔ یہ بہرا کیا چیز ہے۔ اسے بھی سب سنائی دینے لگ جائے گا۔ آپ بالکل فکر نہ کریں۔" کیپٹن نے نہ میں سر ہلایا۔ ایک نظر اس لڑکے کو دیکھا اور سب کو واپس چلنے کا کہا۔ تھوڑی دیر بعد ہی دوڑتے قدموں کی آوازیں دور ہوتی گئیں اور خاموشی لوٹ آئی۔ گہری خاموشی۔

لڑکا زخموں سے چور چور تھا مگر چل سکتا تھا۔ اس نے ہمت کر کے مجاہد کے پاس جا کر اسے دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ پچھی

ہوئی غار کے پاس پہنچ کر اس نے دیکھا تو وہ مجاہد بے ہوش پڑا تھا۔ لیکن ابھی زندہ تھا۔ لڑکے نے پاس ہی موجود چشمے سے پانی دوبارہ لایا اور اس مجاہد کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ مجاہد کے سوکھے ہونٹوں سے جب پانی اندر گیا تو اس کے جسم میں ہلچل ہوئی اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔

''آپ ٹھیک ہیں؟'' لڑکے نے پوچھا۔

''ہاں میں ٹھیک ہوں بیٹا! لیکن تمہیں کیا ہوا؟'' مجاہد نے جب اس لڑکے کے کپڑے پھٹے ہوئے دیکھے اور چہرہ پر خون دیکھا تو فوراً پریشان ہو کر پوچھا۔

''کچھ نہیں چچا! کچھ ڈرامہ کرنا پڑا مجھے۔ فوجی پارٹی آ گئی تھی آپ کو ڈھونڈنے۔ لیکن اللہ نے کرم کیا اور وہ چلے گئے۔'' لڑکے نے مختصر حالات بتا دیے۔

''یہ سب کیوں کیا بیٹا! میرا بتا دیتے۔ تم تو ابھی بچے ہو۔'' اس لڑکے کی بری حالت دیکھ کر مجاہد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''ارے آپ تو رونے لگے چچا! آپ کا یہ بیٹا بہت بہادر ہے۔ آپ جیسوں کو دیکھنے کے لئے نہ جانے کب سے آنکھیں ترس رہیں تھیں۔ آپ جیسوں کے لئے اپنا خون کا آخری قطرہ تک بہا دینے کا نہ جانے کب سے خواب دیکھ رہا تھا۔ آپ جیسے مقدس لوگوں کی خدمت کے لئے کب سے تڑپ رہا تھا۔ اپنے شہید والد کی طرح کا جذبہ دکھانے کا نہ جانے کب سے منتظر تھا اور آج جب موقع ملا تو کیا میں پیٹھ پھیر دیتا۔ میں اتنے بڑے گناہ عظیم کا تصور ہی نہیں کر سکتا۔ وہ کیپٹن چاہے میری بوٹی بوٹی ایک کر دیتا تب بھی آپ میرے منہ سے رحم مانگنے کا ایک جملہ بھی نہ سنتے۔ میری زندگی، میری ہر خوشی، میری دنیا، میری ہر خواہش اب آپ جیسے لوگوں سے ہی وابستہ ہے اور رہے گی۔ میرا سب کچھ اب یہی جذبۂ جہاد ہے۔ میرا مقصد اب صرف یہی ایک ہی رہ گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں میرا ہر دن، ہر لمحہ ''جانبازوں'' کی طرح گزرے اور پھر ایک دن جانبازوں کی طرح سینہ پر گولیاں کھا کر اپنے والد سے جا ملوں۔ بس یہی ایک تمنا ہے، بس یہی ایک...... میں اس تمنا کو پورا کرنے کے لئے محنت کروں گا۔ اپنا جسم بناؤں گا۔ اپنے آپ کو مجاہد بناؤں گا۔ اپنی سب صلاحیتیں اس عظیم مقصد کے لئے مختص کر دوں گا۔ میرا جسم کا ہر ہر حصہ ایک دن گواہی دے گا کہ میں نے واقعی اپنے مقصد سے دغا نہیں کیا۔ میں نے جو وعدہ اپنے اللہ سے کیا تھا اسے پورا کیا۔ ان شاء اللہ''

اس لڑکے نے جذباتی انداز میں ایسے الفاظ بولے کہ وہ مجاہد اس کے حسین، پاکباز چہرے کو دیکھتا رہ گیا۔

''اس قوم میں جب تک تم جیسا ایک بھی بیٹا زندہ ہے یہ قوم کبھی شکست نہیں کھا سکتی۔ ان شاء اللہ'' مجاہد نے اس لڑکے کو سینے سے لگا لیا۔

''میں آپ کے لئے کچھ کھانے کے لئے لاتا ہوں۔ آپ نہ جانے کب سے بھوکے ہوں گے۔ آپ آرام کریں میں جلدی ہی واپس آتا ہوں۔'' لڑکے نے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا جنگل سے نکل کر گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کی اس پھرتی کو دیکھ کر کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس لڑکے نے کچھ ہی دیر پہلے انڈین آرمی کا تشدد سہا ہے۔

☆......☆......☆

میں (جانباز) سو کر اٹھ چکا تھا۔ تازہ دم ہو کر میں نے کھڑکی کے پردے سرکائے تو شام کے سائے چاروں طرف پھیل رہے تھے۔ پہاڑی علاقوں میں رات کچھ زیادہ ہی جلدی وارد ہو جاتی ہے۔ صاف شفاف آسمان کو چھوتے بلند و بالا پہاڑوں پر بنے گھروں میں اب لائٹس کافی حد تک جل چکی تھیں۔ مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔ میں نے پاس ہی موجود

ایک مسجد میں نماز ادا کی اور نماز کے بعد ذکر اذکار کے بعد واپس اپنے ہوٹل کے کمرے میں آ گیا۔

اب مجھے اپنے مشن پر توجہ دینی تھی۔ اس شہر کے آخری کونے پر موجود انڈین پولیس کا تفتیشی سینٹر جہاں دن رات مجاہدین اور عام شہریوں کو ٹارچر کیا جاتا تھا وہی میرا ٹارگٹ تھا۔ یہ سینٹر میں دو بار دیکھ چکا تھا۔ اس سینٹر کے تین اطراف میں اونچی بلند و بالا سپاٹ پہاڑیاں تھیں جن پر چڑھنا تقریباً ناممکن تھا اور اس صورت میں تو بالکل نہیں جبکہ تینوں اطراف میں ٹاور بنے ہوئے تھے۔ ان ٹاورز پر بیک وقت دو دو فوجی پہرا دیتے تھے۔ لہٰذا ان تین اطراف سے جانا تو تقریباً ناممکن تھا۔ صرف ایک ہی راستہ بچتا تھا جو سامنے کا تھا۔ جہاں دو جگہ پر چیکنگ کے لئے چوکیاں بنی ہوئی تھیں۔ ہر چوکی پر کم از کم چار سے پانچ فوجی تعینات تھے جو ہر قسم کے اسلحہ سے لیس رہتے تھے۔ ڈائریکٹ حملے کی صورت میں، میں زیادہ سے زیادہ ایک چوکی تک پہنچ سکتا تھا۔ دوسری چوکی کراس کر کے اندر عمارت میں داخل ہونا محال تھا۔ میرے ذہن میں ایک ترکیب سونے سے پہلے آئی ضرور تھی لیکن اس پر عمل کرنا اور اس کے کامیاب ہو جانے کا امکان بہت کم تھا۔ لیکن اللہ کا مجاہد جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور نیت خالص ہوتی ہے تب اللہ اس کی مدد کرتا ہے اور اس کی لئے مزید راہیں کھول دیتا ہے۔ یہ مشن میری زندگی کا آخری مشن بھی ثابت ہو سکتا تھا لیکن میں پیچھے ہٹنا نہیں چاہتا تھا۔ اگر میں کامیاب ہو جاتا تو دو فائدے ہوتے۔ ایک تو اس عقوبت خانے سے درجنوں مسلمان رہا ہو سکتے تھے اور دوسرا انڈین فوج پر اچھی خاصی دھاک بیٹھ جاتی اور وہ مزید کارروائیوں سے رک جاتے جو انہوں نے جا بجا شروع کر رکھی تھیں۔ جنرل کرپاڈیا اور اس کے کیپٹن مہیش نے ہر طرف تباہی مچا رکھی تھی۔ صرف شک کی بناء پر بھی مظلوم مسلمانوں کو گھروں سے اٹھا کر ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا جاتا اور اپاہج کر کے سڑکوں پر پھینک دیا جاتا۔ یہاں تک کہ یہ ظالم خواتین کا بھی لحاظ نہ کرتے اور انہیں گھروں سے نکال کر سرعام ظلم کا نشانہ بناتے۔ جنرل کرپاڈیا کے آتے ہی کشمیری سراپا احتجاج بن چکے تھے۔ ان کا کوئی گھر، کوئی محلہ، کوئی مسجد اور کوئی شہر محفوظ نہیں رہا تھا۔ ہر طرف انڈین آرمی کے کتوں کا راج تھا۔ اس صورت حال میں ایک بہت بڑے حملے کی ضرورت تھی تاکہ انڈین آرمی کو پتہ چلے کہ ان کے ظلم کے سامنے کشمیری قوم نہ کبھی جھکی ہے نہ اب جھکے گی۔

میں نے عشاء کی نماز پڑھی اور پھر ذکر اذکار کر کے طویل صلوۃ الحاجت پڑھ کر اللہ رب العزت سے مدد چاہی اور اپنے گناہوں پر استغفار کرتا رہا۔ کافی دیر بعد جب دل کو سکون محسوس ہوا تو میں نے کمرے کی واحد لائٹ بجھا دی اور موم بتی کی روشنی میں کاغذ پر نقشہ بنا کر مشن کی تکمیل کے لئے لائحہ عمل طے کرنے لگا۔ مشن کے دوران پیش آنے والی ہر ممکنہ صورت پر غور کیا۔ دو گھنٹوں کی طویل مغز ماری کے بعد کسی حد تک مشن پر اب میری گرفت کافی مضبوط ہو چکی تھی۔ میں نے صبح کی نماز کے بعد مشن سرانجام دینے کا فیصلہ کیا۔ میرے پاس اس وقت اسلحہ کے نام پر ایک کلاشنکوف، ایک پسٹل اور ایک روسی ساختہ چاقو موجود تھا۔ اس وقت رات کے بارہ بج رہے تھے اور چاروں طرف سناٹا ہی سناٹا تھا۔ صرف تیز ٹھنڈی ہواؤں کی کبھی کبھی خوفناک آواز سنائی دیتی جو بجلی کی سی تیزی سے پہاڑوں پر سے گزرتی تھیں اور آواز پیدا کرتی تھیں۔ میں نے کھڑکی کے پردوں کو دوبارہ سرکا دیا اور جائے نماز بچھائی اور اپنے اللہ سے مناجات کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد میٹھی نیند کے جھونکے آنے لگے اور میں نے خود کو بستر کے سپرد کر دیا۔

☆......☆......☆

کیپٹن مہیش کے پاس تین دن تھے، اس دوران اس نے درجنوں جگہ پر چھاپے مارے، کئی گھروں کو آگ لگائی اور کئی معصوم کشمیریوں کو زدوکوب کیا۔ لیکن اس کے ہاتھ کچھ خاص کامیابی نہ لگی۔ وہ مجاہدین کے کسی بڑے نیٹ ورک کو پکڑنے میں کامیاب نہ ہو پایا۔ اسے جنرل کرپاڈیا کا بے تحاشا غصہ یاد آتا تو وہ پریشان ہو جاتا۔ دو دن گزر چکے تھے اور آخری دن بچا تھا۔ ادھر کرنل کرپاڈیا مسلسل اس سے رابطہ میں تھا اور روزانہ ناکامی کی خبر سن کر وہ جل بھن جاتا اور گالیوں کی برسات اس کے منہ سے نکلنے لگتی۔

ابھی وہ اسی سوچ میں بیٹھا تھا کہ اچانک اس کے سامنے پڑے فون کی گھنٹی بجی اور کیپٹن نے جھپٹ کر فون کا ریسیور اٹھا لیا۔

"سر! میں میجر راٹھور بول رہا ہوں "ستیا گلی" سے۔" فون اٹھانے پر ایک آواز سنائی دی۔

"مجھے پتا ہے آگے بولو نانسنس۔ اپنا تعارف ایسے کرانے لگ جاتے ہو جیسے انڈیا کے وزیر اعظم لگے ہوئے ہو۔" کیپٹن مہیش نے سارا غصہ اس پر اتار دیا۔

"یس سر...... یس سر......! ...... س س س س س...... سو...... سوری...... سوری سر۔" وہ میجر ایسا گھبرا گیا کہ وہ صرف "یس سر" کرتا رہ گیا۔

"کیا تم پاگل ہو؟ میں تمہارا کورٹ مارشل کر دوں گا۔ گدھے کے بچے...... پاگل...... کیا صرف "یس سر" کرنے کے لئے تم نے فون کیا ہے؟" کیپٹن مہیش کا غصہ ساتویں آسمان کو چھونے لگا۔

"نو سر، سوری سر۔ میں نے آپ کو یہ اطلاع دینی تھی کہ آپ کے کہنے کے مطابق ابھی ایک گھنٹہ پہلے ایک گھر پر چھاپہ مار کارروائی کی اور اس کارروائی میں مشہور لیڈر "ابو محمد" پکڑا گیا ہے سر۔ اس کے دو ساتھی مارے گئے اور یہ زندہ پکڑ لیا گیا ہے سر۔ اب آپ جیسے حکم کریں۔" اس میجر نے جیسے ہی خبر سنائی، کیپٹن مہیش ایسے اچھلا جیسے اس کی کرسی پر سپرنگ لگے ہوں اور وہ کھل گئے ہوں۔

"کیا تم نشے میں ہو؟ کیا واقعی تم سچ کہہ رہے ہو۔ "ابو محمد" پکڑا گیا۔ کیا تم مذاق تو نہیں کر رہے ہو؟ کیا تم نے اس کی پہچان کر لی ہے؟" کیپٹن مہیش کا لہجہ انتہائی جوشیلا ہو گیا۔ خوشی کے مارے اس کے رخسار پھٹنے کے قریب ہو چکے تھے۔ یہ اس کی اتنی بڑی کامیابی تھی کہ اس کے سینے پر بڑے بڑے سٹار لگانے کے لئے کافی تھے۔

"ابو محمد" کو پکڑنے کے لئے انڈیا کی بڑی بڑی ایجنسیاں ایڑی چوٹی کا زور لگا چکیں تھیں۔ وہ ایک چھلاوے کی طرح تھا۔ وہ چار سالوں سے مسلسل انڈین آرمی پر حملہ آور تھا۔ نہ صرف کشمیر میں بلکہ انڈیا کے اندر بھی اس کی کارروائیوں کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ اس وقت وہ انڈیا کی ہٹ لسٹ پر تھا۔ اس کے ماتحت دو سو سے زائد مجاہدین کا منظم نیٹ ورک کام کر رہا تھا جو ہر طرح کی ٹریننگ سے لیس تھا۔ "ابو محمد" کشمیریوں کی آواز تھا، ان کی سوچ تھا، ان کی تمنا تھا۔ کشمیر کا بچہ بچہ اس کے نام اور اس کے کام سے واقف تھا۔ "ابو محمد" کی گرفتاری کشمیر کا ایک ناقابل تلافی نقصان تھا۔ اسی وجہ سے کیپٹن مہیش اس کی گرفتاری کا سن کر خوشی سے نہال ہو گیا تھا۔

"سر! میں آپ کو سچ بتا رہا ہوں۔ واقعی یہ وہی ابو محمد ہے جو "گوریلا" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ وہی گوریلا جس نے بمبئی اٹیک میں حصہ لیا تھا۔ اس وقت وہ ہماری تحویل ہے۔ معمولی زخمی ہے۔ اس کی بینڈیج کر دی گئی ہے اور سخت سیکورٹی میں رکھا گیا ہے۔" اس میجر نے ساری تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"کس جگہ اسے رکھا گیا ہے؟ اس جگہ کی کیا تفصیل ہے؟

اور کیا اسے ہیڈ کوارٹر نہیں بھیجا جا سکتا؟" کیپٹن مہیش نے بے چین انداز میں پوچھا۔

"سر یہ ہمارے "پاکشی سینٹر" میں ہے۔ اس سینٹر کے متعلق آپ جانتے ہیں سر! یہ سینٹر انڈین آرمی کا سب سے مضبوط سینٹر ہے۔ اس کے تین اطراف میں سپاٹ پہاڑیاں ہیں جنھیں عبور کرنا ناممکن ہے اور صرف ایک راستہ کھلا ہے جہاں سیکورٹی کا سخت حصار قائم ہے۔ مزید سیکورٹی بھی بڑھا دی گئی ہے سر! اور "گوریلا" کو ہیلی کاپٹر کے ذریعے ہیڈ کوارٹر پہنچایا جا سکتا ہے مگر موسم خراب ہے۔ اس قسم کا رسک ہمارے لئے نقصان دہ ہو سکتا ہے۔ ویسے سر آپ حکم کریں تو ہم اسے روانہ کر دیتے ہیں۔" میجر راٹھور نے پوری تفصیل سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں، اسے وہیں رکھو۔ میں کوئی رسک نہیں لے سکتا۔ موسم جیسے ہی ٹھیک ہوتا ہے میں جنرل صاحب کو لے کر آ جاتا ہوں۔ میں نے "پاکشی سینٹر" کو دیکھا ہے وہاں کوئی پرندہ بھی بغیر اجازت پر نہیں مار سکتا۔ لیکن تمہیں پھر بھی ہوشیار رہنا پڑے گا۔ کیپٹن نے کہا اور ساتھ ہی لائن آف کر دی۔ اس کے چہرے پر خوشی کے آثار تھے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اڑ کے اور اس سینٹر میں پہنچ کر "ابو محمد" کو زنجیروں میں جکڑا دیکھے۔ آخر کار وہ کامیاب ہو ہی گیا۔

ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بجی اور دوسری طرف سے جنرل کرپاڈیا کی آواز سنائی دی۔

"ہاں کیپٹن! کل آخری دن بچا ہے اور پھر میں تمہارا کورٹ مارشل کر دوں گا۔" کرپاڈیا کے انداز میں سخت برہمی تھی۔

"سر! آپ کو ایک خوش خبری سنانے کے لئے ابھی کال کرنے ہی والا تھا۔ "ابو محمد" جو گوریلا کے نام سے مشہور ہے سر! وہ ابھی ایک گھنٹہ پہلے چھاپہ مار کارروائی کے دوران "ستیا گلی" میں پکڑا گیا ہے اور اس وقت وہ "پاکشی سینٹر" میں ہے۔"

کیپٹن مہیش نے ایک ہی سانس میں ساری بات بتا دی۔ جواب میں کرپاڈیا کا بھی وہی حال ہوا جو کچھ دیر پہلے کیپٹن مہیش کا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر کیپٹن کو یقین دلانے میں لگی اور پھر کرپاڈیا نے کیپٹن کو مبارک باد دی۔

"ویل ڈن کیپٹن! مجھے تمہاری صلاحیتوں پر پورا اعتماد تھا۔ ہمیں اسے جلد از جلد ہیڈ کوارٹر منگوانا چاہیے تاکہ اس سے اس کے باقی ساتھیوں کا سراغ لگایا جا سکے۔" کرپاڈیا نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"یس سر! لیکن موسم آج کل کافی خراب ہے۔ سنو بھی زیادہ ہے۔ اس لئے ہمیں کسی قسم کا رسک نہیں لینا چاہیے۔ دو سے تین دنوں میں اسے ہیڈ کوارٹر منگوا لیتے ہیں۔ وہ "پاکشی سینٹر" میں قید ہے۔ جہاں ہر وقت کڑا پہرا رہتا ہے۔ اس لئے آپ اس کی طرف سے مکمل بے فکر ہو جائیں۔" کیپٹن مہیش نے کہا۔

"او کے کیپٹن! آج کے بعد تم میرے نمبر 2 ہو۔ تمہارا آفس سیٹ کر دیتا ہوں۔ تم کل سے اپنے نئے عہدہ کے ساتھ چارج سنبھالو گے۔" کرپاڈیا نے کہا اور لائن آف کر دی۔

کیپٹن مہیش کے چہرے پر ایسی خوشی چھائی کہ وہ ایک لمحے کے لئے بھول گیا کہ وہ کون ہے اور بے تحاشا ناچنے لگا۔ اس کی حالت ایسی تھی جیسے کسی فقیر کو اچانک کہیں سے اربوں روپے کا خزانہ مل گیا ہو۔ اسے کشمیر کی سات لاکھ انڈین آرمی کے چیف کا نمبر 2 ہونے کا اعزاز مل گیا تھا اور یہ اس کے لئے ناقابل یقین خوشی کا لمحہ تھا۔

☆......☆......☆

(بقیہ صفحہ ۷۱ پر)

صبح صبح کا وقت تھا۔ ہلکی ہلکی ژالہ باری ہو رہی تھی۔ سورج نکلنے میں ابھی وقت پڑا تھا۔ اکا دکا لوگ سڑک کنارے اپنے اپنے کاموں کی طرف جا رہے تھے۔ ایک آدمی فرن پہنے آس پاس کی دنیا سے بے خبر سر پر ایک بڑا سا ٹوکرا اٹھائے چلا جا رہا تھا۔ اس کے قدم کافی تیز تیز اٹھ رہے تھے جیسے اسے کسی جگہ پہنچنے کی جلدی ہو۔ یہ میں (جانباز) تھا جو صبح نماز پڑھتے ہی اپنے مشن کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ دل دھڑک رہا تھا مگر لبوں پر اللہ کا ورد جاری تھا۔ میں نے دور سے ہی اپنا ٹارگٹ دیکھ لیا تھا۔ یہاں آج معمول سے زیادہ ہی چہل پہل تھی۔ لیکن میں نے ایک تہیہ کر لیا تھا کہ آج نہیں تو پھر کبھی نہیں۔ میرے پاس ایک ٹوکری جس میں کافی سارے سیب رکھے ہوئے تھے اور صرف ایک چاقو تھا۔ کلاشنکوف اور پسٹل میں نے ہوٹل میں ہی چھوڑ دیا تھا۔ کیونکہ جو پلان میرے ذہن میں تھا اس میں یہ دونوں چیزیں رکاوٹ بن سکتی تھیں۔

میرا رخ سینٹر کے مخالف سمت میں تھا۔ جہاں فوجیوں کی رہائش گاہیں بنی ہوئی تھیں۔ میں رہائش گاہوں کے بلاک کے ابتداء پر پہنچ کر رک گیا کیونکہ وہاں ایک چوکی بنی ہوئی تھی۔ جہاں بہت سے فوجی خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ جیسے ہی انہیں میں نظر آیا انہوں نے چونک کر مجھے دیکھا اور دور سے ہی مجھے رکنے کا اشارہ کر دیا۔

"کون ہو تم" ایک فوجی نے گن سیدھی کرتے ہوئے مجھے کہا۔

"صاحب جی! میں سیب بیچنے والا ہوں۔ مجھے ایک افسر صاحب نے ایک پیٹی دینے کا کہا تھا، وہی دینے آیا ہوں صاحب!" میں نے ٹوکری نیچے رکھ کر ہاتھ کھڑے کر دیے۔

"کس نے کہا تم سے؟ نام کیا ہے ان کا؟" فوجی نے میرا لہجہ سن کر نرم پڑتے ہوئے گن نیچے کر دی اور میرے پاس آ کر ٹوکری دیکھنے لگا۔

"نام کا تو پتہ نہیں صاحب! ہاں یہ کارڈ دیا تھا انہوں نے۔ اس پر پتہ بھی لکھا ہے صاحب!" میں نے ان پڑھ جاہل بنتے ہوئے وہ کارڈ اس کے سامنے لہرایا۔

"نام پڑھ کر وہ ایک دم سیدھا ہو گیا۔ اوہ کرنل صاحب کے گھر کے سیب ہیں۔ اچھا تم یہیں ٹھہرو میں فون کر کے پتا کرتا ہوں۔ نام کیا ہے تمہارا۔" فوجی نے پوچھا۔

"جی میرا نام "مٹھو سنگھ" ہے جی لیکن مجھے میرے نام سے صاحب نہیں جانتے۔ بس کہنا کہ سیب والا ہے۔" میں نے اپنا حلیہ سکھوں والا بنایا ہوا تھا۔ کیونکہ کسی مسلمان کا فوجی چھاؤنی میں داخلہ ناممکن تھا۔ یہ ساری تیاری ضروری تھی ورنہ پلان ختم ہو سکتا تھا۔ نام سن کر وہ چلا گیا اور فون پر بات کرنے کے بعد وہ آ گیا۔

"صاحب کہہ رہے ہیں کہ ٹوکرا یہیں چوکی پر رکھ دو اور چلے جاؤ۔ ہم انہیں پہنچا دیں گے۔ تمہارا شکریہ۔" یہ کہہ کر وہ ٹوکرا مجھ سے لینے لگا۔ مجھے میرا پلان ختم ہوتا نظر آیا کیونکہ اس پلان میں مجھے اس افسر سے ملنا ضروری تھا۔

"نہیں نہیں.......... صاحب سے میری بات کرا دو۔ میں نے ان سے ملنا بھی ہے۔ تم جو کہو گے میں کروں گا۔ بس ایک بار فون پر بات کرا دو۔" میں نے التجائیہ انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے نکال 500۔ ابھی فون کرا دیتا ہوں۔" فوجی نے دانت باہر نکالتے ہوئے مکارانہ انداز میں کہا۔

"لیکن صاحب! میں غریب آدمی ہوں۔ کچھ تو رحم کرو۔" میں گڑگڑانے لگا۔ یہ ضروری تھا کیونکہ اگر میں فوراً پانچ سو نکال کر دے دیتا تو اس کے ذہن میں شک ہو سکتا تھا کہ ایک معمولی سیب بیچنے والا کیسے اتنی بڑی رشوت دے سکتا ہے۔

"بس فون پر بات کرنی ہے تو ٹھیک ورنہ دفع ہو جا۔"

400 سے کم نہیں کروں گا۔" یہ کہہ کر وہ مڑنے لگا تو میں نے ہاں کر دی اور جیب سے 400 نکال کر اس کے حوالے کر دیے۔ فون اس نے ملا دیا تو میں نے اس افسر کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے مارنے شروع کر دیئے کہ صرف ایک بار اس سے مل کر اپنے دل کی خواہش پوری کرنا چاہتا ہوں اور اسے اپنے ہاتھوں سے سیب دینا چاہتا ہوں وغیرہ وغیرہ۔ میری باتیں سن کر اس نے مجھے دس منٹ کے لئے اپنے پاس بلا ہی لیا۔

میری تلاشی لی گئی اور مجھے جانے دیا گیا۔ میری خفیہ جیب میں چاقو تھا اس لئے مجھے اس طرف سے کوئی فکر نہ تھی۔ میں نے ٹوکرا سر پر رکھا اور خراماں خراماں چلتا ہوا افسروں کی کوٹھیوں کو دیکھنے لگا۔ جلدی ہی میں اپنی مطلوبہ کوٹھی تک پہنچ گیا۔ یہ ایک بڑی شاندار کوٹھی تھی۔ میں نے ڈور بیل بجائی اور کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا تو ایک لحیم شحیم شخص کھڑا مجھے گھور رہا تھا۔ میرے آنے کی وجہ پوچھی اور پھر مجھے ایک ڈرائنگ ہال میں بٹھا دیا۔ میں نے ٹوکرا قالین پر رکھا اور خود بھی قالین پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ افسر آیا جس نے مجھ سے سیبوں کی ڈیمانڈ کی تھی نے ہاتھ ملایا اور خود ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ شخص جس نے دروازہ کھولا تھا مؤدبانہ انداز میں سائیڈ پر کھڑا ہو گیا۔ میرے لئے یہ دوسرا شخص پریشانی کا باعث بن گیا تھا۔ میں اس افسر پر حملہ کر کے اسے بے ہوش کرنا چاہتا تھا لیکن دوسرا فوجی مکمل مستعد کھڑا تھا اور اس کی نظریں میرے اوپر جمی ہوئی تھیں۔ اس کے ہولسٹر سے پستول صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے میں نے کوئی حرکت کی تو وہ میرے اوپر فائر کھول دے گا۔ میں نے بہت موقع تلاش کیا لیکن مجھے اس افسر کو قابو کرنے کا موقعہ نہ ملا اور میں ایکشن میں نہ آ سکا۔ تھوڑی دیر بعد ملاقات کا وقت ختم ہو گیا وہ سینٹر کی طرف جانے کے لئے نکل رہا تھا۔ مجھے ہاتھ ملا کر وہ گھر کے اندرونی حصے کی طرف چلا گیا اور دوسرا فوجی مجھے باہر چھوڑنے کے لئے میرے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ میرے ایکشن میں آنے کا یہی وقت تھا۔ وہ میرے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ اچانک میں نے خود کو چلتے چلتے ٹھوکر کے انداز میں گرایا اور اسی دوران میں نے اپنا چاقو نکال لیا۔ وہ فوجی میرے گرنے کی وجہ سے سامنے آ کر مجھے جیسے ہی اٹھانے لگا میں نے پوری قوت سے اس کے پیٹ میں چاقو گھسیڑ ڈالا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے منہ کو بند کر دیا تا کہ آواز نہ نکل سکے۔ وہ سانڈ کی طرح پلا ہوا تھا اس لئے مسلسل میری گرفت سے نکلنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔ میں نے چاقو کا دوسرا وار اس کے سینے پر کیا اور یہی کاری ثابت ہوا۔ وہ سیدھا ہوتا چلا گیا۔ میں نے اس کی لاش ڈرائنگ روم میں موجود باتھ روم میں ڈالی۔ جگہ جگہ خون کے نشانات واضح نظر آ رہے تھے۔ اس کی جیب سے میں پستول نکال لیا تھا تا کہ اس افسر کو قابو کرنے میں آسانی رہے۔ ابھی میں ادھر ادھر کا جائزہ لے ہی رہا تھا کہ اچانک وہی افسر ڈرائنگ روم میں داخل ہوا اور میرے ہاتھ میں پستول دیکھ کر ٹھٹھک کر رک گیا۔ میں بھی اس اچانک افتاد پر گھبرا سا گیا تھا۔ اس نے ایک لمحے کے لئے مجھے دیکھا اور کچھ ہی دور لگے ایک بٹن کو دبانے کے لئے دوڑا۔ میرے پاس وقت کم تھا۔ وہ بٹن شاید کسی قسم کا الارم تھا۔ میرے لئے اس افسر تک پہنچنا محال تھا چنانچہ میں نے پستول کا رخ افسر کی طرف کیا اور گولی چلا دی۔ گولی سیدھی اس کے سینے پر لگی اور وہ دیوار کے ساتھ جا لگا۔ میں نے کچھ دیر صوفے کے پیچھے رک کر حالات کا جائزہ لیا لیکن جب کوئی ہلچل نہ ہوئی تو میں اپنی جگہ سے اٹھا اور گھر کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گیا۔ سارا گھر چھان مارا لیکن وہاں اور کوئی نہ ملا۔ شاید اس افسر کے گھر والے کہیں گئے ہوئے تھے یا پھر وہ اکیلا ہی رہتا تھا۔ بہر حال یہ میرے لئے اچھی خبر تھی۔ اب مجھے باہر کسی کو اطلاع ہونے سے پہلے اپنا کام کرنا تھا۔ میرے پاس وقت بہت کم تھا۔ باہر اچھی خاصی روشنی ہو چکی تھی اور گاڑیوں کی آوازیں بھی اکا دکا آ رہیں

تھیں۔ میں نے گھر کا مین دروازہ بند کیا اور اس افسر کی وردی کو تبدیل کر کے اسے صاف وردی پہنا دی اور میں نے خود اس دوسرے فوجی کی صاف وردی پہن لی جو مجھے ایک کمرے سے استری شدہ مل گئی۔ اب میں اپنا کام کرنے کو مکمل تیار تھا۔

میں نے گھر کے پورچ میں کھڑی جیپ نکالی اور گھر کے قریب کھڑی کر دی۔ اندر جا کر میں نے اس افسر کو اپنے کندھے پر ڈالا اور باہر آ کر احتیاط سے ادھر ادھر دیکھ کر اسے فرنٹ سیٹ پر بٹھا دیا اور خود اپنا حلیہ سکھ والا ختم کر کے فوجیوں جیسا حلیہ بنا کر سر پر کیپ رکھ لی تا کہ زیادہ پہچان نہ ہو۔ گھر کی تلاشی کے دوران کچھ گرنیڈ اور مشین گن بھی ملی جو میں نے جیپ میں رکھ لی۔ اب میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اس سینٹر میں جانے کو تیار تھا۔ اس سارے عمل میں کم از کم مجھے ایک گھنٹہ ہو چکا تھا۔ میں نے گاڑی سٹارٹ کی اور پاس پڑے اس مردہ افسر کو ایک بار پھر سیدھا کر کے بٹھایا اور سر پر کیپ ذرا ٹیڑھی کر کے رکھ دی۔ آنکھیں کھول دیں اور سیٹ بیلٹ لگا دی تا کہ جسم سیدھا رہے۔ یہی مردہ افسر اب میری سینٹر میں داخلہ کی چابی تھا۔ اس کی جیب میں انٹری پاس بھی موجود تھا جو سینٹر کی چوکیوں پر موجود فوجیوں کو دکھانا تھا۔

گاڑی روانہ ہوئی۔ موسم کافی خراب ہو رہا تھا۔ ہلکی بوندا باندی بھی شروع ہو چکی تھی۔ دعا کر رہا تھا کہ تیز موسلا دھار بارش ہو جائے تا کہ چیکنگ کے مراحل سستی کا شکار ہو جائیں۔ ورنہ میں کہیں بھی پھنس سکتا تھا۔ رہائشی عمارات ختم ہوئیں تو وہی چوکی آ گئی جہاں سے میں اندر داخل ہوا تھا۔ گاڑی کے شیشے اوپر تھے۔ گیٹ پر کھڑے فوجیوں نے گاڑی کو دیکھتے ہی سیلوٹ کیا اور رکاوٹ اٹھا دی اور میں نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

دل دھڑک رہا تھا لیکن یہاں تک مشن کی کامیابی نے کافی حوصلہ دے دیا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد سینٹر کی دیواریں نظر آنے لگیں اور ہم پہلی چوکی پر پہنچنے والے تھے۔ میں کلمہ طیبہ کا ورد کر رہا تھا۔ بارش اب معمول سے تیز ہو رہی تھی۔ بادل گرج چمک رہے تھے۔ پہلی چوکی پر پہنچتے ہی ایک فوجی افسر ہاتھ میں چھتری لئے گاڑی کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ ہاتھ کے اشارے سے اس نے گاڑی کو روکا اور افسر والی طرف سے شیشے کے سامنے آ کر اس نے شیشہ گرانے کا اشارہ کیا۔

"صاحب سو رہے ہیں یہ کارڈ لے لیں۔" میں نے اس فوجی کو کارڈ نکال کر دے دیا اور سونے کا کہہ دیا۔ وہ فوجی پہلے تو کچھ دیر اپنے اس مردہ افسر کو دیکھتا رہا لیکن پھر خاموش ہو کر اندر چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد واپس آ کر کارڈ مجھے تھما دیا اور سیلوٹ مار کر رکاوٹ اٹھا دی۔ میں نے اللہ کا لاکھ ہا شکر ادا کیا۔ اب دوسری چیک پوسٹ پر امتحان باقی تھا۔

کچھ ہی دیر بعد دوسری چیک پوسٹ آ گئی اور وہاں بھی اسی طرح گاڑی کو روکا گیا اور کارڈ اندر لے جا کر اس نے کارڈ ہمیں تھما دیا۔ میں ابھی گاڑی آگے بڑھانے ہی والا تھا کہ اچانک دوسری چیک پوسٹ پر فون کی زوردار گھنٹی بج اٹھی اور وہ فوجی مجھے ہاتھ کے اشارے سے رکنے کا کہہ کر اندر چلا گیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ حواس باختہ باہر آیا اور مجھے شیشہ نیچے کرنے کا کہا۔ میں نے شیشہ نیچے کیا اس نے افسر کو جھنجھوڑ کر کہا.............

"سر آپ کے گھر سے لاش ملی ہے"

☆......☆......☆

کیا "پاکشی سینٹر" ناقابل تسخیر ہی رہے گا یا جانباز آج اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا......؟

مشن کے اتنا قریب پہنچ کر کیا جانباز پکڑا جائے گا......؟ یا پھر "ابو محمد" کو جانباز رہا کرا لے گا......؟ اس حال میں کہ اس کو ابھی معلوم نہیں کہ "ابو محمد" اسی پاکشی سینٹر میں قید ہے۔ اور وہ لڑکا جو زخمی مجاہد کی مدد کرنے میں لگا ہوا ہے۔ کیا وہ زخمی مجاہد اس خدمت کا بدلہ اسے دے پائے گا......؟ یہ سب جاننے کے لئے پڑھتے رہیے۔ ہمارا، آپ کا سب کا پیارا "مسلمان بچے"

جانباز

زبیر طیب

قسط ۸

وہ اپنے مردہ افسر کو جھنجوڑنے لگا اور اسی دوران اس کے سر پر رکھی ٹوپی گر گئی اور وہ خود بھی ایک طرف جھک سا گیا۔ یہ دیکھ کر اس فوجی کو گڑبڑ کا احساس ہوا اور اس نے بجلی کی سی تیزی سے کندھے پر لٹکی گن نکال لی۔ اسی دوران میں نے ایکشن میں آنے کا فیصلہ کرتے ہوئے مشین گن اٹھائی اور اس سے پہلے کہ وہ فائر کرتا میں نے اس کے سر پر گولی چلا دی جس سے وہ تڑپے بغیر ساکت ہو گیا۔ گولی کی آواز سنتے ہی خیمے سے تین چار فوجی مستعدی سے نکلے اور میں نے ان کی گولیوں سے بچنے کے لئے گاڑی کے ایکسیلیٹر پر پورا دباؤ ڈال دیا۔ فوجی جیپ کا طاقتور انجن غرایا اور گاڑی گولی کی رفتار سے بیریئر توڑتی ہوئی آگے کی جانب بڑھی۔ پیچھے سے گولیاں تو اتر سے چلیں لیکن وہ صرف گاڑی کے شیشے توڑنے کے سوا میرا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔

فائرنگ مسلسل جاری تھی۔ الارم بج اٹھے تھے اور چاروں طرف سائرن کی مسلسل آوازیں گونج رہی تھیں۔ میں نے گاڑی کے بیک مرر سے پیچھے دیکھا تو دو تین فوجی گاڑیاں بھی میرے تعاقب میں روانہ ہو چکیں تھیں۔

"پاکشی سینٹر" کی عمارت چند گز کے فاصلے پر رہ گئی تھی۔ میں نے گاڑی کی رفتار آخری حد تک کرتے ہوئے عمارت کے مین گیٹ میں گھسا دی اور گاڑی سے نیچے اتر کر فائرنگ کرنے لگا۔ بہت سے فوجی اس اچانک افتاد پر بری طرح گھبرا گئے تھے

اور میں نے انہیں لمحات کا فائدہ اٹھایا اور فائرنگ جاری رکھی۔ میں نے حالات مزید خراب کرنے کے لئے ایک گرنیڈ نکال کر اسے گاڑی کے نیچے ڈال دیا اور سینٹر میں بنی ہوئی بیرکوں کی طرف دوڑ لگا دی۔ پیچھے سے گاڑی کے پرخچے اڑنے کی زوردار آواز سنائی دی لیکن میں نے اپنی پیش قدمی جاری رکھی۔

میرا ارادہ اب قیدیوں کا چھڑوا کر کسی طرح انہیں اس خوفناک سینٹر سے باہر نکالنے کا تھا لیکن حالات ایسے ہو گئے تھے کہ پورے سینٹر کی فوج کو میری آمد کی خبر ہو چکی تھی اور وہ الرٹ ہو چکے تھے۔ دوسری چوکی پر فائرنگ ہوتے ہی الارم بج اٹھے تھے اور سب چوکنا تھے لیکن میری اندھا دھند فائرنگ کی وجہ سے بزدل فوجی اپنی جان بچانے کی فکر میں لگ گئے تھے۔

میں جلد ہی ایک دو فوجیوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد سینٹر کے اس حصے میں پہنچ گیا جہاں بیرکیں بنی ہوئی تھیں۔ میں ایک ایک بیرک کھولتا گیا اور قیدیوں کو رہا کرواتا گیا۔ یہاں تک کہ میں نے وہاں موجود سارے قیدیوں کو رہا کروا لیا لیکن یہ قیدی نہتے تھے ان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھے اور اس طرح وہ قتل ہو سکتے تھے۔ ان میں سے ایک قیدی نے میری مشکل آسان کر دی یہ کہہ کر کہ اسے اسلحہ ڈپو کا پتا ہے اور وہ وہاں جا کر اسلحہ لے کر سب کو دے دیتا ہے۔ یہ سن کر میں بے حد خوش ہوا اور کچھ ہی دیر بعد پانچ لوگ جا کر کافی سارا اسلحہ لے کر آ گئے۔ میں نے انہیں سمجھا دیا کہ باہر کافی خطرہ ہے اس لئے ہر ساتھی چوکنا ہو کر رہے اور کسی کو زندہ نہ چھوڑے۔

یہ سمجھا کر میں نے انہیں رخصت کیا اور اوپر کی جانب چل پڑا۔ یہ ٹارچ سینٹر کی دوسری منزل تھی اور یہاں قیدیوں کو لا کر تشدد کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ میں نے گرنیڈ کی پن نکالی اور دونوں ٹارچ سینٹر تباہ کر دیے۔ یہاں تین فوجی ملے جو بے حد چوکنے تھے لیکن میں نے انہیں قابو کر لیا اور مار ڈالا۔ اچانک مجھے ایک کمرے سے کسی کے کراہنے کی آواز سنائی دی۔ یہ وہی ٹارچ روم تھا جہاں پر ابھی میں نے گرنیڈ مارا تھا۔ میں نے چونک کر دیکھا تو وہ شخص "ابو محمد" تھا جو اب بری طرح زخمی تھا۔ میں انہیں جانتا تھا۔ میں نے دوسرے ٹارچ سینٹر کو اندر سے چیک نہ کیا تھا اور گرنیڈ پھینک دیا تھا جس کی وجہ سے کمرے کے ساتھ ساتھ "ابو محمد" بھی بری طرح زخمی ہو گیا تھا۔ میں نے بھاگ کر ان کا سر اپنی گود میں رکھا اور انہیں ساری صورتحال بتانے لگا۔

"تم پریشان نہ ہو۔ تمہارا اس میں کوئی قصور نہیں۔" ابو محمد نے نحیف آواز میں کہا۔

"میں آپ کو یہاں سے نکالتا ہوں۔ آیئے میرے کندھوں پر چڑھ جائیں۔" میں نے کہا۔

"نہیں میرا وقت آ چکا ہے۔ میں اپنے رب سے شہادت کی دعا کر رہا تھا جب سے ان ظالموں نے مجھے پکڑا ہے یہ لوگ مجھ سے راز اگلوانا چاہ رہے تھے اور اس کے لئے انہوں نے میرے اوپر کون سا ظلم اور تشدد نہیں کیا۔" ابو محمد نے اتنا ہی کہا تھا کہ باہر شدید فائرنگ کی آواز آنے لگی۔

"تم فوراً نکل جاؤ تمہاری جان مجھ سے زیادہ قیمتی ہے۔" ابو محمد نے جانباز کو فوراً نکلنے کا حکم دیتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے یہ پستول لے لیں۔ کوئی آئے تو اسے ٹھکانے لگا دیں۔ اللہ حافظ۔" یہ کہہ کر میں نے انہیں گلے سے لگایا اور اٹھا کر سہارے والی جگہ پر بٹھا دیا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ ہر طرف گاڑیوں کے سائرن تھے ایسا لگ رہا تھا جیسے پوری وادی کشمیر کی فوج اس خطے میں پہنچ چکی ہو۔ یہاں

سے واپس اسی راستے سے جانا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا جس راستے سے میں آیا تھا کیونکہ نیچے اب کمانڈوز پہنچ کر سرچ آپریشن شروع کر چکے تھے۔ چنانچہ میں نے تیسری منزل پر جانے کا فیصلہ کیا جہاں پر واچ ٹاور بنے ہوئے تھے۔ لیکن میں یہ بات بھی جانتا تھا کہ تیسری منزل پر جانے کے بعد میں اوپر ہی رہ جاؤں گا کیونکہ وہاں سے نیچے چھلانگ لگانا بے وقوفی تھا کیونکہ نیچے گہرائی میں سپاٹ پہاڑیاں تھیں اور ان ٹاورز میں بیٹھے فوجی میرے منتظر بھی ضرور ہوں گے۔

میں اوپر جانے کے لئے جیسے ہی سیڑھیوں پر پاؤں رکھا تو مجھ پر شدید فائرنگ ہوئی لیکن میں نے بروقت جھک کر خود کو بچا لیا اور فائر کرتے ہوئے تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ دوسری منزل پر بھی اب کمانڈوز پہنچ چکے تھے اور یہ فائرنگ انہی کی طرف سے کی گئی تھی۔ حالات نازک ہو چکے تھے۔ شاید میری شہادت کا وقت قریب تھا۔ زبان پر مسلسل کلمہ طیبہ کا ورد جاری تھا۔ لیکن میں پریشان نہیں تھا نہ جانے کیوں ایسے سخت حالات میں میرا دل انتہائی پرسکون رہتا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر خاص کرم تھا۔ میں تیسری منزل پر پہنچ چکا تھا۔ میرے خدشے کے مطابق یہاں پر بھی چار فوجی مجھے آڑ لئے ہوئے نظر آئے اور مجھے ان سے شدید جنگ کرنا پڑی۔ میرے پاس گولیاں ختم ہو رہی تھیں اور ابھی بھی تین فوجی مسلسل مجھ پر فائرنگ کر رہے تھے اور میں آڑ لے کر بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے نیچے سے کمانڈوز کے آنے سے پہلے ان تینوں کو موت کے گھاٹ اتارنا تھا ورنہ آج میری شہادت یقینی تھی۔ اچانک مجھے یاد آیا کہ میرے پاس ایک گرنیڈ ابھی باقی ہے۔ میں نے فائرنگ روک کر گرنیڈ اٹھایا اور پن نکال کر ان تینوں کی طرف اچھال دیا اس سے پہلے کہ وہ اپنی جگہ سے ہلتے گرنیڈ نے تینوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ میں فوراً واچ ٹاور پہنچا اور نیچے جھانکا۔ نیچے ہر طرف سپاٹ پہاڑیاں نظر آ رہی تھیں جو بے حد خطرناک تھیں۔ میں نے چھت کا بغور جائزہ لیا لیکن یہاں دو واچ ٹاورز بنے ہوئے تھے اور کچھ نہیں تھا سوائے ہیوی مشین گن کے جو واچ ٹاورز پر نصب تھیں۔ میں نے ان میں سے ایک مشین گن پر قبضہ کیا اور تیسری منزل پر آنے والے واحد دروازے کی طرف نظریں گاڑ دیں جہاں سے کمانڈوز آ سکتے تھے۔ میرے سینٹر میں داخل ہونے کے بعد سے لے کر اب تک اس ساری کارروائی کو تقریباً پندرہ منٹ سے لگے ہوں گے۔

☆......☆......☆

"ہیلو کیپٹن راٹھور" کیپٹن مہیش مسلسل فون پر چیخے جا رہا تھا۔

"یس سر!...... یس سر! کیپٹن راٹھور سپیکنگ" کچھ دیر بعد ایک متوحش سی آواز سنائی دی۔ یہ "پاکشی سینٹر" کا کمانڈر تھا۔

"کیا ہوا ہے؟ یہ گولیوں کی آواز کیوں سنائی دے رہی ہے؟ کیا کسی قسم کی کوئی ٹریننگ چل رہی ہے؟ اور تم میرا فون کیوں نہیں اٹھا رہے تھے؟" کیپٹن مہیش نے فائرنگ کی بے تحاشا آواز سن کر غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"وہ سر...... اصل میں یہاں ملی ٹینٹوں (مجاہدین) نے حملہ کر دیا ہے اسی وجہ سے فائرنگ کا تبادلہ ہو رہا ہے۔" کیپٹن راٹھور نے ڈری سہمی آواز میں بتایا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو تم؟...... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا "پاکشی سینٹر" اب مجاہدین کے قبضے میں ہے؟" کیپٹن مہیش کو ایسا لگا جیسے اس کے کان میں کسی نے پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا ہو۔

"سر قطعہ تو نہیں کہہ سکتے۔ باہر سے حملہ کیا گیا اور تمام قیدی رہا ہو کر اسلحہ ڈپو تک پہنچ گئے۔ اسلحہ لے کر انہوں نے باہری راستے پر پیش قدمی کی۔ تب تک ہماری کمانڈوز پارٹی نہیں پہنچی تھی۔ جسکی وجہ سے صرف دو قیدیوں کو مارا جا سکا باقی سب فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔" کیپٹن راٹھور نے ساری صورتحال گول مول انداز میں بیان کر دی۔

"ابو محمد بھی فرار ہو چکا ہے؟" کیپٹن مہیش نے جس لئے فون کیا تھا آخر اس کا پوچھ ہی لیا۔

"نو سر! وہ شدید زخمی ہو چکا تھا۔ اس کو پکڑنے کے لئے جب ہمارے کمانڈوز اندر گئے تو اس نے پسٹل سے ان پر فائرنگ کر دی۔ دو جوان ہمارے ہلاک ہو گئے لیکن ہم نے اسے زندہ پکڑ لیا اور اسے فوراً ملٹری ہسپتال منتقل کیا ہے۔ ابھی اس کی حالت تشویشناک ہے سر۔" کیپٹن راٹھور نے جواب دیا۔

"ابھی کیا صورتحال ہے؟" کیپٹن مہیش نے پوچھا۔

"سر عمارت کا اندرونی حصہ اکثر تباہ ہو چکا ہے۔ تمام قیدی فرار ہو چکے ہیں۔ ہمارے ۸ جوان مارے گئے جبکہ ۱۶ زخمی ہیں۔ حملہ کرنے والی پارٹی اندر ہے۔ اسی کو پکڑنے کے لئے کمانڈوز کی کارروائی جاری ہے۔" کیپٹن راٹھور نے جواب دیا۔

"حملہ کرنے والی پارٹی کتنے افراد پر مشتمل ہے؟" کیپٹن مہیش نے پوچھا۔

"سر صرف ایک یا زیادہ سے زیادہ دو افراد حملہ آور ہیں۔" کیپٹن راٹھور نے جواب دیا۔

"اوہ ہ ہ ہ..... یہ ضرور "جانباز" ہو گا۔ اسے ہر صورت زندہ یا مردہ پکڑنے کی کوشش کرو۔ دیکھو کیپٹن! میں تمہیں مالا مال کر دوں گا۔ تمہیں اپنے برابر عہدہ دوں گا لیکن اسے پکڑنے کی کوشش کرو۔ میں تمہارا یہ جرم بھی بھول جاؤں گا کہ تمہارے ہاتھ سے خطرناک ترین قیدی بھاگ گئے ہیں۔ جلد از جلد مجھے رپورٹ کرو۔" کیپٹن مہیش نے کہا اور فون بند کر دیا۔

اس کا سر پھٹنے کے قریب ہو چلا تھا۔ مجاہدین کی طرف سے اتنی بڑی کارروائی کا اس نے خواب میں سوچا تک نہ تھا۔ اس کو جو عہدہ "ابو محمد" کے پکڑنے پر ملا تھا وہ اس سے دور جاتا نظر آ رہا تھا۔

☆......☆......☆

وہ لڑکا گھر جا کر جلد ہی کھانا لے آیا اور ساتھ میں پانی بھی لایا اور مرہم پٹی کا بہت سارا سامان بھی۔ خود اس نے بھی مرہم پٹی کی ہوئی تھی۔ کیونکہ بھارتی فوجیوں کے تشدد نے اسے ادھ موا کر دیا تھا۔ یہ تو اس کا جذبہ تھا جو وہ اب تک خود کو سنبھالے ہوئے تھا۔ اس نے زخمی مجاہد کی مرہم پٹی کی اور زخموں پر دوا لگائی اور کھانا بھی سامنے رکھ دیا۔ زخمی مجاہد نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور دوا لے کر اس نے لڑکے کا شکریہ ادا کیا اور کہنے لگا:

"بیٹا! تم نے میری بے حد مدد کی ہے۔ میں اس کے بدلے میں تمہیں کچھ نہیں دے سکتا سوائے دعاؤں کے۔ کیا تم میرا آخری ایک کام اور کرو گے؟" اس زخمی مجاہد نے بہت سی دعائیں دینے کے بعد کہا۔

"جی ہاں کیوں نہیں؟ آپ کام بتائیں؟ آپ کا یہ بیٹا ضرور وہ کام کرے گا۔" اس لڑکے نے ایک عزم کے ساتھ جواب دیا۔

"میں تمہیں ایک نمبر دیتا ہوں۔ تم اس پر فون کر کے اسے "شاہین" کہنا اور کچھ نہ بتانا، وہ تم سے تمہارا پتہ پوچھے گا اور تم

اسے اپنا پتہ بتا دینا۔ وہ کچھ دیر بعد تم سے اسی جگہ آ کر ملے گا جو جگہ تم نے اسے بتائی ہوگی۔ اس آدمی کو احتیاط سے میرے پاس لیے آنا۔ بس اتنا سا کام ہے۔" اس مجاہد نے کہا اور ساتھ ہی نمبر بھی بتا دیا۔

"ٹھیک ہے میں یہ کام ضرور کروں گا۔" اس لڑکے نے کہا اور جنگل سے باہر نکل کر بستی کی طرف جانے لگا۔ اس بستی میں صرف دو جگہوں پر ٹیلی فون کی سہولت تھی۔ اس نے اس میں سے ایک ٹیلی فون کی دوکان کا انتخاب کیا جو اس بستی کے بالکل وسط میں تھی۔ اس نے وہاں جا کر مجاہد کا دیا ہوا نمبر ملایا اور فون اٹھانے پر "شاہین" کا لفظ دھرا دیا۔ آگے سے فوراً جگہ کا پوچھا گیا اور اس لڑکے نے بستی میں موجود ایک مشہور ہوٹل کا پتہ بتا دیا۔ پتہ بتاتے ہی اس نے فون رکھا اور بل ادا کر کے وہ بتائے ہوئے ہوٹل میں پہنچ کر اس آدمی کا انتظار کرنے لگا جس کا اس زخمی مجاہد نے بتایا تھا۔

☆......☆......☆

دروازہ کھلا اور تقریباً بیس کے قریب کمانڈوز یکے بعد دیگرے اندر داخل ہوتے چلے گئے۔ میں واچ ٹاورز میں موجود تھا اور مشین گن میرے ہاتھ میں تھی۔ انہوں نے آتے ہی مجھے خبردار کیا اور پوزیشن سنبھال لی۔ وہ مجھے ٹاور سے باہر نکل کر آنے کا حکم دے رہے تھے۔ صورتحال بے حد خطرناک ہو چکی تھی۔ میں گرفتار ہونے سے زیادہ شہید ہونا زیادہ پسند کرتا۔ چنانچہ میں نے مشین گن میں موجود گولیوں کا جائزہ لیا اور ٹریگر پر انگلی کا دباؤ بڑھا دیا اور اگلے ہی لمحے گن سے فائر ہونے کی بجائے ٹرچ کی آواز آئی اور میں چونک کر مشین گن کو دیکھنے لگا جو عین وقت پر مجھے دھوکہ دے گئی تھی اور چلنے سے انکار کر دیا تھا۔ سرسری دیکھنے پر پتا چلا کہ مشین گن کو جان بوجھ کر خراب کیا گیا ہے تاکہ اگر میں قبضہ کر بھی لوں تو اسے استعمال نہ کر سکوں۔ اب میرے پاس دو راستے تھے یا تو چپ چاپ خود کو ان کمانڈوز کے حوالے کر دوں یا پھر اپنی کلاشن کی آخری گولی تک ان کا مقابلہ کروں۔

لیکن میری مشین گن کی گولیاں بھی بالکل اختتام کے قریب تھیں۔

اسی دوران کمانڈوز کی جانب سے آخری اعلان ہوا کہ میں ہاتھ اٹھا کر ٹاور سے باہر آ جاؤں۔ میں نے آخری فیصلہ کیا اور اپنی مشین گن کندھے سے اتار کر نیچے پھینک دی اور ٹاور میں ہی موجود رہ کر ہاتھ کھڑے کر دیئے۔ کمانڈوز نے اس اچانک فیصلے پر آپس میں ایک دوسرے کو دیکھا اور حیران رہ کر ان میں سے دو فوجی ہاتھ میں ہتھکڑی لیے میری طرف بڑھنے لگے۔ ان کے درمیان اور میرے درمیان صرف دس قدم کا فاصلہ رہ چکا تھا۔ میں ایک بار پھر گرفتار ہونے والا تھا۔

☆......☆......☆

کیا "جانباز" اس بار ہمیشہ کے لئے گرفتار ہو جائے گا؟ یا پھر "جانباز" اس ناقابل تسخیر سینٹر کو تسخیر کرنے کے بعد ہندو فوجیوں کو ایک اور زخم پہنچانے میں کامیاب ہو جائے گا؟

کیا وہ لڑکا اس زخمی مجاہد کا کام کر پائے گا یا؟

اور کیا کیپٹن مہیش اپنی زندگی کی سب سے بڑی ہار کو اپنی آنکھوں سے دیکھ پائے گا؟

یہ سب جاننے کے لئے پڑھتے رہیے اپنا، ہمارا، سب کا پیارا "مسلمان بچے"

☆......☆......☆

صرف دس قدم اور مجھے گرفتار کر لیا جاتا تھا...... میری ساری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو چکی تھی۔ ایسی حالت کا صرف وہی اندازہ کر سکتے ہیں جو اس صورتحال سے کبھی گزرے ہوں۔ میں نے ہاتھ اٹھا دیے تھے اور کمانڈوز میری طرف بہت احتیاط سے بڑھ رہے تھے۔ میرے آگے کمانڈوز تھے اور پیچھے گہری کھائی۔ میں نے ہار مانتے ہوئے گردن جھکا لی۔

کمانڈوز اب صرف پانچ قدم کی دوری پر تھے اور مجھے واچ ٹاور سے باہر آنے کا حکم دے رہے تھے۔ اس وقت درجنوں مشین گنوں کا رخ میری طرف تھا۔ مجھے اگر اپنی جان بچانی تھی تو صرف ایک ہی چارہ تھا کہ ان کا حکم بلا چوں و چرا مانتا چلا جاؤں۔ میں ہاتھ کھڑے کر کے واچ ٹاور سے جیسے ہی باہر نکلنے لگا، اچانک میرا پاؤں کسی چیز سے ٹکرایا میں نے آہستگی سے نیچے دیکھا تو وہاں ایک بہت بڑا رسہ موجود تھا جو ایک کھونٹے سے بندھا ہوا تھا۔ شاید یہ رسہ ہنگامی حالات کے لیے یہاں چھوڑا گیا تھا تا کہ اگر کوئی مشکل صورتحال پیش آئے جس سے عمارت کے اندر آنا ممکن نہ ہو تو اس رسے کے ذریعے پچھلی سائیڈ پر موجود پہاڑی کو اس رسے کی مدد سے عبور کیا

جائے۔ میرے لئے یہ غیبی مدد تھی۔ لیکن اب مشکل یہ تھی کہ میں کیسے پھرتی کے ساتھ رسہ اٹھاؤں اور نیچے چھلانگ لگا دوں۔ مجھے ٹھیک سے اندازہ بھی نہیں ہو رہا تھا کہ رسہ کتنا لمبا ہے اور کتنا مضبوط ہے۔ بہرحال ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں، میں نے سوچا کہ گرفتاری سے بہتر ہے کہ ایک آخری کوشش کی جائے۔

کمانڈوز مسلسل چیخ رہے تھے۔ انہوں نے اب تک مجھے گولی اس وجہ سے نہیں ماری تھی کہ انہیں میرے مردہ وجود سے زیادہ زندہ وجود میں دلچسپی تھی تا کہ وہ مجھ سے ہر راز، ہر چوٹ اور ہر زخم کا بدلہ لے سکیں جو میں نے انہیں دیا تھا۔ میں نے کن انکھیوں سے رسے کے سرے کو دیکھا کہ وہ کس طرف پڑا ہوا ہے اور اللہ کا نام لے کر بجلی کی تیزی سے نیچے جھک کر رسہ کا سرا پکڑا اور لیٹے لیٹے ہی پچھلی جانب چھلانگ لگا دی۔ میرا یہ اقدام خودکشی کے مترادف تھا لیکن جنگ میں ایک فیصد کے امکان کو بھی رد نہیں کیا جا سکتا۔ میں پچھلی جانب رول ہوتا ہوا مسلسل نیچے جا رہا تھا۔

کمانڈوز پہلے تو حیران و ششدر کھڑے رہ گئے اور پھر خیال آنے پر فوراً کنارے پر پہنچے اور فائرنگ شروع کر دی، تب تک میں بے حد نیچے جا چکا تھا اور مسلسل پرندے کی طرح کبھی ادھر اور کبھی ادھر لہرا رہا تھا۔ ان کے فائر میرے دائیں بائیں سے گزر رہے تھے۔ میں نے رسے کو بے حد مضبوطی سے تھاما تھا۔ مجھے زمین نظر آنے لگی۔ لیکن اس سے پہلے کہ میں زمین تک پہنچتا اچانک رسہ ڈھیلا ہوا اور میں لڑھکتا ہوا زمین پر گرا۔ اس وقت میری پیراٹروپنگ کی ٹریننگ کام آئی اور میں نے زمین پر گرنے سے پہلے اپنے جسم کو موڑا اور رول ہوتا ہوا زمین پر گرتا چلا گیا۔ جس طرح میں سیدھا گر رہا تھا اگر اس طرح نیچے آتا تو میری کئی ہڈیاں اب تک ٹوٹ چکی ہوتیں۔ رسہ اس لئے ڈھیلا ہوا کہ انہوں نے اوپر سے رسہ کاٹ دیا تھا۔ مجھے اب مسلسل بھاگنا تھا کیونکہ ابھی وہ ہیلی کاپٹروں کی مدد سے اس پورے علاقے کی گھیرا بندی کرنے والے تھے۔

سینکڑوں فٹ کی بلندی سے چھلانگ لگانے کے باوجود میرے اللہ نے مجھے محفوظ رکھا تھا اور میں ایک بار پھر انہیں شدید چوٹ دے کر، پاکشی سینٹر کی اینٹ سے اینٹ بجا کر اور کئی لاشیں چھوڑ کر دشمن کو زخم چاٹتا آنکھوں ہی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

''ہیلو ہیلو کیپٹن مہیش سپیکنگ''......کیپٹن مہیش اپنے پاکشی سینٹر سے سینکڑوں میل دور بیٹھا پاگل ہوا جا رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی طرح وہ اڑ کر پاکشی سینٹر میں پہنچ جائے۔ ایسا چونکہ ہو نہیں سکتا تھا، اس لئے اس نے وائرلیس کے ذریعے وہاں رابطہ شروع کر دیا۔ کافی دیر تک وہ اپنا نام دہراتا ہوا اور پھر اچانک ایک متوحش سی آواز سنائی دی۔

''یس، یس، سر یس، سر کیپٹن راٹھور سپیکنگ'' یہ پاکشی سینٹر کا کمانڈر تھا۔

''کہاں مر گئے ہو تم سارے؟ کتنی دیر سے بات کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔'' کیپٹن مہیش نے بری طرح چیختے ہوئے پوچھا۔

"سوری سر! یہاں ہنگامی حالات نافذ تھے سر! اس لئے مجھے دیر ہو گئی سر!" کیپٹن راٹھور نے منمناتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"اب یہ سر، سر کی رٹ بند کرو اور مجھے کوئی خوشخبری سناؤ۔" کیپٹن مہیش نے ذرا نرم پڑتے ہوئے کہا۔

"سر! خوشخبری یہ ہے کہ ہماری عمارت کو زیادہ نقصان پہنچا ہے جبکہ جانی نقصان بہت کم ہوا ہے سر! صرف بارہ سر، ہمارے کئی سپاہی صرف معمولی زخمی ہوئے ہیں، ان کی تعداد بیس کے قریب ہے سر!" کیپٹن راٹھور نے جواب دیا۔

"نانسنس! گدھے کے بچے! میں تمہیں الٹا لٹکا دوں گا۔ تم میرے ساتھ مذاق کر رہے ہو۔ میں پوچھ رہا ہوں کہ حملہ آوروں کے بارے میں خوشخبری سناؤ اور تم ہو کہ مجھے فضول بکواس سنا رہے ہو۔" کیپٹن مہیش جو ابھی نرم پڑ گیا تھا اچانک غصے کی شدت سے پھٹ پڑا۔

"یس سر! یس سر! یہ کارروائی "جانباز" کی طرف سے کی گئی تھی۔ اس نے پہلے فوجیوں کی رہائشی بیرک پر حملہ کر کے دو فوجی اور ان کی گاڑی چھا کر وہ سینٹر میں داخل ہونے میں کامیاب ہوا اور پھر وہاں اس نے اندھا دھند فائرنگ کر دی سر! بہت سے قیدی فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے اور ابو محمد شدید زخمی حالت میں ملٹری ہسپتال منتقل کیا گیا لیکن ابھی خبر آئی ہے کہ وہ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے مر چکا ہے۔ جانباز سے لڑائی چھت پر تقریباً پندرہ سے بیس منٹ جاری رہی اور وہ وہاں پھنس چکا تھا لیکن واچ ٹاورز میں پڑے رسے کی مدد سے وہ سینٹر کے پچھلی جانب کود گیا۔ ہمارے کمانڈوز نے وہ رسہ بھی کاٹ دیا۔ مجھے امید ہے کہ وہ زندہ یا مردہ جلد ہی گرفتار کر لیا جائے گا، میں نے اسے دیکھنے کے لئے ٹیمیں بھیج دی ہیں سر!" کیپٹن راٹھور جیسے جیسے بولتا گیا، کیپٹن مہیش کے کانوں میں سیسہ پگھلتا گیا اور وہ لہرا کر نیچے گر گیا۔

"ہیلو کیپٹن مہیش! ہیلو کیپٹن سر؟" جواب نہ آنے پر کیپٹن راٹھور نے گھور کر وائرلیس سیٹ کو دیکھا اور لائن کاٹ دی۔

کیپٹن مہیش کی حالت مردہ کتے سے بھی بدتر ہو رہی تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں اس سے بری شکست کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اسے ایسے لگ رہا تھا جیسے اس کے جسم میں جان نہ ہو۔ وہ اب سے تقریباً دو دن پہلے کشمیر کی ساتھ لاکھ آرمی کا نائب ہونے چلا تھا اور اب اسے اپنا کورٹ مارشل صاف نظر آ رہا تھا۔ کرنل کرپاڈیا کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ کورٹ مارشل کی بجائے گولی دماغ میں گھسا دیتا تھا۔ کیپٹن مہیش فرش پر پڑا کسی پاگل کتے کی طرح لگ رہا تھا۔ اس کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ اسے اپنی آنے والی موت صاف نظر آ رہی تھی۔ وہ آہستگی سے اٹھا اور کرسی پر گر گیا۔ باہر سردی کا سخت موسم تھا لیکن اس کے چہرے پر پسینے کی شدید پھواریں تھیں۔ اچانک پاس پڑا ہوا سرخ فون بج اٹھا اور کیپٹن مہیش ایک دم چونک سا گیا اس نے مریل انداز میں فون اٹھایا اور بولا:

"کیپٹن مہیش سپیکنگ"

"نانسنس! یہ تمہاری آواز کو کیا ہو گیا ہے؟ مرتے ہوئے گدھے کے بچے کی طرح آوازیں کیوں نکال رہے ہو؟ رپورٹ دو، ابو محمد اور جانباز کی" کرنل کرپاڈیا نے پوچھا۔

"سر! سر! وہ...... وہ ہ ہ ہ......سر! میں میں میں کیا کہوں سر! وہ س س س س سررررر!" کیپٹن مہیش بری طرح گھگیا رہا تھا۔اس کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔اس کا سارا جسم پسینے میں بھیگ گیا تھا۔

"یہ کیا بکواس کر رہے ہو تم؟ کیا تم نشے میں ہو؟" کرنل کرپاڈیا اس کا عجیب و غریب ہکلانے کا انداز سن کر پریشان سا ہو گیا۔

"س س س سر سر! ابو محمد مر چکا ہے اور "جانباز" پاکشی سینٹر کو تباہ کر کے تمام قیدی چھڑا کر بھاگ نکلا ہے سر!" کرنل مہیش نے آخر کار ہمت کر کے سچ بتا ہی دیا۔

"ک ک ک کیا؟ تم واقعی نشے میں ہو؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ میں تمہیں بھوکے کتوں کے آگے ڈال دوں گا؟ مجھے سب سچ بتاؤ ابھی اسی وقت......" کرنل کرپاڈیا کو پہلے تو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا کہ اس نے کیا سنا ہے اور پھر غصے کی شدت سے وہ بری طرح چیخنے چلانے لگا۔

"سر! پاکشی سینٹر میں ابو محمد قید تھا......" اور پھر آخر تک کیپٹن مہیش نے پوری روداد سنا دی جو اسے پاکشی سینٹر کے کمانڈر کیپٹن راٹھور نے بتائی تھی۔جیسے جیسے وہ بتاتا جا رہا تھا کرنل کرپاڈیا کے منہ سے گالیوں کا ایک طوفان نکلنے لگا۔

"کیپٹن! تم اپنی زندگی کی سب سے بڑی ہار کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ابھی تک زندہ ہو۔اس بات پر مجھے حیرت ہے۔لیکن میں تمہیں بتا دوں کہ تمہاری موت بڑی دردناک ہو گی۔تمہیں اسی وقت گرفتار کر کے ہیڈ کوارٹر روانہ کیا جائے گا اور چپ چاپ خود کو حوالے کر دینا۔"

یہ کہہ کر کرنل کرپاڈیا نے لائن کاٹ دی اور کیپٹن مہیش نے ڈھیلے ہاتھوں سے فون کا ریسیور رکھ دیا۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور دو فوجی اندر داخل ہوئے۔ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ہتھکڑی تھی۔

"سر! ہیڈ کوارٹر سے اطلاع آئی ہے کہ آپ کو لے کر روانہ ہو جائیں ابھی" آنے والے ایک فوجی نے مئودبانہ انداز میں کہا۔

"تم دونوں باہر کھڑے ہو جاؤ میں دو منٹ میں آتا ہوں۔" کیپٹن مہیش نے کہا۔اور وہ دونوں چپ چاپ باہر چلے گئے۔

"میری موت بہت بدتر ہو گی۔ہیڈ کوارٹر کے ٹارچر سیل میں مجھ پر تشدد کیا جائے گا اور ان فوجیوں کے ہاتھوں سے جو اسے کبھی سیلوٹ کیا کرتے تھے یا اگر مارا نہیں جائے گا تو تاریک قید خانے میں ڈال دیا جائے گا۔" اس کا سر سوچ سوچ کر پھٹنے لگا تھا۔کیپٹن مہیش سوچنے لگا: آخر کار اس نے فیصلہ کیا ایک آسان راستے کا۔لیکن یہ راستہ بھی اس کے لئے بہت مشکل تھا۔کیونکہ بزدل انسان موت سے ہمیشہ بھاگتا رہتا ہے۔لیکن آج وہ اس قدر مجبور تھا کہ اسے یہ مشکل فیصلہ کرنا ہی تھا۔اس نے ایک نظر اپنی تصویر کی طرف دیکھا جو سامنے والی دیوار پر لگی ہوئی تھی۔سینے پر بڑے بڑے بیج تھے۔اس کی آنکھوں کے سامنے وہ سب مناظر ایک ایک کر کے آنے لگے جو اس نے پچھلے آٹھ برسوں میں کشمیر کی معصوم بیٹیوں کے ساتھ، ان کے جوانوں کے ساتھ، ان کے بوڑھے لوگوں کے ساتھ، کشمیر کے بچوں کے ساتھ، جیلوں میں بند قیدیوں کے

ساتھ ظلم و بربریت کے ساتھ بتائے۔ اس نے اپنے اس انجام
کے بارے میں کبھی نہیں سوچا تھا۔ تب بھی نہیں جب ایک
ٹارچر سیل میں ایک بوڑھے معصوم قیدی کی داڑھی کو نوچتے
وقت اس بوڑھے کے منہ سے دلدوز چیخ نکلی تھی اور اس نے کہا
تھا کہ بہت جلد تو ایسے مرے گا کہ تجھ پر کوئی تھوکنا بھی گوارا نہیں
کرے گا۔ اس بوڑھے کے الفاظ آج سچ ہو رہے تھے۔ اس
نے اپنی شرٹ کے بٹن کھولے اور زمین پر بیٹھ گیا اور اپنے
ہولسٹر سے اپنا پسٹل نکالا اور اسے لوڈ کر کے دماغ پر رکھ
دیا۔ اس کا ہاتھ ایسے کانپ رہا تھا جیسے وہ برسوں سے رعشے کا
مریض ہو۔ آہستہ آہستہ اس کا سارا جسم کانپنے لگا لیکن وہ ٹریگر
دبانے کی ہمت نہ کر پا رہا تھا۔ اچانک زوردار انداز میں دروازہ
کھلا اور اسی آواز سے گھبرا کر اس کا دباؤ ٹریگر پر بڑھ گیا اور ایک
زوردار آواز سنائی دی۔ کیپٹن کی کھوپڑی کئی حصوں میں تقسیم ہو
کر فرش پر بکھر گئی تھی۔ آنے والے دونوں فوجی یہ حالت دیکھ کر
تیزی سے واپس پلٹ گئے تھے تاکہ ہیڈ کوارٹر اطلاع دی جا
سکے۔

ظلم کے اندر کبھی بھی پھلنے پھولنے کی طاقت نہیں
ہوتی۔ یہ جتنا پھیلتا جاتا ہے اس کی زندگی اتنی ہی کم ہوتی جاتی
ہے اور پھر بالآخر ظلم ایک دن اپنی موت آپ مر جاتا ہے۔ کیپٹن
مبشر نے اپنی زندگی میں اتنا مقام بنایا، اتنی دولت جمع کی اور
پھر آخر ایک دن اپنے ہی ہاتھوں سے اس نے اپنا خاتمہ کر
ڈالا۔ اس کے ہاتھ معصوم کشمیریوں کے خون سے لتھڑے
ہوئے تھے۔ اس کی صبح و شام ظلم سے تعبیر تھی۔ وہ خود کو خدا سمجھ
بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بندوق تھی اور وہ یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ
وہی زندگی اور موت کے فیصلے کرنے والا ہے۔ لیکن قدرت
تھوڑی سی ڈھیل دے کر اسے عبرت کا نشان آخرکار بنا دیتی
ہے۔

کیپٹن مبشر اپنی بدبودار جسم کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے
لئے جہنم کی آگ میں جلنے کے لئے دفع ہو چکا تھا۔ یہ سفاک
قاتل خود اپنا قتل کر بیٹھا تھا۔

☆......☆......☆

وہ لڑکا ہوٹل میں بیٹھا انتظار کر رہا تھا کہ کب اس زخمی مجاہد
کا بندہ آئے گا جسے وہ لے کر روانہ ہو جائے گا۔ کافی دیر گزر گئی
لیکن وہ بندہ نہیں آیا۔

اچانک ہوٹل کے مین گیٹ پر ایک جیپ زوردار انداز
میں آ کر رکی اور اس میں سے دو فوجی نکل کر ہوٹل میں داخل
ہوئے۔ یہ دیکھ کر وہ لڑکا ایک لمحے کو تو بدحواس سا ہو گیا لیکن جلد
ہی اس نے خود کو سنبھالا اور سنبھل کر بیٹھ گیا۔ یوں انداز
اختیار کر لیا جیسے اسے اس فوجی جیپ کے آنے کا کوئی خاص
احساس نہ ہوا ہو۔ دونوں فوجی کاؤنٹر پر گئے اور کچھ گفتگو کر کے
وہ ایک میز پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ لڑکے نے بھی شک سے
بچنے کے لئے چائے کا آرڈر دے دیا۔ تھوڑی دیر بعد فوجیوں کا
کھانا آ گیا اور وہ کھانے میں مگن ہو گئے۔

وہ لڑکا دل ہی دل میں دعا کرنے لگا کہ یہ فوجی جب تک
یہاں ہیں وہ آدمی نہ آئے جس کا وہ انتظار کر رہا تھا۔ اس سوچ
کے دوران چائے آ گئی اور وہ لڑکا چپ چاپ ماحول سے انجانا
بنتے ہوئے چائے پینے لگا۔

اچانک ہی مین گیٹ پر ایک گاڑی آ کر رکی اور اس میں

سے ایک نوجوان جس کی ہلکی ہلکی داڑھی تھی نکلا اور ہوٹل میں آ کر ادھر ادھر جائزہ لینے لگا۔ اس نے کھانا کھاتے فوجیوں کو دیکھا اور ایک لمحے کے لئے ٹھٹکا لیکن پھر خود کو سنبھال کر اس نے اس لڑکے کی طرف دیکھا جو ایک کونے میں بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ اس نے اس لڑکے کی طرف جانے کی بجائے ایک الگ ٹیبل کا رخ کیا اور کھانے کا آرڈر دے دیا۔ لڑکے کو کچھ کچھ اندازہ ہو رہا تھا کہ زخمی مجاہد نے جس ساتھی کے آنے کی اطلاع دی ہے وہ یہی ہے۔ لیکن وہ یہ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ وہ اس کی طرف آنے کی بجائے الگ جا کر کیوں بیٹھ گیا ہے۔ لڑکا چپ چاپ اس نوجوان کو دیکھتا رہا اور پھر اس کا کھانا بھی آ گیا جو وہ ہمہ تن گوش ہو کر کھانے لگا۔ فوجیوں نے کھانا کھانے کے بعد چائے پی اور پھر وہ ادھر ادھر دیکھے بغیر ہوٹل سے نکلے اور چلے گئے۔ یہ دیکھ کر لڑکے کی جان میں جان آئی اور وہ اٹھ کر اس نوجوان کی ٹیبل پر جا پہنچا جس کے بارے میں اسے یقین ہو چلا تھا کہ یہی ہے وہ شخص جس سے فون پر بات ہوئی تھی۔ کیونکہ وہ اس نوجوان کو ہوٹل والے کو آرڈر دیتا سن چکا تھا۔ یہ وہی آواز تھی جو اس نے فون پر سنی تھی۔

"کیا آپ............؟" لڑکے نے جا کر بولنا شروع ہی کیا تھا کہ اس نوجوان نے اسے ٹوک دیا۔

"چپ چاپ باہر جا کر روڈ پر پیدل چلنا شروع کر دو۔ میں تمہیں راستے سے لے لوں گا" نوجوان نے کھانا کھاتے ہوئے نیچی نظر کیے جواب دیا۔

یہ سن کر لڑکے نے چائے کا بل ادا کرنے کے بعد روڈ پر پیدل چلنا شروع کر دیا تھوڑی دیر بعد وہی گاڑی جس پر وہ نوجوان آیا تھا قریب آ کر رک گئی اور وہ لڑکا اس پر سوار ہو گیا۔

"ہوٹل میں خطرہ تھا اس لئے میں نے تم سے باہر ہی ملنا زیادہ پسند کیا۔" اس نوجوان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور اس لڑکے نے سر ہلا دیا۔

"کہاں ہیں وہ......؟" اس نوجوان نے (جس نے اپنا نام حمزہ بتایا تھا) نے پوچھا۔

"وہ جنگل کے ایک خاص کونے میں موجود ہیں۔ یہ گاڑی کسی جگہ پر کھڑی کر دیں اور پھر میں آپ کو وہاں لے جاتا ہوں۔" لڑکے نے جواب دیا اور پھر حمزہ نے ایک مناسب جگہ دیکھ کر گاڑی پارک کی۔ یہ رش والی جگہ تھی اور یہاں ایک مارکیٹ تھی جس کی گاڑیاں پہلے ہی کافی تعداد میں کھڑی ہوئی تھیں۔ گاڑی پارک کر کے دونوں پیدل ہی جنگل کی طرف روانہ ہو گئے۔ جلد ہی وہ جنگل میں پہنچ گئے اور وہ لڑکا مخصوص علاقے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس زخمی مجاہد نے لڑکے کو اور اس کے ساتھ آنے والے نوجوان کو دیکھ لیا تھا۔ حمزہ نے آتے ہی زخمی مجاہد کو گلے کے ساتھ لگا لیا اور انتہائی عقیدت کا اظہار کرنے لگا۔ زخمی مجاہد نے اپنے یہاں پہنچنے کی ساری بات بتائی اور اس لڑکے کے بارے میں بھی بتایا کہ کیسے اس نے اپنی جان پر کھیل کر اس کی حفاظت کی ہے۔ حمزہ نے پاس بیٹھے ہوئے اس لڑکے کی پیشانی کو چوما اور گلے سے لگا لیا۔

"اب مجھے آپ بتائیں گے کہ آپ کون ہیں؟" اس لڑکے نے ہمت کر کے آخر کار اس زخمی مجاہد سے پوچھا۔

"میں بتاتا ہوں۔" مجاہد کے بولنے سے پہلے ہی حمزہ نے بولنا شروع کیا۔

"کشمیر کی آزادی کی جنگ لڑنے والے ایک مشہور گروپ کا نام "شاہین" ہے۔ شاید یہ نام تم نے سنا ہو۔ یہ گروپ انتہائی خفیہ رہ کر کام کرتا ہے۔ اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ یہ جو سامنے بیٹھے ہیں، جن کی جان بچانے میں تم نے کوئی کسر نہیں چھوڑی یہ ہمارے چیف ہیں۔ ان کا کوڈ نام "شاہین" ہے۔ ویسے ان کا اصلی نام بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ میں اس گروپ کا ایک ادنیٰ سا کارکن ہوں۔" حمزہ تفصیل سے بتاتا چلا گیا۔

"اب کیا آپ یہاں سے چلے جائیں گے؟" اس لڑکے نے پوچھا۔

"ہاں میرے بچے! مجھے جانا ہوگا۔ میرے گروپ کو میری ضرورت ہے۔ تمہارے ساتھ گزرے ہوئے یہ دن رات مجھے کبھی نہیں بھولیں گے۔ تم مجھ سے کچھ مانگنا چاہو تو مانگ سکتے ہو۔ شاید میں اس احسان کا کچھ نہ کچھ بدلہ اتار سکوں؟" "شاہین" نے کہا۔

"میں جو مانگوں گا کیا آپ مجھے دیں گے؟" اس لڑکے نے روہانسی آواز میں کہا۔

"ہاں میرے بچے! میں پوری کوشش کروں گا کہ اپنے ننھے مجاہد کی کوئی خواہش پوری کر سکوں۔" "شاہین" نے جواب دیا۔

"مجھے اپنے ساتھ لے جائیں اور مجھے ٹریننگ دیں۔ مجھے بھی آپ جیسا ایک مجاہد بننا ہے۔" اس لڑکے کے دل کی خواہش آخرکار زبان پر آہی گئی۔

"دیکھو میرے بیٹے! اس راہ میں کانٹے بہت ہیں۔ قدم قدم پر تکلیفیں ہیں، گھر سے دوری بھی ہے، زخم ہیں، چیخیں ہیں، خون ہے، پہاڑوں جیسی سختی ہے، بم بارود کی بو ہے، خاموشی کی بجائے گھن گرج ہے، یہاں بھی آرزوؤں کا خون ہوتا ہے تو کبھی اپنے نفس کا، کیا تم یہ سب برداشت کرسکو گے؟" "شاہین" نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

" آخر میں کیا ہوتا ہے؟" اس لڑکے نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"آخر میں...... گہری، سکون والی، میٹھی نیند اور رب کی بے شمار نعمتیں۔" "شاہین" نے جواب دیا۔

تب تو یہ سب تکلیفیں بہت چھوٹی ہیں۔ میں دعا کروں گا کہ اس راستے میں بھی "آخر" مجھے نصیب ہو۔ میں تیار ہوں۔ اس لڑکے نے جواب دیا اور اپنا ہاتھ "شاہین" کے ہاتھ میں تھما دیا۔

☆......☆......☆

میں جنگل میں مسلسل آگے ہی آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ میری رفتار بے حد تیز تھی۔ میں جلد از جلد یہاں سے دور نکل کر جانا چاہ رہا تھا تاکہ فوجی پارٹی اگر تعاقب میں بھی ہو تو وہ پکڑ نہ سکے۔ یہ تمام جنگل میرے دیکھے بھالے تھے۔ کچھ مزید دوڑنے کے بعد بڑی سڑک پر میں پہنچ چکا تھا جو سیدھا شہر جاتی تھی۔ مجھے جلد از جلد ہوٹل پہنچ کر یہ شہر چھوڑنا تھا کیونکہ اس شہر کی بھی ناکہ بندی وہ کر سکتے تھے۔ جتنا بڑا ان کا نقصان ہوا تھا وہ شہر کے ہر ہر گھر کی تلاشی لے سکتے تھے۔ میں سڑک پر آ گیا اور پیدل معمول کی رفتار سے چلنے لگا۔ جلد ہی ایک رکشہ قریب آکر رکا اور میں نے اسے ہوٹل کا پتا کر بیٹھ گیا۔

شہر قریب آتا جا رہا تھا۔ کہ اچانک دو بجلی کا پٹر فضا میں اچانک نظر آئے اور شہر کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ میں نے رکشے والے کو ذرا تیز چلانے کا کہا اور آنے والے حالات کے بارے میں سوچنے لگا اور آنکھیں موند لیں۔ اچانک رکشہ ایک زوردار جھٹکے سے رکا اور میں نے آنکھ کھول کر ارد گرد کا جائزہ لیا تو گاڑیوں کا رش نظر آ رہا تھا۔ معلوم کرنے پر پتا چلا کہ آگے فوج نے ناکہ لگایا ہوا ہے اور ہر گاڑی کی تلاشی اور مسافروں کی جانچ پڑتال کی جا رہی ہے۔

یہ صورتحال میرے لئے خاصی تشویشناک تھی کیونکہ میرے پاس اس وقت کوئی ایڈینٹی کارڈ نہیں تھا۔ کارروائی پر جانے سے پہلے ہر چیز ہوٹل میں چھوڑ آیا تھا۔ میرا حلیہ کافی خستہ حال تھا۔ تھوڑی سی جانچ پڑتال بھی ہوتی تو میرا پکڑا جانا یقینی تھا۔ میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کروں؟ کہ رکشے والی کی آواز آئی:

"صاحب جی کارڈ نکال کر ہاتھ میں رکھ لو۔ ورنہ یہ لوگ تنگ کریں گے، ہماری باری آنے والی ہے"

میں نے اثبات میں سر ہلایا اور آگے کے حالات کے متعلق سوچنے لگا۔

☆......☆......☆

کیا "جانباز" اس مشکل صورتحال سے خود کو نکال پائے گا؟

کیا "شاہین" اس لڑکے کو اپنے جیسا 'شاہین' بنانے کے لئے ساتھ لے جائے گا یا چھوڑ جائے گا؟ اور کیا اس لڑکے کی ماں اس کی اجازت دے دی گی؟

کیا "کرنل کرپاڈیا" جانباز کی اس کارروائی پر چپ سادھے بیٹھا رہے گا یا بھرپور جواب دے گا؟

کیا "کرنل کرپاڈیا" جانباز کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو جائے گا؟

یہ سب جاننے کے لئے پڑھتے رہیے...... ہمارا...... آپ کا...... سب کا...... پیارا...... مسلمان بچے

میری طرف سے تمام "مسلمان بچے" کے لکھاریوں اور قارئین و قاریات کو بہت بہت عید مبارک۔

☆......☆......☆

شیطان کا گمراہ کرنا

وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ ابلیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک بوڑھے کی شکل میں گیا۔

آپ علیہ السلام اس سے پوچھنے لگے کہ بتا تو نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا؟ کہنے لگا میں انہیں دعوت دونگا وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دو خداؤں کو ماننے لگیں گے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ امت محمد ﷺ کے ساتھ کیسے کرے گا؟ کہنے لگا انہیں درہم و دینار کی طرف دعوت دونگا حتی کہ ان کو لا الہ الا اللہ سے بھی زیادہ مرغوب ہو جائیں گے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے اعوذ باللہ منک پڑھا اور دیکھا تو وہ جا چکا تھا۔

(انتخاب: ابو زبیر قاری طارق عمران فاروقی)

زبیر طیب

جانباز

قسط ۱۰

رکشے میں بیٹھا میں (جانباز) مسلسل آگے کی صورتحال کے بارے میں سوچنے لگا۔ یہاں سے بھاگنے کی صورت میں بھی میرے پیچھے ایک بڑی تعداد فوجیوں کی لگ سکتی تھی۔ کیونکہ ہم بہرحال ناکہ کے درمیان میں کھڑے تھے۔ آس پاس فوجی گنیں اٹھائے چاک و چوبند پہرے اور چیکنگ اور کڑی تلاشی میں مصروف تھے۔ میں نے ایک نظر سامنے کی طرف دیکھا تو ہماری باری آنے میں زیادہ سے زیادہ دو سے تین منٹ رہ گئے تھے۔ فوجی بے حد کڑی تلاشی کے بعد کارڈ چیک کرتے اور کارڈ نہ ہونے کی صورت میں یا کسی شک کی صورت میں پاس کھڑے ٹرک پر ہتھکڑیاں لگا کر سوار کروا رہے تھے۔ تاکہ ان مشکوک افراد سے مزید تفتیش کی جا سکے۔ میں نے دل ہی دل میں دشمنوں سے حفاظت کی ڈھیروں دعائیں دہرائیں اور سب کچھ اللہ پر چھوڑ کر مطمئن ہو کر بیٹھ گیا۔

”باہر نکلو دونوں......“ اچانک ایک تیز اور کرخت آواز سنائی دی۔ باری آچکی تھی اور ایک فوجی نے آگے بڑھ کر دونوں کو رکشے سے باہر آنے کا اشارہ کیا۔

”کارڈ دکھاؤ“ اس فوجی نے تلاشی کے بعد کہا۔ رکشے

والے نے فوراً ہی کارڈ نکال کر فوجی کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اور کارڈ پڑھ کر اس نے واپس کر کے میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنا شروع کر دیا۔

"صاحب! میں کارڈ گھر بھول گیا تھا۔ ذرا جلدی میں نکلا تھا اس لئے صاحب مجھے معاف کر دو" میں نے ہاتھ جوڑ کر انتہائی لجاجت بھرے انداز میں کہا۔ فوجی نے ایک نظر مجھے دیکھا اور پاس کھڑے افسر کو میرا واقعہ کہہ سنایا۔ اس افسر نے رکشے والے کو جانے کا اشارہ کیا اور مجھے ہتھکڑیاں لگانے کا حکم دے دیا۔ حکم سنتے ہی دو فوجیوں نے مجھے ہتھکڑیاں لگائیں اور ایک بڑے فوجی ٹرک میں بٹھا دیا گیا۔ جہاں پہلے سے کوئی سات یا آٹھ افراد افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے گرفتار کر لیا گیا تھا۔ لیکن اطمینان کی بات صرف یہ تھی کہ انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ "جانباز" پکڑا جا چکا ہے۔

میں قدرت کے اس عجیب فیصلے پر مسکرا رہا تھا کہ انتہائی مشکل حالات میں جب کہ میرا پکڑا جانا یا شہادت کا امکان سو فیصد یقینی تھا، وہاں سے مجھے بحفاظت نکال لیا اور یہاں ایک چھوٹے سے ناکہ پر میرے ہاتھوں میں ہتھکڑی پہنا دی گئی۔

کچھ ہی دیر بعد جب تلاشی کا عمل ختم ہو گیا تو ہم سب کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی اور قافلہ روانہ ہو گیا۔ اس بار بے حد سختی کی جا رہی تھی۔ کسی کو بھی سر اوپر اٹھانے کی بھی اجازت نہیں دی جا رہی تھی۔ کم و بیش ایک گھنٹہ تک ٹرک چلنے کے بعد ایک جگہ رک گیا اور ہمیں بڑی بے دردی سے ٹرکوں سے اتارا جانے لگا۔ میں مسلسل دعاؤں اور وظائف کا عمل جاری رکھے ہوا تھا۔ تا کہ اللہ رب العزت کی نصرت ہر دم میرے ساتھ رہے۔ اور شرک مجھے زیادہ نقصان نہ پہنچا سکیں۔

ہماری آنکھیں کھول دی گئیں تھیں۔ میں نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ پتہ چلا کہ یہ ایک بیس کیمپ ہے۔ یہ اس علاقے کا سب سے بڑا فوجی اڈا تھا۔ جسے باہر سے میں نے کئی بار دیکھا تھا۔ لیکن کبھی سوچا نہیں تھا کہ ایک دن ہتھکڑی پہنے میں بھی اس بیس کیمپ میں موجود ہوں گا۔ ہمیں سخت پہرے میں ایک بڑے ہال کی جانب لے جایا گیا جہاں کئی بیرکیں بنی ہوئی تھیں جن کی حالت انتہائی خستہ تھی۔ ہمیں جوڑیوں میں بانٹ کر انہوں نے بیرکوں میں بند کر دیا۔

بیرکیں بدبو اور تعفن سے بھری ہوئی تھیں۔ غلاظت کے ڈھیر جمع ہوئے پڑے تھے۔ ایسی جگہ پر کوئی جانور بھی باندھنا گوارا نہ کرے اور انہوں نے جیتے جاگتے انسانوں کو قید کر لیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے دیکھا کہ دو فوجی آ رہے ہیں۔ انہوں نے آتے ہی ایک آدمی کو بیرک سے باہر نکالا اور دور ایک عمارت میں لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آتا دکھائی دیا تو اس کے ہاتھ پاؤں اور چہرہ بری طرح سوجا ہوا تھا۔ اس کی حالت انتہائی خستہ تھی۔ جیسے کسی نے جی بھر کر تشدد کیا ہو۔ میں سمجھ گیا کہ اب درندوں نے پوسٹ مارٹم کرنا شروع کر دیا ہے۔ تشدد کے بعد یہ کچھ افراد کو رہا کر دیں گے جو شک سے باہر ہو جائیں گے اور کچھ کو مزید تشدد کا نشانہ بنایا جائے گا۔ میں بھی اپنی باری کا انتظار کرنے لگا اور آنے والے حالات کے لئے اللہ رب العزت سے نصرت مانگنے لگا۔

ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ وہی دو فوجی میری بیرک میں آئے اور مجھے لے کر اس عمارت کی طرف چل دیے۔ میں کن

انکھیوں سے ادھر ادھر بھی دیکھ رہا تھا تاکہ یہاں سے فرار کا منصوبہ بنایا جاسکے۔

"نام کیا ہے تیرا" عمارت کے اندر موجود ٹارچر سیل میں مجھے زنجیروں سے جکڑنے کے بعد سامنے بیٹھے ایک فوجی افسر نے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

"میرا نام احمد ہے" میں نے ایک فرضی نام بتادیا۔

"سالا...... مسلا (مسلمان) ہے" اس افسر نے اپنے ساتھ کھڑے تین، چار فوجیوں کی طرف دیکھ کر مضحکہ خیز انداز میں کہا۔ میرا چہرہ ایک دم سرخ سا ہو گیا۔ لیکن جلد ہی میں نے خود کو سنبھال لیا۔

"صاحب! میں ایک غریب آدمی ہوں۔ مزدوری سے لوٹ رہا تھا تو سرکار نے پکڑ لیا۔ مجھے جانے دیں صاحب! گھر والے انتظار کر رہے ہوں گے۔" میں نے اندھیرے میں تیر چلاتے ہوئے کہا۔

"تو تیرے گھر والوں کو بھی یہیں بلا لیتے ہیں؟...... ہاہاہا" اس نے مکروہ قہقہہ لگایا۔

"چل اب مذاق ختم...... اب ٹھیک ٹھیک بتا کہ کون ہے تو؟ اپنی جوانی پر ترس کھا اور سب صاف بتادے۔ تیری حالت دیکھ کر لگتا نہیں کہ تو مزدور ہے۔ جھوٹ سچ میں ایک منٹ میں پکڑ لیتا ہوں۔ مجھے لگا کہ تو جھوٹ بول رہا ہے تو یہ جلاد جو تیرے پیچھے کھڑا ہے اپنے کوڑے سے تیری بوٹی بوٹی کھینچ لے گا۔" اس افسر نے سخت لہجے میں کہا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں صاحب! میں واقعی مزدور ہوں۔ میرا یقین کریں۔" میں نے ایک آخری کوشش کی۔

لیکن شاید یہ صورت کامیاب نہ ہوئی۔ اس فوجی افسر نے پیچھے کھڑے فوجی کو اشارہ کیا اور اس نے اس زور سے کوڑا برسایا کہ میرے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ میرے کپڑے جگہ جگہ سے پھٹ گئے۔ میرے منہ سے ایک سسکی سی نکلی۔

"ارے واہ...... کمال ہے۔ یہ تو بڑا بہادر معلوم ہوتا ہے بھائی۔ پہلے والے تو سارے مریل تھے ایک کوڑا لگنے پر وہ چیخنے لگے تھے۔ یہ تو تگڑا نظر آتا ہے۔ اس کی اور خاطر مدارت کرو۔"

یہ کہنے کی دیر تھی کہ پیچھے کھڑے فوجی نے تابڑ توڑ مجھ پر حملے شروع کر دیئے۔ اس کے ہر کوڑے میں پہلے سے زیادہ سختی تھی۔ میرا جسم جگہ جگہ سے زخمی ہو گیا تھا۔ انہوں نے میری قمیص بھی اتروا دی تھی۔ بالآخر میں ضبط کھو بیٹھا اور میری چیخیں بلند ہو گئیں۔ ہر انسان کی برداشت کی ایک حد ہوتی ہے۔ وہ آخری حد جیسے ہی کراس ہوئی میرے منہ سے بلا ارادہ چیخیں نکل گئیں اور میں اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا اور میرا ذہن ماؤف ہو گیا۔ میں شاید بے ہوش ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆

بڑے سے آفس کی چوڑی میز کے پیچھے ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر زخموں کے بے شمار نشانات نمایاں تھے، کریہہ اور انتہائی سخت گیر بلڈاگ جیسے چہرے والا یہ انسان نما درندہ "کرنل کرپاڈیا" تھا۔ اس کے چہرے پر اس وقت پریشانی کے اثرات تھے۔ اچانک دروازہ کھلا اور ایک شخص نے اندر آ کر سیلوٹ مارا اور کہا:

"سر! کیپٹن مہیش نے خود کو گولی مار لی ہے۔" آنے والے نے کہا لیکن کرپاڈیا کے جسم میں کوئی حرکت ایسی نہ

ہوئی۔ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ یہی امید کر رہا تھا۔

"ٹھیک ہے اس کی لاش کو دہلی بھیج دو" کرپاڈیا نے نیچے دیکھتے ہوئے کہا۔"یس سر!" کہہ کر سیلوٹ مار کر آنے والا فوجی واپس چلا گیا۔کچھ دیر بعد کرپاڈیا نے فون اٹھایا اور نمبر ڈائل کرنے لگا:

"کرنل کرپاڈیا سپیکنگ" فون اٹھانے پر اس نے کہا۔

"یس سر! میجر پراک بات کر رہا ہوں" میجر پراک نے جواب دیا۔

"تم کہاں ہو اس وقت میجر؟" کرپاڈیا نے پوچھا۔

"سر! میں اس وقت ممبئی میں ہیڈ آفس میں کام کر رہا ہوں" میجر پراک نے کہا۔

"میں تمہاری پوسٹنگ یہاں کشمیر میں کروا رہا ہوں۔مجھے یہاں تم جیسے قابل آفیسرز کی سخت ضرورت ہے۔تم جلد از جلد تیاری کر کے یہاں پہنچو۔تمہارے تبادلے کے آرڈرز آج ہی تمہیں مل جائیں گے۔تم یہاں میرے نمبر ٹو کی حیثیت سے کام کرو گے" کرنل کرپاڈیا نے کہا۔

"تھینک یو سر! میں آرڈرز ملتے ہی روانہ ہو جاؤں گا" میجر پراک نے اپنی اندرونی خوشی دباتے ہوئے کہا۔

"او کے میجر" یہ کہہ کر کرپاڈیا نے فون بند کر دیا۔اس کے بعد اس نے مزید دو فون کالز کیے اور میجر پراک کے تبادلے کے احکامات دے کر اس نے فون کریڈل پر رکھ دیا۔

اس کے چہرے پر ابھی بھی سختی نمایاں تھی۔حالیہ شکستوں نے اسے سخت شرمندگی سے دوچار کیا تھا۔مجاہدین کی اس قدر کھلم کھلا کارروائیاں اسے ہرگز قبول نہیں تھیں۔اسی لئے اس نے میجر پراک کو یہاں بلا لیا تھا۔میجر پراک پہلے انڈیا کی ٹاپ سیکرٹ ایجنٹس میں سے ایک تھا۔اس نے کئی مشن اکیلے تن تنہا نمٹائے۔اس کی بہادری ضرب المثل تھی۔وہ انڈیا کے پانچ ٹاپ کے سیکرٹ ایجنٹس میں سے ایک تھا۔پھر اچانک اس سے ایک ایسی غلطی ہو گئی کہ اسے اس کے عہدے سے برخاست کر دیا گیا۔اسے فیلڈ سے ہٹا کر دفتر میں بٹھا دیا گیا۔کرنل کرپاڈیا اس کی صلاحیتوں سے اچھی طرح واقف تھا۔اسی لئے اس نے میجر پراک کو فوراً "جانباز" کے مقابل لانے کا سوچا۔

کرنل کرپاڈیا "جانباز" کی فائل پڑھ رہا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

"یس کرنل سپیکنگ" کرپاڈیا نے کرخت لہجے میں کہا۔

"سر! میں کیپٹن راٹھور بات کر رہا ہوں پاکشی سینٹر کا کمانڈر" آگے سے انتہائی مودبانہ آواز سنائی دی۔

"لمبا چوڑا تعارف کروانے کی ضرورت نہیں۔بولو کیا خبر ہے؟" کرپاڈیا نے انتہائی سخت لہجے میں کہا۔

"یس سر! آپ کے کہنے کے مطابق ہم نے حملے کے بعد شہر کے چاروں اطراف میں سخت ناکہ بندی کر دی تھی۔ناکہ بندی کے نتیجے میں چودہ افراد کو گرفتار کیا گیا تھا۔انہیں بیس کیمپ میں لے جا کر سختی سے پوچھ گچھ کی گئی ہے لیکن سر ہمیں ناکامی ہوئی ہے۔وہ سب عام افراد لگ رہے ہیں۔ان میں سے کسی نے بھی تشدد کے باوجود اپنا بیان نہیں بدلا ہے۔اب جیسے آپ حکم کریں سر!" کیپٹن راٹھور نے ساری صورت حال سے آگاہ کر دیا۔

"چودہ افراد میں سے زیادہ شک کس پر ہے؟" کرپاڈیا نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔

"سر! چار افراد ایسے ہیں جو اپنی جسامت اور بول چال کے لحاظ سے شک کے دائرے میں آتے ہیں۔" کیپٹن راٹھور نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔

"ٹھیک ہے باقی سب کو رہا کر دو۔ ان چار کو کسٹڈی میں رکھو۔ ان سے پوچھ گچھ جاری رکھو۔ ایک اور کام بھی کرو۔ اوپر چھت پر موجود کمانڈوز میں سے چند ایک کو ساتھ لے کر ہیں کیمپ جاؤ۔ ان لوگوں نے جانباز کو دیکھا ہوا ہے۔ ان چار افراد کو ان فوجیوں سے شناخت کرواؤ۔ مجھے امید ہے کہ جانباز شہر میں کسی صورت داخل نہیں ہوا ہوگا۔" کرنل کرپاڈیا نے کہا۔

"یس سر! ایسا ہی ہوگا۔" کیپٹن راٹھور نے کہا اور فون بند ہو گیا۔

☆......☆......☆

اس لڑکے نے اپنا ہاتھ "شاہین" کے ہاتھ میں دے تو دیا لیکن اسے یہ بھی فکر لاحق تھی کہ اس کی ماں شاید اسے اجازت نہ دے۔ وہ اپنے بہنوں کا اکلوتا بھائی اور ماں کا واحد بیٹا تھا۔ جو ان کا سہارا بننے والا تھا۔ اسے یہ پریشانی تھی کہ شاید اس کی ماں اسے اپنا واسطہ دے کر روک لے گی۔

اس نے دبے دبے لہجے میں "شاہین" سے کہا:

"اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں گھر والوں سے ایک بار اجازت لے لوں؟ پھر آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔" لڑکے نے سر نیچے جھکا کر کہا۔

"ہاں کیوں نہیں میرے بچے! میں تمہیں آج لے کر نہیں جا رہا۔ میں دو دن تک ایک آدمی کو بھیجوں گا۔ اس کا نام سالار ہوگا۔ وہ تمہیں آ کر شاہین کا نام لے گا۔ تم اس کے ساتھ چلے آنا۔ تب تک تم اپنے گھر والوں سے اچھی طرح مل بھی لو اور سوچ بھی لو۔ اگر تمہارے خیالات میں تبدیلی آئے تو بھی کوئی مسئلہ نہیں۔" "شاہین" نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں دو دن بعد بالکل تیار حالت میں ہوں گا۔ ان شاء اللہ" یہ کہہ کر لڑکے نے ان دونوں کو روانہ کیا اور پھر ان کی گاڑی کو دور جاتا دیکھتا رہا۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے تو لڑکے نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا دیے:

"یا اللہ! تیرا شکر...... تو نے مجھے اس قابل بنایا کہ تیرے نیک بندوں کی حفاظت کر سکا۔ میں بہت کمزور تھا لیکن تو نے مجھے ہمت دی اور میرا حوصلہ بڑھایا۔ یا اللہ تیرا شکر...... اور مجھے اب گھر والے اس امتحان میں بھی پورا اتارنا۔"

یہ کہہ کر اس نے منہ پر ہاتھ پھیرا اور گھر کی طرف چل دیا۔

حسب معمول گھر کا دروازہ اس کی ماں نے کھولا۔ ماں نے اندر داخل ہوتے ہی بیٹے کا چہرہ چوما اور اسے دعائیں دی اور سامنے روٹی رکھ دی۔ بیٹے نے بولنا شروع کیا:

"ماں! میں مجاہدین کے ساتھ مل کر انڈین درندوں کے ساتھ لڑنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ مجھے اجازت دیں گی؟" اس لڑکے نے نیچے چہرہ کر کے ماں سے پوچھا۔

"بیٹا! میں تو آج بھی تمہیں ایک مجاہد کے روپ میں دیکھتی ہوں۔ تم میرے لیے ہمیشہ سے ایک شہید باپ کے بہادر بیٹے رہے ہو۔ مجھے فخر ہوگا کہ میرا بیٹا اس لازوال

جدوجہد کا حصہ بنے۔" ماں نے بڑے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

"ماں مجھے دو دن بعد جانا ہے۔ میرا سامان باندھ دینا" اس لڑکے نے کہا۔

"گھر کب آیا کرے گا میرا بیٹا" ماں نے رک رک کر آہستگی سے پوچھا۔

"ماں اس جلدی ہی چکر لگاؤں گا۔ بس آپ لوگ اپنا خیال رکھنا۔" اس لڑکے نے کہا اور روٹی کھانے لگا۔

ماں بھی اٹھ کر اندر کمرے میں چلی گئی۔ تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ماں کی سسکیاں تھیں جو اس لڑکے کا دل پاش پاش کر رہیں تھیں۔ وہ لڑکا سمجھدار تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کشمیر کی ایک مضبوط ماں نے اپنا جوان بیٹا گھر سے بے گھر کر کے اللہ کے راستے میں عطیہ تو کر دیا لیکن اب جو سسکیاں اسے سنائی دے رہیں تھیں یہ اس کی حقیقی ماں کی سسکیاں تھیں۔ وہ عورت جس نے اپنا خاوند قربان کر دیا۔ اب ایک بیٹا قربان کرنے چلی تھی۔ وہ لڑکا چپ چاپ سسکیاں سنتا رہا اور کھانا کھا کر جلد ہی سونے کے لئے چلا گیا۔ دو دن پلک جھپکتے ہی گزر گئے۔ ان دو دنوں میں اس نے گھر والوں کے ساتھ بہت وقت گزارا۔ آخر وقت جدائی آن پہنچا۔ کشمیر کا ایک اور سپوت گھر سے نکل رہا تھا۔ ماں کا ایک اور لاڈلا قربان ہونے چلا تھا۔ اسلام کا قابل فخر فرزند اپنے ایمان کی تکمیل کے لئے جہاد فی سبیل اللہ کا راستہ چن رہا تھا۔ ہندو بنیے کے لئے وہ موت کا پیغام بن کر ان پر ٹوٹنے والا تھا۔ اس کی ماں نے ہزاروں دعاؤں میں اسے رخصت کیا۔ آسمان ایک قابل رشک منظر دیکھ رہا تھا۔ ایک ماں اپنے ہاتھوں سے تیار کر کے ایک کڑیل جوان ہوتے بیٹے کو قربانی کے لئے بھیج رہی تھی۔ کشمیر کی فضائیں، پہاڑ اور ندیاں نالے اسے اپنے اندر سمیٹنے کو بے تاب ہو رہے تھے۔ آج اسے ماں کی سسکیاں سنائی نہیں دی۔ اس نے مضبوط لہجے میں اپنے بیٹے کو صرف "خدا حافظ" کہا اور چلا گیا۔

ماں دروازے پر کھڑی اسے تب تک دیکھتی رہی جب تک وہ نظر آتا رہا۔ جب نظر آنا بند ہو گیا تو بھاگ کر چھت پر چڑھ گئی تو اسے بیٹا نظر آ گیا اور پھر وہاں بھی تب تک کھڑی رہی جب تک اس کا سایہ بھی اسے نظر آتا رہا۔ جیسے ہی نظر آنا بند ہوا۔ ماں نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر گئی۔

اس لڑکے نے چلتے چلتے مڑ کر ایک بار اپنے گھر کو دیکھا اور مسکرا دیا۔ اس کی چال میں جوانمردی تھی۔ اس کے چہرے پر نہایت گرم جوشی کے آثار تھے۔ وہ آج بہت خوش تھا۔ اسے من کی مراد ملنے جا رہی تھی۔ وہ ایک "جانباز" بننے جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

مجھے ہوش آیا تو میں اسی اپنے "سیل" میں پڑا ہوا تھا۔ میرا جسم زخموں سے چور چور تھا۔ میری پھٹی ہوئی قمیص میرے پاس ہی پڑی تھی۔ مجھے ہوش میں آتا دیکھ کر میرے ساتھ ہی سیل میں گرفتار شخص نے مجھے سہارا دے کر بٹھا دیا۔ اس نے مجھے قمیص پہنائی اور مجھے پانی بھی لا کر دیا۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔

"انہوں نے آپ پر تو بہت ہی زیادہ تشدد کیا ہے؟" اس شخص نے کہا۔

"ہاں انہیں مجھ سے کچھ زیادہ ہی پیار تھا شاید" میں نے

بمشکل مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"آپ کون ہیں؟" میں نے اس شخص سے پوچھا۔

"میں یہاں کے ایک اخبار میں ملازمت کرتا ہوں۔ اس شام میری بیوی ہسپتال ایمرجنسی میں پہنچ گئی اور میں افراتفری میں دفتر سے نکلا تو آئی ڈی کارڈ بھول گیا تھا۔ بس اسکی سزا ملی ہے۔" اس شخص نے جواب دیا۔ اس نے مجھے اپنا نام امان اللہ بتایا۔

"اور آپ کون ہیں؟" امان اللہ نے پوچھا۔

"میں اللہ کا ایک گناہ گار بندہ ہوں۔ میرے بارے میں نہ ہی پوچھیں تو اچھا ہے۔" میں نے اسے ٹالتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں میں سمجھ گیا ہوں۔ آپ بے فکر رہیں۔" امان اللہ نے کہا اور میرے زخم دیکھنے لگا۔

میرے جسم میں سخت تکلیف شروع ہو گئی تھی۔ مجھے اپنی جسم کو ہر وقت حرکت میں رکھنا تھا تاکہ وہ خراب نہ ہو جائے اور مجھے سست نہ کر دے۔ مجھے ہر صورت یہاں سے نکلنے کے بارے میں سوچنا تھا کیونکہ زیادہ دیر تک میں اپنی اصلیت چھپا نہیں سکتا تھا۔ میں دیوار کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا اور آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ چلتے چلتے میں بیرک کے دروازے کے قریب آیا اور کچھ دیر سانس لینے کے لئے سہارا لے کر کھڑا ہو گیا تو ہلکی ہلکی آوازیں آنے لگیں۔ دو فوجی آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ میں دروازے کے کچھ اور قریب ہو گیا اور ان کی باتیں سننے لگا۔ ان میں سے ایک کہہ رہا تھا:

"سنا ہے کہ ان قیدیوں میں سے ایک جانباز بھی ہے لیکن اس کا پتہ نہیں چل رہا۔" ایک فوجی نے کہا۔

"لیکن اب پتا چل جائے گا۔ کمانڈر نے چھاؤنی سے فوجیوں کو بلایا ہے جو اس کی شناخت کر سکتے ہیں کیونکہ انہوں نے اسے دیکھا ہوا ہے۔" دوسرے فوجی نے کہا۔

"باقی قیدیوں کو رہا کرنے والے ہیں صرف سنا ہے چار پانچ کو رکھا ہے مزید تفتیش کے لئے۔" پہلے فوجی نے کہا۔

"ہاں بالکل! انڈیا کا جشن آزادی قریب آ رہا ہے اس لئے سرکار کسی قسم کی کوئی بدمزگی نہیں چاہتی۔ کشمیریوں کو گرفتار کرنے سے وہ اشتعال میں آ جاتے ہیں اور پھر اس دن ہنگامہ آرائی سے باز نہیں آتے۔ اس لئے ان قیدیوں کو رہا کیا جا رہا ہے۔" دوسرے فوجی نے کہا۔

امان اللہ بھی مجھے یوں دیوار کے ساتھ رکتا دیکھ کر قریب آ گیا تھا اور اس نے بھی ان کی باتیں سن لیں تھیں۔ اس نے ایک نظر مجھے دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

"آپ کو جانا ہو گا یہ آپ کو جانتے ہیں" امان اللہ نے کہا اور میں نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس نے مجھے ایک دوسرے کے کپڑے تبدیل کرنے کو کہا۔ میں نے اس سے اس کی وجہ بھی پوچھی مگر اس نے کہا کہ جلد از جلد اپنے سارے کپڑے تبدیل کر کے مجھے دیں اور میرے کپڑے خود پہن لیں۔ یوں دونوں کی جیل کی وردیاں اور نمبر جو اس وردی پر درج ہوتے ہیں کچھ ہی دیر بعد تبدیل ہو گئے۔ اس کے بعد ایک گھنٹے میں ہی چار افراد کو چھوڑ کر باقی سب کو رہا کر دیا گیا۔ رہا کیے جانے والوں میں "جانباز" بھی شامل تھا۔ لیکن امان اللہ جس نے "جانباز" کے کپڑے پہن لیے تھے اسے رہا نہیں کیا گیا۔ یہ سب کچھ اس قدر تیزی سے ہوا کہ خود جانباز کو

بھی سوچنے سمجھنے کا موقع نہ ملا۔

جانباز اب جیل کی سلاخوں سے باہر تھا۔امان اللہ کی اس قربانی نے ابھی تک اس کے ذہن کو ماؤف کر کے رکھ دیا تھا۔جیل والوں نے بھی جلدی جلدی میں یہ بہت بھیانک غلطی کر ڈالی ورنہ عام حالات میں ایسا ہونا ممکن نہیں ہوتا۔لیکن امان اللہ کی قربانی بچی اور ایمان سے بھرپور تھی اسی لئے "جانباز" رہا ہو کر آزاد فضاؤں میں سانس لے رہا تھا۔

جانباز سب سے پہلے شہر میں موجود مجاہدین کے ایک خفیہ مرکز کی طرف گیا وہاں اس نے اپنے زخموں کی مرہم پٹی کی اور مختلف دواؤں سے اس نے اپنے زخموں کو صاف کیا جس سے اس کی طبیعت کافی حد تک بہتر ہو گئی۔اس نے مکمل دو دن آرام کیا اور پھر وہاں سے چل پڑا۔

☆......☆......☆

سرینگر شہر میں آج ہر طرف انڈیا کے پرچم ہی پرچم لہرا رہے تھے۔آج انڈیا کی آزادی کا دن تھا۔پندرہ اگست۔انڈین اس دن اپنے ملک میں تو جشن مناتے ہی ہیں لیکن کشمیر میں بھی دنیا کو دکھانے کے لئے باقاعدہ جشن منعقد کیا جاتا ہے۔فوج کی بھرپور نگرانی میں کشمیریوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک کر اس جلسے میں زبردستی شریک کیا جاتا ہے۔کچھ قیدیوں کو بھی خیر سگالی طور پر رہا کیا جاتا ہے۔تاکہ کشمیری لوگوں کی کچھ حمایت حاصل کی جاسکے۔

آج سرینگر شہر کے بالکل وسط میں ایک بڑے گراؤنڈ میں آج انڈیا کا نائب وزیر خارجہ اور کشمیر میں تعینات انڈین آرمی کے بڑے افسران اس جلسے میں شریک تھے۔سٹیج قدرے بلند جگہ پر لگا ہوا تھا۔آرمی کے چاک و چوبند دستے نے سلامی دی اور تقریب شروع ہو گئی۔ہر طرف انتہائی سخت سیکیورٹی کا ماحول تھا۔بغیر اجازت پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔تقریب کے آخر میں انڈین نائب وزیر خارجہ نے تقریر کی اور پھر کشمیر میں اچھی خدمات دینے والے فوجیوں کو سٹیج پر بلا کر انعامات دیے جانے لگے۔جیسے ہی تیسرے نمبر پر موجود فوجی کو میڈل پہنانے کے لئے انڈین وزیر خارجہ آگے آیا اور میڈل پہنانے لگا تو اس فوجی نے جھپٹ کر انڈین وزیر خارجہ کو گردن سے دبوچا اور اسے پکڑ لیا۔اس فوجی کے ہاتھ میں تیز دھار چمکتا ہوا خنجر تھا۔جو اب اس کی گردن سے لگا ہوا تھا۔پورا مجمع ساکت ہو چکا تھا۔سٹیج پر بیٹھے ہر شخص کی سٹی گم ہو گئی تھی۔اچانک اس فوجی نے پہنی ہوئی کیپ اتاری تو وہ ایک مجاہد تھا۔مجاہد بھی وہ جسے کشمیر کے لوگ "جانباز" کے نام سے جانتے تھے......

☆......☆......☆

15 اگست کو ہونے والے اس واقعے میں آگے کیا ہوا؟

کیا جانباز اپنی اس دلیرانہ کارروائی میں کامیاب ہو جائے گا؟ یا اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا؟

وہ لڑکا جانباز کیسے بنا؟

کیا کرنل کرپاڈیا جشن آزادی کے دن اتنی بڑی کارروائی ہونے پر اپنے ہوش سنبھال پائے گا؟

یہ سب جاننے کے لئے پڑھتے رہیے۔ہمارا......آپ کا ......سب کا......پیارا......مسلمان بچے

☆......☆......☆

15 اگست آنے والی تھی اور مجھے "امان اللہ" کی دی ہوئی قربانی کے بدلے میں کچھ کرنا ہی تھا۔ چنانچہ میں نے تیاری شروع کر دی اور سرینگر کے وسط میں ہونے والی تقریب کی تیاریاں دیکھنے وہاں پہنچ گیا۔ وہاں بھی سیکیورٹی کے سخت انتظامات کیے گئے تھے۔ لیکن مجھ پر ایک جنون طاری تھا کہ مجھے امان اللہ کے احسان کا بدلہ چکانا ہے۔ کشمیریوں کو ایک خوبصورت تحفہ دینا ہے۔ اس لئے میں راتوں کو جاگتا رہا اور منصوبے بناتا رہا۔ بالآخر میں نے فیصلہ کیا کہ یہ کام میں اکیلا کسی طرح بھی سرانجام نہیں دے سکتا۔ میں نے مقامی مجاہدین سے مدد لینے کا فیصلہ کیا اور یوں ان کو اپنا منصوبہ بتایا۔ منصوبہ سن کر وہ بے حد خوش ہوئے اور چار مزید جانباز میرے ساتھ تیار ہو گئے۔ ہم چاروں نے ایک فول پروف منصوبہ بنایا۔ میں نے ان سب ساتھیوں کو ان کی مقررہ جگہ سمجھا دیں کہ وہ کہاں کہاں اسلحہ کے ساتھ موجود ہوں اور میں نے خود ایک فوجی کے بھیس میں وہاں پہنچنے کی تیاری کی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے راستے کھولے اور ایک فوجی جو اس تقریب میں حصہ لے رہا تھا۔ ایک ہوٹل میں رہ رہا تھا۔ اسے وہاں جا کر قتل کر کے اس کے جیسا لباس پہن کر اور تقریباً اس جیسا

حلیہ بنا کر مقررہ وقت پر میں تقریب میں پہنچ چکا تھا۔ میرے ساتھی اپنی اپنی پوزیشنیں سنبھال چکے تھے۔ ان کو میری طرف سے صرف پہل کا انتظار تھا۔

اس سے آگے کیا ہوا یہ آپ پچھلی قسط میں پڑھ چکے ہیں۔ اب انڈین نائب وزیر خارجہ میرے بازوؤں میں پھڑ پھڑا رہا تھا۔ اس کے منہ سے خرخراہٹ کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ سب لوگ اس اچانک افتاد پر بری طرح گھبرا چکے تھے۔ فوجیوں نے میری طرف گنوں کا رخ کر لیا تھا لیکن میں نے چیخ کر انہیں گنیں پھینکنے کے لئے کہا اور وزیر کی گردن پر تیز دھار چاقو کا دباؤ مزید بڑھا دیا۔

لیکن کوئی بھی اپنی گن پھینکنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ میں نے وزیر کے گلے پر ہلکا سا مزید دباؤ ڈالا تو اس کے گلے سے کچھ کچھ خون نکلنے لگا۔ یہ دیکھ کر وزیر کے اوسان خطا ہونے لگے اور اس نے چیخ کر سب کو گنیں پھینکنے کا حکم دیا۔ خون دیکھ کر سب کی عقل ٹھکانے آنے لگی اور سب نے اپنی گنیں نیچے پھینک دیں۔

جہاں ابھی کچھ دیر پہلے گانوں اور میوزک کی آواز تھی اور لوگوں کا بے انتہا شور تھا۔ اب وہاں سناٹا تھا۔ ایسا سناٹا کہ اگر کوئی سوئی بھی پھینکتا تو بھی اس کی آواز سنائی دے جاتی۔ اچانک میں نے گرجتے ہوئے کہا:

”جب تک ہم ہیں...... انڈیا کبھی اپنا یوم آزادی نہیں منا سکتا۔ اس کا یہ وزیر ہم لے کر جا رہے ہیں۔ یاد رکھنا جب تک ہمارے سروں پر مسلط رہو گے۔ ہمیں آزادی نہیں دو گے۔ ہم تب تک تمہارا جینا حرام کرتے رہیں گے۔ یہ ہمارا وعدہ ہے۔“

یہ کہہ کر میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور وہ تیار ہو گئے۔ میں انتہائی احتیاط سے دائیں بائیں دیکھتا ہوا اور وزیر کو اپنے بازوؤں میں دبوچتا ہوا لے کر اسٹیج سے اترا۔ یہ دیکھ کر فوجی بھی مجھ سے تھوڑا فاصلہ رکھ کر ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ میرے ساتھی ماسک پہنے گیٹ پر گاڑی لیے تیار کھڑے تھے۔ میں نے دروازہ کھول کر وزیر کو اندر ڈالا اور پھر آخر میں خود بیٹھا اور گاڑی کا زوردار انجن غرایا اور ہم کشمیر کے اونچی نیچی پہاڑیوں پر دوڑنے لگے۔ ہم جانتے تھے کہ ہمارے پیچھے ابھی کشمیر کی ساری فورس اپنے پورے ساز و سامان کے ساتھ پڑ جائے گی۔ اس لئے ہم جلد کسی محفوظ مقام کی طرف جانا چاہتے تھے۔ اس کے لئے ہم نے پلان سوچا ہوا تھا۔ ہم نے راستے میں ہی وزیر کو بے ہوش کیا اور تقریباً دس منٹ گاڑی بھگانے کے بعد ایک گھر کے گیٹ پر گاڑی رکی اس میں سے دو افراد باہر نکلے اور ہم نے ان کے حوالے وزیر کو کیا اور ہمارا ایک ساتھی بھی ان کے ساتھ اتر کر گھر کے اندر چلے گئے اور ہم نے گاڑی دوڑا دی۔ اس کام میں زیادہ سے زیادہ ہمیں پندرہ سیکنڈ لگے ہوں گے۔ ہم نے گاڑی اسی راستے پر ڈال دی جس راستے پر ہم پہلے چل رہے تھے۔ ابھی ہم نے کچھ ہی راستہ طے کیا تھا کہ اچانک دو ہیلی کاپٹر ہمارے اوپر منڈلانے لگے۔ وہ ہمارے ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور ہمیں ہر طرف سائرن کی آوازیں آنے لگیں تھیں۔

بھارتی فوج اب ہمارے پیچھے پڑ چکی تھی۔ لیکن وہ ہمیں اس لئے کچھ نہیں کہہ سکتے تھے کہ ان کے ملک کا اتنا بڑا وزیر اس گاڑی میں ہمارے ساتھ تھا۔ اس لئے وہ صرف پیچھا کر سکتے

تھے اور اس سے ہمیں کوئی پریشانی نہیں تھی۔ ہم خوش تھے کہ انہیں اس بات کا پتہ نہیں چلا کہ ہم نے وزیر کو اتار کر محفوظ مقام پر منتقل کر دیا ہے۔

ابھی تک ہمارا پلان بالکل ٹھیک جا رہا تھا۔ سب کچھ پلان کے مطابق ہو رہا تھا۔ وزیر کو اٹھانا اور پھر کسی کی نظروں میں آئے بغیر اسے مطلوبہ گھر تک پہنچانا اور پھر ہمارا گاڑی لے کر بھاگنا۔ سب کچھ پلان کے مطابق تھا۔ اب ہمیں کسی طرح ان ہیلی کاپٹروں سے جان چھڑانی تھی۔ اس کے لئے بھی ہم نے پلان سوچا ہوا تھا۔ لیکن اس کی کامیابی کے امکان بے حد کم تھے۔ لیکن بہرحال اس کے سوا کوئی اور چارہ نہیں تھا۔ اگر ہم زیادہ دیر اس گاڑی میں سفر کرتے تو جلد ہی پکڑے جا سکتے تھے۔ کیونکہ اب تک کشمیر پولیس اور بھارتی افواج ہمارے خلاف سرگرم ہو چکی تھی۔

ابھی تک گاڑیاں ہمارے تعاقب میں ہمیں نظر نہیں آئیں تھیں۔ وہ شاید ابھی ہم سے دور تھیں اور ہم جلد ہی دریا کے پل تک پہنچنا چاہتے تھے۔ بدستور دونوں ہیلی کاپٹرز ہمارے اوپر تھے۔ لیکن وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ انہیں ڈر تھا کہ اگر انہوں نے کوئی فائر وغیرہ کیا تو اندر بیٹھے وزیر کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ لہذا وہ صرف نگرانی کر رہے تھے۔ ابھی دومنٹ ہی ہوئے تھے کہ ہم دریا کے پل تک پہنچ چکے تھے۔ ہم گاڑی میں چار ساتھی تھے۔ ہم نے جلدی جلدی کالے سیاہ چست لباس گاڑی میں ہی بدلے اور سیٹ بیلٹ کھول دیں۔

ہم ایک بہت خطرناک کام کرنے جا رہے تھے۔

میں نے گاڑی کی کھڑکی سے باہر دریا کے تیز اور شور مچاتے پانی کو دیکھا جو انتہائی روانی کے ساتھ بہہ رہا تھا۔ دریا کے پل پر پہنچتے ہی میں نے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا جو گاڑی چلا رہا تھا۔ اس نے ہاں میں سر ہلایا اور سب نے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھا گویا جیسے ایک دوسرے کو الوداع کر رہے ہوں۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ساتھی جیسے ہی پل کے درمیان میں پہنچا اس نے گاڑی کا اسٹیرنگ موڑا اور گاڑی کے ٹائر چرچرائے اور پل کی دیوار کو توڑتے ہوئے گاڑی سیدھی نیچے جانے لگی اور دریا کے یخ بستہ پانی میں ایک زوردار دھماکے سے گری اور آہستہ آہستہ نیچے جانے لگی۔

☆......☆......☆

”ہیلو ہیلو کرنل کرپا ڈیا سپیکنگ...... ہیلو ہیلو......“ کرنل چیخ چیخ کر کہیں کال ملانے کی کوشش کر رہا تھا۔

”یس سر! یس سر! راتو سنگھ سپیکنگ۔ ہیلی کاپٹر سپیشل آپریشن انچارج......“

”کیا پوزیشن ہے گاڑی کی؟“ کرنل نے جلدی جلدی پوچھا۔

”سر! اس وقت ہم اسی گاڑی کا مسلسل پیچھا کر رہے ہیں۔ یہ لوگ دریا کا پل کراس کرنے والے ہیں۔ لیکن سر ہم ان پر میزائل نہیں مار سکتے کیونکہ اندر وزیر صاحب موجود ہیں۔“ راتو سنگھ نے جواب دیا۔

”نہیں! کسی صورت وزیر صاحب کو نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔ ہم جلد ہی پیچھے سے پہنچ رہے ہیں۔ ہمارے اور ان کے درمیان کا زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ ہم ان کو گھیر لیں گے۔ سامنے سے بھی ایک فورس آ رہی ہے۔ تم نے چوکس رہنا ہے اور اس

گاڑی کو کھونا نہیں ہے۔" کرنل کرپاڈیا نے سخت لہجے میں کہا۔

"یس، یس سر! آل رائٹ سر۔" یہ کہہ کر کرنل نے لائن ڈراپ کر دی۔

اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ کشمیر میں اس جیسی کارروائی کا آج تک کسی کو گمان تک نہیں گزرا تھا کہ ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔ اسے ابھی بھی یقین نہیں آرہا تھا۔ لیکن وہ اس وقت موجودہ صورتحال کے اندر موجود تھا اور مسلسل گاڑی کو تیز چلانے کا کہہ رہا تھا۔

اچانک کرنل کے سیل فون پر کال آئی اور وہ حیران رہ گیا۔ یہ انڈیا کے پرائم منسٹر (وزیر اعظم) کی کال تھی۔

"یس، یس سر!" کرنل انتہائی گھبرا گیا تھا، اس کے منہ سے آواز ہی نہیں نکل رہی تھی۔

"کرنل! تم جانتے ہو کہ آج ہم ساری دنیا میں ذلیل و رسوا ہو کر رہ گئے ہیں۔ تمہارے پاس چند گھنٹے ہیں، جس قدر جلدی ہوسکے وزیر کو بازیاب کرواؤ ورنہ میں تمہارا حشر عبرتناک کر دوں گا۔" آخر میں وزیر اعظم کی لہجے کی سختی اتنی بڑھ گئی کہ کرنل کو اتنی ٹھنڈ میں بھی پسینہ آنے لگا۔

"یس سر! ہماری پوری کوشش ہے سر! ہم اس وقت ان کے پیچھے ہیں۔ اگر انہوں نے ہماری گاڑیوں کے ٹائرز پنکچر نہ کیے ہوتے تو ہم ان تک پہنچ چکے تھے۔ ابھی بھی ہمارے دو ہیلی کاپٹر مسلسل ان کو نظر میں لیے ہوئے ہیں۔ آپ بالکل بے فکر رہیں۔ ہم جلد ہی ان کو بازیاب کروا کر دہشت گردوں کو عبرتناک سزا دیں گے۔" کرنل نے اپنی ساکھ بچاتے ہوئے جلدی جلدی کہا۔

"کرنل! امید ہے ایسا ہی ہو...... ورنہ......" یہ کہہ کر کال کٹ ہوگئی اور کرنل اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ اس نے غصے سے سامنے ڈیش بورڈ پر زوردار مکہ جڑ دیا اور گالیوں کا طوفان اس کے منہ سے نکلنے لگا۔

ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ اس کے فون پر پھر سے بیل ہونے لگی۔

"یس......" اس نے صرف یس کہنے پر اکتفاء کیا کیونکہ اس وقت اس کا موڈ بے حد خراب تھا۔

"سر گاڑی الٹ گئی سر! گاڑی گر گئی سر!" آگے سے انتہائی بوکھلانے والے انداز میں کہا گیا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو؟ کیا مطلب؟" کرنل نے پوچھا۔

"سر! ہم ہیلی کاپٹر میں ان کے اوپر تھے کہ اچانک گاڑی بے قابو ہوئی اور پل کی دیوار کو توڑتی ہوئی سیدھا دریا میں گر چکی ہے۔" راتو سنگھ ہیلی کاپٹر آپریشن والے نے اب قدرے سنبھل کر جواب دیا۔ "ٹھیک ہے کوئی شخص پانی سے باہر نظر آئے تو سنائپر سے شوٹ کر دینا۔ ہم پہنچ رہے ہیں۔" یہ کہہ کر کرنل نے فون آف کر دیا۔

بیس سے زائد گاڑیوں کا قافلہ مسلسل فوجی ہارن بجاتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھا جا رہا تھا۔ سب سے اگلی گاڑی کرنل کرپاڈیا کی تھی۔ اس کا چہرہ اب مزید سرخ ہوگیا تھا، یہ خبر سن کر اور وہ سوچ میں پڑ گیا کہ اگر وزیر صاحب کو کچھ ہوا تو حکومت اس کو نہیں چھوڑے گی۔

"کیا گدھا گاڑی کی طرح چلا رہے ہو۔ تیز چلاؤ اسے

گدھے!" اچانک کرنل نے ڈرائیور پر چلاتے ہوئے کہا۔
گاڑی پہلے ہی اپنی آخری حدوں کو چھو رہی تھی لیکن کرنل انتہائی پریشان ہو رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی طرح وہ پل پر پہنچے اور صورتحال کو دیکھے۔

جلد ہی وہ پل پر پہنچے تو ہیلی کاپٹروں نے بھی انہیں دیکھ کر قدرے خشک جگہ پر لینڈ کیا اور ساری صورتحال ان کے سامنے واضح کر دی۔

"کوئی شخص اوپر سطح پر نظر آیا؟" کرنل نے ان سے پوچھا۔

"نہیں سر! ہم نے دوربین کے ساتھ انتہائی باریک بینی سے دیکھا ہے کوئی بھی ہمیں سطح پر نظر نہیں آیا۔" ہیلی کاپٹر والے فوجیوں نے جواب دیا۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟" اب تک دس منٹ سے زیادہ گزر چکے ہیں اور انہیں ضرور اوپر آنا چاہیے تھا۔ آخر سانس کیسے لیا ہوگا؟" کرنل نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

فوراً ایک غوطہ خور ٹیم بناؤ اور پانی میں بھیجو۔" کرنل نے حکم جاری کرتے ہوئے کہا۔

فوراً لباس منگوائے گئے اور غوطہ خور ٹیموں نے دریا میں چھلانگ لگا کر مطلوبہ جگہ کی تلاشی لینا شروع کر دی۔ کرنل کی آنکھیں ان غوطہ خوروں پر لگی ہوئی تھیں جو اس حالت میں بھی مکمل اسلحہ سے لیس تھے۔

"گاڑی خالی ہے سر! اور یہاں کوئی لاش بھی ہمیں نظر نہیں آ رہی۔" ایک غوطہ خور نے باہر نکل کر کرنل سے کہا۔

"نانسنس یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا وہ کوئی جن ہیں؟" کرنل نے چیختے ہوئے کہا۔

"سر وہ نیچے ہی نیچے تیرتے ہوئے آگے نہ چلے گئے ہوں؟" اسی غوطہ خور نے جواب دیا۔

"اوہ وہ وہ...... ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔ فوراً سب پھیل جاؤ اور ہر طرف ناکہ بندی کر دو۔ غوطہ خوروں کی ایک ٹیم بھی ان کے تعاقب میں بھیجو۔ تاکہ اگر وہ دریا میں ہی سفر کر رہے ہوں تو پتہ چل سکے۔ فوراً شروع ہو جاؤ۔" کرنل کرپا ڈیا نے سب کو ہدایات جاری کرتے ہوئے کہا۔

☆......☆......☆

وہ اس کی ٹریننگ کی پہلا دن تھا۔ وہ لڑکا جواب جانباز بننے چلا تھا۔ شاہین نے اس بچے کو اپنی خصوصی تربیت میں رکھنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اسے اس لڑکے میں انتہائی جوش، جذبہ دکھائی دے رہا تھا۔ اسے اس خوبرو نوجوان لڑکے میں کشمیر کا روشن مستقبل نظر آ رہا تھا۔

شاہین نے اسے اسلحہ سے روشناس کروایا۔ نشانہ بازی میں وہ پہلے ہی کافی تیز تھا، اب مزید بھی تیز ہو گیا تھا۔ اسے سخت ورزش کا عادی کیا گیا۔ اسے سونے کے لیے انتہائی کم وقت ملتا اور زیادہ تر اسے جاگتے رہ کر ٹریننگ میں حصہ لینا تھا۔ وہ اپنی ٹریننگ کے دوران مسلسل قرآن کی تلاوت کرتا رہتا تھا۔ یہ ایک انڈر گراؤنڈ ٹریننگ سنٹر تھا۔ جہاں سورج کی روشنی بھی نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اسی حال میں اس نے ایک سال گزارا، اس دوران وہ صرف ایک بار اپنے گھر گیا اور چند دن رہ کر واپس اپنے ٹریننگ سنٹر پہنچ گیا تھا۔ ایک دن شاہین نے اس سے کہا کہ آج تمہاری ٹریننگ کا ایک بڑا مرحلہ آنے والا تھا۔ یہ

ایک امتحان ہے۔ اگر تم اس امتحان میں کامیاب ہوتے ہو تو پھر تمہیں مزید جانباز بنانے کے لئے ہم کام کریں گے۔

جانباز اس امتحان کے لئے مکمل طور پر تیار تھا۔ اس نے ہاں میں سر ہلایا اور اسکی آنکھوں پر پٹی باندھ کر گاڑی میں بٹھایا گیا اور گاڑی چل پڑی۔ کچھ دیر گاڑی چلنے کے بعد رک گئی۔ اس لڑکے کی آنکھوں سے پٹی ہٹا دی گئی۔ اس لڑکے نے دیکھا کہ وہ ایک بہت بڑے پہاڑی سلسلے کے شروع میں کھڑے ہیں۔

دو مجاہد اسے لے کر پہاڑیاں چڑھنے لگے۔ ان دونوں کے انداز میں ایسی پھرتی تھی جیسے یہ انسان گوشت پوست کے نہ بنے ہوں بلکہ ربڑ کے بنے ہوئے ہیں۔ اس لڑکے کو بھی پہاڑوں پر چڑھنے کا کافی تجربہ تھا مگر وہ اس قدر تیزی سے نہ چڑھ سکتا تھا۔ بہر حال وہ لڑکا بھی ان کے پیچھے پیچھے پہاڑ پر پہاڑ چڑھنے لگا۔ تین گھنٹے کا مسلسل فاصلہ طے کر لینے کے بعد آخر کار وہ ایک جگہ پہنچ ہی گئے۔

''اب تمہارا اصل امتحان شروع ہوتا ہے دوست!'' ایک مجاہد نے کہا۔

''کیا کرنا ہوگا مجھے؟'' اس لڑکے نے مضبوط دل سے پوچھا۔

''یہاں تمہیں تین دن رہنا ہے۔ اس جنگل میں۔ یاد رہے اس جنگل میں کھانے پینے کے لئے کچھ بھی نہیں۔ یہاں صرف تم نے خود اپنی قوت ارادی سے رہنا ہے۔ اس جنگل میں درندے بھی بکثرت ہیں۔ تمہیں صرف ایک چاقو دیا جائے گا اور کچھ بھی تم اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتے۔ تین دن بعد ہم آجائیں گے تمہیں لینے۔ یہ تمہارا پہلا امتحان ہے۔ کیا تم یہ کرنے کو تیار ہو؟'' اس مجاہد نے پوچھا۔

''ہاں! میں ضرور رہ سکتا ہوں ان شاء اللہ۔'' اس لڑکے نے جی کڑا کر کے کہا۔ اس کی آنکھوں میں بلا کی بہادری اور شجاعت نظر آرہی تھی۔

''ٹھیک ہے دوست۔ ہم چلتے ہیں۔ اللہ حافظ۔'' یہ کہہ کر وہ دونوں مجاہد بھی وہاں سے روانہ ہو گئے۔

☆......☆......☆

کیا وہ لڑکا تین دن اس گھنے خوفناک جنگل میں رہ کر اپنے پہلے امتحان میں کامیاب ہو جائے گا......؟

یا پھر کسی بھوکے درندے کا لقمہ بن جائے گا......؟

جانباز اور اس کے ساتھیوں کا کیا بنا......؟

کیا وہ گاڑی کے ساتھ ہمیشہ کے لئے دریا کی تہہ میں پہنچ گئے......؟

یا پھر انڈین آرمی کو چکمہ دے کر نکلنے میں کامیاب رہے......؟

انڈین وزیر کہاں گیا......؟

کیا کرنل کرپا دیا اپنے وزیر اعظم سے کیا وعدہ نبھا پائے گا......؟

یہ سب جاننے کے لیے پڑھتے رہیے...... ہمارا آپ کا سب سے پیارا...... مسلمان بچے

اور ہاں...... پیارے قارئین کو میری طرف سے بہت بہت عید مبارک......

☆......☆......☆

زبیر طیب

جانباز

قسط ۱۲

ایک بڑی سی میز کے گرد چار افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن سب کے چہرے ستے ہوئے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ابھی ابھی وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی بازی ہار کر بیٹھے ہوں۔ وہ چاروں چُپ تھے اور مسلسل ایک ہی جگہ نظروں کو رکھے ہوئے تھے۔ اچانک ہال کے کمرے کا ایک دروازہ کھلا اور ایک بوڑھا آدمی تقریباً سر سے آدھا گنجا آہستہ آہستہ چلتا ہوا میز کے درمیان میں پڑی ہوئی بڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے آتے ہی باقی چاروں لوگ کھڑے ہوگئے آنے والا شخص انڈیا کا وزیراعظم تھا۔ جس نے یہ میٹنگ بلائی تھی۔

"جی مسٹر ڈیسائی! تمہید کے بغیر فوراً اجلاس کی کاروائی شروع کر دی جائے۔" وزیراعظم نے انتہائی غصیلے لہجے میں کہا۔

"یس سر! میں بتانا چاہتا ہوں کہ یہ اجلاس ہنگامی طور پر بلایا گیا ہے۔ ہمارے نائب وزیر خارجہ کو کشمیری آتنک وادیوں نے اغوا کرلیا ہے اور اب تک کی تمام تر کوششوں کے باوجود اُن کا کچھ پتا نہیں چل رہا۔ اس بارے میں تفصیلات کشمیر آرمی چیف کمانڈر کرپاڈیا آپ کو دیں

گے۔" انڈین وزارت داخلہ کے آفیسر مسٹر ڈیسائی نے بولتے ہوئے کہا۔

"جی جناب! ہم ۱۵ اگست کے سرینگر جلسے کے لیے مکمل تیار تھے۔ ہر طرف سے فول پروف انتظامات کیے گئے تھے۔ فوج کی ایک بھاری نفری اس جلسے کو کور کر رہی تھی مگر آتنک وادیوں نے ایک بڑی پلاننگ کے تحت انڈین نائب وزیر خارجہ صاحب کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ ہم چاہتے تھے تو اُسی وقت ایکشن میں آسکتے تھے مگر اس سے نائب وزیر خارجہ کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا تھا۔ لہٰذا ہم نے احتیاط سے کام لیا، مجاہدین نے پلاننگ کے تحت نائب وزیر خارجہ صاحب کو راستے میں ہی کہیں ڈراپ کیا اور آگے روانہ ہو گئے۔ جہاں وزیر صاحب کو ڈراپ کیا گیا، ہم نے اُس گھر میں ریڈ بھی کیا مگر وہ گھر خالی پڑا ملا اور چھاپہ پڑنے سے کچھ لمحوں پہلے وہ سب وہاں سے بھاگ گئے۔ تاہم اس سے پہلے چونکہ ہمیں وزیر صاحب کے ڈراپ ہونے کا پتا نہ چلا ہم اس دھوکے میں اُس گاڑی کا پیچھا کرتے رہے۔ جس میں وزیر صاحب کو اغوا کر کے لے جایا جا رہا تھا۔ ہمارے دو ہیلی کاپٹر بھی اس گاڑی کا مسلسل پیچھا کر رہے تھے اور اس خیال سے اس گاڑی کو نشانہ نہ بنایا کہ وزیر صاحب کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ فضا سے اُن کی مسلسل نگرانی کی جاتی رہی۔

میں ایک مکمل فورس لے کر ان کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ جیسے ہی گاڑی دریا پر پہنچی تو انہوں نے پل سے گاڑی کو نیچے گرا لیا۔ فضائی نگرانی کرنے والوں نے فوراً ہمیں صورتحال سے آگاہ کیا اور ہم بھی دریا تک پہنچے مگر اُن کا کہیں کوئی سراغ نہ ملا۔ غوطہ خوروں کو بھی دریا میں اتارا گیا لیکن گاڑی خالی ملی۔ گاڑی کو دریا سے نکال کر گاڑی کے نمبر کی چھان بین کی تو پتہ چلا کہ گاڑی چوری کی گئی تھی۔ غوطہ خور مسلسل دریا میں میلوں دور کا چکر کاٹ کر واپس آجاتے لیکن کوئی بندہ نہ ملا۔

اُس کے بعد ہم نے آس پاس کے علاقوں میں سرچ آپریشن شروع کیا۔ کئی لوگوں کو شک کی بناء پر پکڑا گیا۔ مگر اُن کا کہیں سراغ نہ ملا۔ صرف اتنا پتا چلا کہ وزیر صاحب کو پہلے وہ لوگ ڈراپ کر چکے تھے۔ دریا میں چھلانگ لگانے والے صرف آتنک وادی تھے اور یہ بھی پتہ چلا کہ ان حملہ آوروں کا سرغنہ اور ماسٹر مائنڈ "جانباز" تھا۔ یہ وہ شخص ہے جو پچھلے کئی سالوں سے ہمارے خلاف حملوں پر حملے کر رہا ہے، اس کا چہرہ کوئی نہیں جانتا، یہ بھیس بدلنے میں ماہر ہے اور منصوبہ بندی کرنے میں اس کا کوئی ثانی نہیں۔ یہ وہی شخص ہے جس نے چند ماہ پہلے ہی ہمارے کشمیر کے سب سے مضبوط فوجی سینٹر پہ حملہ کر کے تمام قیدیوں کو چھڑوا لیا تھا۔ اسی نے ہی وزیر صاحب کو اغوا کیا ہے اور اب پورے کشمیر میں اس کی تلاش جاری ہے۔" کرنل کرپاڈیا مسلسل بولتے ہوئے اپنی بات ختم کر کے چپ ہو گیا۔

"آپ کیا کہتے ہیں مسٹر بھنسالی!" وزیراعظم نے ایک طرف بیٹھے نوجوان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ یہ انڈیا کی قائم کردہ ایک نئی ایجنسی ریڈا ایجنسی کا سربراہ تھا۔

''سر! میں نے اس واقعہ کے تمام پہلوؤں پر غور کیا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ اس میں سراسر غلطی ہمارے کرنل صاحب کی ہے۔ جس وقت آتنک وادیوں نے وزیر صاحب کو اسٹیج پر پکڑ رکھا تھا۔ تو وہاں ایکشن لینا چاہیے تھا۔ زیادہ سے زیادہ وزیر صاحب زخمی ہو جاتے مگر اب جو بھارت کی پوری دنیا میں جگ ہنسائی ہو رہی ہے کم از کم یہ نہ ہوتی۔'' نوجوان نے انتہائی جوشیلے لہجے میں کہا۔

''آپ کیا کہتے ہیں کہ میں فائر کھول دیتا اور وہاں موجود اور افسران کی بھی زندگی خطرے میں ڈال دیتا اور ایک ملک کے وزیر کی بھی؟ مجھے آپ سے اس بچگانہ تجویز کی ذرا برابر توقع نہیں تھی۔'' کرنل جو غصے سے بھرا بیٹھا تھا، اُس نوجوان پر چڑھ دوڑا۔

''آپ دونوں لڑنے کی بجائے اس وقت حالات کی نزاکت کو سمجھیں گے......؟'' وزیر اعظم نے دونوں کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''سر! میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔'' اچانک اب تک خاموش بیٹھے ہوئے شخص نے انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''جی مسٹر سنگھا'' وزیر اعظم نے اجازت دیتے ہوئے کہا۔ (یہ شخص ملٹری انٹیلی جنس کا چیف تھا۔ کہا جاتا ہے کہ انڈیا کا اصل حکمران اصل میں یہی شخص ہے۔ انڈیا کا سب سے طاقتور اور انتہائی مدبر اور ذہین آدمی مسٹر سنگھ)

ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیے کہ ہم اس دفعہ مجاہدین سے مات کھا چکے ہیں۔ انہوں نے ہمیں زبردست نقصان پہنچایا ہے لیکن وہ وزیر صاحب کو کوئی جانی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ جب تک اُن کے مقاصد پورے نہیں ہو جاتے۔ اس لیے کوشش کی جائے کہ اغوا کاروں سے رابطہ کر کے اُن کی مانگ سنی جائے اور پوچھا جائے کہ آخر وہ کیا چاہتے ہیں؟ جب ان سے رابطہ ہو جائے تو لوکیشن کا بھی پتہ چلایا جا سکتا ہے اور اُن کا مقصد بھی واضح ہو جائے گا۔'' مسٹر سنگھ نے اپنا تجزیہ دیتے ہوئے کہا۔

''ویری گڈ مسٹر سنگھا! آپ نے قابل عمل تجویز دی ہے۔ تو مسٹر کرپاڈیا آپ اپنی پوری فورس کو وزیر صاحب کی تلاش میں لگا دیں اور اس دوران آتنک وادیوں سے بھرپور رابطے کی کوشش کریں اور جان سکیں آخر اُن کی مانگیں کیا ہیں؟ اس میں مسٹر بھنسالی بھی اپنی ریڈ فورس کے ساتھ آپ کی مدد کریں گے۔'' یہ کہہ کر وزیر اعظم نے نمستے کیا اور ڈھیلے قدموں سے واپس چلا گیا۔ وزیر اعظم کے جانے کے بعد وہ چاروں بھی اپنی جگہ سے اُٹھے اور باہری دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

☆......☆......☆

گاڑی کے دریا میں گرتے ہی ایک زوردار دھماکہ ہوا اور پانی میں ایک بھونچال آ گیا۔ ہم چاروں نے چونکہ گاڑی میں ہی چست سیاہ لباس جو خالص تیراکی کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں، بدل لیے تھے اور ہمارے پاس صرف ایک گیس سلنڈر تھا جو ہم چاروں نے باری باری تیراکی کے دوران استعمال کرنا تھا۔ گاڑی میں پانی آ چکا تھا۔ ہم

نے ضرورت کا سامان اٹھایا اور فوراً انتہائی تیزی سے گاڑی سے نکلے اور پانی کے اندر ہی اندر تیرنے لگے اور شمالی سمت کو جانے لگے۔ اس طرف ایک بہت گھنا جنگل راستے میں پڑتا تھا۔ جہاں ہمارا ایک خفیہ سیٹ اپ بھی موجود تھا۔ ہم چاروں انتہائی تیزی سے دریا کے اندر سفر کر رہے تھے۔ گیس سلنڈر ہم وقتاً فوقتاً استعمال کر رہے تھے۔ باری باری ہر کوئی سانس لے کر پھر آگے سفر شروع کر دیتا۔ تقریباً دو گھنٹوں کی مسلسل اور صبر آزما تیراکی کے بعد ہم جنگل میں پہنچ گئے۔ ہم نے وہاں پہنچ کر کچھ دیر سانس لیا اور سکون کیا، کپڑے بدلے اور آگے روانہ ہو گئے۔

ہمارا خفیہ سینٹر ابھی بہت دوری پر موجود تھا۔ ہم فون استعمال نہیں کر سکتے تھے کیونکہ کال پکڑے جانے کا خطرہ تھا۔ ہم چاروں کے چہرے پر تھکن کے آثار سے زیادہ خوشی کے آثار نمایاں تھے۔ اتنی بڑی کارروائی ایک گولی اور جان گنوائے بغیر کامیابی سے ہمکنار ہو گئی تھی۔ ہم سب یہی دعا کر رہے تھے کہ جس گھر میں وزیر کو ہم نے اتارا وہ اب محفوظ جگہ پر منتقل ہو گئے ہوں۔ کیونکہ انڈین آرمی کتوں کی طرح انہیں مسلسل تلاش کر رہی ہو گی۔

کچھ وقت چلنے کے بعد ہم چاروں اپنے خفیہ سینٹر میں پہنچ گئے۔ یہاں ہم نے آرام کیا، کھانا کھایا اور ایک آدھ دن یہیں ٹھہرنے کا سوچا کیونکہ حالات ابھی ایسے نہیں تھے کہ شہر کی طرف جایا جائے۔ چونکہ ہر طرف سرچ آپریشن شروع تھا اور پکڑ دھکڑ ہو رہی تھی۔

میں نہیں جانتا تھا کہ وہ وزیر اس وقت کہاں ہو گا لیکن مجھے اپنے ساتھیوں پر مکمل بھروسہ تھا کہ وہ اس کارروائی کو یوں ضائع نہ کریں گے۔

☆......☆......☆

کشمیر کا گھنا جنگل اور موسم کی سردناکی، ہر طرف برف ہی برف اور اسی برف کے اوپر بیٹھا ایک نوجوان لڑکا اپنی ٹریننگ کے تین دن پورے کرنے کے لیے اس جنگل میں لایا گیا تھا۔ سردی سے خود کو بچانے کے لیے اس کے پاس سوائے ایک قرآن اور ایک چادر کے اور کچھ نہیں تھا۔ اس کی زندگی کا ایک بہت بڑا امتحان اب شروع ہونے والا تھا۔ اسے اگر "جانباز" بننا تھا تو پھر اس امتحان میں سرخرو اُسے ہر حال میں ہونا ہی پڑے گا۔

اس لڑکے نے آس پاس گھوم پھر کر ٹوٹی ہوئی لکڑیوں کو جمع کیا اور ایک جگہ لا کر ڈھیر کر دیا۔ اب اُسے ان کو جلانا تھا مگر ماچس نام کی کوئی چیز اس کے پاس نہ تھی۔ ایسی صورت حال میں پتھروں سے آگ جلانے کی اس نے سرسری سی ٹریننگ لی ہوئی تھی۔

چنانچہ وہ ان پتھروں کو تلاش کرنے نکل کھڑا ہوا۔ جلد ہی اُسے دو ایسے پتھر مل گئے جو اس کے آگ جلانے کے کام آ سکتے تھے۔ چنانچہ کچھ کوشش کے بعد آخر کار وہ ان جمع کی گئی لکڑیوں کو آگ لگانے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ شام کا وقت بھی ہو رہا تھا اور جلد ہی اندھیرا چھا

جانے والا تھا۔ اس لیے اس نے پانی کا انتظام اور کھانے کا بھی سوچنا تھا۔ اس نے آس پاس کی صاف برف کو اکٹھا کیا اور اپنی جیب میں موجود چاقو کے دستے سے برف بھر کر اسے آگ کے اوپر ہلکا ہلکا پگھلانے لگا۔ برف پگھلنے پر وہ دستہ پانی سے بھر گیا جو اس نے پیا۔ پانی کا آسان حل اُس نے ایسے نکال لیا اور اب کھانے کا مسئلہ درپیش تھا۔ یہاں پھلوں کے درخت بھی نہ تھے بلکہ بڑے بڑے چیڑ کے درخت تھے جس پر کوئی پھل نہ لگتا تھا، پتے بھی اس کے بدمزہ ہی تھے لیکن بہر حال اس لڑکے نے بادل نخواستہ اس درخت سے پتے جمع کر کے اپنے پاس رکھ لیے تا کہ بوقت ضرورت کام آئیں۔ مغرب کا وقت ہوا تو اس نے اذان دے کر نماز ادا کی اور اپنے رب سے مدد طلب کی۔ رو رو کر گڑگڑا کر اپنے اس امتحان میں سرخروئی اور کامیابی چاہی۔

مغرب سے عشاء کے وقت اس نے آگ کے قریب بیٹھ کر ذکر اذکار میں گزارا۔ عشاء کا وقت ہونے پر اُس نے نماز ادا کی اور مزید لکڑیاں اکٹھی کر کے آگ میں ڈالی تا کہ آگ ساری رات روشن رہے۔ وہ لڑکا آگ کے قریب بیٹھا مستقبل کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اچانک ایک زور دار دھاڑ سنائی دی اور پھر مسلسل دھاڑوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہ یہاں کے مشہور ٹائیگرز تھے جو رات کو جنگل میں گھوم پھر رہے تھے۔ وہ لڑکا یہ دھاڑیں سن کر سہا تو نہیں البتہ پریشان ہو گیا کہ اگر وہ یہاں آ گئے تو ایک چاقو سے اُن کا مقابلہ کے لیے کیا کیا جا سکتا ہے۔ رات کا ابھی آدھا پہر ہی گزرا تھا اور جنگل کے درندے بیدار ہو رہے تھے۔ ابھی وہ لڑکا سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کرے اچانک تین دھاری دار رنگ اور بڑی جسامت کے چیتے اُسے نظر آئے جو اُسی کو دیکھ رہے تھے۔ اُس لڑکے نے اپنی جگہ چھوڑی اور چاقو کو مضبوطی سے پکڑا اور آنے والی قیامت کا انتظار کرنے لگا۔

اس کی آنکھوں میں خوف نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ چیتوں نے اُسے دیکھا تو آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنا شروع ہو گئے۔ ان کے منہ سے خوفناک غراہٹیں نکل رہی تھیں جو کسی بھی ذی روح کو ایک لمحہ میں کپکپا کر رکھ دے۔ اس لڑکے کی نظریں مسلسل چیتوں پر لگی تھیں اور چیتے بھی جلنے والی آگ کو دیکھتے تو کبھی اس لڑکے کو جو چاقو پکڑے اُن کے انتظار میں کھڑا تھا۔

☆......☆......☆

کیا یہ لڑکا تن تنہا چیتوں کا مقابلہ کر پائے گا......؟

مجاہدین نے وزیر کو اغوا کر کے آخر کیا مانگ کی......؟

کیا کرنل کرپا ڈیا وزیر کو برآمد کروا کر سرخرو ہو گیا......؟

یہ سب جاننے کے لیے پڑھتے رہیے ہمارا، آپ کا، سب کا پیارا مسلمان بچے۔

☆......☆......☆

چیتے اس کی طرف خوفناک نگاہوں سے مسلسل دیکھے جا رہے تھے۔ گویا شکار کو آنکھوں ہی آنکھوں میں تول رہے ہوں۔ لڑکے نے اپنے بچاؤ کے لیے ادھر ادھر نظر دوڑائی مگر اُسے سوائے درختوں اور جھاڑیوں کے کچھ نہ نظر آیا۔ درخت بھی ایسے کہ اُن پر چڑھنا ناممکن کیونکہ وہ بالکل سیدھے اور لمبے تھے، جیسے یہاں سفیدے کا درخت ہوتا ہے۔ اس لیے اس پر چڑھنا تقریباً ناممکن تھا اور بھاگنا بے وقوفی تھی کیونکہ بہرحال بھاگنے میں انسان اور چیتے کا مقابلہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟

وہ لڑکا اب ڈر نہیں رہا تھا، وہ دل ہی دل میں دعائیں پڑھنے لگا۔ اس نے اپنے گھٹنے زمین پر ٹکائے اور چاقو کو واپس جیب میں رکھ لیا اور آنکھیں بند کر لیں، اس نے سوچ لیا تھا کہ اگر وہ حق پر ہے اور حق کے راستے کے لیے نکلا ہوا ہے تو اللہ رب العزت اس کی ضرور مدد فرمائیں گے۔

تینوں چیتوں میں سے دو چیتے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس لڑکے کے بالکل پاس پہنچ گئے اور اس کو سونگھنے لگے۔ ان کی غراہٹ کی آوازیں سن کر بھی اس لڑکے نے آنکھیں نہ کھولی۔ وہ چپ چاپ گھٹنوں کے بل بیٹھا رہا۔ بالآخر وہ دونوں چیتے اُسے سونگھتے سونگھتے اچانک کسی آواز پر چونکے اور تینوں جست بھرتے ہوئے اس آواز

کی طرف چلے گئے اور اندھیرے میں گم ہو گئے۔

لڑکے نے آس پاس غراہٹ بند ہوتے ہی آنکھیں کھول دیں اور اپنے آپ کو محفوظ پا کر اس نے رب کا لاکھ شکر ادا کیا۔

اُسے اس پل "شاہین" کی ایک بات یاد آ گئی جو اس نے ٹریننگ کے دوران بتائی تھی۔

"ایک بات یاد رکھنا بیٹے! کشمیر پورے کا پورا گھنے جنگلوں سے بھرا ہوا ہے اور یہی جنگل ہی زیادہ تر مجاہدین کی پناہ گاہ رہی ہیں۔ ان جنگلوں میں خوفناک درندے اور حشرات الارض پائے جاتے ہیں لیکن آج تک کسی مجاہد کو کسی درندے نے نقصان نہیں پہنچایا بلکہ یہ درندے ان مجاہدین کی مدد کرتے ہیں اس لیے کبھی کوئی درندہ نظر آئے تو گھبرانا مت اور اللہ پہ بھروسہ رکھنا۔"

اور آج "شاہین" کی بتائی ہوئی بات اُس کے لیے درندے سے بچنے کا ذریعہ بن گئی تھی۔ رات بہت گزر گئی تھی۔ اس نے کندھے سے اپنی بڑی چادر اتاری اور آگ کے قریب بچھالی اور اس پر لیٹ گیا۔ وہ تاروں بھرے کھلے آسمان تلے سو رہا تھا۔ آس پاس گھنا جنگل اور خاموشی، لیکن اُسے ڈر نہیں لگ رہا تھا، وہ اس دوران اپنی ماں کا چہرہ یاد کرنے لگا اور آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ گئیں، اُسے پتہ تک نہ چلا اور آنکھوں کی اسی رم جھم میں نیند کب آ گئی وہ جان ہی نہ سکا۔

☆......☆......☆

جنرل کرپاڈیا کا چہرہ ستا ہوا تھا۔ وہ سری نگر میں موجود اپنی چھاؤنی کے شاہانہ آفس میں بیٹھا ہوا تھا۔ جب سے وزیر اغوا ہوا تھا، جنرل کی نیند اڑی ہوئی تھی۔ اس دوران اس نے اخبارات اور ٹی وی کے ذریعے خوب اشتہارات دیے کہ جو بھی وزیر صاحب کے بارے میں اطلاع دے گا، اُسے ایک لاکھ ڈالر کا نقد انعام دیا جائے گا، پھر اس کا نام بھی صیغہ راز میں رکھا جائے گا لیکن ان اشتہاروں کا بھی کوئی فائدہ نہ ہو رہا تھا۔ آج آٹھواں دن تھا اور دہلی سے بار بار اُسے سخت ڈانٹ دی جا رہی تھی، اس دوران اُس نے درجنوں بے گناہ شہریوں کو بھی مجاہدین سمجھ کر پابند سلاسل کیا ہوا تھا اور صبح و شام اُن پر تارچر کر رہا تھا مگر کچھ بھی نہ ہو رہا تھا کہیں سے کچھ پتہ نہ چل رہا تھا۔

"مے آئی کم ان سر!" (میں اندر آ جاؤں سر) ایک فوجی نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔

"کیا ہے؟ دفع ہو جاؤ۔" جنرل نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔

"سر ایک ضروری اطلاع آئی ہے۔" فوجی نے ڈرتے ڈرتے پھر باہر سے آواز لگائی۔

"اندر آ جاؤ۔" یہ کہہ کر جنرل نے اپنی سیٹ چھوڑی اور کھڑا ہو گیا۔ اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

"سر! ایک بوڑھا آدمی بات کرنا چاہتا ہے، اس کا کہنا ہے کہ اس نے وزیر صاحب کو دیکھا ہے۔ لیکن وہ یہ بات صرف آپ کو بتائے گا۔" فوجی نے اندر آ کر کہا۔

"اُس کی مکمل تلاشی لے کر اُسے جلد از جلد اندر بھیج دو۔" جنرل کرپاڈیا نے جوش بھرے لہجے میں کہا۔ اس کی بے چینی مزید بڑھ گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ایک بوڑھا آدمی اندر داخل ہوا۔ اس

کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نمایاں تھے۔ اس نے جنرل کو جھک کر سلام کیا۔

"ہاں اطمینان سے بیٹھ کر بتاؤ کیا اطلاع ہے تمہارے پاس۔" جنرل نے اُس کو پیار سے کہا۔

"صاحب! میں غریب آدمی ہوں۔ آپ لوگوں نے اخبار میں اشتہار دیا تھا کہ جو بھی وزیر صاحب کے بارے میں خبر دے گا اُسے انعام دیا جائے گا۔" بوڑھے نے ڈرتے ہوئے کہا۔

"ہاں انعام بھی دیا جائے گا۔ اس کی تم فکر نہ کرو۔ بتاؤ کیا اطلاع ہے تمہارے پاس۔" جنرل نے بڑی مشکل سے اپنا غصہ دباتے ہوئے کہا۔

"لائیں صاحب میرا انعام پھر میں بتاتا ہوں۔" بوڑھے نے ہاتھ آگے کرتے ہوئے کہا۔

"نانسس! بکواس مت کرو، میں جو پوچھ رہا ہوں وہ بتاؤ۔ ملے گا انعام، اب آگے بکواس کرو۔ یہ نہ ہو تمہارے انعام کے چکر میں دیر ہو جائے۔ اب اگر تم نے انعام کی بات کی تو میں تمہاری ہڈیاں توڑ ڈالوں گا۔ بوڑھے کھوسٹ۔" جنرل آخر کار پھٹ پڑا اور اس کے منہ سے گالیاں اور تھوک نکلنے لگا۔

"صاحب! مجھے معاف کر دیں۔ میں بتاتا ہوں۔" بوڑھا تھر تھر کانپنے لگ گیا۔

"ہاں اب بکواس کرو۔" جنرل نے غصے سے چیختے ہوئے کہا۔

"صاحب! میں انڈے بیچتا ہوں۔ روز گرم انڈے ایک تھرماس میں ڈال کر گھر گھر جا کر آواز لگاتا ہوں۔ تین دن پہلے کی بات ہے میں "جانگی محلے" میں ایک گھر کے سامنے پہنچا تو وہاں سے لڑنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں تجسس کے مارے گھر کے مزید قریب ہو گیا تو وہاں ایک کھڑکی نظر آئی اور وہاں سے پردہ بھی ذرا سا ہٹا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک آدمی کو کرسی پر بٹھا رکھا ہے اور وہ اچھی طرح بندھا ہوا ہے، میں اس بندے کا ہلکا سا چہرہ دیکھ سکا۔ یہ بالکل وہی چہرہ تھا جو کئی دنوں سے ٹی وی پر دکھایا جا رہا تھا۔ اس کے آس پاس چار پانچ نقاب پوش لوگ کھڑے ہوئے تھے اور اس پر چیخ رہے تھے۔ میں وہاں سے چپکے سے نکل آیا۔ اگلے دن اخبارات میں انعام دیکھا تو میں نے آپ کے پاس آنے کا سوچا لیکن سوچتے میں ہی دو دن لگا دیے۔ مجھ پر بہت زیادہ قرضہ ہے اور میں اس سے پریشان ہوں صاحب۔ میری یہ پریشانی دور کر دو صاحب۔" بوڑھے نے کہا۔

"اس محلے میں کون سا گھر ہے جلدی بتاؤ۔" جنرل نے جلدی جلدی پوچھا اور فون کا رسیور لگا کر بھرپور فورس تیار کرنے کا حکم دے دیا۔ بوڑھے نے گھر کا مکمل پتہ اور نشانیاں بتا دیں۔

"صاحب میرا انعام۔" بوڑھے نے جنرل کو کمرے سے باہر جاتے ہوئے دیکھا تو کہا۔

"ابھی دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر جنرل باہر نکل گیا اور باہر کھڑے ہوئے فوجی سے کہا کہ وہ اندر بیٹھے بوڑھے کو چھاؤنی سے باہر چھوڑ دے اور خرچ کے لیے پانچ سو روپے دے دے۔ چنانچہ بوڑھے کو دھکے دے کر چھاؤنی سے نکال دیا گیا۔ اس کے ہاتھ میں پانچ سو کا نوٹ تھما دیا

گیا اور دفع ہونے کا حکم دے دیا۔

بوڑھے نے وہ پانچ سو کا نوٹ ہاتھ میں پکڑا اور اُسے دیکھا، اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آنسو شاید ندامت کے تھے کہ اُس نے اپنے ضمیر کا سودا صرف پانچ سو میں کر لیا تھا۔ اپنا ایمان بیچ ڈالا تھا۔

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ درجن بھر کے قریب گاڑیاں اور دو بیلی کاپٹر کا ایک کانوائے "جانگی محلے" کی طرف بڑی تیزی سے روانہ ہو گیا۔

☆......☆......☆

انڈین ملٹری انٹیلی جنس چیف مسٹر سنگھ اپنے آفس میں پریشان بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بجی اور اس نے حیرت سے فون کی طرف دیکھا گویا کہ وہ اس وقت کسی قسم کے فون کی کوئی امید نہیں کر رہا تھا، بہر حال اس نے ہاتھ بڑھا کر فون کا ریسور اٹھایا اور کان سے لگایا۔

"ہیلو" مسٹر سنگھ نے کہا۔

"سر! آپ سے کوئی مسٹر کنگ بات کرنا چاہتا ہے، اس کا کہنا ہے کہ چیف سے بات ضرور کروائی جائے ورنہ نقصان کے ذمہ دار وہ خود ہوں گے۔" مسٹر سنگھ کے پی اے نے ساری صورتحال بتائی۔

"ٹھیک ہے اس کی کال مجھے ملا دو۔" مسٹر سنگھ نے کہا۔

"ہیلو مسٹر سنگھا میں کشمیری مجاہدین کی طرف سے بات کر رہا ہوں۔ آپ مجھے فی الحال کنگ کہہ سکتے ہیں۔ آپ کے وزیر صاحب کو ہم نے اغوا کیا ہے اور وہ بالکل صحیح حالت میں ہیں۔ ایک بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔"

"مسٹر کنگ! آپ اپنی مانگ واضح کرنا چاہیں گے؟ ہمیں اپنے وزیر صاحب کی سلامتی عزیز ہے۔" مسٹر سنگھ نے نرم لہجے میں کہا۔

"ہماری مانگ ہے کہ ایک ہفتے کے اندر اندر" روتوالا جیل" سے ہمارے پچاس ساتھیوں کو رہا کر دیا جائے، یاد رکھیں اگر یہ مانگ پوری نہ ہوئی تو ہم وزیر کو مار ڈالیں گے، میں اب آپ کو کل فون کروں گا۔"

یہ کہہ کر اس اجنبی نے شاید فون رکھ دیا اور مسٹر سنگھ اپنے پی اے کو نمبر ملانے لگ گیا۔ آگے سے فون اٹھانے پر مسٹر سنگھ نے اسے کال کی لوکیشن (جگہ) پتا چلانے کا حکم دیا اور کریڈل رکھ دیا۔

"پچاس آتنک وادی میں ایک بھی نہیں چھوڑوں گا۔" یہ کہہ کر مسٹر سنگھ نے کرسی کی پشت سے سر کو ٹکایا اور آنکھیں بند کر لیں۔

☆......☆......☆

میں (جانباز) نے مکمل آٹھ دن اس خفیہ کیمپ میں گزارے۔ اب یہاں مزید رہنا میرے لیے ممکن نہ تھا۔ میں آزاد پنچھی تھا، زیادہ دیر قید میں رہنا میرے لیے موت جیسا ہو جاتا تھا۔ چنانچہ میں نے سب ساتھیوں سے اجازت لی اور ایک نئے مشن پر روانہ ہو گیا۔ ابھی میرے ذہن میں کوئی نیا پلان نہیں تھا لیکن باہر کی تازہ ہوا کھانے اور شہر تک پہنچنے تک میں کوئی نیا مشن سوچ سکتا تھا۔

میرے ساتھیوں نے مجھے بہت روکا کہ کچھ دن مزید ٹھہر جاؤ، مگر میں تھک چکا تھا۔ چنانچہ میں اُن سے اجازت لے کر خفیہ سنٹر سے باہر نکل آیا اور شہر کی طرف

چل پڑا۔ میرے پاس ضرورت کا چند سامان ایک چھوٹے سے بیگ کی صورت میں تھا۔ اسلحہ کے نام پر صرف ایک چاقو میرے پاس تھا۔ بڑا اسلحہ میں اس لیے ساتھ لے کر نہ چلا تھا کیونکہ باہر سخت چیکنگ کی جا رہی تھی اور میں کسی مشکل میں پھنسنا نہیں چاہتا تھا۔ میں جنگل میں اونچی نیچی پہاڑیوں کو تیزی سے پھلانگتا ہوا مسلسل چلے جا رہا تھا۔

جنگل ختم ہو گیا تھا۔ اب سیدھی سڑک شروع ہو گئی تھی جو ایک چھوٹے شہر کی طرف جاتی تھی۔

میں سڑک پر ایک سائیڈ میں ہو کر لاپرواہ سا چلا جا رہا تھا کہ اچانک مجھے فوجی سائرن سنائی دیا اور پھر یکے بعد دیگرے تین چار گاڑیاں میرے بالکل قریب آ کر رکیں اور اس میں سے فوجی اتر گئے اور میری طرف گنیں تان لیں۔

میں حیران و پریشان کھڑا، اُن کی یہ حرکت دیکھ رہا تھا۔ میں نے حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے ہاتھ اُٹھا دیئے۔ میرے ہاتھ اُٹھاتے ہی ایک فوجی میرے پاس آیا اور مجھے گھٹنوں کے بل جھکا کر میرے ہاتھ پیچھے کر کے ہتھکڑی لگا دی، اس کے بعد سب سے اگلی گاڑی میں ایک فوجی جس کے کاندھے پر کافی سٹار تھے، نیچے اترا اور مجھ سے مخاطب ہوا۔

''شام کے اس وقت تو اس جنگل سے نکل کر کہاں جا رہا ہے۔'' اس فوجی آفیسر نے مجھ سے پوچھا۔

''صاحب! میں لکڑیاں بیچتا ہوں آج جنگل میں لکڑیاں کاٹنے گیا مگر طبیعت خراب ہو گئی اور میں وہاں آرام کر کے اب واپس شہر گھر جا رہا ہوں۔'' میں نے انتہائی عجز و انکساری سے چہرے کو معصوم بناتے ہوئے کہا۔

''تو اب مجھ سے جھوٹ بولے گا۔ یہاں میں دو سال سے ہوں لیکن کوئی اس جنگل سے لکڑیاں نہیں کاٹتا۔'' فوجی آفیسر نے مجھے ایک زوردار طمانچہ مارتے ہوئے کہا۔ میرے جسم کی رگیں ایک دم پھڑک اٹھیں۔ میری آنکھیں مارے غصے کے جلنے لگیں۔ لیکن میں نے خود پر کنٹرول کیا اور ہوش سے کام لینے کا سوچا۔

''لے چلو اسے چھاؤنی! اس کا بندوبست کرتے ہیں۔ اس کا باپ بھی سچ بولے گا۔'' فوجی آفیسر نے ایک اور طمانچہ جڑتے ہوئے مجھے کہا۔ فوجیوں نے یہ سنتے ہی مجھے اٹھایا اور ایک گاڑی میں ڈال کر یہ کانوائے قریبی چھاؤنی کی طرف چل پڑا۔ میں سمجھ گیا کہ انہوں نے اس جنگل میں اور اس کے اطراف میں خصوصی نظر رکھی ہوئی تھی اور میرے نکلتے ہی ان کو اطلاع ہو گئی۔

میں آگے کے حالات کے متعلق سوچنے لگا۔ اب صرف اسی صورت میں بچت ہو سکتی تھی کہ ان کو اس بات کا قطعاً پتا نہیں چلنا چاہیے کہ میں ''جانباز'' ہوں۔ اگر یہ بات پتا چل گئی تو پھر بات بہت لمبی ہو جائے گی۔ میں اللہ سے صرف اسی بات کی دعا کر رہا تھا کہ ان کو کسی صورت میں یہ بات پتا نہ چلے۔ چھاؤنی آ گئی اور انہوں نے مجھے گاڑی سے اتار کر میرے چہرے پر کپڑا ڈال دیا اور دو فوجیوں نے مجھے پکڑا اور لے کر چل دیے اور مجھے ایک بیرک میں بند کر دیا۔

کچھ گھنٹوں بعد رات کو کسی پہر مجھے بیرک سے نکال کر میری آنکھوں پہ دوبارہ پٹی باندھ کر مجھے ایک کمرے میں لے گئے اور پٹی اتار دی۔ یہ ایک بڑا ہال نما کمرہ تھا،

جس کی دیواروں پر خوفناک قسم کے اذیت دینے والے ہتھیار لٹکے ہوئے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ آج اس ہال میں میری چیخیں گونجیں گی۔ میں اللہ سے دعا کرنے لگا کہ مجھے ثابت قدم رکھنا۔ انسان چاہے جتنا ہی طاقتور اور قوی اعصاب والا کیوں نہ ہو۔ ایک نہ ایک وقت اس کی اعصابی قوت جواب دے جاتی ہے، وہ چیختا ہے اور روتا ہے۔ اس وقت وہ ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ موت کی تمنا اس کی سب سے بڑی تمنا بن جاتی ہے۔

ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک دروازہ کھلا اور وہی آفیسر اندر داخل ہوا اور اس کے پیچھے دو جلاد نما موٹے بھینسے نما انسان داخل ہوئے۔ میں سمجھ گیا کہ اب میرا اصل امتحان شروع ہونے والا ہے۔ پیچھے آنے والے دونوں جلادوں نے مجھے کھڑا کر کے دیوار کے ساتھ لگا کر زنجیروں سے جکڑ دیا اور فوجی آفیسر میرے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا اور وہ دونوں جلاد میرے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" اور سوچ لو کہ اگر مجھے تمہارے جواب میں ذرا سی بھی جھوٹ کی بو آئی تو میں تمہاری کھال ادھیڑ دوں گا۔" اُس فوجی آفیسر نے درشت لہجے میں کہا۔

"جی میرا نام قاسم ہے۔" میں نے جلدی سے ایک نام بلا سوچے سمجھے دے دیا۔

"تم اس جنگل میں کیا کرنے گئے تھے؟" فوجی آفسر نے دوسرا سوال کیا۔

"جناب! میں نے آپ کو بتایا ہے کہ میں لکڑیاں......"

ابھی میں نے اتنا ہی بولا تھا کہ فوجی آفسر نے دونوں جلادوں کو اشارہ کیا اور وہ مجھ پر پل پڑے، لاتوں، مکوں اور گھونسوں سے انہوں نے مجھے ادھ موا کر دیا، میرے منہ سے خون نکلنے لگا۔ تھوڑی دیر کے لیے جب وہ رکے تو پھر دوبارہ مجھ سے وہی سوال دہرایا گیا اور میں نے وہی جواب دیا اور پھر میری درگت بنانے لگے۔ جب اُن کے ہاتھ اور پاؤں تھک گئے تو انہوں نے کوڑے اٹھا لیے اور مجھے پر اندھا دھند برسانے لگے۔ یہ لمحہ میری زندگی کا سب سے اذیت ناک لمحہ تھا۔ میری چیخیں اس قدر بلند ہو گئیں کہ میں اپنا آپ کھو بیٹھا تھا۔ لیکن اُن ظالموں نے بس نہ کی۔ بالآخر میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ شاید میں بے ہوش ہو چکا تھا۔ اس کے بعد کیا ہوا میں کچھ نہیں جانتا، میری آنکھ تب کھلی جب اچانک ایک زوردار جھٹکا لگا اور میں درد کی شدت سے چیخ پڑا اور میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے دیکھا کہ میرے جسم پر جگہ جگہ پٹیاں بندھی ہوئی ہیں اور میں ایک فوجی ٹرک میں لیٹا ہوا ہوں جو مسلسل حرکت میں ہے۔ میرے آس پاس تین فوجی بیٹھے ہوئے تھے، جو مجھے ہوش میں آتا دیکھ کر مزید چوکنے ہو گئے تھے۔

"میں کہاں ہوں اور کہاں لے جا رہے ہیں مجھے۔" میں نے سوال کیا۔

"تجھے سرینگر جیل بھجوایا جا رہا ہے، آج تک کوئی ایسا قیدی ہم نے نہیں دیکھا جس پر اتنا تشدد ہوا ہو اور وہ سچ نہ بولا ہو۔ تو کوئی خاص چیز لگتا ہے لیکن یہ خوفناک جیل تیرا

دماغ ٹھیک کردے گی۔ اب تجھے یہیں رہنا ہے جب تک ہمارا آفیسر چاہے گا۔" ان میں سے ایک فوجی نے کہا۔

میں سمجھ گیا کہ اس فوجی آفیسر نے اپنی ہار کو تسلیم نہیں کیا بلکہ اب اس کا بدلہ مجھے جیل بھیج کرلے رہا ہے۔ میری حالت انتہائی خراب تھی۔ میرا جسم تپ رہا تھا۔ دماغ میں مسلسل ٹیسیں اٹھ رہی تھیں اور میں سوچ رہا تھا کہ مجھے اپنے ساتھیوں کی بات کو مان کر اس خفیہ سینٹر سے نہیں نکلنا چاہیے تھا۔

"سری نگر جیل" واقعی ایک خوفناک جیل تھی۔ یہاں قیدیوں پہ بے حد بہیمانہ تشدد اور ٹارچر کیا جاتا تھا۔ اس جیل کی سیکورٹی اتنی سخت تھی کہ آج تک کوئی یہاں سے بھاگ نہیں پایا تھا اور جس نے بھاگنے کی کوشش کی وہ مارا گیا تھا۔ انتہائی سخت حفاظتی انتظامات کی وجہ سے مشہور یہ خوفناک جیل اب میری مہمان نوازی کرنے والی تھی۔

کچھ دیر کے بعد سری نگر جیل کا بڑا آہنی گیٹ آ گیا اور ٹرک سے مجھے اتار کر اندر لے جایا گیا۔ مجھے جیل کی خاص وردی دی گئی اور مجھے سیل میں پہنچا دیا گیا۔ مجھے دوسروں قیدیوں سے بالکل الگ تھلگ رکھا گیا تھا۔ یہ واقعی ایک خوفناک جیل تھی۔

اب تک ایک چیز جو میرے فائدے میں جا رہی تھی وہ یہ تھی کہ ان لوگوں کو ابھی تک یہ معلوم نہیں تھا کہ میں "جانباز" ہوں۔

میں اپنے سیل میں چپ چاپ لیٹ کر آنے والے حالات کے بارے میں سوچنے لگا کہ اچانک میرے سیل کے آہنی دروازہ پہ کسی نے دستک دی تو میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

باہر جیل کا سپریڈنٹ تھا۔

"تو جو کوئی بھی ہے۔ ایک بات یاد رکھنا یہاں سے بھاگنے کی کبھی مت سوچنا۔ یہاں سے آج تک کوئی نہیں بھاگا ہے۔ اس لیے کبھی اس بارے میں سوچنا بھی مت۔" جیلر نے سخت لہجے میں کہا اور چلا گیا۔

یہ بات سن کر میرے چہرے پر ایک مسکراہٹ آ گئی۔

میں لیٹ گیا اور سوچنے لگا کہ اس جیلر کا غرور کیسے توڑا جائے؟

☆......☆......☆

کیا جانباز اس خوفناک جیل سے بھاگنے میں کامیاب ہو......؟

یا پھر ہمیشہ کے لیے جیل کی تاریکی اس کا مقدر بن جائے گی......؟

کیا جنرل کرپاڈیا کو ملنے والی اطلاع کارگر ثابت ہوئی......؟

کیا "جانباز" کی یہ کارروائی اور قربانی بے اثر چلی گئی......؟

یا پھر انڈیا کی جیل سے پچاس مجاہدین رہا ہو گئے......؟

اور اس لڑکے کے ساتھ جنگل میں کیا بیتی، کیا وہ امتحان میں کامیاب ہو گیا یا............

یہ سب جانیئے......ضرور جانیئے......مگر "مسلمان بچے" کے اگلے شمارے میں۔

☆......☆......☆

زبیر طیب

جانباز

قسط ۱۴

انتہائی تیزی سے درجن بھر سے زائد گاڑیاں، دو جنگی ہیلی کاپٹرز اوران میں بیٹھے چالیس سے زائد کمانڈوز مکمل جدید ترین اسلحہ سے لیس بڑی تیزی سے ''جانگی محلے'' کی طرف رواں دواں تھے لیکن سائرن کی آوازیں نہیں تھیں کیونکہ اس کارروائی میں انتہائی رازداری کی ضرورت تھی۔ اس سارے کانوائے کے بالکل درمیان میں ایک سرخ رنگ کی بڑی جیپ تھی، جس میں جنرل کرپاڈیا خود اس کانوائے کو لیڈ کر رہا تھا۔ اس نے اپنے فوجیوں پر اس کارروائی کو نہیں چھوڑا۔ وہ کسی قسم کا رسک نہیں لینا چاہتا تھا۔ وہ خود اس کارروائی کو اپنے سامنے ہوتا دیکھنا چاہتا تھا۔

''وہ محلہ کتنا دور ہے ابھی؟'' جنرل نے بے چینی سے ڈرائیور سے پوچھا۔

''سر! تقریباً آدھا گھنٹہ اور لگ جائے گا۔'' ڈرائیور نے مئودبانہ ہو کر جلدی سے جواب دیا۔

''ہیلو! ہیلو!...... کیا سب مجھے سن رہے ہیں؟'' جنرل نے واکی ٹاکی پر اپنے کانوائے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''جی سر! ہم سب سن رہے ہیں۔'' ایک ساتھ کئی آوازیں ابھریں۔

"یاد رکھنا...... اگر اس مشن میں کسی نے کوئی غلطی کی تو وہ اس کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہوگی۔ میں اس کا کورٹ مارشل خود کروں گا۔ اس لیے کان کھول کر سن لو! جب تک میں نہ کہوں کوئی گولی نہیں چلائے گا۔ کوئی آواز تک نہیں نکالے گا۔ ہم پہلے آس پاس کا سارا علاقہ گھیریں گے اور پھر وارننگ جاری کریں گے۔ کوئی بچ کر نہ جانے پائے۔ اوور اینڈ آؤٹ۔" جنرل نے اونچی آواز میں سب کو احکامات دیتے ہوئے کہا اور واکی ٹاکی آف کر دیا۔

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اڑ کر پہنچ جائے اور وزیر صاحب کو بحفاظت وہاں سے نکال کر دہلی پہنچا دے اور انڈیا کا سب سے بڑا ایوارڈ لے لے۔ اس کی ذہن میں اس وقت بڑے بڑے میڈلز، انعامات اور ایوارڈز کی خیالی پرواز تھی کہ اچانک ڈرائیور نے منزل قریب آنے کا بتایا اور جنرل نے فوراً واکی ٹاکی آن کر کے مزید احکامات دینے شروع کر دیے۔

کچھ ہی دیر بعد کمانڈوز اس گھر کو مکمل محاصرے میں لیے ہوئے تھے۔ دونوں ہیلی کاپٹر مسلسل فضا میں چکر کاٹ رہے تھے۔ جنرل کرپاڈیا اس گھر سے کافی دور اپنی گاڑی میں بیٹھا ہوا واکی ٹاکی پر سب سے رابطے میں تھا۔ جب سب محاصرہ مکمل ہو گیا تو جنرل نے مائک پر وارننگ جاری کرنے کا حکم دے دیا۔

ایک فوجی نے حکم سنتے ہی مائک اٹھایا اور ایک اونچی آواز پورے علاقے میں گونجنے لگی:

"تمہیں پوری طرح گھیرے میں لے لیا گیا ہے۔ اس لئے بھاگنے کی کوشش نہ کی جائے اور خود کو قانون کے حوالے کر دیا جائے۔ جو خود کو حوالے کر دے گا، اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔"

یہ اعلان بار بار دہرایا جانے لگا لیکن کوئی بھی شخص اس گھر سے باہر نہ آیا اور چاروں طرف خاموشی رہی۔ مسلسل دوربین سے دیکھنے پر بھی کوئی شخص نظر نہیں آ رہا تھا۔ اچانک واکی ٹاکی پر ایک فوجی جنرل کرپاڈیا سے مخاطب ہوا:

"سر! کیا ہم گھر میں داخل ہوں؟"

"نانسنس! اندر وزیر صاحب ان کے قبضے میں ہیں۔ ہم اندر گئے تو ان کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس لئے انتظار کرو اور بار بار اعلان کرتے رہو......!" جنرل نے غصے سے چیختے ہوئے کہا۔

اسے غصہ بہت آ رہا تھا کہ وہ مجاہدین کے اڈے پر پہنچ کر بھی کچھ کر نہیں پا رہا ہے۔ اسے اگر وزیر صاحب کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو شاید وہ اب تک اس جگہ کی اینٹ سے اینٹ بجا چکا ہوتا لیکن جب کافی دیر گزر گئی تو کرپاڈیا کو شک گزرا کہ شاید کہ مکان خالی ہی نہ ہو؟ اور مجاہدین یہاں سے جا چکے ہوں؟ یہ سوچ کر ہی اس کے رگوں میں خون جمتا ہوا محسوس ہوا، یہ اس کی سب سے بڑی سبکی ہوگی۔ اب وہ خود کو کوس رہا تھا کہ وہ ایک بوڑھے کی بات پر یقین کر کے بھاگا بھاگا چل پڑا۔ پہلے اچھی طرح اس خبر کی تصدیق تو کروالیتا تاکہ بات کنفرم ہو جاتی لیکن اب کیا ہو سکتا تھا جب وہ اپنے پاؤں پر خود ہی کلہاڑی مار چکا تھا۔

اس نے با دل نخواستہ کمانڈوز کو آہستہ آہستہ آگے بڑھنے کا حکم دیا اور گھر کی اچھی طرح تلاشی کا کہا۔

اس کا دل کسی چھوٹے بچے کی طرح بے چین اور

پریشان ہو رہا تھا، اس کی چہرے کی جھریاں اور بھی بھدی سی لگنے لگیں تھیں، سخت سردی کے باوجود اس کی پیشانی پر پسینہ آرہا تھا، وہ سوچ رہا تھا کہ کاش اگر وہ بوڑھا اسے مل جائے تو وہ اس بوڑھے کی ہڈیاں تو چ ڈالے، لیکن ایسا وہ صرف سوچ سکتا تھا۔

بالآخر کمانڈوز گھر کے اندر داخل ہو گئے اور گھر کی دونوں منزلیں چھان ماریں لیکن وہاں کوئی انسان نہیں تھا۔ گھر کا چپہ چپہ دیکھ لیا گیا مگر کچھ نہیں ملا۔ یہاں ایک کرسی پر ہلکا ہلکا سا خون لگا نظر آرہا تھا مگر یہاں کوئی انسان نہیں تھا۔ یہ سب صورتحال کمانڈوز نے واکی ٹاکی پر جنرل کو بتادیں اور جنرل پر جیسے غشی سی طاری ہونے لگی۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آس پاس کے گھروں سے پتا کرو۔ الٹا لٹکا دو۔ وہ کیسے جا سکتے ہیں؟ ایسا نہیں ہو سکتا۔'' جنرل کرپاڈیا نے حواس باختہ ہو کر چلاتے ہوئے کہا اور اپنا سر تھام لیا۔ اس کے چہرے پر شکست کے واضح آثار نظر آ رہے تھے۔ اس کا جسم جس قدر اکڑا ہوا تھا، اب اس سے زیادہ ڈھیلا پڑ چکا تھا۔ چہرہ شرمندگی کے مارے سیاہ پڑ چکا تھا۔ اس کو اس سے زیادہ ہزیمت کبھی نہیں اٹھانا پڑی تھی۔

آس پاس کے لوگوں کو پکڑ کر ان سے پوچھ گچھ کی جانے لگی۔ یہاں کتنے لوگ تھے؟ کب سے تھے؟ کیسے نظر آتے تھے؟ وغیرہ سب کچھ پوچھا جانے لگا۔ لیکن کسی سے کوئی کام کی خبر نہ مل سکی۔ اچانک کمانڈوز کی واکی ٹاکی پر جنرل کرپاڈیا کی آواز سنائی دی:

''جہاں خون لگا ہے وہ دیکھو کہ تازہ ہے یا کئی دن کا؟ اور کچن کا سامان دیکھو؟ کھانے پینے کی چیزیں پڑیں ہیں یا نہیں؟ یہ پتا لگانے کی کوشش کرو کہ اگر وہ لوگ یہاں سے گئے ہوں گے تو کب گئے ہیں؟ فوراً پتا کرو۔'' حکم سنتے ہی تمام کمانڈوز مذکورہ اشیاء کی جانچ پڑتال میں لگ گئے۔ کچھ ہی دیر بعد کرپاڈیا کو اس کی رپورٹ مل گئی۔

''سر! آپ کے کہنے پر ہم نے خون اور کچن کا سامان اور دوسرے کمرے دیکھے ہیں تو خون بالکل تازہ معلوم ہوتا ہے اور کچن کا سامان اور کمروں کی حالت بھی ایسی ہے جیسے کوئی انتہائی جلدی میں یہ جگہ چھوڑ رہا ہو۔ سب کچھ فریش حالت میں ہے۔ پرانا نہیں ہے۔'' ایک کمانڈو نے کہا اور جنرل کی چہرے پر ایک مسکراہٹ ابھر آئی۔ اسے امید کی ایک کرن نظر آئی۔

''تو آس پاس کے گھر چیک کرو فوراً اور اس گھر میں بھی تہہ خانہ تلاش کرو شاید یہاں کوئی تہہ خانہ ہو۔ فوراً ڈھونڈو اسے۔'' جنرل کرپاڈیا نے واکی ٹاکی پر احکامات دیتے ہوئے کہا۔ اس کو نہ جانے کیوں یہ سب حالات دیکھ کر لگ رہا تھا کہ کچھ تو گڑبڑ ہے۔ یہاں کچھ تو غلط ہو رہا ہے، اس لئے وہ اچھی طرح تفتیش کرنا چاہ رہا تھا۔

☆......☆......☆

ابھی روشنی نمودار نہ ہوئی تھی کہ اس لڑکے کی آنکھ کھل گئی۔ وہ جنگل میں بالکل اکیلا، تنہا سو رہا تھا۔ اس نے سونے سے پہلے کافی زیادہ لکڑیاں جمع کر لیں تھیں تا کہ آگ نہ بجھنے پائے مگر شاید ہلکی برف باری ہونے کی وجہ سے آگ بجھ گئی تھی۔ لڑکے نے دوبارہ کوشش کر کے آگ جلانے کی کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا کیونکہ لکڑیاں اتنی گیلی ہو چکیں تھیں کہ انہوں نے جلنے سے انکار کر دیا تھا۔ لڑکے نے مایوس ہو کر آس پاس کے ماحول کا جائزہ لیا۔ فجر کا وقت بالکل قریب تھا۔ اس نے اپنا سامان اٹھایا

اور پانی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا تاکہ وہ وضو کر کے نماز ادا کر سکے اور کچھ پانی پینے کا بھی جمع کر لے۔

آدھا گھنٹہ وہ مسلسل چلتا رہا کہ اچانک اسے کہیں سے آوازیں سنائی دیں۔ وہ رک گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اسے ایک طرف سے اڑتا ہوا دھواں نظر آرہا تھا۔ اس نے ایک پتھر کے پیچھے چھپ کر ماحول کا جائزہ لینا چاہا کہ اچانک اس کی پیٹھ پر کسی نے کلاشنکوف کی نال رکھی اور خبردار ہونے کا کہا۔

لڑکے نے چپ چاپ ہاتھ اٹھا دیے۔ وہ دل ہی دل میں حیران ضرور ہو رہا تھا کہ یہ اس وقت جنگل میں کس نے اس پر بندوق تان لی ہے۔ اس نے آہستگی سے مڑ کر پیچھے دیکھا تو ایک نقاب پوش شخص اسے نظر آیا جس نے خود کو کالے لباس میں چھپایا ہوا تھا۔ وہ شخص انتہائی چوکنا دکھائی دے رہا تھا۔

''کون ہو تم؟'' بندوق والے شخص نے پوچھا۔

''علی......'' لڑکے نے اپنا فرضی نام بتاتے ہوئے کہا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ مجاہدین کے ہاتھ لگا ہے اور کسی غیر کے نہیں۔ اس لئے وہ گھبرا نہیں رہا تھا۔

''اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو؟'' نقاب پوش نے دوبارہ پوچھا۔

لڑکے نے اپنا سارا ماجرا سنا دیا کہ کیسے وہ ٹریننگ کے لئے اس جنگل میں پہنچایا گیا اور اب کیوں وہ اپنی جگہ چھوڑ کر اس طرف آنکلا ہے۔ نقاب پوش نے سب سن کر اسے گلے سے لگایا اور اپنے ساتھیوں کے پاس لے آیا۔ یہ مجاہدین کا ایک اور گروپ تھا جو اس جگہ کو اپنا مسکن بنائے ہوئے تھا۔ انہوں نے اس لڑکے کو پانی دیا اور کچھ دیر ان کے ساتھ وقت گزارنے کا کہا۔ لڑکے کو اور کیا چاہیے تھا۔ اسے اس خوفناک جنگل میں ہمسفر مل گئے تھے۔ پانی، کھانا اور آگ مل گئی تھی۔ اس نے آفر ملتے ہی اسے ٹھکرانا کفرانِ نعمت سمجھا اور ہاں کر دی۔ جلد ہی وہ سب میں گھل مل گیا اور پھر اس نے اپنا بقیہ سارا وقت انہی کے ساتھ گزارنے کا سوچا۔ اسے امید تھی کہ ''شاہین'' کو پتہ چلنے پر وہ اس سے اس بات پر ناراض نہ ہوگا۔

☆......☆......☆

میری (جانباز) آنکھ کھلی تو تمام قیدیوں کو بیرکوں سے باہر نکال کر کھلے میدان میں لے جایا جا رہا تھا۔ سب کو ایک قطار میں کر کے آس پاس سپاہی پہرے دے رہے تھے۔ کھلے میدان میں لے جا کر سب کا نام لے کر حاضری لی جانے لگی۔ میں اچھا خاصا زخمی تھا، اسی لئے میں نے بیرک پر رہ کر آرام کرنے کا سوچا اور کہا لیکن کسی نے میری ایک نہ سنی اور میں بھی سب کے ساتھ اس وقت صحن میں کھڑا ہوا تھا۔ میرا جو فرضی نام میں نے ان کو بتایا تھا وہی پکارا گیا اور میں نے جواب دیا۔ میرا انگ انگ دکھ رہا تھا۔ انہوں نے میری ہلکی مرہم پٹی تو کر دی تھی مگر ان زخموں کے لئے کسی غیر معمولی ادویات کی ضرورت تھی۔

حاضری کے بعد قیدیوں کو مختلف کام دیے جانے لگے۔ کسی کو صفائی ستھرائی کا کام تو کسی کو اینٹیں ڈھونے کا کام تو کسی کو ٹرک سے سامان کا بوجھ اتارنے کا کام۔ میری حالت دیکھ کر سپاہیوں نے مجھے صفائی کا کام دے دیا۔ میں صفائی کرتے ہوئے آس پاس کے ماحول کا مسلسل جائزہ لیے جا رہا تھا اور ترکیب سوچ رہا تھا کہ یہاں سے کیسے بھاگا جا سکتا ہے۔

مگر یہاں کے حالات دیکھ کر میرے دماغ کی بیٹری نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ یہ جیل باقی تمام جیلوں سے سب سے زیادہ سخت تھی۔ یہاں قیدیوں پر بیہمانہ تشدد روزمرہ کا کام تھا۔ یہاں قیدیوں کو جانوروں سے بھی بدتر حالت میں رکھا جاتا تھا۔ اس لئے دل یہاں آ کر کچھ اداس سا ہو گیا تھا۔ اسی لئے دماغ نے سوچنا سمجھنا چھوڑ دیا تھا۔ جیل ایک آزاد انسان کے لئے شاید اس دنیا کی سب سے بڑی سزا ہوتی ہے۔ انسان کی فطرت آزاد فضا میں سانس لینے کی ہے۔ اس لئے جب وہ کسی ایسی جگہ چلا جاتا ہے جہاں ہر چیز کی پابندی ہوتی ہے تو وہ پگھل سا جاتا ہے۔ جیل اس دنیا کی بہت بڑی آزمائش ہے۔ بہت سخت آزمائش ہے...... بہت بڑی...... ہماری سوچ سے بھی زیادہ۔ اس لئے اس سے پناہ مانگنی چاہیے۔

خیر میں نے ہمت کر کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو دوبارہ بیدار کرنے کی کوشش کی اور آس پاس کے ماحول کا دوبارہ جائزہ لیا۔ بیرونی دیواریں جو دور سے مجھے نظر آئیں وہ کافی اونچی تھیں اور ان پر بنے ہوئے واچ ٹاور جو مسلسل ہر جگہ پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ دیواریں مکمل سپاٹ تھیں ان پر چڑھنا کسی بھی انسان کے لئے ناممکن تھا اور پھر پہرے کا سخت نظام جو یہاں تھا، وہ اس نے کسی جیل میں نہیں دیکھا تھا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ شاید میں اس جیل سے کبھی بھاگ نہ پاؤں گا کیونکہ ابھی تک مجھے کوئی کمزور پہلو نظر نہیں آ رہا تھا۔

خیر شام آنے کو تھی کہ سب کی دوبارہ حاضری لی گئی اور سب کو واپس بیرکوں میں دھکیلا جانے لگا۔ مجھے ایک الگ بیرک میں رکھا گیا۔ زخمیوں کو کچھ دنوں تک الگ رکھا جاتا تھا تاکہ جب وہ ٹھیک ہو جائیں تو پھر سب کے ساتھ رکھا جائے۔ اس کے علاوہ جو بہت ہائی ویلیو قیدی ہوتے تھے ان کو الگ بیرکوں میں رکھا جاتا تھا اور ان کو باہر بھی نہیں نکالا جاتا تھا یہاں تک کہ سالہا سال وہ سورج کی روشنی دیکھنے اور اسے محسوس کرنے سے بھی قاصر رہتے تھے۔

کچھ ہفتے یوں ہی گزر گئے۔ مجھے باہر کی کچھ خبر نہ تھی۔ اس دوران میں اپنی صحت پر دھیان دیتا رہا تاکہ مکمل طور پر فٹ ہو جاؤں تو یہاں سے بھاگنے کی کوشش کروں، اس دوران دو بار مجھے تفتیش کے لئے بلایا گیا لیکن میں اپنے بیان پر اڑا رہا وہی بیان جو میں پہلے گرفتاری کے وقت بھی دے چکا تھا۔ میری بات پر ان کو کچھ کچھ یقین آ گیا تھا۔ اس لئے مجھے ان کی باتوں سے لگا کہ وہ مجھے رہا کرنے لگے ہیں۔ یہ سوچ کر میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ رہا۔ شاید یہ میری لئے اللہ رب العزت کی طرف سے ایک تحفہ تھا۔ میری صحت اب بالکل ٹھیک ہو چکی تھی اور مجھے باقی قیدیوں کے ساتھ اب ہال نما بیرک میں رکھا گیا اور میں جلد ہی سب سے گھل مل گیا تھا۔

مجھے یہاں اٹھائیس دن ہو گئے تھے۔ اچانک ایک دن ایک سپاہی میرے پاس آیا اور مجھے کہنے لگا کہ خوش ہو جاؤ تمہیں افسروں نے رہا کرنے کا سوچا ہے۔ یہ سن کر میری خوشی دوبالا ہو گئی اور میں اسے اللہ کی طرف سے ایک غیبی مدد سمجھا۔ عام حالات میں ایسا نہیں ہوتا مگر نہ جانے میرے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا تھا۔ بہرحال میں نے شکرانے کے نوافل ادا کیے اور اپنی قریب آنے والی رہائی کا انتظار کرنے لگا اور پھر دو دن بعد مجھے خبر ملی کہ مجھے رہا کیا جا رہا ہے۔ اڑتالیس گھنٹوں کے اندر اندر آرڈر

آتے ہی مجھے رہا کر دیا جائے گا۔ اب اس خوفناک جیل میں میرا وقت بہت کم رہ گیا تھا۔

لیکن وہ ہو گیا جس کا مجھے گماں تک نہ تھا۔ آرڈر آنے میں ابھی چوبیس گھنٹے رہتے تھے کہ اچانک ایک کشمیری مجاہد کو ملنے آنے والے ایک آدمی نے ایک چٹھی دی جو مجھ تک خفیہ طور پر پہنچا دی گئی۔ یہ چٹھی "شاہین" کی طرف سے تھی۔ لکھا تھا کہ:

"میں جانتا ہوں تم اس جیل میں پھنس چکے ہو۔ اس جیل میں ہمارا ایک انتہائی قیمتی ساتھی ہے جسے ٹھیک اب سے دس دن بعد پھانسی دی جانی ہے۔ تم نے اسے کسی طرح اس جیل سے بھگانا ہے۔ میں جانتا ہوں یہ کام بہت مشکل ہے لیکن تم ہی میری واحد امید ہو۔ یہ ساتھی ہمارے لئے بے حد قیمتی ہے اور ہاں یہ مت سوچنا کہ مجھے کیسے تمہارے یہاں ہونے کا پتہ چلا، یہ معمولی بات ہے، تم جہاں ہوتے ہو میں پتا لگا لیتا ہوں۔ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔"

اور نیچے "شاہین" کے دستخط تھے اور میں ان کے دستخط لاکھوں میں پہچان سکتا تھا۔ خط تو سو فیصد اصلی تھا لیکن مسئلہ یہ تھا کہ میری رہائی کے آرڈر کسی بھی وقت جاری کیے جا سکتے تھے اور میں یہاں سے جانے والا تھا۔ اس لئے میں کس طرح اس ساتھی کو بچا سکتا تھا۔ زندگی نے ایک ایسے موڑ پر لا کر کھڑا کر دیا تھا کہ میں چاہ کر بھی کچھ نہیں کر پا رہا تھا۔ میں نے اس ساتھی سے فوراً ملنے کا فیصلہ کیا لیکن اسے ایک خصوصی بیرک میں رکھا گیا تھا۔ جہاں کسی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ مجھے یہ بات پتہ چل چکی تھی کہ اسے پھانسی دی جانے والی ہے۔ میں ایک بہت بڑے مخمصے کا شکار ہو گیا تھا۔ "شاہین" میرے لئے جو حیثیت رکھتے تھے وہ میں جانتا تھا۔ ان کی ہر بات میرے لئے مرنے جینے سے بڑھ کر تھی۔ اچانک ایک آئیڈیا میرے ذہن میں آیا اور میں نے اس پر عمل کرنے کا سوچا کہ شاید بات بن جائے اور مجھے کچھ دن مزید اس جیل میں رہنے کا موقع مل جائے۔ پلان تھوڑا خطرناک تھا لیکن اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

شام کا وقت ہو چکا تو حاضری لی جانے لگی اور سب کو بیرکوں کی طرف قطار کی صورت لے جایا جا رہا تھا۔ ہمارے ساتھ پولیس والے کتیں تھامے ساتھ ساتھ چل رہے ہوتے تھے۔ میرے پلان کا بھی سب سے اچھا وقت تھا۔ میں چلتے چلتے اچانک قطار سے ہٹ گیا اور الگ کھڑا ہو گیا۔ مجھے الگ ہوتا دیکھ کر دو پولیس والے فوراً میری طرف بڑھے اور ان میں سے ایک مجھ پر بری طرح چلانے لگا۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر مار دیا۔ تھپڑ شاید کچھ زیادہ ہی زور سے لگا کہ وہ سپاہی زمین پر گرتا چلا گیا اور سب قیدی چلتے چلتے دم بخود ہو کر مجھے دیکھنے لگے کہ شاید میرے دماغ کا فیوز اڑ گیا ہے۔ سب جانتے تھے کہ میں تو کچھ دنوں بعد رہا ہونے والا ہوں اور پھر یہ حرکت کیوں کر دی۔ تھپڑ لگتے ہی مزید پانچ، چھ اہلکار میرے پاس آئے اور مجھے ہتھکڑی لگا کر مکوں اور ٹھڈوں پر رکھ لیا۔ وہ مسلسل مجھے مار رہے تھے اور میرے زخم جو ابھی ہی مندمل ہوئے تھے دوبارہ سے ہرے ہو گئے تھے اور ان سے خون رسنے لگا تھا۔ وہ مسلسل مجھے مار رہے تھے اور رک ہی نہیں رہے تھے۔ میرا دم گھٹتا جا رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے ابھی سانسیں ختم جائیں گی……

☆......☆......☆

جنرل کرپاڈیا اپنی بم پروف گاڑی میں بیٹھا، اس پوری کارروائی کو لیڈ کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کیا وہ ناکام ہو جائے گا کہ اچانک واکی ٹاکی پر آواز آنے لگی۔ اس کا ایک کمانڈو اس سے مخاطب تھا:

"سر! آس پاس کے تمام گھروں کو بھی چھان مارا ہے لیکن ان کا کہیں وجود نہیں۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے ان کو آسمان کھا گیا یا زمین......" کمانڈو نے کہا۔

"نانسنس! کیا پہیلیاں بجھوا رہے ہو۔ وہ نہ ملے تو میں تمہیں زندہ کھا جاؤں گا۔" جنرل نے انتہائی غصے سے چیختے ہوئے کہا۔

"سوری سر!" کمانڈو نے فوراً معافی مانگتے ہوئے کہا۔ کیونکہ وہ اپنے خرد ماغ جنرل کو سمجھتا تھا۔

"گھر میں چھان بین کی؟ شاید کوئی تہہ خانہ ہو؟" جنرل نے پوچھا۔

"لیس سر! گھر کو بھی اچھی طرح کھنگال ڈالا ہے یہاں کوئی تہہ خانہ بھی نہیں ہے۔ دیواریں دیکھ لیں......؟"

"لیس سر! کھود کر دیکھ لیا ہے......" کمانڈو نے ابھی اتنا ہی کہا کہ اچانک شور سا بلند ہوا اور کمانڈو چیخنے لگا۔

"الو کے پٹھے...... نانسنس! یہ کیا گدھے کی طرح شور مچا رہے ہو...... میں تمہیں اسی وقت ڈسمس کر دوں گا۔" کرپاڈیا نے غصے سے باؤلے ہوتے ہوئے کہا۔

"سر......! سر......! مغربی دیوار کے ساتھ ایک سرنگ کا پتہ چلا ہے۔ مزید کیا حکم ہے......؟" کمانڈو نے جنرل کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے خوشی سے چیختے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے؟ میں جانتا تھا یہاں کچھ نہ کچھ گڑ بڑ ضرور ہے۔ سرنگ کو چیک کرو اور چپہ چپہ چھان مارو! ابھی اسی وقت......" جنرل نے شور مچاتے ہوئے چیخ کر کہا۔

"اوکے سر!" کمانڈو نے کہا۔

گھر میں ایک سرنگ مل چکی تھی، اب کمانڈوز انتہائی احتیاط سے سرنگ میں اتر رہے تھے کہ اچانک تیز فائرنگ سنائی دی اور چند کمانڈوز وہیں ڈھیر ہو گئے اور اب ہر طرف سے فائرنگ کی آوازیں سنائی دی جانے لگیں یوں لگا جیسے دو فوجیں آپس میں لڑ پڑی ہوں۔

"ہیلو! ہیلو! اندر کیا ہو رہا ہے؟" کرپاڈیا نے فائرنگ کی آواز سنتے ہی چیخ کر کہا۔

مگر......کوئی جواب نہیں آ رہا تھا......

☆......☆......☆

کیا جنرل کرپاڈیا اپنے مشن میں کامیاب ہو گیا؟ اور اس کے سینے پر مزید تمغے اور ایوارڈز سج گئے؟......

یا پھر پوری طرح ناکام ہو گیا؟ اور مجاہدین کامیاب ہو گئے؟

کیا جانباز......

اس خوفناک تشدد کے بعد کسی قابل رہ جائے گا؟

یا پھر......

سزائے موت کے اس قیدی کو اس خوفناک جیل سے چھڑوانے میں کامیاب ہو جائے گا؟

یا پھر......

ہمیشہ کے لئے یہی جیل اس کا مدفن بن جائے گی؟

یہ سب جاننے کے لئے پڑھتے رہیے...... میرا ......آپ کا......سب کا...... پیارا...... مسلمان بچے

☆......☆......☆

زبیر طیب

جانباز

قسط ۱۵

ہال نما کمرے میں ایک بڑی سی میز کے گرد دو لوگ بیٹھے تھے۔ ان دونوں کے چہرے سُتے ہوئے تھے اور شدید پریشانی کے عالم میں سر جھکائے وہ ایسے بیٹھے تھے جیسے انہیں کسی بات کا شدید غم ہو۔ ان میں سے ایک ملٹری انٹیلی جنس کا چیف اور دوسرا جنرل کرپاڈیا تھا۔ دونوں خاموش تھے اور انتہائی سخت ڈرے سہے ہوئے جیسے ابھی موت ان پر جھپٹ پڑے گی۔ اچانک ہال کا دوسری سمت میں موجود دروازہ کھلا اور وہاں سے ایک شخص نمودار ہوا۔ اس کے چہرے پر سخت غصے اور افسوس کا رنگ نمایاں دیکھا جاسکتا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا میز کے گرد رکھی درمیانی اور قدرے بڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں میں شکست صاف پڑھی جاسکتی تھی۔ اس کے آتے ہی دونوں پہلے سے موجود افراد اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر اس آدمی کے کہنے پر بیٹھ گئے۔ نمودار ہونے والا یہ آدمی انڈیا کا وزیر اعظم ”چار جپائی“ تھا۔

”بغیر کسی تمہید کے میں انٹیلی جنس چیف سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کشمیر میں کل کیا ہوا تھا؟“ وزیر اعظم نے انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"لیس سر! آپ کے کہنے کے مطابق میں کل والے واقعے کی مکمل جانچ پڑتال کرنے کے لئے اپنی ٹیم کے ساتھ خود کشمیر پہنچا اور جائے وقوعہ کو اپنے کنٹرول میں لے کر اچھی طرح چھان بین کی اور وہاں کارروائی میں حصہ لینے والے اہلکاروں سے بھی بیانات لیے تو اس کی تفصیل کچھ یوں بنتی ہے:

"جنرل کرپاڈیا خود اس کارروائی کی لیڈ کر رہے تھے۔ یہی سب کو احکامات دے رہے تھے اور مکان میں موجود کسی سرنگ کو تلاش کیا جا رہا تھا۔ جس کے بارے میں شبہ تھا کہ وزیر صاحب کو وہیں رکھا گیا ہے۔ عین آخری لمحات میں جب یہ آپریشن مکمل طور پر ناکام ہونے چلا تھا کہ اچانک ایک فوجی کو سرنگ کے آثار دکھائی دیے اور اس نے بغیر کسی کو بتائے سرنگ کھول دی اور فائرنگ شروع کر دی۔ فائرنگ سنتے ہی مزید کمانڈوز بھی وہاں پہنچے اور انہوں نے بھی فائرنگ شروع کر دی۔ سرنگ میں کچھ مجاہدین موجود تھے۔ انہوں نے پکڑے جانے کے ڈر سے جوابی فائرنگ شروع کر دی اور معاملہ زور پکڑ گیا۔ کمانڈوز نے بلا سوچ سمجھے کہ اندر ہمارے وزیر صاحب کو بھی کسی قسم کا نقصان پہنچ سکتا ہے بلا دریغ فائرنگ کر دی اور مجاہدین کی جوابی فائرنگ سے کچھ کمانڈوز مرے اور کچھ زخمی بھی ہوئے۔

سرنگ کے اندر سے بے حد شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اندر بڑی بھاری مقدار میں اسلحہ رکھا گیا ہے۔ ابھی اس لڑائی کو شروع ہوئے پانچ منٹ بھی نہیں گزرے ہوں گے کہ اچانک ایک کمانڈو نے اپنی جیکٹ کے ساتھ لگے گرینیڈ میں سے ایک گرینیڈ کی پن نکال کر سرنگ کے اندر پھینکنا چاہی مگر اس سے پہلے کہ وہ پھینکتا، اسے گولی لگی اور وہ وہیں گر گیا اور گرینیڈ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر وہیں گر گیا اور پھٹ گیا۔ اس گرینیڈ کے پھٹتے ہی مزید گرینیڈ جو اس کمانڈو نے جیکٹ کے ساتھ لگائے ہوئے تھے وہ بھی پھٹنے لگے اور کمرے میں گیس کا ایک سلنڈر بھی موجود تھا وہ بھی پھٹ گیا۔ یکے بعد دیگرے ان خوفناک دھماکوں سے پوری سرنگ بیٹھ گئی اور کمرے میں موجود چھ سے زیادہ کمانڈوز بھی مارے گئے اور سرنگ کے اندر موجود بھی تین مجاہدین مارے گئے اور بدقسمتی سے سرنگ کے اندر ہی ہمارے وزیر صاحب کو بھی انہوں نے رکھا ہوا تھا جو سرنگ کے بیٹھ جانے کی وجہ سے نہیں بچ سکے۔ بعد ازاں سرنگ کو صاف کر کے ان کی لاش کو نکالا گیا اور دارالحکومت روانہ کر دیا گیا۔ جہاں آج ان کو اعزازات کے ساتھ جلا دیا گیا ہے۔" ایک طویل گفتگو کے بعد انٹیلی جنس چیف نے سانس لیا اور گردن جھکا دی۔

"کیا اس ساری کارروائی میں جنرل کرپاڈیا کا کوئی قصور آپ کو نظر آتا ہے؟" وزیر اعظم نے کڑی نظروں سے کرپاڈیا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"جہاں تک انویسٹی گیشن ہوئی ہے اس کے مطابق ان

سے غلطیاں ضرور ہوئی ہیں۔ انہیں سب سے پہلے کمانڈوز کو یہ کہنا چاہیے تھا اور احکامات دینے چاہیے تھے کہ کچھ بھی ہو جائے گولی کوئی نہیں چلائے گا کیونکہ بہر حال وزیر صاحب ان کے پاس تھے تو ہمیں ان سے بات چیت کے ذریعے یا کسی اور خفیہ کارروائی کے ذریعے پہلے وزیر صاحب کو چھڑوانے کا سوچنا چاہیے تھا لیکن کمانڈوز نے ایسی احتیاط بالکل نہیں کی اور نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔" انٹیلی جنس چیف نے جواب دیا۔

"جنرل کرپاڈیا! کیا آپ کو اپنی صفائی میں کچھ کہنا ہے؟" اب تک خاموش بیٹھے اور ذلت و رسوائی کی تصویر بنے جنرل کرپاڈیا سے پہلی بار وزیر اعظم مخاطب ہوئے۔

"جی...... جی...... سس...... سر......! میرا کوئی قصور نہیں ہے لیکن میں پھر بھی آپ سے اور قوم سے معافی چاہتا ہوں۔ میں وزیر صاحب کا بدلہ ہر ہر کشمیری سے لوں گا۔ اس کے ہر ہر بچے کو وزیر صاحب کے خون کا حساب چکانا ہوگا۔" یہ کہہ کر کرپاڈیا نے اپنا سر جھکا لیا۔

"جنرل! یہ ہماری بہت بڑی شکست ہے۔ تمہیں کچھ سوچ سمجھ کر حکمت عملی اپنانی چاہیے تھی۔ میں تمہارا کورٹ مارشل کا سوچ رہا ہوں۔" وزیر اعظم نے انتہائی سخت لہجے میں کہا۔

"نہیں سر......! میں نے اپنی زندگی کے قیمتی سال، اپنی جوانی سب ہندوستانی فوج کے نام کی ہے، سر......! آپ کو بھگوان کا واسطہ میرے ساتھ ایسا سلوک نہ کریں۔ مجھے ایک موقع دیں۔ جیسا آپ چاہیں گے ویسا ہوگا۔ میری یہ خطا معاف کر دیں۔ پلیز......!" جنرل کرپاڈیا نے کورٹ مارشل کا سنا تو تھر تھر کانپتے ہوئے پروٹوکول بھول کر وزیر اعظم کے پاؤں پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"جنرل! میں تمہاری غلطی کو نہیں معاف کر سکتا لیکن تمہاری رگ رگ میں کشمیری مسلمانوں کی دشمنی کی وجہ سے تمہاری یہ خطا معاف کرنے کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے لیکن یہ دیکھ لو کہ اگر اس بار تم بچ گئے تو اگلی بار کسی غلطی پر نہیں بچ سکو گے۔ تمہیں اذیت ناک موت کے حوالے کر دیا جائے گا۔ کیونکہ انڈیا کشمیر پر اپنے تمام تر وسائل بروئے کار لا رہا ہے اور پھر بھی ایسی شرمناک شکست کے ذمہ دار صرف تم ہو۔ آئندہ ایسی خطا ہوئی تو تمہاری سزا بدترین ہوگی۔ میٹنگ برخاست کی جاتی ہے۔" وزیر اعظم نے انتہائی سخت لہجے میں کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور جس طرف دروزے سے آئے تھے اسی دروازے سے واپس چلے گئے اور جنرل کرپاڈیا اپنی جگہ سے اٹھا اور سر جھکائے وہ بھی میٹنگ ہال سے باہر آ گیا۔

☆......☆......☆

وہ لڑکا "شاہین" کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ جسے جنگل میں تین دن کے لئے اکیلا تنہا چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس لڑکے کو لینے کے لئے شاہین نے کچھ لوگ بھیجے تھے اور وہ لڑکا صحیح سالم ان کو مل گیا اور اب ایک خفیہ مقام پر وہ شاہین کے سامنے بیٹھا ساری کارگزاری سنا چکا تھا۔

شاہین نے کارگزاری سننے کے بعد آگے بڑھ کر اس کا ماتھا چوما اور کہا:

"میں تم میں کشمیر کا ایک "جانباز" دیکھتا ہوں اور آج سے تمہیں "جانباز" کا خطاب دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر شاہین نے اسے گن تھمادی جو اس لڑکے نے جواب "جانباز" بن گیا تھا بڑے احترام اور محبت و عقیدت سے لے لی۔

اس کے بعد شاہین نے "جانباز" کو کچھ نصائح کیے اور اسے کام کرنے کی اجازت دے دی۔

"میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔" جانباز نے کہا۔

"ہاں میرے بچے! کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔" شاہین نے کہا۔

"میں جانتا ہوں کہ کشمیر کے محاذ پر ہم سب مل کر اور اکھٹے انڈین آرمی کے خلاف جدوجہد کرتے ہیں۔ کارروائیاں کرتے ہیں۔ لیکن میں کشمیر جہاد کو ایک نئی جہت دینا چاہتا ہوں۔ میں اکیلا لڑنا چاہتا ہوں۔ میں تنہا ہی کارروائیاں کرنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ مجھے اس کی اجازت دے سکتے ہیں؟"

"تم یہ بات جانتے ہو کہ کشمیر میں کم از کم ایسا ناممکنات میں سے ہے۔ لیکن اگر تمہاری خواہش ہے تو میں تمہیں روکوں گا نہیں۔ یہ خطرات سے بھرا راستہ تمہیں کندن تو بنائے گا ہی "ایک جانباز" بھی بنا دے گا۔ جس پر کشمیر کی دھرتی ہمیشہ فخر کرے گی۔ تمہیں جب بھی میری یا میرے ساتھیوں کی ضرورت پڑے گی تو ہم حاضر ہوں گے اور کبھی ہمیں ضرورت پڑی تو ہم تمہیں یاد کریں گے۔ اب تمہیں اجازت دیتا ہوں۔ اب تمہیں اپنی منزل خود طے کرنی ہے۔" یہ کہہ کر شاہین نے اس لڑکے کو الوداع کیا اور اس کے سب ساتھیوں نے اسے گلے لگ کر دعاؤں میں رخصت کیا۔

وہ لڑکا اس خفیہ سینٹر سے نکل کر دو دن مسلسل سفر کرنے کے بعد مختلف راستوں سے ہوتا ہوا اپنے گھر پہنچ گیا۔ ماں نے دیکھا تو ایسی خوش ہوگئی جیسے اسے جنت مل گئی ہو۔ اس نے پورا ایک مہینہ اپنے گھر والوں کے ساتھ گزارا اور پھر ایک نئے مشن پر نکل کھڑا ہوا۔

وہ بجلی بن کر کڑکا...... بادل بن کر گرجا...... اور بارش بن کر قہر کی طرح برسا...... اس نے کئی کارروائیاں کیں۔ انڈین فوجیوں کو ناکوں چنے چبوائے۔ اس نے کئی کامیاب معرکے سر کیے۔ اس کے سر کی قیمتیں رکھی گئیں۔ وہ ایک چھلاوے کی طرح نکلا۔ اس کا نام، اس کی حیثیت، اس کی شکل وصورت اور اس کا سراغ لگانے کے لیے انڈین خفیہ ایجنسیز نے بہترین کمانڈوز اور جاسوسوں کو استعمال کیا لیکن وہ ناکام رہے۔ وہ کئی بار پکڑا گیا لیکن ہر بار شناخت نہ ہونے کی وجہ سے بچ جاتا اور کئی بار بھاگ جاتا۔ اس نے کشمیر کے محاذ کو ایک نئی جہت دی، ایک نئی طاقت دی اور وہ انڈین فوج کے لیے مستقل دردِ سر بن گیا۔

اس نے مزید کیا کیا کارنامے سرانجام دیے یہ آپ پڑھ ہی رہے ہیں۔ اب دیکھیں کب تک جانباز آپ کے

دلوں کو گرماتا رہتا ہے۔

☆......☆......☆

مجھے (جانباز) کو مار مار کر ادھ موا کر دیا گیا تھا۔ میری حالت غیر ہو گئی تھی اور سانسیں اکھڑ چکیں تھیں۔ اسی اثناء میں میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور میرے سوچنے سمجھنے اور دیکھنے کی صلاحیت مکمل ختم ہو چکی تھی۔ تب مجھے ایسا لگا کہ شاید میری زندگی کا یہ آخری لمحہ ہے۔

اچانک میری آنکھ کھلی تو میں ایک سپیشل بیرک میں تھا جو خاص قیدیوں کے لئے بنائی گئی تھی۔ میں نے لیٹے لیٹے اپنے جسم پر نگاہ ڈالی تو کپڑے جگہ جگہ سے پھٹ چکے تھے اور زخموں سے جسم بھرا ہوا تھا۔ ان سے خون رس رہا تھا۔ مجھے شدید پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے ہمت کر کے آواز لگائی تو ایک پہریدار آیا تو میں نے اسے پانی لانے کا کہا۔ اس نے ایک بڑی سی گالی دے کر مجھے چپ کرنے کا کہا اور چلا گیا۔ میرے انگ انگ سے ایسی آگ نکل رہی تھی گویا ابھی کسی جلتے ہوئے تنور سے نکل کر آیا ہوں۔ درد کی شدت سے نہ جانے کب پھر دوبارہ میں بے ہوش ہو چکا تھا۔

اور یہ بے ہوشی کا لمحہ نہ جانے کتنا رہا۔ مگر جب ہوش آیا تو حیران رہ گیا۔ میرے سر پر اور جسم کے بقیہ حصے پر اچھا صاف ستھرا لباس تھا اور جگہ جگہ بینڈیج بھی کی گئی تھی۔ میرے زخم صاف کر کے ان پر مرہم لگائی گئی تھی اور مجھے واپس میری بیرک میں پہنچا دیا گیا تھا۔ میری آنکھ کھلنے پر مجھے کھانا بھی دیا گیا جو میں نے بمشکل زہر مار کیا۔ درد ابھی بھی بہت تھا مگر قابل برداشت تھا۔ صبح ہوتے ہی دوبارہ سے جیل کی روٹین شروع ہو گئی لیکن مجھے بیرک سے نکال کر دھوپ میں لے جا کر بٹھا دیا گیا اور کسی قسم کا کام نہیں دیا گیا۔

چنانچہ میں نظروں ہی نظروں میں جیل سے بھاگنے کی تجاویز سوچنے لگا لیکن واقعی یہاں سے بھاگنا بہت مشکل معلوم ہو رہا تھا۔ خاص کر ایسی صورتحال میں جب مجھ پر ایک انسان کو زندہ سلامت یہاں سے نکالنے کا حکم ملا ہو۔ میں ہر ہر چیز کو بغور دیکھ رہا تھا۔ لیکن ہر طرف کڑا پہرا اور ہر طرف خاردار تاروں کا جال۔ یہاں سے نکلنا صحیح سالم بہت مشکل نظر آ رہا تھا۔

شام ہو چکی تھی اور قیدیوں کی حاضری لے کر انہیں بیرکوں میں دھکیلا جا رہا تھا۔ میں نے بھی اپنی بیرک میں آ کر اللہ کے حضور عبادت کر کے خوب گڑگڑا کر مدد مانگی اور سو گیا۔

صبح ہوئی اور دوبارہ سے ہمیں باہر دھوپ میں نکالا گیا۔ اب صرف آٹھ دن بچے تھے اور میری حالت بھی آہستہ آہستہ ہی معمول پر آ رہی تھی۔ اہلکاروں کی زبانی پتا چلا کہ میری اس حرکت کی وجہ سے میری رہائی کے احکامات منسوخ ہو چکے ہیں۔ لیکن مسئلہ اب صرف یہ تھا کہ کیا میں نے جس مقصد کے لئے یہ سب کام کیا۔ کیا وہ کام پایہ تکمیل پر پہنچ سکے گا۔ یہ بہرحال وقت ہی بتائے گا۔ مجھے

ادھر ادھر حالات کو دیکھ کر بہر حال جلد ہی کوئی نہ کوئی فیصلہ لینا تھا۔ آج بھی میرے طبیعت کو دیکھتے ہوئے اہلکاروں نے مجھے کام نہ دیا اور میں نے اس بار پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اب میں فارغ بیٹھ کر جیل کی درودیوار اور فوجیوں کی نقل و حرکت کو اچھی طرح ذہن میں محفوظ کر رہا تھا۔

میں نے اپنے ذہن میں بہت سی ترکیبیں سوچیں لیکن پھر خود ہی اس ترکیب کو چھوڑنا پڑتا کیونکہ وہ نا قابل عمل ہوتی تھی یا اس میں خطرات بہت زیادہ ہوتے تھے۔ بہر حال شام تک ایک اچھی ترکیب میرے ذہن میں آچکی تھی اور میں اگلے دن سے اس پر کام کرنے والا تھا۔ میری طبیعت اب کافی سنبھل چکی تھی۔ میں رات کو گڑ گڑا کر اللہ تعالیٰ کے حضور نصرت طلب کی اور پھر اطمینان سے سو گیا۔

اگلے دن کا سورج جیسے ہی نمودار ہوا ہمیں بیرکوں سے نکال کر باہر لے جایا گیا اور مجھے آج کام دیا گیا۔ میں نے اہلکار کو منت سماجت کر کے باہر سے آنے والی گاڑیوں میں سے بوریاں اتارنے کا کام مانگا۔ پہلے تو وہ حیران ہوا کہ ایسی حالت میں، میں کیوں ایسا کام مانگ رہا ہوں لیکن اس نے اجازت دے دی اور میں باہر کی گاڑیوں سے آنے والے سامان کو اتارنے لگا۔ یہ سامان بوریوں کی شکل میں ہوتا تھا۔ اس میں راشن اور دوسری ضرورت کی اشیاء ہوتی تھیں۔ ہر قیدی کی پیٹھ پر ایک ایک بوری لاد دی جاتی اور پھر کچھ ہی دور ایک گودام میں ان بوریوں کو رکھا جاتا۔ یہ سب کچھ اہلکاروں کی نگرانی میں سرانجام دیا جاتا تھا۔ میرے ذہن میں جو ترکیب آئی تھی وہ انہیں بوریوں کے متعلق تھی۔ لیکن مجھے جیل اہلکاروں سے بچ کر یہ کام کرنا تھا۔ جب تیسری بوری لادی گئی اور میں اسے اتارنے کے لئے گودام گیا تو اہلکار سگریٹ پینے میں مشغول تھا۔ میں نے چپکے سے وہاں موجود دو خالی بوریوں کو اٹھایا اور اپنی قمیص کے نیچے چھپا لیا اور گودام سے باہر آ کر طبیعت کی خرابی کا بہانہ بنا کر اپنی بیرک میں آ گیا۔ اہلکار جانتے تھے کہ ابھی میرے زخم پوری طرح مندمل نہیں ہوئے اسی لئے انہوں نے نرمی کا مظاہرہ کر کے مجھے میری بیرک میں پہنچا دیا۔ میں پہلے ہی مرحلے میں دو بوریاں اٹھانے میں کامیاب ہو گیا تھا مگر ابھی بھی مجھے کم از کم پندرہ سے کچھ اوپر بوریوں کی ضرورت تھی۔ لیکن اتنی بوریاں حاصل کرنا اور پھر ان کو اپنی بیرک میں پہنچانا اور پھر ان کو چھپانا بڑی جان جوکھوں کا کام تھا۔

☆......☆......☆

جانباز ان بوریوں سے کیا مدد لینا چاہتا تھا......؟

کیا وہ اس قدر سخت جیل سے بھاگنے اور اپنے ساتھی کو بچانے میں کامیاب ہو جائے گا......؟

کیا جنرل کرپاڈیا اپنی اس شکست کا بدلہ لے گا یا مزید شکستیں اس کا مقدر بن جائیں گی......؟

یہ سب جاننے کے لئے پڑھتے رہیے مسلمان بچے......

☆......☆......☆

جانباز

زبیر طیب

قسط ١٦

وہ نہایت گہری سوچ میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک آواز ابھری۔

"مے آئی کم ان سر!"

"یس" جنرل کرپاڈیا نے سر اٹھایا اور قدرے ناخوشگوار سے لہجے میں اندر آنے کی اجازت دے کر پھر سے گہری سوچ میں کھو گیا۔ وہ جب سے دہلی سے واپس آیا تھا مسلسل پریشان اور خاموش رہنے لگا تھا۔ وزیراعظم نے اس کی بے انتہا بے عزتی کر دی تھی اور اسے آخری وارننگ دی تھی جس کی وجہ سے وہ غصے اور پریشانی کی ملی جلی کیفیت میں مبتلا تھا۔

"سر! میں میجر پراگ" اجازت لینے والے نے اندر آ کر جنرل کو خاموش بیٹھا دیکھ کر قدرے اونچی آواز میں کہا۔

"تو میں کیا کروں......؟" جنرل نے چونک کر قدرے غصے سے جواب دیا۔

"سر! میں میجر پراگ...... آپ نے مجھے دہلی ہیڈکوارٹر سے کال کر کے بلایا تھا۔ کاغذی کارروائی میں خاصی دیر لگ گئی جس کی وجہ سے میں لیٹ ہو گیا۔ سوری سر!" میجر پراگ نے جواب دیا۔

"اوہ! اچھا تم ہو میجر...... میں تو بھول ہی گیا تھا۔ اب مجھے یاد آیا کہ میں نے تمہیں یہاں آ کر مشن سنبھالنے کا کہا تھا۔" جنرل کرپاڈیا اب اپنی سوچوں سے نکل آیا تھا اور غور سے میجر کو دیکھ رہا تھا۔

میجر پراگ کا کچھ تعارف پہلے گزر چکا ہے۔ یہ انتہائی ذہین اور تیز طرار آفیسر تھا۔ ایک مشن کے دوران غلطی کرنے کی وجہ سے اسے فیلڈ سے ہٹا کر آفس ورک دے دیا گیا تھا۔ لیکن جنرل کرپاڈیا جانتا تھا کہ یہ شخص اگر کام کرنے پر آئے تو اس کی آدھی سے زیادہ پریشانی دور

ہوسکتی ہے۔ چنانچہ وہ انتہائی سنجیدگی سے پچھلے تمام واقعات کو کھل کر بیان کرتا چلا گیا کہ کیسے آتنک وادیوں کا پلڑا بھاری رہا ہے اور وہ ہر دفعہ چکمہ دے کر نکلنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ اس نے میجر کو جانباز کے بارے میں بھی بتایا کہ کیسے اس نے پچھلے کئی برس سے چھلاوہ بن کر انڈین آرمی کو ناکوں چنے چبوائے ہیں۔

''میں نے تمہیں سب حالات بیان کر دیے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ تم اپنے یہاں آنے کو بامقصد بناؤ گے۔ میں آج ہی تمہارے لئے احکامات جاری کروادیتا ہوں۔ آج سے تم میرے نمبر 2 ہو گے۔'' جنرل کرپاڈیا نے ایک امید بھری سانس لی اور اپنی طویل گفتگو ختم کردی۔

''سر! میں نے حالات کو بہت غور سے سنا ہے اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہماری ناکامی میں زیادہ تر ہاتھ ہمارا اپنا ہی ہے۔ ہم اپنا ہی نقصان خود کر کے بعد میں پچھتاتے رہتے ہیں۔ اس لئے سر! میں آپ سے کوئی ڈیمانڈ نہیں کرتا سوائے ایک چیز کے...... مجھے اور میری ٹیم کو کھل کر کام کرنے کی اجازت دیجئے۔ ہمیں ریڈ پاس چاہئیں تاکہ ہم جس وقت مرضی چاہیں پورے کشمیر کے کسی گھر، کسی ہوٹل، کسی علاقے، کسی چھاؤنی اور کسی بھی سینٹر اور جیل وغیرہ میں بلا روک ٹوک اور اجازت کے بغیر آجا سکیں۔'' میجر پراگ نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے میجر! تم اپنی مرضی کی ٹیم منتخب کر سکتے ہو۔ تمہیں ریڈ پاس بھی جاری کر دیے جائیں گے اور تم آج سے کام شروع کر دو گے۔ دیکھو میجر! تم جو کہو گے میں کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن مجھے رزلٹ چاہیے۔ ہر صورت میں اور جلد...... انتہائی جلد...... میں اب مزید برداشت نہیں کرسکتا۔'' جنرل کرپاڈیا نے میز پر مکہ مارتے ہوئے جوش بھرے لہجے میں کہا۔

''سر! میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا اور جلد از جلد رزلٹ دینے کی کوشش کروں گا۔'' میجر نے جواب دیا۔

''بیسٹ آف لک میجر! اب تم جاسکتے ہو!'' جنرل کرپاڈیا نے میجر کو اجازت دی۔

☆......☆......☆

میں (جانباز) نے اچھی خاصی بوریاں جمع کر لیں تھیں۔ میرے لیے انہیں چھپانا سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ کیونکہ کسی کی بھی اچانک نظر پڑ سکتی تھی اور میں پھر ایک لمبے عرصے کے لئے جیل کی سلاخوں کے پیچھے چلا جاتا۔ میں اپنے بستر کے نیچے ان کو چھپاتا چلا آرہا تھا۔ جس مجاہد کو میں نے یہاں سے بھگانا تھا، وہ ابھی بھی ڈیتھ سیل میں موجود تھا جہاں انتہائی کڑا پہرا موجود ہوتا ہے۔ ہمارے پاس صرف چار دن باقی تھے اور پلاننگ بھی کوئی اتنی اچھی نہیں تھی۔ امید تھی تو صرف اللہ رب العزت کی ذات سے کہ وہی کوئی راہ نکالے گا اور مجھے میرے مشن میں سرخرو کرے گا۔

آپ کے ذہن میں یہ سوال ضرور ابھر رہا ہوگا کہ آخر میں ان بوریوں کا کیا کر رہا ہوں اور ان کے سہارے کیسے بھاگ پاؤں گا؟ تو اب آپ کا تجسس دور کر رہا ہوں اور بتا رہا ہوں (لیکن خیال رہے آپ جیل حکام کو نہ بتا دیجئے گا)

میں ہر روز ایک یا دو بوریاں لیتا اور پھر بیٹھ کر ان
بوریوں کو کھولتا تھا۔ یہ بوریاں رسی کی بنی ہوتی تھیں۔ میں
احتیاط سے ہر بوری کی رسی کو کھولتا اور یوں ایک بڑی رسی
بن جاتی۔ لیکن کافی کمزور۔ چنانچہ اس رسی کو مضبوط کرنے
کے لئے دوسری بوری کی رسی ملاتا اور اسے بھی کھول کر اس
رسی میں شامل کر دیتا اور پھر مضبوطی دیکھتا۔ یوں کرتے
کرتے میں نے کئی بوریاں کھول کر رسیاں ترتیب دے
لیں اور پھر ان رسیوں کو سیڑھی کی طرز پر بننا شروع کر دیا۔
جس طرح سیڑھی ہوتی ہے چھت پر چڑھنے کے لئے
بالکل ویسے ہی میں رسی کو ترتیب دے رہا تھا۔ میں نے
باہری دیوار کی اونچائی کا جائزہ لیا تھا۔ مجھے اس کی لمبائی کا
اچھی طرح اندازہ ہو چکا تھا اس لئے میں بڑے اطمینان
سے رسیوں کی یہ سیڑھی ترتیب دے رہا تھا۔ اب تک
آدھے سے زیادہ سیڑھی بن چکی تھی۔ اب میرے لئے
صرف یہ مسئلہ تھا کہ کسی طرح ڈیتھ سیل میں موجود اس
مجاہد ساتھی تک میری رسائی ہو جائے۔

اس کے لئے میں نے جیل میں موجود ایک بہت
پرانے اور معمر قیدی سے رابطہ کیا۔ وہ یہاں پچھلے بارہ برس
سے قید تھے۔ ان کے تعلقات جیل حکام اور سپاہیوں سے
بہت اچھے تھے۔ انہوں نے ڈیتھ سیل میں موجود پہرے
پر کھڑے ایک سپاہی سے بات کی جو تھوڑے بہت پیسوں
کے لالچ میں مان گیا اور اس نے اس مجاہد ساتھی کو
میڈیکل چیک اپ کے لیے لے جانے کے بہانے مجھ
سے ملوا دیا۔ میں نے اس کو بتایا کہ آپ کو چھڑوانے کے
لئے حکم آیا ہے اور میں مسلسل اسی کوشش میں لگا ہوں۔
آپ بھی دعا کریں کہ اللہ مجھے اور آپ کو رہائی نصیب
فرمائے۔ وہ مجاہد ساتھی پہلے تو اس بات کو مذاق سمجھا لیکن
جب میں نے اسے پلان کے بارے میں بتایا تو وہ حیران
ہوا اور سجدے میں گر گیا۔ ہماری ملاقات بہت مختصر وقت
کی تھی۔ لیکن یہ بھی اللہ کا بڑا احسان ہوا کہ ہماری ملاقات
ہو گئی۔ اب میں مزید اچھے طریقے سے سوچ اور سمجھ سکتا تھا
اور ایک بہتر پلان بنا سکتا تھا۔

زندگی میں کبھی کبھی ایسے واقعات بھی رونما ہو جاتے
ہیں کہ کبھی ان کے بارے میں سوچو تو حیرانی ہوتی ہے کہ
ایسا کیسے ہو گیا۔ ہمارے ساتھ بھی کچھ ایسا انہونا ہونے
والا تھا جس کا یقین کسی کو مشکل سے ہی آ سکتا تھا۔ رسیوں
کی وہ سیڑھی اب تقریباً تیار تھی اور میرے پاس صرف
اڑتالیس گھنٹوں کا وقت تھا۔

اگلے دن میں نے باہری دیوار کا ایک بار پھر جائزہ
لیا اور تفصیل سے اسے دیکھا۔ وہاں موجود واچ ٹاور کا
معائنہ کیا۔ دن کے وقت یہاں سے نکلنا تقریباً ناممکن
تھا۔ اسی لئے رات کا وقت پھر بھی کچھ صحیح معلوم ہوتا تھا
کیونکہ رات کو دو تین باتیں میرے حق میں جاتی تھیں۔
اکثر سپاہی نشے میں دھت ہوتے تھے اس لئے ان کی
طرف سے نگرانی کا زیادہ خوف نہیں تھا۔ صحن میں زیادہ تر
اندھیرا رہتا تھا لیکن واچ ٹاور سے وقتاً فوقتاً ایک خاص
ٹائم کے بعد چاروں طرف لائٹ ماری جاتی تھی۔ باقی
چاروں طرف اندھیرا ہی رہتا تھا۔

میرے لئے اب دو مسئلے بہت اہم تھے۔ پہلا یہ کہ
کس طرح اس قیدی کو ڈیتھ سیل سے نکالا جائے اور دوسرا

کہ کس طرح میں ان لائٹوں سے بچ کر دیوار پر رسیوں کی یہ سیڑھی پھینکوں اور پھر کیا ہمیں اتنا وقت مل جائے گا کہ ہم اس سیڑھی پر چڑھ کر لائٹ کے دوبارہ ہم تک پہنچنے سے پہلے دیوار کود جائیں گے؟

آج تک اس جیل کی تاریخ رہی ہے کہ یہاں سے بھاگنا تو دور کی بات کوئی بھاگنے کا سوچ بھی نہیں سکا، لیکن میرے نزدیک دنیا کا کوئی کام مشکل نہیں، اگر انسان ہمت کرے اور عزم مصمم ہو تو بڑی سے بڑی مشکل حل کی جا سکتی ہے۔ بڑی سے بڑی دیوار کو گرایا جا سکتا ہے۔ خود پر بھروسہ ہو تو ناممکن کو ممکن بنایا جا سکتا ہے۔

بس ہمیں یہ ہمت کرنی تھی اس کے بعد اللہ پر بھروسہ کرنا تھا۔ اگر کامیاب ہوئے تو فتح و کامرانی اور ناکام ہوئے تو بھی شہادت۔ ناکامی تو کسی صورت بھی نہیں تھی۔ میں نے ایک سنتری کو کچھ روپے دے کر رات کے وقت اپنی بیرک کا دروازہ کھلا رکھنے پر راضی کر لیا تھا۔ اصل میں مجھے واچ ٹاور پر گھومنے والی لائٹ کا دورانیہ دیکھنا تھا اور پھر ڈ۔ تھ سیل کے پہریداروں کی ترتیب دیکھنی تھی اور اسے وہاں سے نکالنے کی حکمت عملی اپنانی تھی۔ مجھے رات کو سنتری نے بیرک کے باہر جانے دیا۔ سنتری کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ میں یہاں سے بھاگنے کا پلان بنا رہا ہوں۔ قیدی اکثر رقم دے کر رات کی ٹھنڈی ہوا کا مزہ لیا کرتے تھے، اس لئے سنتری نے مجھ سے بھی کوئی پیش رفت نہ کی اور مجھے بیرک کے باہر جانے دیا۔

میں باہر نکل کر صحن میں پہنچا اور واچ ٹاور میں موجود سرچ لائٹوں کی نقل و حرکت کو کافی دیر تک غور سے دیکھتا رہا۔ ایک بار دیوار پر لائٹ پڑنے کے بعد کم و بیش 2 منٹ تک دوبارہ لائٹ وہاں پڑتی تھی۔ یعنی سیڑھی لگانے اور اوپر چڑھنے کے لئے ہمارے پاس صرف دو منٹ تھے۔ یہ جائزہ لینے کے بعد میں واپس بیرکوں میں آیا اور ڈ۔ تھ سیل کا دور سے نظارہ کرنے لگا۔ وہاں ایک سنتری ہی نظر آیا جو اپنی لاٹھی کے سہارے اونگھ رہا تھا۔ ایک سنتری میرے لئے کچھ معنی نہیں رکھتا تھا۔ لیکن کیا اس کے پاس سیل کی چابیاں بھی ہوں گی یہ سوال البتہ قابل غور تھا۔ لیکن اب غور یا مزید سوچنے کا وقت نہیں تھا، اب صرف امید تھی اور ایک عزم کہ مشن کو پورا کرنا ہے۔ اپنے امیر کی اطاعت کرنی ہے۔ چاہے اس کے لئے جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔

میں نے دن کے وقت دوبارہ سنتری سے بات کر کے اس مجاہد ساتھی سے ملاقات کی اور اسے آج کے بھاگنے کا پلان سمجھانے لگا۔ اس نے بھی ہاں میں ہاں ملائی اور تیار ہو گیا۔

مغرب کے وقت میں نے سنتری سے بات کر کے آج کی رات بھی باہر گزارنے کا کہا۔ وہ راضی ہو گیا اور میں رسیوں کی سیڑھی کی مضبوطی چیک کر کے اسے تیار کرنے لگ گیا اور پھر کافی دیر تک سجدے میں گر کر اللہ رب العزت سے اپنے مشن کی کامیابی کی دعا مانگتا رہا۔

☆......☆......☆

میجر پراگ نے فیلڈ میں آتے ہی ایسی کھلبلی مچائی کہ پورے کشمیر کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس نے ہر جگہ طوفانی دورے کیے۔ اپنے جاسوسی سینٹرز کو فعال بنایا اور پکڑ دھکڑ

شروع کر دی۔ اس نے صرف دو دن میں بارہ سو سے زائد افراد کو گرفتار کیا اور ٹارچ سیلوں میں ان کو لا لا کر تشدد کا نشانہ بنایا۔ بالآخر اس کو ایک ایسا قیدی مل گیا جو اس کے لئے انتہائی کام کا ثابت ہوا۔

"مجھے بتاؤ وہ کہاں ہے؟ ورنہ تمہاری کھال ادھیڑ کر رکھ دوں گا" میجر پراگ کے ہاتھ میں زنجیروں کا ایک بڑا گچھا سا تھا جو وہ ایک شخص پر جنونیوں کی طرح برسا رہا تھا۔

"مجھے نہیں پتا......" وہ شخص بہت ہلکی آواز میں مسلسل کہہ رہا تھا۔

"مجھے مکمل مخبری ہے کہ تم جانباز اور اس کے باس کے درمیان رابطے کا کام کرتے ہو۔ اطلاع پکی ہے اس لئے تمہیں یا تو بتانا ہوگا یا پھر یہ مار برداشت کرنا ہوگی۔" یہ کہہ کر وہ پھر سے زنجیریں برسانے لگا اور برساتا چلا گیا۔ بالآخر وہ شخص ہمت ہار گیا اور بول اٹھا۔

انسان آخر انسان ہوتا ہے۔ برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ جب وہ حد ختم ہو جاتی ہے تو پھر انسان خود کو بے دست و پا سمجھنے لگتا ہے۔ وہ خود کو بھول کر دوسرے کا تابع ہو جاتا ہے۔ اس پل اس کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا بول رہا ہے، کیا کر رہا ہے اور کیا سوچ رہا ہے۔

"جانباز ایک جیل میں قید ہے اور وہ جلد وہاں سے بھاگنے والا ہے۔" یہ کہہ کر وہ شخص بے ہوش ہو گیا۔ میجر پراگ نے اسے بیڑیوں سے ہٹا کر اس کی مرہم پٹی کی اور پھر اسے ہوش دلا کر مزید ساری تفصیل پوچھی اور اپنی ٹیم کو تیار رہنے کا کہہ کر وہ روانہ ہو گیا۔ اس نے جیل حکام کو خبردار نہیں کیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ مجاہدین کا جاسوسی سسٹم بھی بہت فعال ہے۔ یہ نہ ہو کہ وہاں اطلاع پہنچے اور وہ پہلے ہی نکل جائے۔

میجر پراگ نے اس شخص کا کلیو بہت مشکل سے ڈھونڈا تھا۔ اس شخص کو ڈھونڈنے کے لئے اس نے اپنے بہترین چار ساتھی بھی کھوئے اور بارہ سے زائد کشمیریوں کا خون بھی کیا، تب جا کر انڈین آرمی کو پہلی بار جانباز کے بارے میں بڑی اہم اطلاع ملی جس پر میجر پراگ انتہائی خوش دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے لئے سب سے اہم بات یہ تھی کہ جانباز کسی آزاد جگہ نہیں بلکہ ایک بڑی، خوفناک اور اذیت ناک جیل میں قید تھا۔ اس لئے میجر پراگ کو جا کر صرف اسے اپنے ساتھ لانا تھا اور کچھ نہیں کرنا تھا۔

میجر پراگ اپنی ٹیم کے ساتھ انتہائی سرعت سے روانہ ہو گیا۔

☆......☆......☆

وقت ہو چکا تھا۔ میں نے اپنے سونے کی جگہ پر ایک دو چادریں اور کچھ برتن رکھے اور اوپر کمبل سے انہیں ڈھانپ دیا۔ دور سے دیکھنے سے یہی پتا چلتا تھا کہ کوئی سو رہا ہے۔ اس کے بعد میں نے رسیاں اٹھائیں اور احتیاط سے باہر صحن تک آیا اور انہیں ایک جگہ چھپا کر رکھ دیا۔ اب میرے لئے بڑا مشکل مرحلہ عبور کرنا تھا۔ میں اللہ کا نام لے کر ڈ-تھ وارنٹ سیل کی جانب روانہ ہو گیا۔ جو کچھ ہی دور واقع تھا۔ جیسے ہی میں وہاں پہنچا تو مجھے وہ مجاہد ساتھی نظر آ گیا جسے میں نے اپنے ساتھ لینا تھا۔ وہ بیڑیوں میں جکڑا ہوا تھا اور اس کی بیڑیاں اسی سنتری کے ہاتھ میں

تھیں۔ پہلے تو میں حیران ہوا کہ اس وقت یہ باہر کیسے؟
لیکن پھر سمجھ گیا کہ واش روم کے بہانے وہ باہر لایا ہوگا،
میرے لئے اور آسانی ہو گئی تھی۔ میں قدرے ایک
تاریک جگہ کھڑے ہو کر سنتری کے آنے کا انتظار کرنے
لگا۔ سنتری وہاں سے اس مجاہد ساتھی کو لے کر گزرنے والا
تھا۔ جیسے ہی دونوں قریب آئے میں نے ایک جست
لگائی اور اپنے ایک ہاتھ کو سنتری کے منہ پر رکھ کر دوسرے
ہاتھ سے ایک زوردار مکا گردن پر مارا جس سے وہ اسی
وقت ہی ڈھیلا پڑ گیا اور نیچے زمین پر گرتا چلا گیا۔ وہ بے
ہوش ہو چکا تھا۔

اس مجاہد ساتھی نے خود ہی جلدی جلدی سنتری کی
جیب سے چابیاں دریافت کیں اور اپنی بیڑیاں کھول دیں
اور ہم دونوں اب صحن کی طرف انتہائی احتیاط سے روانہ
ہوئے۔ میں نے راستے سے رسیاں بھی اٹھا لیں تھیں۔
کچھ سنتری موجود تھے لیکن وہ اونگھ رہے تھے۔ اس لئے
ان کی طرف سے زیادہ خطرہ نہیں تھا۔ اصل خطرہ دیوار پر
لگے واچ ٹاور کی لائٹ سے تھا جو وقتاً فوقتاً صحن اور باہری
دیوار کو روشن کر رہی تھی۔ اس واچ ٹاور پر ایک ہیوی مشین
گن اور ساتھ، آٹھ کے قریب انتہائی چوکس اور مسلح
سنتری کھڑے تھے۔

ہم لائٹ کا اندازہ کر کے اندھیرے اندھیرے میں
باہری دیوار کے قریب پہنچے اور میں نے پوری قوت سے
وہ رسیاں دیوار کے اوپر پھینکیں اور خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ
پہلی دفعہ میں ہی وہ رسی مضبوطی سے کسی چیز سے ٹکرا کر
رک گئی۔ میں نے اس مجاہد کو نیچے لیٹ جانے کا کہا کیونکہ
واچ ٹاور کی لائٹ اب ہماری طرف آنے والی تھی۔ ہم
کچھ لیٹ ہو چکے تھے۔ اب اگر ان کو رسی نظر آ گئی تو سارا
کھیل خراب ہو جانا تھا۔ ہم لیٹ گئے اور لائٹ کے آنے
کا انتظار کرنے لگے۔ چند ہی سیکنڈ بعد واچ ٹاور کی لائٹ
دیوار پر آئی اور گھوم کر واپس چلی گئی۔ جیسے ہی واپس گئی
میں نے فوراً اشارہ کیا اور پھرتی سے اس رسی پر چڑھنے
لگا۔ پیچھے سے وہ مجاہد بھی پھرتی سے رسیاں چھڑنے لگا۔
وقت بہت کم تھا اور دیوار کی اونچائی بہت زیادہ تھی۔ ہمیں
اپنی رفتار اور تیز کرنی تھی۔ چنانچہ میں نے اسے اشارہ کیا
اور خود بھی تیز ہو گیا۔ بالآخر میں دیوار کے اوپر پہنچ گیا اور
فوراً لیٹ گیا کیونکہ کسی کی بھی نظر پڑ سکتی تھی۔ وہ مجاہد ابھی
پیچھے تھا اور لائٹ کے واپس آنے میں چند سیکنڈ باقی تھے
کہ اچانک..................

☆......☆......☆

پھر کیا ہوا......؟
کیا جانباز کی یہ ساری کوشش بے کار چلی گئی......؟
کیا یہ مجاہد پکڑا گیا......؟
کیا جانباز دیوار پھلانگ کر جیل سے باہر نکلنے میں
کامیاب ہو گیا......؟
کیا جانباز اس قیدی کی خاطر خود بھی نہ بھاگ
سکا......؟ اور میجر پراگ کے ہاتھوں پکڑا گیا......؟
آخر کیا ہوا......؟
یہ سب جاننے کے لئے پڑھتے رہیے۔ ”مسلمان
بچے“

☆......☆......☆

زبیر طیب

جانباز

قسط 17

سرچ لائٹ واپس آنے میں صرف چند سیکنڈ باقی تھے کہ اچانک......

زوردار سائرن سنائی دیا اور ہماری طرف آنے والی سرچ لائٹ کا رخ سامنے کی طرف ہوگیا۔ میں بے حد گھبرا گیا اور محتاط انداز میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ ہم چونکہ جیل کی عقبی دیوار پر سیڑھی لگائے بیٹھے تھے۔ اس لئے وہاں سے جیل کے سامنے کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اب لائٹ سامنے والے گیٹ کا منظر صاف دکھا رہی تھی۔ جہاں سے فوج کی بہت سی گاڑیاں سائرن بجاتی اندر داخل ہو رہی تھیں۔ پوری جیل میں ایک ہڑبڑی کی کیفیت شروع ہوگئی تھی اور ریڈ الرٹ جاری کر دیا تھا۔

میں نے سیڑھی پر کھڑے اس مجاہد کو دیکھا، وہ بھی کشمکش میں تھا کہ کیا کرے؟ کیا وہ نیچے جائے یا اوپر چڑھ کر مجھ سے مل جائے۔ عقبی دیوار ہونے کی وجہ سے ہم کسی حد تک محفوظ تھے لیکن کب تک......؟

میں بھی کشمکش میں تھا کہ اس مجاہد کو بنا ساتھ لیے نیچے کود جاؤں یا پھر انتظار کروں اور اپنے امیر کے حکم کے مطابق یہاں سے آزاد کروانے کی اپنی آخری حد تک کوشش کروں۔ کبھی کبھی ہمیں خود کے بارے میں نہیں دوسروں کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ کبھی کبھی اپنے لیے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے بھی جینا چاہیے۔ چنانچہ میں نے اس مجاہد کو انتہائی خفیف سا اشارہ کیا کہ جلدی

اوپر آ جاؤ۔ میرا اشارہ دیکھ کر اس نے بجلی کی سی تیزی سے اوپر آنا شروع کر دیا اور کچھ ہی دیر میں وہ مجاہد اوپر پہنچ گیا۔ میں نے فوراً ہی سیڑھی اوپر کھینچی اور سیڑھی دیوار کے دوسری طرف سے نیچے گرا کر سیڑھی کو مضبوط کونٹھے سے باندھ دیا اور پہلے اس مجاہد کو نیچے جانے کا کہا۔ جیسے ہی میں نے کہا وہ فوراً انتہائی تیزی سے سیڑھی اترنے لگا اور جلد ہی نیچے پہنچ گیا۔ جیل میں اب ہر طرف سرچ لائٹس گھوم رہیں تھیں۔ عقبی دیوار کی طرف سب کا دھیان بہت کم تھا۔ میں نے دیکھا کہ تمام قیدیوں کو بیرکوں سے نکال کر صحن میں اکٹھا کیا جا رہا ہے۔ میں نے سیڑھی اترتے ہوئے آخری منظر دیکھا کہ ایک افسر ٹائپ آدمی بوکھلائے ہوئے انداز میں بیرکوں سے نکلا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ یہ آخری منظر تھا جو میں نے جیل میں دیکھا اور نیچے کی جانب تیزی سے چلنے لگا۔ میں حیران تھا کہ اچانک رات کے اس وقت یہ فورس کہاں سے آ گئی؟ یہ سوچنے کا ابھی وقت نہیں تھا، میں اس وقت صرف آگے فرار کا راستہ سوچ رہا تھا کیونکہ لامحالہ انہیں تفتیش کرنے پر ہمارے بھاگنے کا پتہ چل جائے گا اور پھر ہر طرف ناکہ بندی کر دی جائے گی۔ لیکن دل میں صرف یہی امید تھی کہ اللہ رب العزت نے ہمیں اس خطرناک جیل سے رہائی کے لئے خصوصی نصرت فرمائی۔ ان شاء اللہ آگے بھی ضرور فرمائیں گے۔

میں سیڑھی اتر چکا تھا، میں نے سیڑھی کو وہیں چھوڑا اور ہم دونوں انتہائی تیزی سے مخالف سمت میں بھاگنے لگے، ہماری رفتار تیز تھی مگر بہت حد تک محتاط بھی۔ جیل کے باہر سپاٹ پہاڑیاں تھیں جن پر سبزہ کافی مقدار میں اگا ہوا تھا۔ لیکن یہ سبزہ اتنا نہ تھا کہ ہمیں چھپا سکتا اور پھر رات کا وقت تھا، اسی لئے ہمیں ڈھلوانوں کا خیال رکھ کر آگے بڑھنا تھا۔

ابھی ہم کچھ قدم دور ہی گئے ہوں گے کہ پوری جیل خوفناک سائرنوں سے گونج اٹھی۔ شاید ان کو احساس ہو گیا تھا کہ ہم فرار ہو چکے ہیں۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو جیل کی دیوار پر ہمیں کچھ لوگ نظر آئے جو سرچ لائٹ نصب کر رہے تھے۔ تاکہ وسیع پیمانے پر علاقے کو سرچ کیا جائے۔ جیل کی عقبی دیوار پر کافی زیادہ سرچ لائٹ نصب کر دی گئیں اور انہیں جلا دیا گیا۔ آس پاس کا سارا علاقہ ایسے روشن ہو گیا جیسے سورج نکل آیا ہو۔ ہم دونوں حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے ایک جگہ رک گئے اور قدرے ڈھلوان میں بیٹھ گئے۔ سرچ لائٹس مسلسل روشن تھی۔ لامحالہ انہیں بوریوں کی رسیاں بھی نظر آ گئیں ہوں گی۔ اس لئے وہ اس طرف مکمل متوجہ ہو چکے تھے۔

☆......☆......☆

”تم تو کہہ رہے تھے کہ اس جیل سے آج تک کوئی نہیں بھاگ سکا؟ آج تمہاری ناک کے نیچے سے وہ بھاگ نکلا اور تمہیں اس کا احساس تک نہیں ہوا۔“ میجر پراگ شکار ہاتھ سے نکلتا دیکھ کر بری طرح تلملا رہا تھا۔ چنانچہ اس نے جیل سپریڈنٹ کو بلا کر اچھی طرح جھاڑ دیا۔

”سر! میں سچ کہہ رہا ہوں، اس جیل کی تاریخ ہی ایسی ہے کہ آج تک کوئی یہاں سے بھاگ نہیں سکا، یہ پہلا واقعہ ہے۔ لیکن آپ فکر نہ کریں۔ وہ زیادہ دور نہیں جا

سکتے۔ ہم ان کو پکڑ لیں گے۔ سرچ لائٹوں سے وہ بچ نہیں سکتے۔ آس پاس کے مشتبہ علاقے میں فائرنگ بھی کی جا رہی ہے۔ اس لئے ان کے بچ نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" جیل سپریڈنٹ نے جواب دیا۔

"تم نہیں جانتے۔ اس شخص کی فائل میں نے پڑھی ہے۔ وہ چھلاوہ ہے، وہ ایسا انسان ہے جو چکنی مچھلی کی طرح ہاتھ سے نکل جاتا ہے، اس نے انڈیا کی سات لاکھ آرمی اور چالیس ہزار ایجنسیز کے نوجوانوں کو نگنی کا ناچ نچایا ہوا ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ وہ بچ کر نہیں جا سکے گا۔" میجر پراگ نے انتہائی طنزیہ انداز میں کہا۔

"سر! آپ مجھ پر اعتبار کریں۔ صبح ہوتے ہی ہم سرچ کا دائرہ مزید بڑھا کر گشتی پارٹیاں بھی روانہ کریں گے۔ آپ کی فورس اور میری جیل کی فورس مل کر ان آتنک وادیوں کو پکڑے گی۔" جیل سپریڈنٹ نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

ابھی یہ بات چیت چل ہی رہی تھی کہ اچانک ایک سپاہی اندر داخل ہوا اور کہنے لگا کہ سر! ہم نے کچھ ہی دور جھاڑیوں میں ہلچل محسوس کی ہے، جس پر ہم نے شدید فائرنگ شروع کر دی اور ہمیں لگتا ہے کہ یا تو دونوں آتنک وادی یا کم از کم ان میں سے کوئی ایک ہٹ ہو چکا ہے۔" سپاہی نے اندر آتے ہی انتہائی جذباتی انداز میں کہا۔ جیسے وہ کوئی بڑی جنگ جیتنے کی خوشخبری دینے آیا ہو۔

"ویری گڈ! ضرور وہ دونوں زخمی ہوئے ہوں گے، ہمیں اس سے اچھا موقع نہیں ملے گا، انہیں دھرنے کا۔" میجر نے بھی جذباتی انداز میں اچھلتے ہوئے کہا۔

"سر! میں آپ کو اس وقت ایسے راستے پر جانے سے روکوں گا۔ ایک تو راستہ بھی دشوار ہے اور دوسرا ہو سکتا ہے ان آتنک وادیوں کے اور ساتھی بھی ان کے ساتھ آ کر مل گئے ہوں اور ہمیں مشکل ہو جائے۔ اس لئے دن کے وقت چلنا چاہیے تاکہ کسی قسم کی پریشانی سے بچا جا سکے۔" جیل سپریڈنٹ نے جواب دیا جو آس پاس کے تمام راستوں سے آگاہ تھا۔

"نہیں! تم نہیں جانتے کہ یہ شخص ہمارے لئے کس قدر امپورٹنٹ ہے۔ میں نے اس کو پکڑنے کے لئے دن رات ایک کیا ہے، اب منزل اتنی قریب ہے تو میں کیسے اسے ہاتھ سے جانے دوں اور میں نے اپنے ساتھ انڈین آرمی کے بہترین فائٹرز رکھے ہوئے ہیں جو جدید ترین اسلحے سے لیس رہتے ہیں۔ اسی لئے کسی قسم کی پریشانی کی ضرورت نہیں، ہم صبح تک کا انتظار نہیں کر سکتے۔ اس لئے میری فورس کو تیار رہنے کا آرڈر جاری کر دو۔ کم از کم چار گاڑیوں پر بیس سے زائد افراد کا کارواں چلے گا اور تمہارے لوگ اوپر سے سرچ لائٹس مار کر علاقے کو مسلسل روشن رکھیں گے اور فائرنگ کے لئے تیار رہیں گے۔ یہ کہہ کر میجر پراگ اٹھ کھڑا ہوا اور جیل کے احاطے میں کھڑی اپنی گاڑی کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

☆......☆......☆

اب نہ صرف آس پاس کا علاقہ مکمل روشن ہو گیا تھا بلکہ وقفے وقفے سے فائرنگ کا سلسلہ بھی تیز سے تیز تر ہوتا چلا جا رہا تھا۔ ہم ایک انچ بھی آگے نہ بڑھ سکتے تھے۔

دیوار پر چڑھے فوجی مسلسل نائٹ ٹیلی سکوپ سے نظر رکھے ہوئے تھے اور اپنے شوٹرز کو ہدایات جاری کر رہے تھے۔جیسے ہی ان کو کہیں ہلچل کا احساس ہوتا وہ وہاں شدید فائرنگ شروع کر دیتے۔ یہ صورتحال ہمارے لیے کافی خطرناک تھی۔ہمیں اس ڈھلوان میں چھپے آدھے گھنٹے سے کچھ اوپر ہو گیا تھا۔ہمیں اب مزید سفر شروع کرنا تھا تا کہ صبح ہونے سے پہلے ہم یہاں سے دور ہو جائیں۔ اگر یہیں رہ گئے تو صبح ہوتے ہی ہم دھر لیے جائیں گے اور ساری محنت اکارت چلی جائے گی۔ہم دونوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب فائرنگ کا سلسلہ کس قدر تھم چکا ہے۔ اس لئے اب مزید محتاط ہو کر ہمیں آگے بڑھنا چاہیے۔ یہ طے ہوتے ہی میں نے کرالنگ کے انداز میں رینگنا شروع کر دیا۔میری دیکھا دیکھی وہ مجاہد بھی کرالنگ کے انداز میں آگے بڑھنے لگا۔

ابھی ہم دو سے تین منٹ ہی چلے ہوں گے کہ اچانک تیز فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ اس فائرنگ میں میرے ساتھی کی بھی چیخ نمایاں تھی۔ شاید وہ ہٹ ہو چکا تھا۔ میں جہاں تھا وہاں رک گیا اور اپنے ساتھی کو دیکھنے لگا۔ اس کی ٹانگ میں گولی لگی تھی اور خون سے اس کے کپڑے سرخ ہو چکے تھے۔ یہ صورتحال دیکھ کر میں پریشان ہو گیا کہ اب کیا کیا جائے؟ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک میرے آس پاس شدید فائرنگ دوبارہ شروع ہوئی اور میرے دماغ پر کوئی چیز اس زور سے ٹکرائی کہ مجھے لگا جیسے میری کھوپڑی سینکڑوں ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی ہو۔ میں اچھل کر اس مجاہد ساتھی کے اوپر جا گرا اور میرے ہوش وحواس جواب دے گئے اور میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ بے ہوش ہوتے ہوئے ذہن میں جو آخری خیال ابھرا وہ صرف یہ تھا کہ میں اپنے مشن میں ناکام ہو گیا ہوں اور سزائے موت کے اس قیدی کو نہیں بچا سکا۔

☆......☆......☆

میجر پراگ اور اس کے ساتھیوں پر مشتمل بیس سے زائد افراد کا قافلہ انتہائی دشوار گزار پہاڑی راستے کو عبور کر رہا تھا۔ اونچی نیچی کھائیوں سے بچاتے ہوئے گزرنا ایک کرتب کی طرح لگ رہا تھا، کئی بار تو ڈرائیورز کو بھی پسینے چھوٹ گئے مگر میجر پراگ کے ڈر سے کچھ کہہ نہیں پا رہے تھے۔ میجر پراگ کسی چیتے کی طرح کبھی ادھر تو کبھی ادھر دیکھ رہا تھا۔ اس کو مکمل یقین تھا کہ اتنی شدید فائرنگ میں دونوں کا مرنا یا زخمی ہونا کم از کم لازمی ہے۔ اس لئے وہ جلد از جلد جانباز کو دیکھنا چاہتا تھا، وہ جانباز سے ایک قسم کا خوف محسوس کر رہا تھا۔ بہر حال انتہائی خطرناک پہاڑی راستے پر گاڑیاں چل رہیں تھی۔ سرچ لائٹس میں پتا پتا بھی روشن محسوس ہو رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ اچانک کوئی سورج اس علاقے پر نمودار ہو گیا ہو۔

اچانک جیپ کو زوردار جھٹکا لگا اور میجر پراگ کی جیپ رک گئی۔ اس کی دیکھا دیکھی دوسری گاڑیاں بھی رک گئیں۔

"اب کیا ہوا؟" میجر نے انتہائی بے چین لہجے میں پوچھا۔

"سر! آگے علاقہ ایسا ہے کہ وہاں گاڑیاں نہیں جا

سکتی۔ ہمیں پیدل ہی آگے سفر کرنا ہوگا۔" مقامی ڈرائیور نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے! ہم پیدل ہی آگے بڑھیں گے۔" یہ کہہ کر میجر جیپ سے اترا اور اپنی فورس کو احکامات دینے لگا۔

☆......☆......☆

میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ میرے سر سے خون بہہ رہا ہے۔ میں حیران تھا کہ گولی میرے سر پر لگی تو میں زندہ کیسے ہوں۔ پھر بات میری سمجھ میں آئی کہ آس پاس کی شدید فائرنگ سے کوئی پتھر کا ٹکڑا اڑ کر مجھے لگا تھا، جس کی وجہ سے میں بے ہوش ہو گیا تھا۔ میں نے لیٹے لیٹے اپنے اس ساتھی کو دیکھا جو ابھی تک بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ شاید خون زیادہ نکلنے کی وجہ سے اس کی حالت خراب ہو چکی تھی۔ ہم بری طرح پھنس گئے تھے۔ نہ آگے جا سکتے تھے اور نہ پیچھے مڑ سکتے تھے اور اگر صبح تک یہیں رہتے ہیں تو بھی مسئلہ گھمبیر ہو سکتا تھا لیکن ہمیں کچھ نہ کچھ ضرور کرنا ہی تھا۔ لیکن کیا کرنا تھا اس کے لئے ذہن نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ چنانچہ میں نے استغفار کر کے اللہ رب العزت سے مدد طلب کی اور خود کو پرسکون کر کے سوچنا شروع کیا۔

اچانک مجھے کچھ دور ہی لوگوں کی باتوں کی آواز سنائی دی۔ میں نے سر اٹھا کر انہیں دیکھنے کی کوشش کی تو حیران ہو گیا۔ بے حد فوجی ایک خاص ماہرانہ انداز میں آگے بڑھتے ہوئے نظر آئے۔ ان کا انداز کمانڈوز کی طرح تھا۔ وہ پیشہ ور لگتے تھے۔ اب میں سمجھ گیا تھا کہ جیل میں کوئی خصوصی فورس اس کا کلیو لے کر آئی تھی جو اب اس کے مسلسل پیچھے ہے۔

اب صورتحال یہ ہو چکی تھی کہ نہ میں اٹھ کر بھاگ سکتا تھا اور نہ ہی وہاں پڑے پڑے اپنی طرف آنے والی موت کا انتظار کر سکتا تھا، میرا ساتھی پہلے ہی بے ہوش تھا اور نہ ہی میری پاس اسلحہ تھا جس سے میں ان کا مقابلہ کر سکتا۔ میرے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ لوگ رات کے اس وقت اس طرح سرچ آپریشن شروع کر دیں گے۔

میں نے لیٹے لیٹے دوبارہ انہیں دیکھا تو وہ صرف چند گز کی دوری پر تھے۔ میرے ذہن میں اچانک ایک ترکیب آئی اور میں نے اس پر فوراً عمل کرنے کا سوچا۔ کم از کم اس ترکیب سے فوری ایکشن مل سکتا تھا۔ میں نے اس ترکیب پر عمل کیا اور آنکھیں موند کر آنے والے حالات کے لئے خود کو تیار کرنے لگا۔

☆......☆......☆

"سر! یہاں خون کے دھبے نظر آ رہے ہیں۔ ضرور آس پاس ہی آتنک وادی مردہ یا زخمی حالت میں موجود ہوں گے۔" ایک کمانڈو نے میجر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ نائٹ ٹیلی سکوپ سے کسی اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر آس پاس کے علاقے کا جائزہ لو اور مجھے بتاؤ۔ باقی سب لوگ یہیں رک جائیں۔" میجر نے کہا اور ایک جوان پھرتی سے قدرے کچھ اونچی ٹیکری پر چڑھنے لگا، تا کہ آس پاس کے علاقے کا تفصیلی جائزہ لے سکے۔

''کچھ نظر آیا'' میجر نے بے چین لہجے میں پوچھا۔

''سر! یہاں سے کچھ ہی دور دو لاشیں نظر آ رہی ہیں۔ دونوں ہی خون میں بری طرح لت پت ہیں اور وہ کوئی حرکت نہیں کر رہے ہیں۔'' کچھ دیر بعد اس جوان نے اسی ٹیکری پر بیٹھے ہوئے جواب دیا۔

''پھر سے دیکھو۔ زومنگ کر کے دیکھو۔ ان کی مکمل نقل و حرکت کو چیک کرو۔'' میجر نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''یس سر! کوئی حرکت نہیں ہے سر! میں نے اچھی طرح چیک کر لیا ہے۔'' جوان نے جواب دیا۔

''نہیں! اگر یہ جانباز ہے تو یہ اتنی آسانی سے نہیں مر سکتا۔ ان پر فائر کھول دو۔ جیسا ہم اکثر کیا کرتے ہیں۔'' میجر نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد حکم دیا۔

''سر! کیا واقعی فائرنگ کر دی جائے۔'' ایک جوان نے حیران ہو کر پوچھا۔ کیونکہ وہ صاف مردہ لگ رہے تھے لیکن میجر ان کے پاس جا کر چیک کرنے کی بجائے دور کھڑے ہو کر ہدایات جاری کر رہا تھا۔

''آرڈر از آرڈر جوان...... شوٹ کرو...... ابھی اسی وقت۔'' میجر نے انتہائی غصیلے لہجے میں کہا۔

سپاہی نے اپنی گن سیدھی کی اور ٹریگر پر دباؤ بڑھانے لگا......

☆......☆......☆

کیا میجر پراگ اپنی زندگی کے سب سے بڑے مشن میں کامیاب ہو گیا؟

کیا وہ جانباز کو زندہ یا مردہ پکڑ کر انڈین فوج کا ہیرو بن گیا؟

یا پھر......

جانباز بظاہر سامنے نظر آنے والی موت کو ایک بار پھر چکمہ دے گیا؟

جانباز کی زندگی کے اس سب سے مشکل مشن میں کامیابی اس کے قدم چومتی ہے اور وہ غازی بن کر جیتا ہے یا پھر وہ اپنی جان دے کر شہید کا عظیم ترین درجہ پا لیتا ہے؟

آخر کیا ہوتا ہے؟

یہ سب جاننے کے لئے...... پڑھتے رہیے......

میرا...... آپ کا...... سب کا...... پیارا...... مسلمان بچے

☆......☆......☆

خیر کی تلاش

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

زندگی بھر خیر کو تلاش کرتے رہو۔ اللہ کی رحمت کے جھونکوں کے سامنے خود کو لاتے رہو، کیونکہ اللہ کی رحمت کے جھونکے چلتے رہتے ہیں، جنہیں اللہ اپنے جن بندوں پر چاہتے ہیں بھیج دیتے ہیں اور اللہ سے یہ سوال کرو کہ وہ تمہارے عیبوں پر پردہ ڈالے اور تمہاری خوف کی جگہوں کو امن والا بنائے۔ (بکھرے موتی)

(انتخاب: عائشہ ام ایمن، جامعہ خیر العلوم)

زبیر طیب

جانباز

قسط ۱۸

میجر پراگ کے کہنے پر سپاہی نے شوٹ کرنے کے لئے ٹریگر پر دباؤ بڑھا دیا اور اس کی دیکھا دیکھی باقی سپاہیوں نے بھی گنیں سیدھی کیں اور سب نشانہ سادھ کر میجر پراگ کے اشارے کا انتظار کرنے لگے۔

میجر پراگ نے سب کو پوزیشن میں آتا دیکھ کر ''شوٹ'' کا لفظ بولا اور گولیاں تڑتڑاہٹ کی خوفناک آواز کے ساتھ گونجنے لگیں اور اس گونج میں انسانی چیخیں بھی بہت نمایاں تھیں۔

☆......☆......☆

میں (جانباز) میجر کی بات سن چکا تھا اور مجھے گنوں کے بلٹ کی آوازیں کئی ساتھ سنائی دیں اور میں سمجھ گیا کہ اب وقت شہادت ہے۔ میں نے لیٹے لیٹے آنکھیں موندی اور استغفار کی طرف دل متوجہ ہو گیا۔ میں اللہ رب العزت سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہا تھا۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے۔ ایسا نہیں کہ موت سے ڈر رہا تھا بلکہ سوچ رہا تھا کہ کیا اللہ رب العزت کے پاس جانے کی مکمل تیاری ہے یا نہیں؟ کیا میرے اعمال اس قدر ہیں کہ مجھے اللہ رب العزت سے معافی کا پروانہ

مل جائے گا۔ میں نے لیٹے لیٹے اپنے اس ساتھی کو دیکھا جو خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے بے ہوش ہو چکا تھا۔ احساس ندامت بھی دل میں چھانے لگا کہ میں اپنے مشن میں کامیاب نہ ہو سکا اور ایک وہ مشن جو میری زندگی کا اصل مقصد تھا وہ بھی ادھورا رہ گیا۔

میری آنکھیں پھر بند ہونے لگیں تھیں۔ کیونکہ خون بہت بہہ چکا تھا جس سے ذہن پر تاریکی بار بار حملہ کر رہی تھی۔ لیکن میں اپنے ہوش و حواس میں شہادت کی موت کا لطف لینا چاہتا تھا اس لئے بار بار تاریکی کو جھٹک رہا تھا۔ میری ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ تھی۔ میں خوش تھا کہ اللہ کے راستے میں مجھے شہادت مل رہی ہے۔ یہ تو ایسی انمول نعمت تھی کہ جس کی خواہش انبیاء نے کی۔ یہ سوچ کر میرے چہرے پر ایک حسین مسکراہٹ سج گئی۔ میں نے کلمہ کا ورد شروع کر دیا اور ایک نئی جاوداں زندگی کے لئے تیار ہو گیا۔

☆......☆......☆

"جلدی اور تیز چلو!" ایک نوجوان اپنے چار ساتھیوں کو کہہ رہا تھا۔

یہ کل پانچ لوگ تھے جو انتہائی تیز رفتاری مگر بہت محتاط انداز میں پہاڑ کی بلندی کی طرف چلے جا رہے تھے۔ رات کا وقت تھا اور چھوٹی سی غلطی بھی جان لیوا ثابت ہو سکتی تھی۔ ابھی یہ لوگ پہاڑ کے بلندی پر پہنچے ہی تھے کہ انہیں دور سے بے تحاشا فائرنگ کی آواز سنائی دینے لگی۔

"اوہ......ہم شاید لیٹ ہو گئے۔ اپنے ہتھیار نکال لو اور تیار رہو!" وہی شخص جوان چاروں کو حکم دے رہا تھا زور سے چلایا۔

اس کا حکم سنتے ہی چاروں نے اپنی گنیں لوڈ کیں اور دوسری طرف پہاڑ سے نیچے اترنے لگے۔ ان کا رخ اسی طرف تھا جس طرف سے فائرنگ کی آوازیں ابھی بھی مسلسل آ رہیں تھیں۔ ان کی رفتار اب پہلے سے بہت تیز تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ان کو اپنی جانوں کی ذرا بھی پرواہ نہ ہو۔ رات کے وقت پہاڑ سے اس تیزی سے اترنا واقعی کسی جان لیوا کھیل سے کم دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ لیکن ان پانچوں کے چہروں پر کسی قسم کے خوف کے کوئی آثار نہ تھے۔

بالآخر وہ ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے ان کو سامنے کا منظر صاف دیکھائی دے رہا تھا۔ انہوں نے اپنی پوزیشنیں سنبھالیں اور آڑ لے کر بالکل تیار حالت میں بیٹھ گئے۔ ان کے کمانڈر کے پاس نائٹ ٹیلی سکوپ تھی جو سامنے کا منظر صاف دیکھ رہا تھا۔ اسے آوازیں اور لوگ صاف دکھائی دے رہے تھے۔ اس نے صورتحال کا جائزہ لیا اور اپنے ساتھیوں کو تیار رہنے کا حکم دے دیا اور خود بھی مشین گن نکال کر الرٹ ہو گیا۔

☆......☆......☆

ہر طرف انسانی چیخوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ لیکن یہ چیخیں میجر پراگ کے ان ساتھیوں کی تھیں جو جانباز اور اس کے ساتھی پر فائرنگ کرنے والے تھے۔ ابھی ان کی گنوں نے آگ کے شعلے نہ اگلے تھے کہ وہ خود اس کا نشانہ بن گئے۔ یہ فائرنگ ان پانچ لوگوں کی طرف سے کی گئی تھی جو "شاہین" کے بھیجے ہوئے تھے۔ کیونکہ "شاہین" جانتا تھا

کہ اس جیل سے بھاگنا کوئی مذاق نہیں ہے۔ جانباز اور اس کے ساتھی کو ضرور مدد کی ضرورت ہوگی۔ اس لئے اس نے اپنے بہترین پانچ ساتھیوں کو جیل کے عقبی جانب بھجوا دیا تا کہ اگر کوئی مسئلہ ہو تو جانباز کی فوری مدد کی جائے۔

"یہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ فوراً اپنی پوزیشنیں بدل لو اور دشمن کو مار ڈالو!" میجر پراگ نے چیختے ہوئے کہا۔ جس نے دوسری طرف سے فائرنگ ہوتے ہی ایک بڑی چٹان کے پیچھے چھلانگ لگا دی تھی اور کسی قسم کے نقصان سے بچ گیا تھا۔ لیکن اس کے کئی ساتھی اس پہلی شدید فائرنگ سے مر چکے تھے۔ لیکن ابھی بھی اس کے پاس کچھ نفری باقی تھی جن کو وہ احکامات دے رہا تھا۔

لیکن اس کے ساتھی اس قدر خوفزدہ ہو گئے تھے کہ وہ مسلسل پیچھے کی جانب بھاگ رہے تھے۔ کیونکہ ان کو لگ رہا تھا کہ بہت سے مجاہدین آ چکے ہیں اور وہ مارے جائیں گے۔ اس لئے وہ اپنی جان بچانے کے لیے پیچھے کی طرف دوڑنے لگے۔

میجر پراگ نے جب یہ دیکھا کہ اب یہاں رکنے کا مطلب خود کو ہلاک کرنا ہے تو اس نے بھی انتہائی احتیاط سے پیچھے کی جانب جانا شروع کر دیا۔ ان پانچ لوگوں کی فائرنگ ابھی بھی مسلسل جاری تھی اور پیچھے بھاگتے ہوئے تین اور سپاہی بھی گولیوں کی لپیٹ میں آ کر ساکت ہو گئے۔

میجر پراگ اور اس کے کچھ ساتھی اب اپنی گاڑیوں کے پاس پہنچ چکے تھے۔ میجر پراگ نے گاڑی میں لگے وائرلیس سے جیل حکام کو اطلاع دینی شروع کر دی کہ فوراً کمک بھیجیں۔ وہ غصے سے مسلسل چیخ رہا تھا کیونکہ اتنی واضح ناکامی کا منہ اسے اپنی زندگی میں پہلی بار دیکھنا پڑ رہا تھا۔ جیل سپریٹنڈنٹ نے فوراً اور سپاہی بھیجنے کا کہا اور میجر پراگ نے غصے سے گاڑی کے ڈیش بورڈ پر مانگ دے مارا جو ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

☆......☆......☆

میرے ہونٹوں پر کلمہ طیبہ کا ورد جاری ہی تھا کہ اچانک ایسے لگا کہ جیسے دو گروہوں کا شدید تصادم ہو گیا ہو۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ کچھ لوگ ہماری مدد کو آئے ہیں۔ میں اللہ کی اس غیبی نصرت پر شکر ادا کرنے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد میرے ساتھی میرے پاس پہنچے اور مجھے اور میرے ساتھی کو اپنے کندھوں پر رکھا اور تیز تیز چلنے لگے۔ میرا ساتھی ابھی تک بے ہوش تھا اور میں نیم غنودگی کی حالت میں تھا۔ میرے ساتھی انتہائی احتیاط مگر تیز چل رہے تھے اور باری باری ہم دونوں کو اٹھاتے تھے۔

ابھی کچھ ہی دور گئے تھے کہ میری سانسیں اکھڑنے لگیں اور دماغ پر تاریکی بڑھنے لگی۔ میں نے خود کو سنبھالنے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہا اور مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔ بس اتنا یاد رہا کہ اللہ رب العزت نے ہمیں محفوظ ہاتھوں میں دے دیا ہے۔

☆......☆......☆

"یس سر! میں اپنی پوری کوشش کر رہا ہوں جناب! میں ان کو چھوڑوں گا نہیں اور جلد ہی پکڑ لوں گا۔" میجر پراگ بڑے مودبانہ انداز میں کسی کو فون پر رپورٹ کر رہا تھا۔ یہ جنرل کرپاڈیا تھا، جسے میجر پراگ کی ناکامی کی مکمل اطلاع مل چکی تھی۔ لیکن جنرل کرپاڈیا کا لہجہ اس قدر سخت نہیں تھا کیونکہ وہ بہرحال خوش تھا کہ میجر پراگ اپنی پہلی

ہی مہم میں جانباز کے اس قدر قریب پہنچا ہے اور اسے کس قدر زخمی بھی کر دیا ہے۔

"میجر! ویل ڈن ...... لیکن تمہیں چین سے نہیں بیٹھنا۔ علاقے کی مکمل ناکہ بندی کر دو۔ کوئی نہ کوئی سراغ ضرور مل جائے گا۔" جنرل کرپاڈیا نے کہا۔

"سر! میں نے رات کو ہی آس پاس کے سب علاقوں میں کرفیو لگوا دیا تھا اور سرچ آپریشن شروع کر دیا تھا۔ صبح ہوتے ہی ہمیں ایک مضافاتی علاقے میں ایک بڑی وین کھڑی ملی اور کچھ شواہد ایسے ملے جس سے پتا چلا کہ جانباز کو لے کر جانے والے لوگوں نے اسی گاڑی کا استعمال کیا ہے۔ تحقیقات سے پتا چلا کہ یہ گاڑی بھی ایک پارکنگ لاٹ سے چوری کی گئی تھی۔ اس لئے اس وقت تو ہمارے پاس کوئی کلیو نہیں لیکن جلد ہی ہمیں پتا چل جائے گا۔ کیونکہ ہمارے جاسوسوں کو الرٹ کر دیا گیا ہے اور وہ مسلسل کام کر رہے ہیں۔" میجر پراگ نے کہا۔

"گڈ شو میجر! کام جاری رکھو۔ تم ضرور انڈین فوج کا سر فخر سے بلند کرو گے۔ جلد از جلد یہ مشن مکمل کرو اور پھر رپورٹ کرو! گڈ لک میجر!" جنرل کرپاڈیا نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک یو سر! آل رائٹ سر!" میجر پراگ نے بھی خوش ہوتے ہوئے کہا اور ریسور رکھ دیا۔ لیکن اندر سے اس کا خون مسلسل کھول رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ان پانچ لوگوں کو پکڑ کر ان کا قیمہ بنا دے اور ایسی عبرت ناک سزا دے کہ ان کی روح تک کانپ اٹھے۔ لیکن ایسا کرنے کا صرف وہ سوچ سکتا تھا کچھ کر نہیں سکتا تھا۔ آج دوسرا دن تھا لیکن وہ پانچوں اور جانباز ایسے غائب ہو گئے تھے جیسے انہیں آسمان پر اٹھا لیا گیا ہو یا زمین نگل گئی ہو۔ اسی لئے اس کی جھنجلاہٹ اور بھی بڑھ چکی تھی۔ کامیابی کے اس قدر نزدیک آ کر اسے ناکامی کا ایسا منہ دیکھنا پڑا تھا کہ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس کے پانچ سپاہی مارے گئے تھے اور کئی زخمی ہوئے تھے اور وہ خود بال بال بچا تھا۔

☆......☆......☆

میری آنکھ کھلی تو میں ایک بستر پر پڑا ہوا تھا جس پر سفید چادر پڑی ہوئی تھی۔ میرے سر پر سفید رنگ کی پٹی مضبوطی سے لپٹی ہوئی تھی۔ یہ کوئی ہسپتال ٹائپ کمرہ لگ رہا تھا کیونکہ یہاں ڈاکٹری آلات بھی پڑے ہوئے تھے۔ اچانک ایک ڈاکٹر اندر داخل ہوا اور مجھے ہوش میں آتا دیکھ کر خوش ہوا اور اس نے میری قریب آ کر میری حالت دریافت کی۔ میں نے الحمد للہ کہا اور اس کا شکریہ ادا کیا۔

"میں کب سے بے ہوش ہوں ڈاکٹر!" میں نے پوچھا۔

"آپ کو دو دن بعد ہوش آیا ہے۔" ڈاکٹر نے جواب دیا تو میں چونک پڑا۔

"اوہ! میں کہاں ہوں؟" میں نے فوراً پوچھا۔

"فکر نہ کریں آپ! آپ ایک خفیہ ہسپتال میں ہیں۔ یہ ہمارا ایک میڈیکل سینٹر ہے۔ یہ زیر زمین ہے اور باقاعدہ ایک ہوسپٹل ہے۔ اس لئے یہاں آپ کو کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے۔ آپ کو ہوش نہیں آ رہا تھا۔ بظاہر چوٹ بھی نارمل تھی۔ آپ کو ہوش آ جانا چاہیے تھا مگر آپ کسی طرح بھی ہوش میں نہیں آ رہے تھے۔ اس وجہ سے

ہم پریشان تھے اور جناب شاہین صاحب بھی بہت فکر مند تھے اور فون پر بار بار آپ کو پوچھتے ہیں۔ میں ان کو اطلاع دیتا ہوں۔" ڈاکٹر نے مسرت بھرے لہجے میں جواب دیا۔

"میرے ایک ساتھی بھی ساتھ تھے ان کو گولی لگی تھی۔ وہ کیسے ہیں؟" میں نے اپنے مجاہد ساتھی کا پوچھا۔

"وہ بالکل ٹھیک ہیں اور ایک اور محفوظ مقام پر ہیں۔ آپ کو ہوش نہیں آ رہا تھا، اس لئے باقاعدہ ہوسپٹل میں لایا گیا۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔

"شکریہ ڈاکٹر! اب میں ٹھیک ہوں تو کیا میں جا سکتا ہوں؟" میں نے پوچھا۔

"اوہ...... نہیں آپ کی انجری مجھے کچھ سیریس لگ رہی ہے۔ میں آپ کے ایکسرے لے کر اس پر مزید سٹڈی کروں گا اور پھر آپ کو ڈسچارج کیا جائے گا۔ آپ کشمیر کے عظیم سپوت ہیں۔ آپ کو کچھ ہو گیا تو یہ کشمیر کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان کے مترادف ہے۔ اس لئے آپ کو کم از کم تین دن تو ضرور آرام کرنا ہے۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔

"نہیں ڈاکٹر! میں تو اللہ کے راستے کا ایک معمولی سپاہی ہوں۔ یہ جہاد چلتا رہتا ہے۔ اللہ کے نیک بندے ہر زمانے میں قتال کرتے رہتے ہیں۔ میں نہیں رہوں گا تو سو اور آ جائیں گے۔ ہمیں اصل کام پر دھیان دینا چاہیے۔ آپ مجھے جتنا جلدی ہو سکے یہاں سے ڈسچارج کر دیں۔ شکریہ ڈاکٹر۔" میں نے اطمینان بھرے لہجے میں کہا اور سرہانے پر سر رکھ دیا کیونکہ مجھے درد کا احساس شدید ہونے لگا تھا۔ ڈاکٹر جا چکا تھا اور میں دوبارہ دواؤں کے اثر میں آ کر شاید غنودگی کی حالت میں جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

میجر پراگ نے جیل کے ساتھ والے مضافاتی علاقے میں باقاعدہ ڈیرے ڈال لیے تھے۔ اس نے پولیس سٹیشن کے ایک کمرے کو خالی کروا کر وہاں اپنا دفتر بنا لیا تھا اور مزید نفری بھی منگوالی تھی۔ اس واقعہ کو آج چوتھا روز تھا۔ شہر کی سخت ناکہ بندی کی جا رہی تھی۔ لگاتار شک کی بنیاد پر گرفتاریاں اور تشدد بھی ہو رہا تھا مگر اسے کوئی حوصلہ افزا خبر سننے کو نہیں مل رہی تھی۔ جس کی وجہ سے اس کا موڈ سخت خراب تھا۔ لیکن اسے مکمل یقین تھا کہ فرار ہونے والے لوگ یہیں کہیں آس پاس ہی موجود ہیں۔

اچانک فون کی گھنٹی بجی اور اس نے ناگوار انداز میں فون کو دیکھا گویا اسے اس وقت فون کی گھنٹی بجنا سخت برا لگا ہو۔

"ہیلو!" اس نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"سر! میں بول رہا ہوں شنکر" آگے سے ایک منمناتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"کون شنکر؟" میجر کسی شنکر نام کے آدمی کو نہیں جانتا تھا۔

"سر! میں ٹیلی فون ایکسچینج سے شنکر بات کر رہا ہوں۔ آپ نے آرڈر دیا تھا کہ کوئی فون مشکوک لگے تو آپ کو اطلاع کروں صاحب! اسی لئے میں نے آپ کو فون کیا ہے۔" شنکر نے جیسے کہا میجر بالکل الرٹ ہو کر بیٹھ گیا۔

"جلدی بولو۔ کیا خبر ہے؟" میجر نے بے چین ہوتے ہوئے کہا۔

"سر! آج جب میں صبح ایکسچینج آفس پہنچا تو میری

عادت ہے کہ..........'' ابھی شنکر اتنا ہی بولا تھا کہ میجر نے اس کی بات کر کاٹی اور کہا:

''نانسنس! میں تمہیں کب سے بکواس کر رہا ہوں کہ مجھے فوراً خبر دو تم مجھے صبح کی کہانیاں اور اپنی عادتیں بتا رہے ہو۔ میں تمہیں ابھی اٹھوا کر کسی سڑی ہوئی جیل میں بھیج دوں گا۔'' میجر بری طرح اس پر برس پڑا۔

''سر! سر! سوری سر! ایک فون کال میں ''جانباز'' نام لیا گیا ہے''۔ شنکر نے آخر کار مدعے کی بات کہہ دی اور میجر کی جان میں جان آئی۔

''یہ کال کب کی گئی اور کیا یہ ٹیپ مجھے بھجوا سکتے ہو؟ اور لوکیشن بتاؤ فوراً'' میجر پراگ نے اپنی جگہ سے اچھلتے ہوئے کہا۔

''سر! میں اپنے بندے کو پولیس اسٹیشن اس ٹیپ کے ساتھ بھجوا رہا ہوں اور لوکیشن بھی ساتھ لکھ کر دے رہا ہوں۔ یہ آپ کے پاس آدھے گھنٹے میں پہنچ جائے گا'' شنکر نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

''ٹھیک ہے اپنے بندے سے کہو۔ جلد از جلد پہنچے!'' یہ کہہ کر میجر نے فون رکھ دیا۔

اس نے اپنی ٹیم کو تیار رہنے کا حکم دیا اور ٹیپ کا انتظار کرنے لگا۔ اس کے لئے پل پل گزارنا مشکل معلوم ہو رہا تھا۔ بالآخر آدھے گھنٹے کی صبر آزما انتظار کے بعد ٹیپ والا بندہ آیا اور اس نے ایک پیکٹ میجر کو تھما دیا۔

میجر نے پیکٹ کھول کر ٹیپ نکالی اور ریکارڈر میں لگا کر سننے لگا۔

''ٹون سنائی دینے لگی اور پھر فون اٹھانے پر سلام کہا گیا اور پھر اچانک خوشی کی آواز سنائی دی کہ

''سر! جانباز ہوش میں آ گیا ہے۔'' ابھی اتنا ہی کہا گیا کہ فوراً دوسری طرف سے کہا گیا کہ ''نام نہ لو اور ایکس کوڈ میں بات کرو۔''

اس کے بعد کی کال کوڈ ورڈ میں تھی جو کہ میجر کو سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ میجر نے ریکارڈر بند کیا اور فوراً چٹ کھولی جس میں جہاں سے کال کی گئی تھی اس کی لوکیشن درج ذیل تھی۔

لوکیشن جان کر وہ حیران رہ گیا کیونکہ وہاں لکھا تھا:

''سینٹرل ہوسپٹل''

میجر پراگ نے اپنے ساتھیوں کو تیار ہونے کا حکم دیا اور ان کی آدھا درجن کے قریب گاڑیاں پولیس اسٹیشن سے انتہائی برق رفتاری سے نکلیں اور ''سینٹرل ہوسپٹل'' کی طرف بڑھنے لگیں۔

☆......☆......☆

میجر پراگ اس بار مشن میں کامیاب ہو جائے گا؟

یا

جانباز اسے چکمہ دے کر ایک بار پھر نکل جائے گا؟

کیا جانباز کی ایسی حالت ہے کہ

وہ اس بار میجر پراگ جیسے ذہین اور چالاک آدمی کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو جائے گا؟

آخر کیا ہوگا؟

یہ سب جاننے کے لئے پڑھتے رہیے

آپ کا......ہم سب کا......

''مسلمان بچے''

☆......☆......☆

جانباز

زبیر طیب

قسط 19

"سینٹرل ہوسپٹل" ایک وسیع و عریض عمارت پر مشتمل تھا۔ یہ ہسپتال مکمل طور پر فوج کے کنٹرول میں رہتا تھا۔ لیکن یہاں صرف فوجیوں کی ہی نہیں بلکہ اعلیٰ حکام سے لے کر عام شہری تک کو علاج کی سہولت میسر تھی۔ یہ کشمیر کے انتہائی اچھے اور اعلیٰ معیار کے ہسپتالوں میں شمار ہوتا تھا۔ چونکہ یہاں اعلیٰ حکام بھی زیر علاج رہتے تھے، اس لئے یہاں کی سیکیورٹی مکمل طور پر فوج کے حوالے تھی اور چیکنگ کا نظام انتہائی سخت تھا۔ ہر آنے والے مریض کا پتا چلایا جاتا اور اس کی نگرانی کی جاتی۔ خصوصاً یہاں مسلمان مریضوں کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جاتا تھا۔ انہیں سخت چیکنگ کے مراحل سے گزر کر اپنے مریض کو دکھانا پڑتا تھا۔ اسی لئے یہاں مسلمان مریض کم ہی آیا کرتے تھے۔

یہ سب صورتحال میجر پراگ کو معلوم تھی، اسی لئے وہ "سینٹرل ہوسپٹل" کا نام سنتے ہی انتہائی حیران ہوا تھا۔ اسے ابھی تک یقین نہیں آیا تھا کہ "جانباز" جیسا کشمیر کا سب سے مطلوب ترین دہشت گرد اس ہوسپٹل میں زیر علاج ہو سکتا ہے۔ اس لئے اس نے ہوسپٹل کے متعلقہ حکام کو اطلاع دینے کی بجائے پہلے خود انکوائری کرنے کا سوچا اور اس طرف چل دیا۔ آدھا درجن کے قریب گاڑیوں میں سپیشل کمانڈوز مکمل جدید اسلحہ کے ساتھ ہوسپٹل کی طرف رواں دواں تھے۔ سب سے اگلی گاڑی میں میجر پراگ تھا جو سب کو لیڈ کر رہا تھا۔ اسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ اس بار اگر اس سے چوک ہو جاتی ہے تو پھر جنرل کرپا ڈیا اس کے کورٹ مارشل سے بھی نہیں چوکے گا۔ چنانچہ وہ اس بار مکمل طور پر فول پروف پلاننگ کے

ساتھ آ رہا تھا۔ تاکہ کسی قسم کے نقصان سے بچا جا سکے۔

☆......☆......☆

"السلام علیکم!" میں نے ڈاکٹر کو کمرے میں اندر آتا دیکھ کر سلام کیا۔

یہ ڈاکٹر واحد انسان تھا جو پچھلے پانچ دنوں سے مسلسل میرے ساتھ تھا۔ یہی میرے لئے کھانا لاتا اور میری ہر طرح کی ضرورت کو پورا کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ کسی ذی روح کو نہ تو میں نے دیکھا اور نہ ہی کسی کی آواز سنی اور نہ ہی بیرونی دنیا سے میرا کسی طرح کا کوئی رابطہ تھا۔

"وعلیکم السلام!" ڈاکٹر نے مجھے مسکرا کر جواب دیا۔

"اب آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں؟" ڈاکٹر نے مجھ سے پوچھا۔

"الحمد للہ! بہت اچھا محسوس کر رہا ہوں لیکن سر میں ابھی بھی کچھ بھاری پن ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے میرے سر پر کسی نے بھاری بوجھ لاد دیا ہو۔" میں نے جواب دیا۔

"جی! میں نے آپ کی رپورٹس دیکھی ہیں۔ آپ بہت جلدی سے صحت یاب ہو رہے ہیں۔ ورنہ جس قسم کی تکلیف سے آپ گزرے ہیں کوئی اور ہوتا تو اپنا سر دیوار سے مار کر پاش پاش کر دیتا۔ لیکن آپ ماشاء اللہ بہت ہمت والے ہیں۔ اب اگلے چوبیس گھنٹوں میں آپ کو آزادی ہو گی۔ آپ جہاں جانا چاہیں جا سکتے ہیں۔" ڈاکٹر نے مسکرا کر تمام صورتحال واضح کی۔

"شکریہ ڈاکٹر! اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔ آپ میری خاطر اپنی جان جوکھم میں ڈالے ہوئے ہیں، آپ بے حد قابل اور خدا ترس انسان ہیں، مجھے آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی۔" میں نے جواب دیا تو ڈاکٹر کی بوڑھی آنکھیں مسکرا اٹھیں۔ اسے میرا یوں تعریف کرنا شاید بہت ہی اچھا لگا تھا۔

☆......☆......☆

سینٹرل ہوسپٹل کے بڑے آہنی گیٹ کے بالکل سامنے یکے بعد دیگرے انتہائی تیزی سے فوجی جیپیں آ کر رکیں اور کمانڈوز کے جھرمٹ میں میجر پراگ جیپ سے اترا اور ہوسپٹل کے اندر چلا گیا۔ اس نے ہوسپٹل میں جاتے ہی احکامات دینے شروع کر دیئے، اس کے کمانڈوز پوزیشن سنبھالنے لگے اور باہری گیٹس بند کر دیئے گئے، اب نہ کوئی اندر آ سکتا تھا اور نہ ہی کوئی باہر جا سکتا تھا۔ اسی شور وغل میں ہوسپٹل کا سیکیورٹی انچیف میجر بخشی آن پہنچا اور میجر پراگ نے اسے ساری صورتحال سے آگاہ کیا کہ کس طرح اسی ہوسپٹل سے فون کیا گیا ہے اور اس میں جانباز کا نام لیا گیا ہے اور بتایا کہ اس کا شکار جانباز زخمی بھی ہے۔ اس لئے غالب گمان یہی ہے کہ وہ اسی ہسپتال میں کہیں چھپا ہوا ہے۔

"سر! آپ کو شاید کسی قسم کی شدید غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہ ایک مکمل ملٹری کنٹرولڈ ہوسپٹل ہے۔ یہاں آنے والے ہر مسافر کی اچھی طرح جانچ پڑتال کی جاتی ہے اور پچھلے دو ہفتوں سے ایسا کوئی زخمی نہیں لایا گیا جسے چوٹ کا زخم یا گولی کا زخم لگا ہو۔ آپ میرا یقین کیجیے سر!" میجر بخشی نے انتہائی حیرت انگیز لہجے میں مگر قدرے مؤدبانہ لہجے میں جواب دیا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس وقت یہ سارے کشمیر کی فوج کو عملاً لیڈ کر رہا ہے۔

"میجر بخشی! میں آپ کو آرڈر دیتا ہوں۔ فوراً تلاش کا عمل شروع کر دیا جائے۔ تمام وارڈ چیک کیے جائیں اور اگلے حکم تک نہ تو کوئی ہوسپٹل سے باہر جائے گا اور نہ ہی کوئی اندر آئے گا۔ یہاں تک کہ ہوسپٹل کے سٹاف سے لے کر سیکورٹی والے سب یہیں رہیں گے۔ کوئی بھی باہر نہیں جانا چاہیے۔ آرڈر از آرڈر میجر!" میجر پراگ نے قدرے سخت لہجے میں کہا تو میجر بخشی نے فوراً احکامات دینے شروع کر دیئے کہ مریضوں کی از سر نو جانچ پڑتال کا عمل شروع کیا جائے۔

چنانچہ آناً فاناً پورے ہوسپٹل میں ریڈ الرٹ جاری کر دیا گیا۔ مریضوں کی تفتیش کی جانے لگی، ڈاکٹرز اور نرسوں سے پوچھ گچھ ہونے لگی۔ تقریباً ایک گھنٹے کی انتھک محنت کے بعد میجر پراگ کو کوئی کلیو نہ ملا تو وہ حیران رہ گیا۔ کیا مخبر کی یہ رپورٹ غلط تھی؟ سوچ سوچ کر اس کا دماغ سائیں سائیں کرنے لگا تھا۔

"سر! میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ یہاں ایسا ہونا ناممکن ہے کہ کوئی آتنک وادی اپنا علاج کروا رہا ہوتا اور ہمارے علم میں یہ بات نہ آتی۔ ایسا کسی صورت ممکن ہی نہیں سر!" میجر بخشی نے کہا۔

"میجر! کال یہیں سے ہی کی گئی ہے۔ دال میں کچھ تو کالا ضرور ہے۔ کیا یہاں کوئی تہہ خانہ ہے؟ کوئی انڈر گراؤنڈ خفیہ کمرہ؟ جہاں کسی کو چھپا کر رکھا جا سکے؟" میجر پراگ نے پوچھا۔

"نہیں سر! سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں ایسا کچھ بھی نہیں؟" میجر بخشی نے جواب دیا۔ اسے میجر پراگ کی باتوں سے اب کوفت ہونے لگی تھی۔ لیکن وہ کیا کرتا؟ اس کے ماتحت تھا چنانچہ ہر سوال کا جواب دینا اس کا فرض تھا۔

"یہاں کتنے ڈاکٹرز ہیں اور ان میں مسلمان کتنے ہیں؟" میجر پراگ نے ایک خیال کے تحت پوچھا۔

"سر! یہاں تقریباً چوبیس ڈاکٹرز ہیں اور یہ جان کر آپ حیران ہوں گے کہ ان میں سے کوئی ڈاکٹر بھی مسلمان نہیں۔ کچھ عیسائی اور باقی تمام ہندو ڈاکٹرز ہیں۔ یہاں اکثر اوقات انتہائی اعلیٰ حکام کا علاج بھی چلتا رہتا ہے، اس لئے ہم کسی قسم کا رسک نہیں لے سکتے۔ چنانچہ تین سال پہلے تمام مسلمان ڈاکٹرز کو یہاں سے شفٹ کر دیا گیا تھا۔ یہاں کا کچھ سٹاف مسلمان ہے لیکن ان کی بھی ہر وقت کڑی نگرانی رکھی جاتی ہے۔" میجر بخشی نے قدرے تفصیل سے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"اچھا!!! اب تو واقعی معاملات اور بھی پیچیدہ ہو گئے ہیں۔ کوئی ڈاکٹر بھی یہاں مسلمان نہیں، تو آخر جانباز کی مدد کون کر سکتا ہے؟" میجر پراگ اس قدر کڑی سیکیورٹی کا سن کر واقعی حیران رہ گیا تھا۔ اب اسے رپورٹ کے غلط ہونے کا یقین سا ہو چلا تھا۔ وہ بار بار سامنے میز پر پڑے ہسپتال کی نقشے کی طرف جھک جاتا تو کبھی اس لسٹ کا معائنہ کرنے لگتا جن پر مریضوں کے کوائف لکھے ہوئے تھے۔ وہ ہمت ہار رہا تھا مگر اس کی چھٹی حس کچھ نہ کچھ غلط ہونے کا بھی اشارہ دے رہی تھی۔

☆......☆......☆

کمرہ ایک دھماکے سے کھلا اور میں بوکھلا سا گیا۔

"آپ کو یہاں سے جانا ہوگا۔ ملٹری انٹیلی جنس کے

درجن بھر سے زیادہ فوجی اور پرہسپتال سیل کر کے آپ کو تلاش کر رہے ہیں۔ انہیں مکمل یقین ہے کہ آپ یہاں ہیں۔ انہوں نے چپہ چپہ چھان مارا ہے لیکن انہیں سراغ نہیں مل رہا۔ لیکن مجھے نہیں لگتا کہ یہ جگہ میں ان سے خفیہ رکھ پاؤں گا۔ وہ جلدی ہی یہاں پہنچ جائیں گے آپ کو جانا ہوگا۔" ڈاکٹر نے انتہائی بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"آپ پریشان نہ ہوں۔ پانی پیجئے اور مجھے اطمینان سے بتائیے کہ کیا ہوا ہے؟" میں نے ڈاکٹر کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر نے ساری صورتحال بیان کر دی کہ کیسے چیکنگ کا عمل انتہائی سختی سے جاری ہے۔ اور وہ یہاں سے جانے کا نام ہی نہیں لے رہے۔ جیسے انہیں اطلاع مل چکی ہو کہ آپ یہاں ہیں۔ ڈاکٹر نے اس بار قدرے تفصیل سے لیکن جلدی جلدی تمام صورتحال سمجھا دی۔

"کوئی بات نہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے بتائیں کہ میں اب یہاں سے کیسے نکل سکتا ہوں؟" میں نے کہا۔

یہ کمرہ جہاں آپ اس وقت ہیں صرف کچھ سینئر ڈاکٹرز جانتے ہیں۔ یہ اصل میں دوائیوں کو سٹاک کرنے کا سٹور کہلاتا ہے جو زیر زمین بنایا گیا ہے۔ میں نے یہاں باقاعدہ بیڈ وغیرہ سیٹ کر کے اسے چھوٹا سا ایک کلینک بنا دیا ہے تاکہ آپ جیسے دین اسلام کے سرفروشوں کی کچھ مدد کر سکوں۔ یہاں ہوسپٹل میں میرا نام میرا مذہب کوئی نہیں جانتا۔ یہاں میری شناخت کچھ اور ہے۔ اس کمرے کے انتہائی بائیں جانب ایک دروازہ ہے۔ یہ ہوسپٹل کا عقبی راستہ ہے۔ اس دروازے کے باہر ایک ایمبولینس کھڑی ہے۔ وہ آپ استعمال کر سکتے ہیں۔ ایمبولینس میں ڈرائیور کی وردی بھی پڑی ہوئی ہے جو آپ کام میں لانا چاہیں تو لا سکتے ہیں لیکن آپ کو انتہائی احتیاط سے کام لینا ہوگا کیونکہ ہسپتال کو چاروں طرف سے گھیرا گیا ہے اور تمام راستے مکمل طور پر سیل کر دیئے گئے ہیں۔ یہ ایک پسٹل ہے جو میں نے ایسے حالات کے لئے یہاں چھپا کر رکھا تھا اسے آپ لے لیں! شاید یہ آپ کے کچھ کام آسکے اور ہاں آپ کی دماغ کی چوٹ ابھی بھی باقی ہے۔ اس لئے دماغ پر زیادہ زور نہ دیجئے گا ورنہ طبیعت بگڑ سکتی ہے۔ ابھی بھی آپ کو صحیح ہونے میں کچھ وقت درکار ہے۔ اب میں چلتا ہوں۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

یہ کہہ کر ڈاکٹر نے میری پیشانی کو چوما اور الوداع کہہ کر تیزی سے اس جانب چلا گیا جہاں سے آیا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں ڈاکٹر کی سلامتی کی دعا کی اور بیڈ سے اٹھ کر تیار ہونے لگا۔

☆......☆......☆

"سر! کیا آپ کے پاس کال کی کوئی ٹیپ ہے؟ ہو سکتا ہے میں آواز پہچان جاؤں؟" میجر بخشی نے اچانک پوچھا۔

"اوہ ہاں...... یہ آئیڈیا اچھا ہے۔ اس سے پتہ چل جائے گا۔" میجر پراگ نے چونکتے ہوئے کہا اور فوراً اپنے کمانڈوز کو حکم دیا کہ وہ ٹیپ کمرے میں لایا جائے۔ لیکن کچھ دیر بعد ہی پتہ چلا کہ ٹیپ وہیں پولیس اسٹیشن ہی میں موجود ہے۔ تیاری اس قدر جلدی اور بوکھلائے انداز

میں سب نے کی کہ وہ ٹیپ وہیں بھول آئے۔

"کیا وہ ٹیپ منگوائی نہیں جا سکتی سر!" میجر بخشی نے پوچھا۔

"منگوائی جا سکتی ہے لیکن اتنا وقت نہیں۔ اگر وہ آتنک وادی یہاں کہیں چھپا ہوا ہے تو اب تک اسے اطلاع مل گئی ہوگی اور وہ یہاں سے بھاگنے کی تیاری کر رہا ہوگا۔" میجر پراگ نے جواب دیا۔

"تم ایسا کرو سب کے سب ڈاکٹرز اور مرد سٹاف کو یہاں بلا لو۔ میں ایک بار سب کو دیکھنا چاہتا ہوں۔" میجر پراگ نے حکم دیتے ہوئے کہا۔

"یس سر! حکم کی تعمیل ہوگی۔" میجر بخشی نے کہا اور پھر وائرلیس پر سب کو احکامات دیے جانے لگے کہ تمام ڈاکٹرز اور مرد سٹاف آفس میں آ جائیں، دیکھتے ہی دیکھتے تمام ڈاکٹرز اور سٹاف آن پہنچا۔ میجر پراگ سب کے سامنے جا کر انہیں ہیلو ہائے کرنے لگا۔ وہ اصل میں اس آواز کو پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا جو اس نے ٹیپ میں سنی تھی۔ لیکن اسے کوئی ڈاکٹر نہ تو گھبرایا ہوا لگ رہا تھا اور نہ ہی آواز میچ ہو رہی تھی۔ اسی طرح سٹاف سے بھی بات چیت کی مگر کوئی خاطر خواہ کلیو نہ ملا۔

"کیا یہاں سب کے سب حاضر ہیں؟ کوئی غیر حاضر تو نہیں؟ یہ انتہائی اہم سیکیورٹی کا معاملہ ہے اس لئے صرف سچ بولا جائے۔" میجر پراگ نے کہا۔

"یس سر! تمام عملہ موجود ہے سوائے ایک ڈاکٹر کے۔ وہ ہمارے موسٹ سینئر ڈاکٹر ہیں اور ایک آپریشن میں مصروف ہیں۔ اسی لئے شاید نہیں آ پائے۔" میجر بخشی نے کہا۔

"میجر بخشی! میں نے کہا تھا سب کے سب؟ کیا آپ کو میری بات کا مطلب سمجھ نہیں آتا؟ فوراً ان کو بلایئے۔" میجر پراگ نے انتہائی سخت لہجے میں کہا۔

"یس سر! میں ابھی بلاتا ہوں۔" میجر بخشی نے فوراً کچھ فوجی جوانوں کو اس ڈاکٹر کو بلانے بھجوا دیا۔

تھوڑی دیر بعد ایک بوڑھا ڈاکٹر اندر داخل ہوا اور اندر کا منظر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کیونکہ یہاں پورے ہسپتال کا عملہ کھڑا ہوا تھا۔

"خیریت تو ہے میجر بخشی؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"سوری ڈاکٹر آرنلڈ! آپ کو تکلیف دی۔ میجر پراگ محکمہ انٹیلی جنس سے تشریف لائے ہیں اور کچھ سیکیورٹی کے معاملات دیکھ رہے ہیں۔" میجر بخشی نے مؤدبانہ انداز میں جواب دیا۔ کیونکہ ڈاکٹر آرنلڈ ہوسپٹل کے موسٹ سینئر ڈاکٹر اور انتہائی قابل ڈاکٹر تھے اور سب ان کی بے حد عزت کرتے تھے۔

"کوئی بات نہیں میجر!" ڈاکٹر نے میجر کو جواب دیا اور میجر پراگ کو دیکھنے لگ گیا۔

"کون ہو تم؟ مجھے سچ سچ بتاؤ؟ میں جانتا ہوں تم آواز کچھ کچھ تبدیل کر کے بات کر رہے ہو۔ تم اپنی اصلیت چھپا رہے ہو۔" میجر پراگ نے اچانک چیختے ہوئے کہا اور ڈاکٹر کے بہت قریب آ گیا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا اس طرح بات کی جاتی ہے؟" ڈاکٹر نے بغیر گھبرائے جواب دیا۔

"تمہاری یہاں کیا عزت ہے یا کیا قابلیت ہے؟

اس سے مجھے کوئی غرض نہیں، تم اپنی اصلیت سب کے سامنے لاؤ نہیں تو ابھی مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ!" یہ کہہ کر میجر پراگ نے اپنا پستول نکال کر ڈاکٹر کی کنپٹی پر رکھ دیا۔

یہ دیکھ کر میجر بخشی اور ہسپتال کا تمام سٹاف لرز کر رہ گیا اور احتجاج کرنے لگا۔ جس پر میجر پراگ نے سب کو سختی سے چپ کروا دیا۔

"میجر پراگ! کیا آپ پاگل ہیں؟ میں ابھی یہاں کے منسٹر سے بات کر کے آپ کو ڈسمس کروا سکتا ہوں۔" ڈاکٹر نے بغیر گھبرائے ہوئے کہا۔

"تمہارے ڈسمس کروانے سے پہلے ہی میں تمہیں شوٹ کر چکا ہوں گا۔ اگر تم نے اپنی حقیقت نہ بتائی تو۔ اب جلد از جلد بولو اور میرا وقت ضائع نہ کرو۔" میجر پراگ نے جواباً کہا۔

ڈاکٹر نے جب یہ صورتحال دیکھی تو سمجھ گیا کہ اس کا راز کھل چکا ہے۔ اب اس کا بچنا ناممکن ہے۔ تو اس نے سوچا کہ کیوں نہ شیروں کی طرح شہادت کو گلے لگایا جائے اور وہ اپنی اصلیت پورے ہسپتال کے سامنے رکھ دے کہ وہ ایک مسلمان ڈاکٹر ہے اور سالہا سال سے خفیہ طور پر مجاہدین اسلام کی خدمت بھی کر رہا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر نے ایک فیصلہ کیا اور اپنی آنکھیں بند کر کے کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ ایک قہقہہ سنائی دیا۔ تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"سوری ڈاکٹر! یہ ہماری تفتیش کا ایک انداز ہوتا ہے۔ امید ہے آپ مجھے مائنڈ نہیں کریں گے۔ اب آپ سب لوگ جا سکتے ہیں۔ شاید ہمیں اطلاع غلط ملی ہے۔" میجر پراگ نے کہا اور ہسپتال کا تمام عملہ یوں غائب ہو گیا کہ گویا اگر ایک سیکنڈ بھی اور ٹھہرا تو میجر پراگ انہیں گولیوں سے بھون ڈالے گا۔

ابھی عملے کو گئے ہوئے چند سیکنڈ ہی گزرے تھے کہ اچانک میجر پراگ کا وائرلیس بول اٹھا۔ میجر پراگ نے اسے آن کر کے ہیلو کہا۔

"سر! ایک ایمبولینس عقبی گیٹ پر موجود ہے اور باہر جانے کی اجازت چاہ رہی ہے۔ اس کا ڈرائیور کہہ رہا ہے کہ ایمرجنسی کال آئی ہے۔ اس لئے اسے فوراً نکلنا پڑ رہا ہے۔ آپ کا کیا حکم ہے سر!"

یہ سنتے ہی میجر پراگ کو کچھ گڑبڑ کا احساس ہوا اس نے فوراً جواب دیا:

"اس ایمبولینس کو وہیں روکو! ہم آ رہے ہیں۔ اگر کوئی غلط حرکت ہو تو بے شک فائر کھول دینا۔" یہ کہہ کر میجر پراگ اور میجر بخشی نے باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔ ان کا رخ عقبی گیٹ کی جانب تھا۔

ابھی ان لوگوں نے آدھا راستہ ہی کراس کیا ہوگا کہ ایک ایک زوردار دھماکے کی آواز سنائی دی اور وائرلیس بول اٹھا۔ کہنے والا چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ:

"ایمبولینس گیٹ توڑ کر باہر نکل چکی ہے۔ ایمبولینس گیٹ توڑ کر باہر جا چکی ہے اور ہمارے دو آفیسر اس کی فائرنگ سے زخمی ہوئے ہیں۔" یہ سنتے ہی میجر پراگ نے گاڑیاں منگوانے اور اس ایمبولینس کا پیچھا کرنے کا حکم دیا۔ اس نے چیخ چیخ کر سب کو احکامات دینے شروع کر دیئے۔

☆......☆......☆

میں نے جان لیا تھا کہ جب تک میجر پراگ نہیں آئے گا یہ لوگ گیٹ نہیں کھولیں گے۔ اس لئے فائنل ایکشن میں آنے کا وقت ہو گیا تھا۔ میں نے آہستہ آہستہ گاڑی ریورس کر کے پیچھے لے جا کر روک دی اور پھر پسٹل نکال کر میں نے فائر کھول دیا اور گاڑی کے ایکسلریٹر پر بھی بھرپور وزن ڈال دیا۔ ایمبولینس کا طاقتور انجن غرایا اور آناً فاناً گیٹ توڑ کر باہر کھلی سڑک پر پہنچ گئی۔ پیچھے سے شدید فائرنگ ہو رہی تھی مگر گاڑی کی سپیڈ اتنی تیز تھی کہ گولیوں نے سوائے شیشے توڑنے کے اور کچھ نہ کیا تھا۔ ابھی ہوسپٹل نظروں سے اوجھل نہ ہوا تھا کہ اچانک گاڑی اس قدر زور سے اچھلی کہ میرا سر گاڑی کی چھت سے بری طرح ٹکرایا اور میرے آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ میں نے بریک پر پاؤں رکھ کر دباؤ بڑھا دیا اور ذہن پر تاریکی چھا گئی۔ آخری احساس یہی تھا کہ میرا سر کوئی ہزار ٹکڑوں میں تقسیم ہو چکا ہے۔

☆......☆......☆

میجر پراگ اور میجر بخشی عقبی گیٹ پر کھڑے اپنی گاڑیوں کے آنے کا انتظار کر رہے تھے اور بڑی بے بسی سے ایمبولینس کو جاتا ہوا دیکھ رہے تھے کہ ایک دم اچھل پڑے۔ کیونکہ ایمبولینس ایک سپیڈ بریکر پر انتہائی تیزی سے اچھلی اور پھر رکتی چلی گئی یہاں تک کہ وہ مکمل رک گئی۔

یہ دیکھ کر میجر پراگ نے فوراً اپنے کمانڈوز کو پیدل ہی ایمبولینس کی جانب بڑھنے کا حکم دیا اور خود بھی بڑی تیزی سے ایمبولینس کی جانب دوڑ پڑا۔ اس کے چہرے پر خوشی کے آثار تھے کہ ناکامی سے دوچار ہوتے ہوتے آخر کامیابی اس کا مقدر ہو ہی گئی۔ جلد ہی وہ ایمبولینس کے قریب پہنچے اور اسے گھیرے میں لے لیا۔ تقریباً تیس سے زائد فوجیوں نے چاروں طرف سے اس ایمبولینس کو گھیر رکھا تھا۔

میجر پراگ نے دیکھا ڈرائیونگ سیٹ پر ایک خوبرو نوجوان آنکھیں بند کیے پڑا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں پستول تھا اور دوسرا ہاتھ نیچے لٹک رہا تھا۔ سر سے خون بہہ رہا تھا جس کی وجہ سے سر پر بندھی پٹی سرخ ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆

آخر کار میجر پراگ اپنے مشن میں کامیاب ہو ہی گیا......

اب کیا ہو گا؟

کیا جانباز کو فوراً شہید کر دیا جائے گا؟

یا

اس کو تنگ و تاریک کوٹھڑی میں قید کر کے اس پر مقدمہ چلایا جائے گا؟

یا اسے تشدد کر کے ستا ستا کر مار دیا جائے گا؟

جہاد کشمیر کا یہ عظیم سپوت جس نے کئی برس تک انڈین فوجوں کے ناک میں دم کیے رکھا کیا اب واقعی خاموش ہو جائے گا؟

یہ سب جاننے کے لئے پڑھتے رہیے

مسلمان بچے

اور ہاں

آپ سب کو میری طرف سے "عید مبارک"

☆......☆......☆

جانباز

زبیر طیب

قسط ۲۰

"ہینڈز اپ" میجر پراگ نے دور سے پسٹل کا رخ اس کی طرف کرتے ہوئے اونچی آواز سے کہا۔

لیکن کوئی ہل چل نہیں ہوئی، ایمبولینس میں موجود شخص جوں کا توں رہا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور ایک ہاتھ باہر لٹک رہا تھا۔

"کیا تم مجھے سن سکتے ہو؟" میجر پراگ نے ایک بار پھر چیختے ہوئے کہا۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ اُسے بے سدھ پڑا یہ نوجوان بھی سخت خطرہ نظر آ رہا تھا۔

"سر! لگتا ہے یہ بے ہوش پڑا ہے۔ ہمیں قریب جا کر اسے گرفتار کرنا ہوگا۔" ایک کمانڈر نے میجر پراگ سے کہا۔

"نہیں! یہ لوگ مرتے مرتے بھی جان لینے سے گریز نہیں کرتے۔ ہو سکتا ہے یہ ناٹک کر رہا ہو۔" میجر پراگ نے انتہائی بزدلانہ انداز میں جواب دیا۔ جسے اس نوجوان نے گردن ہلا کر مان لیا۔

اسی اثناء میں دو منٹ گزر گئے مگر کوئی ہل چل نہ ہوئی کہ اچانک میجر پراگ کا وائرلیس فون بج اٹھا۔ میجر نے اسی حالت میں فون اٹھا کر کان سے لگایا تو فون پر کرنل

کرپاڈیا تھا۔

''میجر! میں نے سنا ہے تم نے ایک ملٹری ہوسپٹل پر چھاپا مار کر وہاں کے لوگوں کو پریشان کیا ہے۔ کیا یہ بات سچ ہے؟'' جنرل کرپاڈیا نے سخت لہجے میں پوچھا۔

''سر! میں نے کنفرم رپورٹ کے بعد ہی وہاں چھاپہ مارا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اب ''جانباز'' میری تحویل میں ہے۔'' میجر پراگ نے فخریہ لہجے میں جواب دیا۔

''واٹ ......؟ کیا تم نشے میں ہو؟ تم نے جانباز کو گرفتار کرلیا ہے؟ اور مجھے اس کا علم تک نہیں؟ کیا تمہیں اب مذاق سوجھ رہا ہے؟'' جنرل کو میجر کی ذہنی حالت پر کچھ شک گزرا۔

''سر! کاش میں آپ کو ویڈیو دکھا سکتا۔ اس وقت وہی جانباز جس کی دہشت پورے کشمیر میں تھی آج میرے سامنے بے سدھ اور بے ہوش پڑا ہے۔'' میجر پراگ نے اس کے بعد ساری کارروائی مختصراً جنرل کرپاڈیا کے گوش گزار کردی۔

''ویلڈن میجر! تمہاری اس کارکردگی پر تمہیں انڈیا کا سب سے بڑا فوجی اعزاز دیا جائے گا۔ اب وہ کس حالت میں ہے؟'' جنرل نے پوری کہانی سننے کے بعد میجر کو شاباشی دیتے ہوئے کہا۔

''سر! وہ گاڑی میں بے ہوش پڑا ہے۔ آس پاس ہم نے پوزیشنز سنبھالی ہوئی ہیں اور ہم اسے گرفتار کرنے والے ہیں۔'' میجر پراگ نے جواب دیا۔

''واٹ ...... ابھی تک تم نے اسے نہ گرفتار کیا ہے اور نہ ہی مارا ہے اور تم مجھے اس کے اوپر کھڑے ہو کر اپنی کہانی سنا رہے ہو۔ نانسنس ...... الو کے پٹھے ...... کیا تم پاگل ہو؟ تمہیں فوج میں بھرتی کس نے کیا؟ اسے فوراً شوٹ کر دو۔'' جنرل کرپاڈیا نے اچانک میجر کو وہ گالیاں سنائیں کہ میجر نے کان سے وائرلیس ہٹا کر سوچا کہ کیا یہ وہی جنرل ہے جو اسے ابھی کچھ دیر پہلے انڈیا کا سب سے بڑا فوجی اعزاز دینے کی بات کررہا تھا۔

''سر! کیا اسے گرفتار نہ کیا جائے؟'' میجر پراگ نے پوچھا۔

نانسنس! گرفتار کر کے تم نے اس کا اچار ڈالنا ہے؟ تم جانتے ہو یہ اکیلا کام کرتا ہے۔ اس کا کوئی گروہ ہوگا تو اس کے بارے میں جان پاؤ گے نا؟ ویسے بھی گرفتار کرنے کی صورت میں اس پر مقدمہ چلے گا اور پھر نہ جانے کب اس کو سزا ہو۔ اسے ابھی کے ابھی گولیوں سے بھون ڈالو۔ اعلیٰ حکام کو دی جانے والی رپورٹ میں لکھ دیں گے کہ یہ بھاگتے ہوئے مارا گیا۔ تم ابھی کے ابھی اسے شوٹ کردو۔ دس از مائی آرڈر۔'' جنرل کرپاڈیا نے چیختے ہوئے کہا۔

''یس سر! یس سر! میں ابھی اسے شوٹ کردیتا ہوں اور لاش آپ کو بھجوا دیتا ہوں۔'' میجر پراگ نے جواب دیا اور ''اوور اینڈ آؤٹ'' کہہ کر کال ڈسکنکٹ کردی۔

اس پوری کارروائی میں اب تک دس منٹ سے زیادہ گزر چکے تھے۔ میجر پراگ نے آس پاس دیکھا۔ اس کے پاس تیس سے زائد کمانڈوز کھڑے تھے۔ جو فائرنگ کے لئے مکمل تیار تھے۔ اس نے ایمبولینس کی ڈرائیونگ سیٹ پر پڑے اس نوجوان کو دیکھا جو اپنی

صلاحیتوں میں کئی کمانڈوز کے برابر تھا۔ میجر پراگ چاہتا تھا کہ کم از کم جانباز اسے دیکھ لے تا کہ اسے معلوم ہو کہ اس کی موت کس کے ہاتھوں ہو رہی ہے، لیکن وہ مجبور تھا کیونکہ جانباز گہری بے ہوشی میں تھا۔

"سر! کیا حکم ہے؟" میجر پراگ جو گہری سوچ میں تھا، اپنے ایک کمانڈر کی آواز پر چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"اسے گولی مارنے کے آرڈرز آئے ہیں۔" میجر پراگ نے کہا۔

"یس سر! ہم تیار ہیں۔ جیسے ہی آپ حکم کریں گے پوری گاڑی کو گولیوں سے چھلنی کر دیا جائے گا۔" کمانڈوز میں سے ایک نے جواب دیا۔

☆......☆......☆

"ہیلو! ہیلو! میں بات کر رہا ہوں نمبر آٹھ۔ ہسپتال کی دوسری منزل کی کھڑکی پر کھڑے ہو کر سفید گاؤن میں ملبوس وہی ڈاکٹر کسی کو فون کر رہا تھا جس نے جانباز کی مدد کی تھی۔

"ہاں عقاب بات کر رہا ہوں۔ کہیے کیا بات ہے؟" ایک پریشان آواز سنائی دی۔

"سوری آپ کو یوں کال کی۔ اصل میں بات ہی کچھ ایسی ہے۔ جانباز اس وقت میری نظروں کے سامنے میجر پراگ کے گھیرے میں ایک ایمبولینس میں موجود ہے۔ اسے ابھی تک گرفتار نہیں کیا گیا۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے اسے کسی بھی وقت شوٹ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ وہ لوگ اسے گرفتار نہیں کر رہے۔" ڈاکٹر نے جواب دیا اور ساتھ ساتھ ہسپتال میں پیش آنے والی ساری صورتحال بھی مختصر بیان کر دی۔

"او کے" یہ کہہ کر فون دوسری طرف سے رکھ دیا گیا۔

ڈاکٹر نے ادھر ادھر دیکھا اور کسی کو نہ پا کر ہاتھ آسمان کی جانب اٹھا دیے۔ اس کے آنسو رواں تھے۔ لیکن وہ کھڑکی سے ہٹا نہیں۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آخر کیا ہوتا ہے؟

☆......☆......☆

میجر پراگ کے ذہن میں مسلسل ایک بات کھٹک رہی تھی کہ آخر جنرل کرپاڈیا نے اسے شوٹ کرنے کا کیوں کہا ہے؟ وہ انسان جس نے درجنوں بھارتی فوجیوں کو قتل کیا۔ سینکڑوں کو زخمی کیا۔ جو آج تک کبھی پکڑا نہیں گیا۔ کیا وہ اتنا غیر اہم ہو گیا کہ اسے تفتیش اور مقدمہ چلائے بغیر مار دیا جائے گا؟ کیا جنرل کرپاڈیا اس کی موت کا کریڈٹ خود تو نہیں لینا چاہتا؟ ایسے بہت سے سوال اس کے ذہن میں گردش کرنے لگے اور کچھ سوچ کر اس نے اپنے کمانڈوز کو گاڑی میں بیٹھے نوجوان کے قریب جانے کا حکم دیا۔ گاڑی کی مکمل تلاشی اور جانباز کو ہتھکڑیاں لگا کر دوسری گاڑی میں منتقل کرنے کی جلدی جلدی ہدایت دینے لگا۔ اس نے بالآخر یہی فیصلہ کیا کہ جانباز کو ہوش میں لا کر معلومات لے کر پھر قتل کر دیا جائے اور جنرل کو بتا دیا جائے کہ اسے مار دیا گیا ہے۔

اس کے کمانڈوز نے احکامات سننے کے فوراً بعد گاڑی کی تلاشی لے کر کچھ سامان کو قبضے میں لے لیا اور

جانباز کو گاڑی سے نیچے گھسیٹ کر ہتھکڑی لگا دی گئی اور اسے دوسری گاڑی میں منتقل کر دیا گیا اور چند ہی لمحوں میں یہ قافلہ ہسپتال کے مخالف سمت بڑی تیزی سے رواں دواں تھا۔

"یہاں سے سب لوگ دائیں طرف مڑ جاؤ! ہمارا پلان تبدیل ہو گیا ہے۔ ہم دوسرے شہر میں خفیہ سینٹر کی طرف جا رہے ہیں تاکہ جانباز کی گرفتاری کا کسی کو معلوم نہ ہو۔ یہ اطلاع ہم چند لوگوں سے باہر نہ جائے۔ آریو انڈر سٹینڈ" میجر پراگ نے سخت لہجے میں واکی ٹاکی پر سب کو الرٹ کر کے حکم جاری کر دیا۔

چنانچہ سب گاڑیاں شہر سے باہر جانے والی سڑک پر مڑ گئیں۔ میجر پراگ اپنے ایک انتہائی خفیہ سیف ہاؤس کی جانب رواں دواں تھا۔ وہ کسی چھاؤنی اور پولیس سٹیشن کی طرف رخ نہیں کرنا چاہتا تھا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر کسی طرح بھی کوئی اطلاع جانباز کے گرفتار کیے جانے کی جنرل کرپاڈیا کو مل گئی تو وہ اس کا ایک لمحے میں کورٹ مارشل کر دے گا۔ اس لئے میجر پراگ جانباز کو ہوش میں لا کر اسے ویڈیو اور تصاویر بنا کر مار دینا چاہتا تھا تاکہ کل اگر جنرل کرپاڈیا کریڈٹ لینے کی کوشش کرے بھی تو یہ ویڈیوز اور تصاویر اسے اصل ہیرو ثابت کر سکیں۔

دو گھنٹے کی مسلسل ڈرائیو کے بعد میجر پراگ اپنے ایک انتہائی خفیہ ٹھکانے پر پہنچ گیا۔ یہ آبادی کے ساتھ ملحقہ ایک بڑی کوٹھی نما عمارت تھی۔ یہ عمارت باقاعدہ کوئی فوجی ٹھکانہ نہیں تھی بلکہ یہ ان گھروں میں سے ایک گھر تھا جسے میجر پراگ نے ایسے ہی حالات کے لیے مختلف جگہوں پر لے رکھے تھے۔ یہاں سیکیورٹی کے نام پر صرف ایک چوکیدار تھا۔ مگر اب میجر پراگ کے ساتھ تیس سے زائد کمانڈوز تھے۔

میجر پراگ نے انتہائی احتیاط کا حکم دیتے ہوئے قیدی کو ایک کمرے میں کرسی کے ساتھ جکڑنے اور تمام کمانڈوز کو ایک بڑے ہال نما کمرے میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ حکم پاتے ہی تمام کمانڈوز جلد ہی ایک کمرے میں اکٹھے ہو گئے۔

"یاد رہے ہم جانباز کو انتہائی خفیہ طور پر یہاں لائے ہیں۔ جنرل کی طرف سے اسے فوراً مار ڈالنے کے آرڈرز ہیں لیکن ہم اس سے کچھ تفتیش کر کے ماردیں گے۔ ہو سکتا ہے اس سے اس کے کچھ ساتھیوں کا پتہ چل جائے۔ اس کے قتل ہوتے ہی تم سب کو میری ٹیم ہونے کے ناطے دیگر بڑے اعزازات سے بھی نوازا جائے گا۔ لیکن ایک بات یاد رکھنی ہے کہ اطلاع آج رات کسی صورت باہر نہ جائے۔" میجر پراگ نے تفصیلی طور پر تمام کمانڈوز کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"دوسری بات یہ کہ یہ عمارت ہمارا انتہائی خفیہ اڈہ ہے۔ آس پاس کی آبادی کو یہاں کسی غیر معمولی واقعہ ہونے کی بھنک نہیں لگنی چاہیے۔ اس لئے ڈرائیورز گاڑیوں کو مختلف جگہوں پر پارک کر آئیں اور باہر پہرہ دینے کی بالکل ترتیب نہ بنائیں۔ بلکہ دو، دو کی ٹولی صرف چھت پر جا کر معمول کے مطابق پہرہ دے گی۔ یہاں پر کسی کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ یہ جگہ انتہائی خفیہ ہے۔"

میجر پراگ نے اس کے ساتھ ہی بہت ساری مزید نصیحتیں بھی کیں اور پھر سب کو جانے کا حکم دے دیا۔

☆......☆......☆

''آنکھیں کھولو، مجھے دیکھو؟ دیکھو میں کون ہوں؟'' مجھے پاگلوں کی طرح چیخنے کی آوازوں کے ساتھ ساتھ تکلیف کا اس شدت سے احساس ہوا کہ میری آنکھ اور دماغ دونوں جاگ گئے۔ میں کرسی سے اس طرح جکڑا ہوا تھا کہ میرا معمولی سا ہلنا بھی دشوار تھا۔ آناً فاناً میری سمجھ میں آ گیا کہ میں اس ایمبولینس سے اب یہاں آرمی کی قید میں ہوں۔

''دیکھو مجھے! میں ہوں میجر پراگ'' یہ کہنے کے لئے وہ میرے قریب آیا اور میرے کان میں یہ بول کر ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کیا۔ چہرے پر درد کچھ زیادہ محسوس ہونے لگا جس سے اندازہ ہوا کہ یہ پاگل شخص کافی دیر سے مجھ پر طبع آزمائی کر رہا تھا۔

''تم جانباز ہو؟ جس نے پچھلے کئی برس سے سب کچھ برباد کر کے رکھ دیا۔ لیکن تمہیں تو دیکھ کر لگتا ہے تم ایک چڑیا بھی نہیں مار سکتے۔'' میجر پراگ نے میرے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''کون جانباز...... بھائی میں تو ڈرائیور ہوں۔'' میں نے ایک کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''ہاہاہا...... تم اب تک لوگوں کو بے وقوف بناتے چلے آئے ہو۔ لیکن میرا نام میجر پراگ ہے، تم لوگوں کی نسلیں بھی میرا نام یاد رکھیں گی۔ تمہارے کپڑے ایمبولینس کے اندر ہی مل گئے تھے۔ اس لئے تم جھوٹ نہ ہی بولو تو اچھا ہے۔'' میجر پراگ نے کہا اور میں نے گردن جھکا لی۔

''اب تم مجھے سیدھی طرح کچھ سوالوں کے جواب دے دو۔ مرنا تو تمہیں ہر صورت میں ہے ہی۔ لیکن اگر تم نے میرے تمام سوالوں کے جواب آسانی سے دے دیے تو تمہاری موت ضرور آسان کر دوں گا۔'' میجر پراگ نے سگریٹ کا ایک طویل کش لگاتے ہوئے کہا۔

''دیکھو میجر! موت تو صرف اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہے۔ بے شک مرنا ہر انسان نے ہے۔ تم میری موت کو نہ تو مشکل بنا سکتے ہو اور نہ ہی آسان۔ صرف اللہ ہی سب کچھ کر سکتا ہے۔ اس لئے تم مجھ سے کسی سوال کے جواب کی توقع مت رکھنا۔ ہاں تم مجھ پر اپنا زور آزما سکتے ہو۔'' میں نے دل کڑا کر کے جواب دیا۔

''کافی بہادر لگتے ہو۔ لیکن تم مجھے جانتے نہیں۔ میں قصائی ہوں۔ گھی سیدھی انگلی سے نہ نکلے تو الٹے ہاتھوں سے نکال سکتا ہوں۔ میرے کچھ سوال سن لو! پھر جواب دینا مناسب سمجھو تو دے دینا۔ نہیں دو گے تو اپنی دردناک موت کے خود ذمہ دار ہو گے۔

میرا پہلا سوال یہ ہے کہ:

(۱) ہسپتال میں کس ڈاکٹر نے تمہاری مدد کی؟ اس کا نام کیا ہے؟

(۲) جیل سے جس شخص کو تم نے چھڑوایا وہ کہاں ہے اور کس گروپ نے تمہاری مدد کی؟

(۳) تمہارے گھر والے کہاں ہیں؟

(۴) تمہارا اصل مشن کیا ہے؟

(۵) تمہیں ٹریننگ کس نے دی؟

یہ پانچ سوال ہیں جانباز۔ تمہارے پاس پانچ منٹ ہیں۔ سوچ لو۔ اگر جواب دے سکو تو دے دو۔ ورنہ کافی دنوں سے میرے ہاتھوں میں کھجلی ہو رہی ہے۔ میں نے اور میرے ساتھیوں نے کسی کی کھال نہیں کھینچی۔" یہ کہہ کر میجر پراگ اور اس کے ساتھی کمرے سے باہر جانے لگے۔

"رکو! تمہارے پاس پانچ منٹ ہوں گے۔ میرے پاس ایک منٹ بھی نہیں۔ تمہارے ہر سوال کا جواب میرے پاس نہیں ہے۔ تمہیں جو کچھ کرنا ہے۔ ابھی سے کرنا شروع کر دو میجر!"

میں نے اللہ کا نام لے کر اس دشمن کے سامنے ہتھیار نہ ڈالنے کا سوچا اور اسے سخت لہجے میں جواب دے ڈالا۔

"واہ کیا بے خوفی ہے۔ میں نے تم جیسا بے وقوف انسان نہیں دیکھا۔ ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔"

اس نے یہ کہہ کر اپنے ایک ساتھی کو اشارہ کیا اور وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک بڑے پلاس نما کوئی چیز تھی۔ ایک آدمی نے میرے قریب آ کر میرے منہ میں ایک بھاری کپڑا ڈالا اور دوسرے آدمی میرے پاؤں کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ میں سمجھ گیا اب میرا امتحان شروع ہونے والا ہے۔

میجر پراگ سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا اور بولا:

"جانتے ہو اب یہ کیا کرنے والا ہے؟ یہ اس پلاس سے تمہارے پاؤں کا ایک ایک ناخن اکھیڑ ڈالے گا۔ تمہاری چیخیں سننے والا یہاں کوئی نہیں ہے۔ جب بتانے کا دل چاہے تو آنکھوں سے اشارہ کر دینا۔ یہ کھیل بند کر دوں گا۔" میجر پراگ نے ایسے بتایا جیسے وہ کسی اپنے من چاہے کھیل کے بارے میں بات کر رہا ہوں۔ وہ شکل سے انتہائی مطمئن لگ رہا تھا۔ جس سے پتہ چلتا تھا کہ واقعی وہ انتہائی سفاک طبیعت واقع ہوا ہے۔

میجر پراگ کے اشارہ کرنے پر اس آدمی نے میرے دائیں پاؤں کے انگوٹھے پر پلاس رکھا اور ایک جھٹکے سے ناخن اکھیڑ ڈالا۔ میری چیخ بلند ہوئی مگر منہ میں بھاری کپڑا ہونے کی وجہ سے صرف کچھ ہی آواز باہر نکلی۔ میرے جسم میں جیسے آگ سی لگ گئی تھی۔ درد کی شدت کی وجہ سے آنکھوں سے آنسو آ گئے تھے۔ اسی اثناء میں ظالم نے دوسرا، پھر تیسرا اور یکے بعد دیگرے چار ناخن ہی اکھیڑے تھے کہ مجھے غنودگی آنے لگی اور میرے ذہن پر تاریکی چھانے لگی۔

"نہیں اسے بے ہوش مت ہونے دو۔ اس پر یخ بستہ ٹھنڈا پانی ڈالو۔" مجھے میجر پراگ کی آواز سنائی دی۔

اور چند لمحوں میں میرے اوپر ٹھنڈے پانی کی بالٹی الٹ دی گئی اور میرے اوسان بحال ہو گئے، درد کی شدت سے دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ مجھے واپس ہوش میں آتا دیکھ کر اس ظالم بھیڑیے نے پانچواں ناخن بھی ایک جھٹکے سے اکھیڑ ڈالا اور میری دبی دبی چیخیں پورے کمرے میں سنائی دینے لگیں۔

میجر پراگ میرے سامنے آیا اور میری ٹھوڑی پر ہاتھ رکھ کر میرا چہرہ اوپر کیا جو درد کی شدت سے سرخ ہو چکا تھا۔

"ہاں جانباز! کچھ سوالوں کے جواب آ گئے دماغ میں؟" میجر پراگ نے ہنستے ہوئے کہا۔

میں نے اس کی طرف دیکھا اور گردن نہ میں ہلا دی۔

اس نے غصے کے مارے اس شخص سے پانی لیا اور میرے چہرے پر پوری قوت سے دے مارا۔ میری ناک سے خون کا فوارا نکل پڑا۔

میجر پراگ غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا:

"نہیں! نہیں! اس کے ساتھ کچھ اور معاملہ کرنا پڑے گا۔ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔ جا کر ایک بڑا پائپ لو۔ اس پائپ کا ایک سرا پانی کی موٹر کے ساتھ لگا دو۔ دوسرا اس کمرے میں لا دو۔ جاؤ فوراً۔" میجر پراگ کے ذہن میں کچھ اور شیطانی خیال گردش کرنے لگا تھا۔

آناً فاناً اس کے حکم کی تعمیل کر دی گئی۔ میجر پراگ کے حکم پر ان دونوں نے میرے منہ کو مضبوطی سے پکڑا اور میجر پراگ نے وہ پانی کا پائپ جس سے بڑی تیزی سے پانی نکل کر باہر آ رہا تھا میرے منہ میں ڈال دیا۔ ایک دم اتنا سارا پانی میرے منہ میں مسلسل جانے لگا۔ ایسی بے رحمانہ سزا میں پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ میں سر پوری قوت سے ادھر ادھر مارنے لگا۔ میرا سینہ اور پیٹ پھٹنے والا ہو چکا تھا۔ جب میجر پراگ کو لگا کہ یہ اذیت میرا خاتمہ کر سکتی ہے تو اس نے پائپ منہ سے ہٹا لیا۔ میرے منہ سے اس کے پائپ ہٹانے پر جیسے فوارا سے ابل پڑا۔ مسلسل پانی میرے منہ سے نکلنے لگا۔ میرے اعصاب کمزور پڑ رہے تھے۔ میں ہوش و حواس سے بیگانہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر پائپ باہر رکھ کر پھر دوبارہ منہ میں ڈال دیا۔ ابھی دو سیکنڈ بھی نہیں گزرے تھے کہ میرا پورا جسم لرزنے لگا۔ میں تکلیف کی وہ شدت محسوس کی کہ میں تمنا کرنے لگا کہ کاش میرا جسم پھٹ جائے اور میری روح فنا ہو جائے۔ چند سیکنڈ بعد پائپ کو پھر منہ سے نکال لیا۔ میری آنکھیں بند ہو چکیں تھیں۔ منہ سے مسلسل پانی کا اخراج ہو رہا تھا۔ سینہ پھٹنے کی قریب ہو رہا تھا۔

"ہاں بولو جانباز: کچھ یاد آیا۔" میجر پراگ نے پوچھا۔

لیکن میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ کیونکہ اس وقت میری زبان پر، دل پر اور دماغ میں صرف ایک ہی لفظ تھا:

"اللہ"

اور پھر نہ جانے کب میری ذہن پر تاریکی چھا گئی۔ آخری احساس یہی تھا کہ میری روح اس جسم کو چھوڑ چکی ہے اور میں ہر تکلیف سے آزاد ہو چکا ہوں۔

☆......☆......☆

"کیا یہ بے ہوش ہو چکا ہے؟ میں نے تمہیں کہا بھی ہے کہ اسے بے ہوش نہیں ہونا چاہیے" میجر پراگ نے چیختے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"سر! ہم اس پر پانی پھینک چکے ہیں۔ ہر طرح سے دیکھ چکے ہیں۔ مگر یہ ہوش میں نہیں آ رہا ہے۔" اس کے ساتھی نے جواب دیا۔

"کیا یہ مر چکا ہے؟ نہیں یہ مر نہیں سکتا۔ یہ مجھے سارے سوالوں کے جواب دے گا۔ پھر اس کی موت کو عبرتناک بناؤں گا۔" میجر پراگ جانباز کو بری طرح جھنجھوڑنے لگا۔ وہ خود بھی تھک چکا تھا اور ذہنی طور پر جانباز سے کسی قدر خوف بھی کھا رہا تھا کہ کوئی انسان کیسے

اس قدر تشدد کو برداشت کر سکتا ہے۔

"ٹھیک ہے اسے یہیں پڑا رہنے دو۔ صبح دیکھتے ہیں۔تم لوگ بھی اب آرام کر لو!" میجر پراگ نے ایک نظر بے جان لاش کی طرح پڑے ہوئے جانباز کو دیکھا اور کمرے سے باہر آ گیا۔

اس نے اپنے عالیشان کمرے میں پہنچ کر سونے سے پہلے ایک بار باہر کی صورتحال معلوم کرنے کے لئے واکی ٹاکی پر رابطہ کیا:

"ہیلو ہیلو۔ آس پاس کی کیا پوزیشن ہے؟" میجر پراگ نے پوچھا۔

"سر! یہاں سب کنٹرول میں ہے۔ چیخوں کی آواز کچھ باہر ضرور سنائی دی۔ لیکن شہریوں میں سے کسی کی ہلچل محسوس نہیں کی گئی۔" چھت پر موجود پہریداروں کی جانب سے جواب آیا۔

"او کے اوور اینڈ آؤٹ" یہ کہہ کر میجر نے واکی ٹاکی آف کیا اور سونے کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔

ابھی اسے سوئے ہوئے کچھ ہی لمحے ہوئے تھے کہ اچانک وائرلیس سیل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے سوئے ہوئے حالت میں ہی فون کو کان سے لگایا اور ہیلو کہا۔

"ہیلو میجر! تم نے جانباز کے بارے میں کوئی رپورٹ نہیں دی؟ اس کی لاش کہاں ہے؟" کال پر جنرل کرپاڈیا تھا۔ جس کی آواز سنتے ہی میجر پراگ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"سر! اسے گولیاں ماردی گئی ہیں۔ اس کی لاش اس وقت میری تحویل میں ہے۔ صبح ہوتے ہی لاش لے کر آپ کی طرف روانہ ہو جاؤں گا سر!" میجر پراگ نے کہا۔

"ویلڈن میجر! تم اصل ہیرو ہو۔ تمہیں جلد از جلد دہلی بلایا جائے گا اور اعلیٰ اعزازات سے نوازا جائے گا۔" اس طرح کی چند تعریفیں کر کے جنرل نے فون رکھ دیا۔ اس کے بعد میجر پراگ نے دوبارہ سونے کی کوشش کرنے ہی لگا تھا کہ اچانک واکی ٹاکی پر آواز سنائی دی:

"سر! ہم نے جنوبی سائیڈ پر کچھ ہلچل محسوس کی ہے۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے وہاں کچھ لوگ ہیں۔ آپ حکم کریں تو ہم وہاں جا کر دیکھ آئیں۔" چھت پر موجود سپاہیوں میں سے ایک نے پوچھا۔

"مقامی لوگ ہوں گے۔ تم خوامخواہ وہم نہ پال لو۔ پھر بھی جب کچھ شک پیدا ہو گیا ہے تو سول وردی میں جا کر تم دونوں دیکھ آؤ۔ واپس آ کر مجھے رپورٹ کرو۔ اوور اینڈ آؤٹ۔"

یہ کہہ کر میجر پراگ نے واکی ٹاکی سائیڈ پر رکھا اور شدید تھکن کی وجہ سے اس کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں۔

☆......☆......☆

جانباز...... کیا اس قدر تشدد سہہ پائے گا؟

کیا وہ میجر پراگ جیسے پاگل انسان کا تشدد سہہ کر زندہ رہے گا؟

یا

وہ واقعی اسی رات شہادت کا اعلیٰ رتبہ پالے گا؟

کیا ہوگا؟

یہ سب جاننے کے لئے پڑھتے رہیے

مسلمان بچے

زبیر طیب

جانباز

قسط ۲۱

دہلی کی ایک مشہور شاہراہ کے ایک سرے پر وزارت دفاع کی خصوصی عمارت میں آج سیکیورٹی بہت سخت تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس عمارت کو آج پارلیمنٹ سے بھی زیادہ اہمیت دے دی گئی ہے۔ زمینی سیکیورٹی کے علاوہ فضائی سیکیورٹی کا بھی خاص خیال رکھا گیا تھا۔ آدھے درجن کے قریب ہیلی کاپٹرز فضا میں موجود تھے جو مسلسل وزارت دفاع کی عمارت کے گرد چکر کاٹ رہے تھے۔ عمارت کے سامنے والی سڑکوں کو بھی بلاک کر کے ٹریفک کو متبادل راستہ دیا گیا تھا۔

وجہ یہ تھی کہ آج یہاں بھارتی صدر اور وزیر اعظم کے علاوہ فوجی سربراہان اور ملک کی اہم سیاسی اور عسکری شخصیات ایک انتہائی اہم کام کے لئے اس عمارت میں موجود تھیں۔ وزارت دفاع کی اس شاندار عمارت کی دوسری منزل پر ایک بڑے ہال نما کمرے میں عدالت لگی ہوئی تھی۔ ہال کا ماحول انتہائی سنجیدہ اور کس قدر تلخی لیے ہوئے تھا۔ کٹہرے میں ایک فوجی سر جھکائے کھڑا تھا جب کہ ایک وکیل اس پر جرح کر رہا تھا۔ اس سے سوال پر سوال کر رہا تھا۔ انڈین صدر اور وزیر اعظم اور فوجی

سربراہان کی تمام تر نظریں اس فوجی پر لگی ہوئیں تھیں جو سر جھکائے کٹہرے میں خاموش کھڑا تھا۔

یہ میجر پراگ تھا۔ کشمیر میں انڈین جنرل کر پاڈیا کا رائٹ ہینڈ اور اس کا سب سے بااعتماد ساتھی...... اور یہ اس کے کورٹ مارشل کی کارروائی تھی۔

''میجر پراگ! میں آپ سے چند سوال پوچھوں گا۔ امید ہے آپ مجھے اس کے ٹھیک ٹھیک جواب دیں گے۔ یہ عدالت اور حکومت آپ کی حکومتی خدمات کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتی ہے لیکن آپ سے کچھ ایسا سرزد ہو چکا ہے جس کی سزا آج پورا بھارت بھگت رہا ہے۔ اسی وجہ سے آپ آج یہاں ہیں۔ کیا آپ میرے تمام سوالوں کا جواب دیں گے؟'' وکیل نے پوچھا۔

''یس سر! میں دوں گا۔ میں سچ بولوں گا سچ کے سوا کچھ نہیں بولوں گا۔'' میجر نے کانپتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میجر! کیا آپ مجھے بتائیں گے کہ 20 اگست کی رات کو اصل میں ہوا کیا تھا؟ ہمیں مکمل تفصیل چاہیے۔'' وکیل نے اپنا پہلا سوال داغا۔

میجر نے ایک نظر سامنے بیٹھے اپنے آفیسران کو دیکھا اور گلا کھنکار کر بولنے لگا:

'' 20 اگست کی رات کو میں نے اور میرے چند کمانڈوز نے انڈیا کے سب سے بڑے دہشت گرد آتنک وادی جانباز کو پکڑ کر ایک عمارت میں قید کر لیا تھا۔ حالانکہ مجھے آرڈر ہوا تھا کہ اسے دیکھتے ہی گولی مار دوں۔ لیکن میں اپنے تجسس اور انا کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے ایک خفیہ سینٹر میں لے گیا تھا اور اپنے جنرل کو یہ اطلاع کر دی تھی کہ میں نے اسے قتل کر دیا ہے۔ یہ میری سب سے بڑی غلطی تھی۔

جانباز میری زندگی کی سب سے بڑی پہیلی تھا۔ ایک ایسا شخص جو گزشتہ کئی سالوں سے دنیا کی بہترین آرمی اور جاسوسی اداروں کو چکمہ دینے میں کامیاب رہا ہے۔ تو آخر کس طرح؟

ایک ایسا شخص جو کسی گروپ اور ساتھیوں کے بغیر اکیلا ایک چھاؤنی میں گھس کر کس طرح بے دردی اور بے باکی سے مسلح اہلکاروں کو مارتا ہے؟ آخر کس پلاننگ کی تحت؟

ایک ایسا شخص جو اپنے پیچھے سراغ نہیں چھوڑتا۔ لاکھ سر پٹک لو لیکن وہ ہر بار بچ نکلتا ہے؟ آخر کیوں؟

ایک ایسا شخص جس کا خاندان، ماں، باپ، بہن، بھائی آج تک کسی کا بھی سراغ نہیں ملا؟ ایسا کیونکر ہوا؟

ایک ایسا شخص جو اپنے آپ کو خفیہ رکھنے میں اس قدر کامیاب رہا کہ اس کی کوئی واضح تصویر اور شناخت بڑے سے بڑے ادارے کے پاس بھی نہیں؟ آخر ایسا کیسے ممکن ہے؟

ایک ایسا شخص جس کی ٹریننگ ایسے انداز میں ہوئی کہ وہ بڑے سے بڑا کام تنہا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے؟ آخر اسے ٹریننگ کس نے دی؟

میں نے اپنے پورے فوجی کیریئر میں کسی مجرم کو پکڑنے کے لئے اتنی تگ و دو نہیں کی جتنی مجھے جانباز کے لئے کرنی پڑی؟ آخر کیا تھا وہ؟

یہی سب سوال مجھے اس کو زندہ رکھنے پر مجبور کر گئے۔

لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں نے اس پر بے رحمانہ تشدد کیا۔ ایسی ایسی سزا دی کہ انسان کی روح کانپ اٹھے لیکن اس نے ایسی بہادری دکھائی کہ مجھے اپنے ایک سوال کا آدھا جواب بھی نہ مل سکا۔ یہاں تک کہ میں اس کے منہ سے اس کا نام بھی نہ سن پایا۔ میں اس پر تشدد کرتا رہا۔ وہ موت کے قریب پہنچ چکا تھا۔ میں نے تب اسے چھوڑ دیا۔ اور سونے کے لئے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اس خفیہ سینٹر کا میرے علاوہ اور کسی کو معلوم نہیں تھا۔ میرے ساتھیوں کو بھی اس وقت معلوم ہوا جب میں ان کو یہاں لے کر آیا۔ اس کے علاوہ محکمے میں کوئی بھی اس خفیہ سینٹر سے واقف نہ تھا۔ پھر بھی میں نے چاروں طرف سے سکیورٹی کا خاص خیال رکھا۔ نیند سے کچھ ہی دیر قبل اچانک مجھے بتایا گیا کہ انہوں نے کچھ لوگوں کی ہلچل سینٹر کے باہر محسوس کی ہے۔ میں نے اسے ایک وہم جانا لیکن پھر بھی احتیاط کے تقاضے کے طور پر انہیں چیکنگ کا کہا اور خود نشے میں دھت ہو کر سو گیا۔

اس کے بعد مجھے کچھ معلوم نہیں کیا ہوا۔ میرے ہوش وحواس تب بحال ہوئے جب ایک زناٹے دار تھپڑ میرے گال پر پڑا اور میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ میں نے ادھر ادھر نگاہ گھمائی تو میں اپنے کمرے کی بجائے اس کمرے میں تھا جہاں جانباز کو رکھا گیا۔ مجھے اسی کرسی پر باندھا گیا تھا جس پر میں جانباز کو بے سدھ بٹھا کر آیا تھا۔ میرے ہوش واپس آئے تو میں نے دیکھا:

ایک نقاب پوش شخص جس کی صرف لال سرخ آنکھیں نظر آ رہیں تھیں میرے سامنے بالکل اطمینان بھرے انداز میں بیٹھا مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس کے پیچھے ایک اور نقاب پوش کھڑا تھا جو انتہائی چوکس لگ رہا تھا۔ لیکن مجھے جانباز کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ مجھے یہ سب ایک خواب سا محسوس ہو رہا تھا۔

”کون ہو تم؟ اور یہ کیا کیا ہے میرے ساتھ؟ میرے ساتھی کدھر ہیں؟“ میں نے اس نقاب پوش سے سوال کیا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ میرا سوال کس قدر فضول ہے۔

”میجر! تم اس وقت اپنے ہی بنائے ہوئے قید خانے میں ہو۔ ہم یہاں سے جانباز کو لینے آئے ہیں۔ تمہارے سارے کمانڈوز کی لاشیں صحن میں پڑی ہیں۔ اب صرف تم اس گھر میں اکیلے رہ گئے ہو۔“ اس نقاب پوش نے جواب دیا۔

اس کی آواز میں عجیب رعب تھا۔ میں ایک لمحے کو سہم سا گیا تھا۔ اس کی لال سرخ آنکھوں سے گویا شعلے نکل رہے تھے۔ مجھے اپنی موت صاف نظر آ رہی تھی۔ میرے انتہائی تربیت یافتہ لڑاکے یوں مارے جائیں گے، ایسا میں نے کبھی سوچا تک نہ تھا۔ اس کے بعد وہ نقاب پوش بولتا رہا اور میں چپ چاپ سنتا رہا۔ وہ مجھ سے جانباز پر کیے گئے بہیمانہ تشدد کا بدلہ لینے کی بات کر رہا تھا۔ وہ مجھ سے ہزاروں کشمیریوں کے خون کا حساب مانگ رہا تھا۔ اس کی آواز میں سنجیدگی تھی۔ اس کی گفتگو میں بلا کی

ذہانت تھی۔ وہ ایک لمحے کو ایسا لگتا جیسے سکون کا سمندر ہو اور دوسرے ہی لمحے اس کی آواز میں ایسی کرختگی اور گرج آ جاتی گویا جیسے پہاڑ کا سینہ چیر رہا ہو۔

پھر وہ ایک دم اپنی جگہ سے اٹھا اور میرے قریب آیا، جھک کر میرے چہرے کو ایک ہاتھ سے تھاما اور دوسرے ہاتھ سے خنجر نکال کر میرے منہ کے اندر ڈال دیا۔ اس لمحے میرا جسم اس زور سے کانپا کہ مجھے زندگی میں اس قدر تکلیف کا احساس نہیں ہوا۔ لگ رہا تھا جیسے میری روح کو کچل دیا ہو۔ اس کی آنکھوں کی خونخواری نے مجھ پر کپکپی طاری کر دی۔ وہ چاقو میرے منہ میں ڈال کر کہنے لگا:

"میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں ابھی اسی وقت یہی خنجر تمہارے منہ سے چیرتا ہوا حلق کو پھاڑتا ہوا دل تک لے جاؤں اور پھر تم سے پوچھوں کہ درد کیا ہوتا ہے؟ خوف کیا ہوتا ہے؟ موت کیا ہوتی ہے؟ تمہاری ایک ایک بوٹی الگ کر کے تمہاری چیخیں سنوں۔

لیکن میں تم جیسا درندہ نہیں ہوں۔ تم جیسا جانور نہیں ہوں۔

تم مر بھی گئے تو زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا؟ ایک بدبودار جانور اس دنیا سے چلا جائے گا؟ بس...... اور کچھ نہیں ہوگا۔

آج میں نے تمہیں مار دیا تو یہ آسان موت ہوگی۔

بہت آسان......

اور میں ایسا نہیں چاہتا......

تمہاری موت بہت دردناک ہونی چاہیے......

تم خود موت مانگو...... لیکن تمہیں موت نہ ملے......

اور ایسا میں نہیں کر سکتا......

تمہارے اپنے ہی لوگ خود ایسا کریں گے......

تمہارے ساتھ...... جانوروں سے بھی بدتر سلوک کریں گے......

تم پر لوگ تھوکیں گے......"

اس کی آواز میں غراہٹ تھی۔ اس کا خنجر میرے منہ سے ہٹ چکا تھا۔ میں اندر ہی اندر خوش ہو رہا تھا کہ میری جان چھوٹ گئی۔ انہوں نے میرے سر پر ایک شدید چوٹ لگائی اور میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

آنکھ کھلی تو میں نے خود کو اسی کمرے میں موجود پایا۔ جہاں مجھے باندھا گیا تھا۔ لیکن اب میں رسیوں سے آزاد تھا۔ میں نے دروازہ کھولا اور باہر صحن میں دیکھا اور پورا گھر چھان مارا لیکن مجھے کوئی نہ ملا سوائے میرے ساتھیوں کی لاشوں کے۔ میں نے وائرلیس پر فورس کو طلب کیا اور ساری رپورٹ تیار کر کے جنرل کرپا دیا کو بھیج دی اور پھر مجھے دہلی بلا کر آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔"

میجر نے ساری گفتگو سنا کر ایک نظر سامنے بیٹھے افراد کو دیکھا اور نظریں جھکا لیں۔

"میجر! کیا تم جانتے ہو اس شخص کو جس نے تمہارے ساتھ گفتگو کی؟ حملہ آور لوگوں میں سے کسی ایک کو بھی پہچانتے ہو؟" وکیل نے دوسرا سوال کیا۔

"نہیں سر! انہوں نے نقاب لگائے ہوئے تھے اور آواز سے مجھے صرف یہی اندازہ ہوا کہ یہ لوگ کشمیری

کے مقامی تھے۔" میجر نے جواب دیا۔ وہ اب کافی حد تک خود کو سنبھال چکا تھا۔

"میجر! جب تمہیں آرڈرز تھے کہ جانباز کو دیکھتے ہی گولی ماردی جائے تو تم نے ایسا کیوں نہ کیا؟" ایک سوال کیا گیا۔

"میرے خیال میں اس سوال کا جواب میں اوپر پہلے سوال کے جواب میں دے چکا ہوں۔ میرے لئے جانباز ایک پہیلی تھا۔ ایک معمہ جسے میں حل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن ناکام رہا اور اسی کے سبب آج میں یہاں ہوں۔" میجر نے جواب دیا۔

اس کے بعد وکیل نے سامنے موجود جج صاحبان کو اپنی سفارشات پیش کیں اور کڑی سے کڑی سزا کی مانگ کی۔ اس دوران جج صاحبان نے سربراہان حکومت اور فوجی سربراہان کی طرف دیکھا اور ان سے رائے طلب کی۔

وزیراعظم نے سیکٹری دفاع کی طرف اشارہ کیا، وہ کھڑے ہوں اور اس معاملے میں اپنا موقف پیش کریں۔ کونے میں موجود ایک مکمل گنجے سر والا شخص کھڑا ہوا۔ یہ رام چندر مکھر جی تھا۔ یہ انتہائی ذہین اور معاملہ فہم انسان سمجھا جاتا تھا اور اعلیٰ حکومتی عہدیدار اس کی بہت قدر کرتے تھے۔ سیکٹری دفاع کہنے لگا:

"سر! اس سب معاملے میں ہم کچھ چیزیں نظرانداز کر رہے ہیں۔ بالفرض ہم میجر پراگ کو ان کے کیے کی سزا دے دیتے ہیں۔ تو کیا اس سے مسئلہ حل ہو جائے گا؟ کیا جانباز پکڑا جائے گا؟ اور کیا کشمیر میں ہماری رٹ بحال ہو جائے گی؟ میں معزز جج صاحبان اور معزز وزیر اعظم کی خدمت میں گزارش کرتا ہوں کہ اس پورے سسٹم کو بدلا جائے جس کی وجہ سے آج تک جانباز جیسے لوگ پکڑے نہیں جارہے۔ ہمیں شکست پر شکست دے رہے ہیں۔ میں میجر پراگ سے زیادہ جنرل کرپاڈیا کو اس واقعہ کا قصوروار سمجھتا ہوں۔ وہ اگر جانباز کے متعلق اپنی پالیسی واضح کرتے تو آج یہ نوبت نہ آتی۔ جنرل کرپاڈیا اس جرم میں برابر کے شریک ہیں۔ میری معزز جج صاحبان سے گزارش ہے کہ کشمیر کے حالات اگر بدلنا چاہتے ہیں تو ہر صورت میں سسٹم کو ہی تبدیل کر دیں۔ باہمی مشورہ سے نیا جنرل، نئی کمانڈ اینڈ کنٹرول فورس، تازہ دم دستے، نئی ایجنسیز اور نئے قوانین نافذ کیے جائیں۔ ورنہ آج ایک جانباز ہے کل ہزاروں ہو جائیں گے۔"

یہ کہہ کر سیکٹری دفاع بیٹھ گئے اور پورا ہال چہ میگوئیوں میں مصروف ہو گیا اور عدالت کو دو گھنٹوں کے لئے موخر کر دیا گیا۔ تاکہ اعلیٰ حکام سے مشورہ کر کے ایک فیصلہ جاری ہو جائے جس پر سب مطمئن ہوں۔

جنرل کرپاڈیا بھی اس وقت ہال میں موجود تھا۔ اس کی سٹی گم ہو گئی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ سیکٹری دفاع اور میجر پراگ کو کچا چبا جائے۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا میجر پراگ کا عذاب اس نے خود ہی اپنے اوپر مسلط کیا تھا۔

☆......☆......☆

عدالت ٹھیک دو گھنٹے بعد دوبارہ لگ چکی تھی۔

اور فیصلے کی گھڑی آن پہنچی تھی۔

جج نے وزیر اعظم کی اجازت سے فیصلہ پڑھنا شروع کیا:

"تمام ثبوتوں اور مجرم کے ذاتی بیان کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ فوجی عدالت اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ میجر پراگ نے سخت غفلت کا مظاہرہ کیا ہے، ملکی وقار اور سلامتی کو پس پشت ڈال کر ذاتی انا اور اپنی تسکین کی خاطر انتہائی غلط قدم اٹھایا ہے۔ اس لئے یہ عدالت انہیں دوشی مانتی ہے اور پچیس سال قید بامشقت کی سزا سناتی ہے۔ اگرچہ ان کی سزا پھانسی تجویز ہوئی تھی مگر ان کی سابقہ خدمات کو دیکھتے ہوئے عدالت انہیں قید کرنے کا حکم دیتی ہے اور تمام فوجی اعزازات اور مراعات واپس لینے کا آرڈر کرتی ہے۔ ان کے خاندان اور آنے والی نسلوں کو فوجی ملازمت سے ہمیشہ کے لئے برخاست کرتی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ چونکہ جنرل کرپاڈیا کشمیر کے مسائل کو سمجھنے اور سلجھانے میں بری طرح ناکام رہے ہیں، اس لئے عدالت انہیں ان کے عہدے سے فی الفور معزول کرتی ہے اور کشمیر میں نیا سیٹ اپ بنانے پر مکمل اتفاق کرتی ہے۔"

یہ کہہ کر جج نے ہتھوڑا میز پر مارا اور عدالت برخاست کر دی۔ میجر پراگ کو کمرہ عدالت سے ہی ہتھکڑیاں لگا کر لے جایا گیا۔ میجر پراگ دہائی دیتا رہا مگر اس کی کسی نے نہ سنی اور اس کو انتہائی ذلت آمیز سلوک کے ساتھ لے جایا گیا۔ جنرل کرپاڈیا نے فیصلہ سنتے ہی راہ فرار اختیار کی اور کسی سے ملے بغیر وہ اپنے گھر روانہ ہو گیا۔ جنرل کرپاڈیا بس یہی سوچ رہا تھا کہ جان بچ گئی یہی بڑی بات ہے۔

☆......☆......☆

6 مہینے بعد

جنرل کرپاڈیا جواب صرف کرپاڈیا رہ گیا تھا۔ شام کی واک سے فارغ ہو کر گھر پہنچا تو اس کی بیوی نے اسے کہا کہ آج وہ اپنی ماں کے ہاں جا رہی ہے۔ اس لئے وہ اسے چھوڑ کر آئے۔ کرپاڈیا نے کچھ آئیں بائیں شائیں کی مگر اس کی ایک نہ سنی گئی اور کرپاڈیا اپنی بیوی کو چھوڑنے کے لئے روانہ ہو گیا۔ اب اسے سارے کام خود ہی کرنے پڑتے تھے۔ نہ کوئی نوکر چاکر اور نہ ہی کوئی "یس سر! یس سر!" کرنے والا۔

واپس آتے آتے رات ہو گئی اور کرپاڈیا تھکا ہارا اپنے بیڈروم کی طرف جانے لگا کہ اچانک اسے کھٹکا سا سنائی دیا۔ وہ کچھ حیران ہوا کہ گھر میں اس کے علاوہ کوئی بھی نہیں تھا۔ پھر یہ آواز کیسی؟ اس نے اسے اپنا وہم سمجھا اور بیڈروم کی طرف جانے لگا۔ بیڈروم پہنچ کر اس نے کمرے کی لائٹ جیسے ہی آن کی۔ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ پاس پڑی الماری کا سہارا نہ ہوتا تو وہ گر پڑتا۔ وہ اپنی آنکھوں کو بار بار مسل رہا تھا۔ کہ کیا یہ واقعی حقیقت ہے؟

اس کے بالکل سامنے کرسی پر ایک نقاب پوش شخص

انتہائی اطمینان سے بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔

"ک ک ک ک ک کون ہو تم؟" کرپاڈیا نے بری طرح ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

"ادھر بیڈ پر بیٹھ جاؤ جنرل! اتنی جلدی بھی کیا ہے؟ تعارف بھی کرواتا ہوں۔" نقاب پوش نے مسکراتے ہوئے کہا۔

کرپاڈیا اس کی بات سن کر بیڈ تک آیا اور بیٹھ گیا۔ نقاب پوش اٹھا اور اس نے ایک کپڑے سے کرپاڈیا کے ہاتھ پیچھے کر کے باندھ دیے اور واپس کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔

"امید ہے تم مجھے پہچان گئے ہو گے؟" نقاب پوش نے کہا۔

"نہیں! میں نہیں پہچان سکا۔" کرپاڈیا نے جواب دیا۔

"اوہ ہ ہ ہ...... تمہاری یاداشت کمزور ہو گئی ہے جنرل۔ رکو میں اپنا چہرہ دکھاتا ہوں۔ شاید تمہیں یاد آ جائے۔" یہ کہہ کر نقاب پوش نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دیا۔

"جان ن ن ن ن ن...... باززززززز" جنرل کو چہرہ دیکھتے ہی غشی کا دورہ پڑ گیا۔

"میرا چہرہ یاد رکھا ہے واہ کمال کی بات ہے؟" نقاب پوش جو واقعی جانباز تھا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاں! جب میں فورس میں تھا تو تمہارا اسکیچ کئی بار دیکھ چکا تھا۔ تصویر تو مجھے کبھی نہ مل سکی مگر ہیولا سا بہرحال میرے دماغ میں آج بھی موجود ہے۔" کرپاڈیا جواب کافی حد تک سنبھل چکا تھا نے جواب دیا۔

"مجھے کیسے ڈھونڈا؟" کرپاڈیا نے پوچھا۔

"جب لگن سچی اور نفرت پکی ہو تو ڈھونڈنا کوئی مشکل کام نہیں۔ میں جانتا ہوں تمہارا کورٹ مارشل ہو گیا تھا اور تم چھپ گئے تھے۔ شہر کے شہر بدل ڈالے تم نے۔ تم پہلے ممبئی گئے پھر وہاں سے بنگلور اور اب کلکتہ۔ تم ہمیشہ ڈرتے رہے، تمہیں معلوم تھا کہ ایک دن میں نہ سہی کوئی اور کشمیر کا سپوت آئے گا اور تمہاری گردن ضرور دبوچ گا۔ میں مسلسل تمہارے پیچھے رہا، تمہیں پاگلوں کی طرح تلاش کرتا رہا۔ جب بھی تمہارا کوئی سراغ ملتا میں مکمل تیاری کے ساتھ تم پر پل پڑتا لیکن تم جا چکے ہوتے تھے۔ شاید قدرت کو ابھی تمہاری سانسیں منظور تھیں۔ پھر بالآخر تمہارا اصل پتہ مل ہی گیا اور میں آج تمہارے سامنے ہوں۔" جانباز نے کہا۔

"تم آخر کیا چیز ہو؟" کرپاڈیا نے خوف کی شدت سے کانپتے ہوئے کہا۔

"میں صرف ایک انسان ہوں اور کچھ نہیں۔ میرے ساتھ خدا کی ذات ہے۔ میں ظلم نہیں کرتا۔ تمہاری طرح بھیڑیا نہیں ہوں۔ اس لئے تمہاری ہر کوشش کے بعد بھی آج تمہارے سامنے ہوں۔ زندہ سلامت اور بالکل ٹھیک۔" جانباز نے جواب دیا۔

"دیکھو! جو کچھ تمہاری فیملی کے ساتھ ہوا۔ اس وقت تم چھوٹے تھے۔ وہ صرف میری ڈیوٹی کے لئے تھا۔ میں اس وقت ایک فوجی تھا۔ آج صرف ایک عام آدمی ہوں۔ تم

مجھے معاف کر دو۔ میں تم سے معافی مانگتا ہوں۔" کرپاڈیا جانباز کے قدموں میں گر گیا اور معافیاں مانگنے لگا۔

"میری فیملی کے ساتھ جو کچھ ہوا سو ہوا۔ تم جیسے درندے سے یہی توقع ہی کی جا سکتی تھی۔ میں تمہیں اس پر معاف کر بھی سکتا ہوں لیکن تم نے اس کے بعد جو ہزاروں کشمیریوں کا خون بہایا، تشدد کیا اور عورتوں کی عزت پامال کی اس کا حساب کون دے گا جنرل!؟ آج تم معافی مانگ رہے ہو کیونکہ تمہیں موت سے ڈر لگ رہا ہے۔ لیکن اگر آج تمہیں سب اختیارات واپس دے دیے جائیں اور تمہیں کشمیر میں واپس بھیج دیا جائے۔ تو تم پھر سے بھیڑیے بن جاؤ گے۔ کیونکہ ظلم اور تشدد تمہاری رگ رگ میں رچ بس گیا ہے۔ میں نے تمہیں مارنے کی بے پناہ کوشش کی۔ لیکن شاید تمہاری قسمت میں کچھ زندگی ابھی لکھی تھی۔ میں تمہیں اپنا خون معاف کر بھی دوں لیکن کشمیر کے مظلوم لوگ تمہارے خون کے پیاسے ہیں۔" جانباز نے کہا۔

"تم جو کہو گے میں کروں گا؟ تمہیں جتنا پیسہ چاہیے میں دوں گا؟ مجھے چھوڑ دو؟ مجھے جانے دو۔" کرپاڈیا رونے لگا۔ چیخنے لگا کہ شاید اس کے رونے سے جانباز کے دل میں کچھ نرمی پیدا ہو جائے۔ لیکن جانباز نے اسے پاؤں کی ٹھوکر سے پیچھے ہٹا دیا اور کھڑا ہو گیا۔

"جنرل! میں سوچ رہا ہوں کہ آج ہی تمہارا قصہ ختم کر دوں یا پھر کشمیر کے ان گلیوں اور چوراہوں پر تمہیں لے جاؤں جہاں پر تم نے کشمیر کے لوگوں پر ظلم و تشدد کا بازار گرم کیا تھا۔ کشمیر کے معصوم بچے ان کی ماؤں کی گود سے چھین کر مار ڈالے تھے۔ لوگ تمہارا چہرہ بھولے نہیں ہیں۔ وہ تمہیں صحیح سزا دے سکتے ہیں۔ کیا کہتے ہو جنرل؟" جانباز نے ایسی آواز میں کہا کہ کرپاڈیا کا چہرہ زرد ہو گیا۔ گویا اس کے بدن میں خون کی گردش رک گئی ہو۔

"نہیں! مجھے مار ڈالو۔ ابھی کے ابھی مار ڈالو۔ میں تمہاری منت کرتا ہوں۔ مجھے مار ڈالو۔" کرپاڈیا پاگل ہو چکا تھا۔ وہ چیخنے لگا۔ بکنے لگا اور پاگلوں کی سی حرکتیں کرنے لگا۔

انڈیا کی سات لاکھ آرمی کا انچارج ایک دھمکی پر پاگل ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆

پھر کیا ہوا؟

کیا جانباز جنرل کو کشمیر لے گیا یا اسے اسی وقت مار ڈالا؟

یا

جنرل نے بازی پلٹ کر جانباز کو زیر کر لیا؟ اور اپنی جان بخشی کروالی؟

کشمیر کا نیا سیٹ اپ اور نیا جنرل کون اور کیسا تھا؟

جانباز کا اگلا انتہائی خوفناک مشن...... آپ کا منتظر......

تو دیر کس بات کی......

پڑھتے رہیے......مسلمان بچے

جانباز

زبیر طیب

قسط 22

جنرل کرپاڈیا کی حالت انتہائی غیر ہو چکی تھی۔ اسے اپنی موت صاف نظر آ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں مارے خوف کے سفید پتھرائی ہوئی ہو رہی تھیں۔ زبان جیسے خشک ہو کر تالو سے چپک گئی تھی۔ وہ نقاب پوش اس کے سامنے ایسے اطمینان سے بیٹھا تھا کہ جیسے کچھ بھی نہ ہو رہا ہو اور کمرے میں سکون و اطمینان کے ہوا گردش کر رہی ہو۔

اسے آج یہ بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ ہر ظالم کا وقت آتا ہے۔ ظلم ایک دن وہیں آ کر براجمان ہو جاتا ہے جہاں سے اس کی شروعات ہوئی تھی۔ اسے اس لمحے خون کی وہ بو ستا رہی تھی جو اس نے ہزاروں کشمیریوں کا خون بہا کر اپنے مستقبل کے لئے چُنی تھی۔ اس کے کانوں میں معصوموں کی چیخیں تھیں جن کا اس نے بڑی بیدردی سے گلا گھونٹا تھا۔

اسے یاد آیا جب ایک شام کو اس کے سر پر خون سوار تھا۔ وہ شراب کے نشے میں دھت تھا، اس نے کشمیر کے مضافاتی علاقے میں ایک گھر پر چھاپہ مارا۔ وہاں سے سوائے ایک دودھ پیتے بچے اور ایک ماں کے اور کچھ نہ ملا۔ ظالم کو غصہ آ گیا۔ اس نے بچے کے جسم کو خنجر سے چیر دیا، ماں یہ دیکھ کر بے ہوش ہو گئی، اس نے ماں کو ہوش میں لے کر زبردستی اپنے بیٹے پر ہونے والے ظلم کو دیکھنے کے لئے کہا۔ ماں آنکھیں بند کرتی تو اس کے خونخوار سپاہی اس ماں کی آنکھیں زبردستی کھلواتے اور دودھ پیتے بچے کو چیرتے دیکھ کر ماں اسی وقت پاگل ہو گئی۔ وہ بچے کو زخمی اور ماں کو پاگل بنا کر چلے گئے۔ بچہ زخموں سے تڑپ تڑپ کر مر گیا اور ماں اسے اپنے گلے تک نہ لگا سکی۔ اس کا ذہن اس تشدد سے ایسا پھرا کہ وہ کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت

سے عاری ہوگئی۔

یہ تو صرف ایک واقعہ تھا، ایسے ہزاروں واقعات سے کشمیر کی تاریخ بھری پڑی ہے۔

کتنے بوڑھے تھے جس کی اس ظالم بھیڑیے نے داڑھیاں نوچیں تھیں۔ کتنے نوجوان تھے جن کو اس نے دردناک موت اور تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔ کتنی عورتیں تھیں جن کو اس نے اپنی ہوس کا نشانہ بنایا تھا۔ کتنے بچے تھے جن کا بچپن اس نے چھین لیا تھا۔ اس نے پوری کشمیر وادی کو جہنم بنا دیا تھا۔ ظلم کا ایسا بازار گرم کیا کہ نسلیں بھی اسے نہ بھول پائیں۔

آج کشمیر دھرتی کا ایک بیٹا اس سے حساب لینے آن پہنچا تو اس کے سامنے گڑگڑا رہا ہے۔ کل کا ظالم آج مظلوم بن رہا ہے۔ اللہ رب العزت انسان کو ڈھیل دیتے جاتے ہیں اور جب رسی کھینچتے ہیں تو انسان الٹا لٹک کر معافیاں مانگ رہا ہوتا ہے۔

''اب اگر تمہاری آواز نکلی تو میں اسی وقت اپنے خنجر سے تمہاری کھوپڑی توڑ ڈالوں گا۔'' نقاب پوش نے کرپاڈیا کو ایسے لہجے میں کہا کہ کرپاڈیا جس نے چیخ چیخ کر پورا کمرہ سر پر اٹھایا ہوا تھا ایسے چپ ہوگیا جیسے روتے بچے کے منہ میں فیڈر دے دو تو وہ اچانک چپ کر جاتا ہے۔

''تم اپنے کرتوت جانتے ہو۔ اسی لئے میں تمہیں چھوٹ نہیں دے سکتا۔ ہاں تمہاری موت آسان کر دیتا ہوں۔ ورنہ تم تو اس لائق ہو کہ تمہارے جسم پر زخم لگائے جائیں پھر ان زخموں پر نمک اور مرچ لگا کر تمہیں تڑپایا جائے اور پھر تمہاری بوٹی بوٹی اس وقت تک الگ کی جاتی رہے جب تک تمہاری جان نکل نہیں جاتی اور پھر ان بدبودار گوشت کو ٹکڑوں کو بھوکے کتوں کے سامنے ڈال دیا جائے۔ ہاں تمہارا ایسا ہی عبرتناک انجام ہونا چاہیے۔

لیکن!

تمہارے جیسوں کے لئے میرے رب کے ہاں بڑا سخت عذاب تیار ہے۔ اس سے کئی ہزار گنا سخت عذاب۔ جہاں تم موت کی خواہش کرنا چاہو گے مگر نہ کر سکو گے۔ جہاں تم چیخنا چاہو گے مگر چیخ نہ پاؤ گے، جہاں تمہاری روحوں تک کو شدید تکلیف دی جائے گی اور ہمیشہ کا عذاب سہنا ہوگا۔ کبھی نہ ختم ہونے والا۔''

یہ کہنے کے بعد اس نقاب پوش نے (جو کہ جانباز تھا) ایک پستول نکالا اور اس کے میگزین سے ساری گولیاں نکال کر صرف ایک گولی رہنے دی اور پستول کرپاڈیا کے پاس رکھ دیا اور اس کے بندشیں کھول دیں۔ اب کرپاڈیا آزاد تھا لیکن ایسا آزاد کہ اس کی سانس تک تھمی ہوئی تھی۔ اس کا سارا جسم پسینے میں ڈوبا ہوا تھا۔

''تم آج تک دوسروں کی جان لیتے آئے ہو۔ آج تمہیں اپنی جان لینی ہوگی۔ یہی تمہارا انجام ہے۔ میں تین تک گنوں گا اگر تم نے خود کو تب تک گولی نہ ماری تو پھر میں اپنے خنجر سے تمہاری بوٹی بوٹی الگ کر دوں گا اور ایسی دردناک موت سے ہمکنار کرواؤں گا کہ تمہاری روح تک کانپ اٹھے گی۔''

نقاب پوش نے سرد لہجے میں کہا اور کرپاڈیا کے ہاتھ میں پستول تھما کر اس کے پیچھے کھڑا ہوگیا۔ نقاب پوش کے ہاتھ میں بھی پستول تھا جس کا رخ کرپاڈیا کی طرف تھا۔ نقاب پوش نے گنتی گننی شروع کر دی۔

کرپاڈیا نے گنتی شروع ہوتے ہی پستول کی نال کو اپنے

کنپٹی پر رکھا اور ٹریگر پر دباؤ بڑھانے لگا۔ نقاب پوش نے 2 جیسے ہی گنا۔ کرپاڈیا نے بجلی کی سی پھرتی سے نال کا رخ نقاب پوش کی طرف کیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ ٹریگر دباتا نقاب پوش گولی چلا چکا تھا اور کرپاڈیا کی کھوپڑی ایک بڑا سوراخ بنا چکی تھی اور وہ اپنی حسرت دل میں ہی لیے اس دنیا سے جا چکا تھا۔ نقاب پوش نے انتہائی حقارت سے مرے ہوئے اس بدبودار جسم کو دیکھا اور کہا:

''خس کم جہاں پاک''

کرپاڈیا خون میں لت پت بیڈ پر اوندھے منہ پڑا ہوا تھا۔ نقاب پوش نے ایک نظر اس کمرے کو دیکھا اور پھر اس نے ایک جگہ لگے پائپ کے ہینڈل کو نیچے کر دیا اور پھر باورچی خانے میں جا کر پائپ کا ہینڈل نیچے کر دیا۔ یہ تمام پائپ گیس کے تھے۔ چولہے کے بھی تمام بٹن آن کر دیئے اور گھر سے باہر نکل کر نقاب پوش نے اپنی جیب سے ایک لائٹر نکالا اور اسے جلا کر گھر کے اندر پھینک دیا۔ آناً فاناً پورے گھر کو آگ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ چند لمحوں میں ہی کرپاڈیا اپنے گھر سمیت اس دنیا سے فنا ہو چکا تھا اور اپنے بداعمال کے ساتھ جہنم رسید ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆

کشمیر سرینگر چھاؤنی میں آج خاصی گہما گہمی تھی۔ ہر کوئی الرٹ کھڑا تھا۔ اچانک درجن بھر فوجی جیپوں کا قافلہ چھاؤنی کے گیٹ پر آ کر رکا اور پہریداروں نے فوراً آہنی دروازہ کھول کر سلوٹ مارا۔ یہ کشمیر کے نئے کمانڈر انچیف جنرل اروڑہ کا قافلہ تھا۔ گاڑیاں گیٹ کھلتے ہی بجلی کی سی تیزی سے چھاؤنی کے اندر داخل ہوئیں اور مین آفس کے سامنے جا کر رک گئیں۔

یہ نئے کمانڈر کا دفتر تھا۔ جہاں پر بیٹھ کر وہ کشمیر کو نئے سرے سے چلانے والا تھا۔

ایک بڑی جیپ سے جنرل اروڑہ اترا اور اس کے اردلی نے اسے قریب آ کر سلوٹ کیا اور جنرل اکڑے ہوئے جسم کے ساتھ عمارت کے اندر چلا گیا۔

اندر آ کر اس نے فون اٹھائے اور کشمیر کی مختلف چھاؤنیوں میں پیغامات بھیجنے شروع کر دیئے۔ اس نے نئی اور سخت پالیسی کے تحت ایک نئی فورس تشکیل دینے کا حکم دیا جو فوراً اور تیز کام کر سکے اور اس کے ساتھ ساتھ اس نے پیسوں کے بل بوتے پر نئے جاسوس بھرتی کرنے کا حکم دیا تا کہ کشمیر کے چپے چپے پر وہ تحریک آزادی کے مجاہدین کا ناطقہ بند کر سکے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے تمام شہروں کی چھاؤنیوں کو جدید کرنے اور ان علاقوں میں قائم پولیس سٹیشنز کو مزید فعال بنانے کا حکم دیا۔ تقریباً پچھلے دو گھنٹوں سے جنرل یہی کام کرتے کرتے جب تھک گیا تو اس نے اپنے اردلی کو چائے لانے کے لئے بھیجا۔ تا کہ خود کو ریلیکس کر کے وہ مزید بہتر حکمت عملی ترتیب دے سکے۔

جنرل اروڑہ پہلے ملٹری انٹیلی جنس میں میجر تھا۔ اس نے کئی کارنامے سرانجام دیے۔ جس کی بناء پر یہ ملٹری انٹیلی جنس میں مشہور ہو گیا اور پھر ترقی کرتے کرتے بالآخر آج کشمیر کا کمانڈر انچیف بن گیا۔ طبیعت کے لحاظ سے انتہائی شاطر اور سکون کے ساتھ کام کرنے والا تھا۔ یوں سمجھ لیجئے کہ جنرل کرپاڈیا کا بالکل الٹ تھا۔ جذباتی کم ہوتا تھا اور سخت گیر اس درجہ کہ اس کی شادی بھی اس کی طبیعت کی وجہ سے اب تک نہ ہو سکی تھی۔ اصولوں کا انتہائی پابند اور مسلمانوں کا کٹر دشمن سمجھا

جاتا تھا۔یہی اوصاف اس کو آج اس مقام پر لے آئے۔

''یہاں چھاؤنی میں جنرل کرپاڈیا کا نائب کون تھا؟'' تھوڑی دیر بعد چائے آئی تو جنرل نے اردلی سے پوچھا۔

''سر! یہاں میجر پراگ تھا لیکن ان کا کورٹ مارشل ہو چکا ہے۔'' اردلی سے سر جھکا کر جواب دیا۔

''تم سے جتنی بات پوچھی جائے صرف اتنی بکواس کیا کرو۔ مجھے پتا ہے کس کا کورٹ مارشل ہوا ہے اور کس کا نہیں۔'' جنرل نے بڑے تلخ لہجے میں کہا۔

''میجر پراگ کے بعد کون انچارج ہے؟'' جنرل نے پوچھا۔

''میجر گھنشام'' اردلی نے صرف نام ذکر کیا اور چپ ہو گیا۔

''ٹھیک ہے تم جا سکتے ہو اور میجر گھنشام کو اطلاع کر دو کہ مجھے ایک گھنٹے میں ملے۔'' جنرل نے کہا۔

''یس سر!'' اردلی نے سیلوٹ مارا اور واپس اپنے قدموں میں ہی کمرے سے باہر نکل آیا۔

ابھی اردلی کو گئے زیادہ ٹائم نہیں ہوا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بجی اور جنرل نے چونک کر فون کی جانب دیکھا جیسے حیران ہو رہا کہ اسے کون کال کر سکتا ہے؟

''یس! جنرل اروڑہ بات کر رہا ہوں۔'' جنرل نے فون اٹھا کر کہا۔

''پی اے ٹو پرائم منسٹر سر! پرائم منسٹر صاحب آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔'' پرائم منسٹر کے سیکٹری نے جواب دیا۔

''کراؤ بات'' جنرل نے کہا۔

''ہیلو! جنرل۔کیا حال ہے اور کیسا چل رہا ہے؟'' وزیر اعظم کی بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔

''یس سر! بالکل ٹھیک۔اور فی الحال سب اچھا چل رہا ہے۔'' جنرل نے جواب دیا۔

''دیکھو جنرل! سیاست کی گھما گھمی میں ہم لوگ کشمیر کا نیا جنرل منتخب کرنے میں پہلے ہی کافی دیر کر چکے ہیں۔حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں۔میں تمہارے اوپر بوجھ نہیں ڈال رہا مگر مجھے تم سے بہت توقعات ہیں۔کشمیریوں کو لگام ڈالو اور انہیں سخت شکنجے میں جکڑو۔ان کے احتجاج کی وجہ سے ہماری ساری دنیا میں بے عزتی ہو رہی ہے۔آئے دن فوجی جوان بھی مارے جا رہے ہیں جن کی وجہ سے مجھے پارلیمنٹ میں جواب دینا پڑتا ہے۔جلد از جلد کشمیر میں ان نئے قوانین کا نفاذ کرو جس کا ہم سب نے آپس میں مشورہ کر کے فیصلہ کیا ہے۔

اور ہاں ایک بات میں تمہیں بتانا ہی بھول گیا کہ کشمیر کے سابقہ جنرل کرپاڈیا کی موت ہو گئی ہے۔آج ہی اخبارات نے ان کی موت کی خبر شائع کی ہے۔ابتدائی تفصیلات میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ گھر میں گیس کے اخراج کا حادثہ ہوا جس کی وجہ سے آگ لگ گئی۔مجھے بہر حال اس میں کچھ نہ کچھ سازش لگتی ہے۔تحقیقاتی ٹیمیں وہاں کا جائزہ لے رہی ہیں۔اگر یہ کسی آتنک واد گروپ کا کیا دھرا ہے تو یہ ہمارے لیے بہت خطرناک بات ہے۔وہ اب ہمارے شہروں کا رخ کر رہے ہیں۔اس سے زیادہ تشویش کی بات اور کوئی نہیں۔اس لئے جلد از جلد اس صورتحال کا سدباب کرنا چاہیے۔مجھے جلد از جلد رپورٹ چاہیے۔اب ہم مزید بھارت کی شرمندگی نہیں کروا سکتے۔پہلے ہی بہت تماشا بن چکا ہے۔'' وزیر اعظم نے مکمل تفصیل سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''یس سر! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ حالات جلد از جلد ہمارے کنٹرول میں ہوں گے۔'' جنرل نے مختصر جواب دیتے ہوئے کہا۔

''گڈ جنرل! تم باتوں سے نہیں بلکہ کام کر کے دل جیتتے ہو۔ اسی لئے میں نے تمہیں اس کام کے لئے چنا ہے۔ مجھے امید نہیں یقین ہے کہ تم میری امیدوں پر کھرا اترو گے۔'' یہ کہہ کر وزیراعظم نے فون رکھ دیا۔

جنرل نے فون رکھ کر چھاؤنی کا ایک راؤنڈ لگانے کا سوچا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ میز پر پڑی خاکی رنگ کی کیپ اٹھائی اور کمرے سے باہر نکل کر جیپ تیار کرنے کا آرڈر دینے لگا۔

☆......☆......☆

وہ کپواڑہ کی ایک خوبصورت شام تھی۔ پہاڑ کے بالکل آخری کنارے میں ایک نیو تعمیر شدہ خوبصورت ہوٹل جگمگا رہا تھا۔ شام ہوتے ہی یہاں کی لائٹیں جلا دی گئیں تھیں۔ جس سے منظر دیکھنے والوں کے لئے اور زیادہ حسین ہو گیا تھا۔ ہوٹل کے صحن میں دو کرسیاں پڑیں تھیں۔ جن کے سامنے ایک چھوٹی ٹیبل پر چائے کے دو بھاپ اڑاتے کپ رکھے تھے۔ ان کرسیوں میں سے ایک پر ایک خوبصورت کڑیل جوان بیٹھا تھا اور دوسرا قدرے بوڑھا آدمی۔ دونوں کافی دیر سے محو گفتگو تھے۔ ان میں سے ایک استاد اور دوسرا شاگرد تھا۔ استاد کا نام ''شاہین'' اور شاگرد کا نام ''جانباز'' تھا۔

''میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری ایسی مدد کی کہ کوئی سگا بھی ایسی قربانی اور مدد نہیں کر سکتا۔ میں آپ کا احسان مند رہوں گا۔'' جانباز نے کہا۔

''کیسی باتیں کر رہے ہو بیٹا! اس کشمیر دھرتی پر تم جیسے سپوتوں کی خدمت ہی تو میرا اولین مقصد ہے، میرا دل چاہتا ہے میں اپنی اس زندگی کی سانسیں بھی تم جیسے جانبازوں کے نام کر دوں۔ میرا شکریہ ادا کر کے میری جمع پونجی کو کم مت کرو۔ میرا سرمایہ تم جیسے نوجوان ہیں۔ یہ جذبے، ہمتیں اور محنتیں ہی میرا کل اثاثہ ہیں۔ جانتے ہو جب تم میجر پراگ کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ اور مجھے اطلاع ملی تو میں نے پورے کشمیر میں ہائی الرٹ کر دیا تھا۔ اپنے لوگوں کو شہروں، دیہاتوں اور چوکوں، چوراہوں پر کھڑا کر دیا تھا تاکہ جہاں بھی یہ لوگ جائیں مجھے اطلاع مل جائے۔ میں خود اتنا پریشان ہو گیا تھا جیسے میرا جسم کا کوئی ٹکڑا مجھ سے جدا کر دیا ہو۔ بالآخر اللہ نے ہم پر احسان فرمایا اور ہم تمہیں چھڑوانے میں کامیاب ہو گئے۔ تم جیسے لوگوں ہی سے تو ہماری آزادی کا مستقبل روشن ہے۔ تم ہمارا فخر ہو۔ ہمارا سہارا ہو۔ بہنوں کا مان ہو۔ ماؤں کا فخر ہو۔ بوڑھوں کی دعاؤں کا ثمر ہو۔ ایک دن آزادی کا سورج طلوع ہو گا اور تم جیسے لوگ ہمارے قائد ہوں گے۔ شاہین نے بہت جذباتی انداز میں کہا اور اپنی بھیگی ہوئی آنکھیں صاف کرنے لگے۔ دور بہت دور سورج پہاڑوں کے درمیان سر چھپا کر جا رہا تھا۔ سردی بڑھ رہی تھی اور سورج کی کرنیں آہستہ آہستہ کشمیر کی دھرتی کو الوداع کہہ رہیں تھیں۔

''مجھے آپ سے ایک اور مدد درکار ہے۔'' جانباز نے چائے کی ایک چسکی لیتے ہوئے کہا۔

''ہاں کہو بیٹا! کیا چاہیے؟'' شاہین نے جواب کہا۔

''مجھے دو ایسے افراد چاہئیں جو اپنی جان نچھاور کرنے سے ذرا بھی نہ گھبراتے ہوں اور ہر اسلحہ چلانا جانتے ہوں اور ہندی زبان بھی ان کو آتی ہو۔'' جانباز نے کہا۔

''مل جائیں گے بیٹا! لیکن کیا تم مجھ جیسے بوڑھے کو اپنا پلان بتانا چاہو گے؟'' شاہین نے کچھ توقف کے بعد کہا۔

''آپ میرے لیڈر ہیں۔ میرے لئے باپ جیسے شفیق ہیں اور میرے محسن ہیں تو میں آپ سے کیوں چھپاؤں گا؟ میرا ارادہ کشمیر سے باہر نکل کر انڈیا کو سبق سکھانے کا ہے۔ کشمیر میں انڈین فوجیوں کو بہت سبق مل چکا ہے اور مل رہا ہے اور آئندہ بھی ملتا رہے گا لیکن خود بھارت میں کچھ ایسے کاموں کی ضرورت ہے جس سے ہندو بنیے کو کچھ سبق حاصل ہو جائے۔'' جانباز نے کہا۔

''بالکل ٹھیک۔ میرا بھی یہ پلان تھا مگر مجھے ایسے افراد میسر نہ تھے جو انڈیا کے اندر کام کر سکیں۔ تم ضرور اس میں بھی کامیاب رہو گے، اس کی ایک مثال جنرل کرپاڈیا کو موت کے گھاٹ اتارنے کی ہے، میں جلد از جلد تمہیں دو آدمی دیتا ہوں۔ جو ہر طرح سے تمہارے معیار پر پورا اتریں گے، مجھے اب اجازت دو۔ اللہ تعالیٰ تمہارا حامی و ناصر ہو۔'' شاہین یہ کہہ کر جانباز سے گلے ملا اور اٹھ کر باہر چل دیا۔

☆......☆......☆

(1 مہینے بعد)

ایک بڑے سے ہال نما کمرے کی ایک دیوار پر ٹی وی سکرینوں کا جال سا بچھا ہوا تھا۔ ہر طرف سکرینیں لگیں ہوئی تھیں۔ جہاں سے شہر کی ہر مشہور سڑک، ہوٹل، ریلوے اسٹیشن، بس اڈے، سرکاری عمارات اور فوجی علاقوں کی فوٹیج لی جا رہی تھی۔ درجنوں افراد اس ہال نما بڑے کمرے میں کمپیوٹرز پر بیٹھے ان سکرینوں کو دیکھتے اور آرڈرز لیتے تھے۔ یہ ایودھیا شہر کا کمانڈ اینڈ کنٹرول سنٹر تھا۔ جہاں سے پورے شہر کی کیمروں کے ذریعے نگرانی کی جاتی اور جو مشکوک چیز یا آدمی نظر آتا، اسے ٹاسک فورس کے ذریعے اٹھوا کر پوچھ گچھ کی جاتی اور پھر آگے کی کاروائی مکمل کی جاتی ہے۔

ایودھیا شہر کی پہلے کوئی خاص اہمیت نہ تھی مگر جب 1992ء میں یہاں بابری مسجد کو شہید کیا گیا تب سے یہاں ہندو مسلم فسادات نے شدت اختیار کر لی۔ بابری مسجد کی جگہ رام مندر بنانے کے لئے ہندوؤں نے ہر طرح سے کوشش کی مگر مسلمانوں نے اپنی بے شمار قربانیوں کے طفیل ان کو باز رکھا۔ پے درپے یہاں ایسے واقعات ہوئے کہ بالآخر انڈیا حکومت نے یہاں سکیورٹی کا ایسا فول پروف انتظام کیا کہ آج تک یہاں کوئی اٹیک نہیں کیا جا سکا۔

اچانک کمرے میں ریڈ لائٹ آن ہو گئی۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آفیسر یا انچارج جو اس کمانڈ اینڈ کنٹرول سنٹر کا ہوتا ہے وہ فوراً ہال میں پہنچے اور جو مشکوک آدمی سکرین پر دکھائے گئے ہیں ان کے متعلق احکامات دے سکے۔ چنانچہ ریڈ لائٹ کے آن ہوتے ہی انچارج ہال نما کمرے میں داخل ہوا اور ایک کمپیوٹر کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

''کیا بات ہے روشیل؟ یہ ریڈ لائٹ تم نے آن کی ہے؟'' انچارج نے پوچھا۔

''یس سر! میں کافی دیر سے دیکھ رہی ہوں۔ یہ تین لوگ جسے میں نے ریڈ پنسل سے مارک کیا ہے آج ہی ریلوے اسٹیشن پر ٹرین نمبر 22 سے اترے ہیں۔ بظاہر یہ تینوں الگ الگ سیٹ لیے ہوئے تھے اور الگ الگ ہی اسٹیشن سے باہر آئے ہیں لیکن مجھے ان میں کچھ نہ کچھ کنکشن ضرور لگ رہا ہے۔ یہ لوگ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو مخصوص وقت

میں دیکھ بھی رہے تھے اور اشارے کر رہے تھے۔ ٹیکسی بلاتے وقت تو ان میں سے دو آدمیوں نے آپس میں بات بھی کی، جس سے میں چونکی۔ اب جیسے آپ حکم کریں۔'' کمپیوٹر آپریٹر لڑکی روشیل نے سکرین پر انچارج کو تفصیل سے ریڈ لائٹ جلانے کی وجہ سمجھادی۔

''ٹھیک ہے ان کی نگرانی کرواتے ہیں۔ مجھے یہ بتادو کہ یہ کون سی سڑک پر اتر کر کس کالونی میں گئے ہیں۔ میرے کمپیوٹر پر لنک فارورڈ کردو۔''

☆......☆......☆

ایودھیا...... بابری مسجد کی شہادت والا شہر......

یہاں نمودار ہونے والے وہ تین لوگ کون ہیں؟......

آخر ان کا مقصد کیا ہے؟

وہ شہر جہاں سیکیورٹی کا طویل ترین جال بچھا ہوا ہے......

کیا وہ خود کا بھی بچاؤ کر پائیں گے؟

نیا جنرل اروڑہ کشمیر میں کیا نیا سیٹ اپ لایا ہے؟......

مزید خونی شامیں آئیں گی؟...... یا...... کشمیر آزادی کے اور قریب ہو جائے گا؟......

جانباز کا اگلا مشکل ترین اور خوفناک مشن آخر کیا ہوگا؟

یہ سب جانیے اور ضرور جانیے...... مگر...... صرف اور صرف......

''مسلمان بچے'' میں......

☆......☆......☆

دیندار بننے کا آسان نسخہ

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ متعدد مقامات میں وعظ فرمانے کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ میں ایک وعدہ لینا چاہتا ہوں اور وہ وعدہ یہ ہے کہ روزانہ سونے سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر یہ دعا کیا کرو:

''یا اللہ! میں آپ کے دین پر چلنا چاہتا ہوں لہٰذا مجھے اپنا بنا لیجئے! اور اپنا قرب عطا فرما دیجئے!''

میں ضمانت دیتا ہوں کہ چالیس دن تک کوئی یہ عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور دین پر چلنے کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔

تو میرے عزیزی قاریات اور قاری بھائی ہمت کریں آگے بڑھیں کیوں نہ ہم بھی دیندار بن جائیں دنیا سے ہمیں کیا فائدہ، دنیادار نہ بنیں۔

(انتخاب: عائشہ عبدالطیف، زاھدہ عبدالطیف، مدھانی والا)

جانباز

زبیر طیب

قسط 23

ایودھیا کے شہر میں داخل ہونے والے تین لوگ کوئی اور نہیں بلکہ جانباز اور اس کے دو ساتھی فیصل اور ارسلان تھے۔ جو اس شہر میں بابری مسجد کی شہادت کا بدلہ وہاں پر گھیراؤ کیے ہوئے فوجیوں سے لینے کے ارادے سے آئے تھے۔ جانباز تو اپنے کام میں ماہر تھا ہی لیکن فیصل اور ارسلان بھی اپنے کام میں انتہائی مہارت رکھتے تھے۔

فیصل ہر قسم کا بارود چند سیکنڈوں میں بنانے کا ماہر تھا، اس کے ساتھ ساتھ وہ مارشل آرٹ اور ہر قسم کے اسلحہ چلانے کا بھی انتہائی ماہر سمجھا جاتا تھا۔ ارسلان ماہر لڑاکا اور بہترین پلاننگ کرنے والا انسان تھا، اس کے ساتھ ساتھ وہ انتہائی بے خوف اور نڈر شخص تھا۔ دونوں ہی جانباز کو بے حد پسند آئے تھے۔ اسی لئے جانباز ان کو اپنی زندگی کے مشکل ترین مشن پر ساتھ لے آیا تھا۔

جانباز جانتا تھا کہ اس شہر کی سیکیورٹی انتہائی سخت ہے۔ اس لئے وہ ہر قسم کے خطرے سے بچنے کے لئے علیحدہ علیحدہ سفر کر رہے تھے۔ جلد ہی ٹرین ایودھیا کے مین ریلوے اسٹیشن پر آ کر رک گئی۔ جانباز ٹرین سے اتر کر ضروری کاغذات چیک کروا کر اسٹیشن سے باہر آ گیا۔ وہ کن انکھیوں سے اپنے دونوں ساتھیوں پر بھی نظر رکھے ہوئے تھا۔ جانباز نے ان دونوں کو انتہائی محتاط رہنے کا سختی سے کہا ہوا تھا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ یہ ان کا پہلا مشن ہے اور یہ ایسا شہر ہے جہاں اڑتے پرندوں کو بھی کیمروں کی

زد میں رکھا جاتا ہے۔ اس لئے وہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہی محتاط لگ رہا تھا۔ اسٹیشن سے باہر آنے کے بعد جانباز نے ٹیکسی کروائی اور اس میں اکیلے ہی روانہ ہو گیا۔ جانباز نے اکیلے اکیلے سفر کرنے کا حکم دیا تھا اور ایک جگہ بتادی تھی جہاں ان کو پہنچنا تھا۔ جانباز نے پہلے ہی یہاں کے ایک پراپرٹی ڈیلر سے ایک گھر شام نگر کالونی میں لے لیا تھا۔ یہ کالونی بابری مسجد سے تین کلومیٹر کے فاصلے پر تھی۔ جانباز نے جان بوجھ کر یہ کالونی چنی تھی۔ تا کہ جتنا وہ اپنے مشن کے قریب تر رہیں اتنا ان کے لئے بہتر ہے۔

جانباز آگے آنے والے حالات کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک ٹیکسی رک گئی۔

"صاحب! شام نگر کالونی آ گئی، کس گلی میں جانا ہے صاحب؟" ڈرائیور نے پوچھا۔

"بس یہیں اتار دو۔ ساتھ ہی گھر ہے میں چلا جاؤں گا۔" جانباز نے کہا۔ وہ جان بوجھ کر ڈرائیور کو گھر نہیں دکھانا چاہ رہا تھا۔

جانباز نے ڈرائیور کو رقم ادا کی اور گھر کی جانب پیدل ہی چل پڑا۔ دو تین گلیاں گھومنے کے بعد ہی مطلوبہ گھر آ گیا۔ جانباز نے بیل بجائی تو ایک ملازم ٹائپ آدمی نے دروازہ کھولا۔ یہ پراپرٹی ڈیلر کا آدمی تھا۔ وہ جانباز سے نام وغیرہ پوچھ کر چابیاں دے کر چلا گیا۔

جانباز پورے گھر میں گھوم پھر کر کمرے اور سب اشیاء چیک کرنے لگا۔ اس نے ڈیلر کو دو ماہ یہیں رہنے کے لئے کہا تھا اور کھانے پینے کی تمام اشیاء اور ضرورت کا سبھی سامان اس گھر میں پہلے سے ہی موجود تھا۔

یہ سب دیکھنے اور مطمئن ہونے کے بعد اب جانباز گھر کے ایک کمرے میں بیٹھ کر اپنے ساتھیوں کا انتظار کرنے لگا۔ یہاں تک تو سب ٹھیک چل رہا تھا۔ اب آگے کا مشن سوچنا تھا کہ کس طرح مشن کو مکمل کیا جا سکے۔ جانباز کسی بھی مشکل سے بچنے کے لئے کسی قسم کا ہتھیار، نقشہ، مشن کے لئے کام آنے والی کوئی بھی چیز ساتھ نہ لایا تھا۔ تا کہ اگر ان سے کسی قسم کی پوچھ گچھ ہو تو وہ مشکوک نہ ہو جائیں۔

تھوڑی ہی دیر بعد مخصوص انداز میں ڈور بیل بجی تو جانباز نے دروازہ کھولا۔

دروازے پر ارسلان تھا۔ ارسلان کے ساتھ ابھی سلام دعا جاری تھی کہ دروازہ پھر بج اٹھا۔ فیصل بھی گھر پہنچ چکا تھا۔

تینوں خیریت سے گھر پہنچ چکے تھے۔ مشن کا پہلا مرحلہ آسانی سے پار ہو چکا تھا۔

جانباز نے پھر بھی رسماً دونوں سے پوچھا کہ راستے میں کسی قسم کی کوئی مشکل تو پیش نہیں آئی۔ دونوں نے نفی میں سر ہلایا۔

"لیکن بھائی ارسلان نے مجھ سے اسٹیشن کے باہر کالونی کا نام پوچھا تھا، شاید وہ بھول گئے تھے۔" فیصل نے چونکتے ہوئے کہا۔

"کیا؟" جانباز اچانک اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

"جی بھائی! اچانک مجھے کالونی کا نام بھول گیا تو میں نے ادھر ادھر دیکھ کر انتہائی احتیاط سے فیصل سے پوچھ لیا۔ کیا کوئی پرابلم ہو گئی بھائی؟" ارسلان نے

پریشان ہوتے ہوئے پوچھا۔

''اللہ تعالیٰ نہ کریں کہ کوئی پریشانی ہو۔ مگر فکرمندی کی بات ہے کہ چیکنگ مسلسل چلتی ہے۔ اگر کسی نے یہ بات نوٹ کر لی ہو تو پھر ہمارے لئے واقعی مشکل کھڑی ہو جائے گی۔'' جانباز نے فکرمند ہوتے ہوئے کہا۔

''بھائی ہمارے پاس کوئی اسلحہ بھی نہیں اور کوئی ایسی چیز بھی نہیں جس سے ہم خود کا دفاع کر سکیں۔'' فیصل نے کہا۔

''یہاں پہنچ کر ہم دو تین دن چپ چاپ رہیں گے۔ تاکہ اگر کوئی ہماری نگرانی کر بھی رہا ہے تو وہ ہمیں عام سیاح سمجھیں۔ ابھی کسی قسم کی کوئی مشکوک سرگرمی نہیں دکھائی جا سکتی۔ یہ کشمیر نہیں ہے۔ یہاں کے حالات وہاں سے یکسر مختلف ہیں۔ اس لئے جب ہمیں لگے گا ہم اب مکمل محفوظ ہیں، تب ہم اپنے اگلے پڑاؤ کی جانب بڑھیں گے۔ ہم کون ہیں اور یہاں کیا کرنے آئے ہیں۔ کوئی بھی پوچھے اسے کیا بتانا ہے۔ یہ آپ دونوں کو اچھی طرح معلوم ہے۔ جانباز نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''اب ہمیں آرام کرنا چاہیے۔ کافی تھکن ہو گئی ہے۔'' جانباز نے کہا۔

''میں چائے بناؤں؟ آپ میں سے کوئی پینا چاہے تو بتا دے۔ مجھے تو سخت طلب محسوس ہو رہی ہے۔'' ارسلان جو ذرا کھلنڈری سی طبیعت کا مالک تھا فوراً بول اٹھا۔

''بنا ہی رہے ہو تو مجھے بھی پلا دینا۔'' فیصل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

جانباز ان دونوں کو الوداع کہتے ہوئے اپنا بیگ اٹھائے کمرے میں آ گیا۔ وہ کافی لمبے سفر سے تھک سا گیا تھا۔ اسے بہت سا کام کرنا تھا۔ اس لئے وہ ایک لمبی اور اچھی نیند لینا چاہتا تھا۔ جلد ہی مختلف سوچوں میں الجھے جانباز کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

☆......☆......☆

ریاست اتر پردیش کے مشہور شہر ایودھیا کے کمانڈ اینڈ کنٹرول سنٹر میں معمول سے کچھ زیادہ ہی گہما گہمی تھی۔ یہاں کے ہیڈ انچارج کرنل موہن کے دورے کی وجہ سے آج ہر کوئی ہائی الرٹ تھا۔ ڈپٹی ہیڈ نے سب کو چوکنا

رہنے اور کام میں لگے رہنے کا حکم دیا ہوا تھا۔ تاکہ بڑے صاحب کو کسی قسم کی کوئی شکایت نہ ملے۔

''سر! ایک منٹ ٹائم دیں گے سر!'' روشیل جو کہ ایک کمپیوٹر آپریٹر تھی چونک کر بولی۔ اس کی آواز سنتے ہی ڈپٹی ہیڈ انچارج اس کی طرف لپکا۔

''بولو کیا بات ہے۔ آج تم کسی قسم کی کوئی بری خبر نہ سنانا۔ ورنہ......'' ڈپٹی نے مصنوعی غصہ ہوتے ہوئے کہا۔

''سر! میں نے تینوں میں سے ایک کی لوکیشن چیک کی تو وہ شام نگر کالونی جا کر اتر گیا۔ ابھی میں دوسرے کی لوکیشن چیک کر رہی تھی کہ ایک ٹیکسی دوبارہ شام نگر آئی، اس سے دوسرا شخص نکلا اور پھر کچھ ہی دیر بعد تیسرا شخص بھی شام نگر اتر گیا۔ سر! میں جانتی تھی کہ یہ تینوں الگ ہونے کا ڈھونگ رچا رہے ہیں اور اب یہ محض اتفاق نہیں ہو سکتا سر کہ تینوں کو ایک ہی کالونی میں جانا تھا۔'' لڑکی نے انتہائی حیران ہو کر انچارج کو بتایا۔

''اوہ...... لگتا ہے دال میں کچھ کالا ہے۔ کیا تم نے وہ گھر دیکھا جس میں یہ تینوں گئے ہیں؟'' انچارج کے ماتھے پر بھی شکنیں آ گئیں۔

''نو سر! کیمرے صرف کالونی کے داخلی گیٹ پر لگائے گئے ہیں۔ اس لئے وہ مطلوبہ گھر نہیں دیکھ سکتے جس میں یہ تینوں گئے ہیں اور پھر انہوں نے ٹیکسیاں بھی کالونی کے گیٹ پر ہی رکوائیں ہیں۔ اس لئے ٹیکسی والوں سے بھی پتہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔'' لڑکی جو کہ کافی ذہین تھی نے جواب دیا۔

''لگتا ہے کوئی لمبی گڑبڑ ہے۔ لیکن یہ کالونی اتنی بڑی ہے کہ ہر گھر میں تلاش کرنا احمقانہ بات ہے۔'' ڈپٹی انچارج نے کہا۔

''سر! ان کی ویڈیو ہمارے پاس ہے۔ ہم ان کے چہرے جانتے ہیں۔ ہم کالونی کے گیٹ پر خفیہ نگرانی کرواتے ہیں۔ یہ لوگ کبھی تو باہر نکلیں گے؟'' لڑکی نے کہا۔

''وری گڈ روشیل! تمہیں تو فیلڈ میں ہونا چاہیے۔ اگر یہ کوئی بڑا کیس ہوا اور ہم اس میں کامیاب ہوئے تو میں تمہیں اپنی پرسنل سیکٹری بنا لوں گا۔ بس تم مجھے ان کے بارے میں اپ ڈیٹ کرتی رہنا۔ میں نگرانی کا آرڈر کرتا ہوں اور ہاں یہ بات کرنل موہن کو پتہ نہیں چلنی چاہیے ورنہ وہ بڈھا کھوسٹ پھر سے بازی لے جائے گا اور میں پروموشن کو ترستا رہوں گا۔'' ڈپٹی انچارج نے خوش ہوتے ہوئے کہا اور لڑکی نے اس کی بات سن کر سر ہلا دیا۔

اس کے ساتھ ہی اس نے جیب سے سیل فون نکال کر ٹاسک فورس کے چند نوجوانوں کو کالونی کے گیٹ پر خفیہ نگرانی کا حکم دیا اور ان کو ویڈیو بھی بھیج دی تاکہ وہ تینوں کو پہچان سکیں۔ فی الحال صرف نگرانی کا آرڈر کیا اور کسی قسم کی مداخلت سے پرہیز کا حکم دیا۔ یہ سب کر کے وہ پھر سے کام میں مصروف ہو گیا اور کرنل موہن کے استقبال کی تیاری کرنے لگا۔

☆......☆......☆

''اٹھ جاؤ فیصل!...... فیصل......! فیصل......!''

فیصل نے آواز سنتے ہی ایک جھٹکے سے آنکھیں کھول دیں۔ سامنے جانباز کو دیکھ کر فیصل اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''اٹھو اور جا کر وضو کر کے آؤ! ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ ہم ظہر یہیں گھر میں پڑھیں گے، فی الحال باہر نہیں جا سکتے۔'' جانباز نے کہا تو فیصل سر ہلاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

اس کے بعد جانباز نے ارسلان کو اٹھا کر اسے بھی وضو کے لئے بھیجا اور پھر تینوں نے مل کر ظہر کی نماز ادا کی۔

''یار! مجھے سردی لگ رہی ہے۔ کیا تم میں سے کوئی میرے ساتھ چھت پر چلے گا۔ میں تھوڑی دھوپ لینا چاہتا ہوں۔'' ارسلان کے اندر کا شرارتی بچہ پھر سے جاگ گیا۔

''ہاں ہم دونوں بھی چلتے ہیں۔ ایک نظارہ دیکھنا ہے اور کچھ ماضی کی یاد تازہ کرنی ہے۔''

''کیا مطلب؟'' جانباز نے کہا تو دونوں کے منہ سے یک زبان نکلا۔

''تم لوگ چلو تو سہی تمہیں خود پتہ چل جائے گا۔'' جانباز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یار اب یہ چھت پر کیسی یادیں اور کون سا ماضی پڑا ہمارا انتظار کر رہا ہے۔'' ارسلان نے جھنجلاتے ہوئے کہا۔ اس کی بات سن کر دونوں مسکرا دیئے اور چھت کی سیڑھیاں چڑھنے لگے۔

جیسے ہی چھت پر پہنچے تو کچھ ہی دور بابری مسجد کے شہید شدہ مینار نظر آئے تو تینوں ٹھٹک کر رک گئے۔ زبانیں خاموش اور جسم لرزنے لگا۔ تینوں چپ چاپ پتھرائی آنکھوں سے اس مقدس جگہ کو دیکھنے لگے جسے بڑی بے دردی سے ناپاک مشرکوں نے شہید کر ڈالا تھا۔ کافی دیر تینوں سکتے میں رکے رہے اور پھر جانباز نے آگے بڑھ کر دونوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر جذباتی انداز میں کہا:

''ہم ہندو بنیے کو ایسا سبق سکھائیں گے کہ وہ اور اس کی آنے والی نسلیں کبھی ایسی غلطی دوبارہ نہیں دہرائیں گے۔ بابری مسجد کے در و دیوار جو آج ویران کر دیئے گئے ایک دن دوبارہ سے مسلمانوں کے سجدوں کی گواہی دیں گی۔ اس مشن کے لئے چاہے ہمارے جسم کے ہزاروں ٹکڑے ہو جائیں ہم بابری مسجد کے صحن میں اپنی پیشانی جھکا کر آئیں گے۔ ان شاء اللہ۔''

''ان شاء اللہ'' دونوں کے منہ سے بھی یک زبان نکلا۔

''ویسے بھائی! اس ریاست اتر پردیش میں اور پھر ایودھیا میں اور بھی بہت ساری مساجد ہیں۔ آخر ہندوؤں کو یہ ہی مسجد کیوں اتنی بری لگی کہ انہوں نے اس کو شہید کر دیا۔'' ارسلان نے معصومانہ انداز میں پوچھا۔

''شاید تمہیں بابری مسجد کی تاریخ کا علم نہیں۔ آؤ میں تمہیں ماضی کی کچھ یادیں تازہ کرتے ہوئے بابری مسجد کی تاریخ بتاتا ہوں۔'' جانباز نے کہا تو دونوں جانباز کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''بابری مسجد مغل بادشاہ ظہیر الدین محمد بابر (1483-1531) کے حکم سے دربار بابری سے منسلک ایک نامور شخص میر باقی کے ذریعہ سن 1527 عیسوی میں اتر پردیش کے مقام ایودھیا میں تعمیر کی گئی۔ یہ مسجد اسلامی مغل فن تعمیر کے اعتبار سے ایک شاہکار تھی۔ بابری مسجد کے اوپر تین گنبد تعمیر کیے گئے جن میں درمیانی گنبد

بڑا اور اس کے ساتھ دو چھوٹے گنبد تھے۔ گنبد کے علاوہ مسجد کو پتھروں سے تعمیر کیا گیا تھا جس میں صحن بھی شامل تھا۔ صحن میں ایک کنواں بھی کھودا گیا۔ گنبد چھوٹی اینٹوں سے بنا کر اس پر چونا کا پلستر کیا گیا تھا۔ مسجد کو ٹھنڈا رکھنے کی غرض سے اس کی چھت کو بلند بنایا گیا روشنی اور ہوا کے لئے جالی دار کھڑکیاں نصب تھیں۔ اندرونی تعمیر میں ایک انتہائی خاص بات یہ تھی کہ محراب میں کھڑے شخص کی سرگوشی کو مسجد کے کسی بھی اندرونی حصے میں آسانی سے سنا جاسکتا تھا۔ الغرض یہ اسلامی فن تعمیر کا شاہکار تھا۔

انتہا پسند ہندوؤں نے اس مسجد کے بارے میں یہ شوشہ چھوڑا کہ بابری مسجد "رام" (جو کہ ہندوؤں کا ایک دیوتا ہے) کی جنم بھومی یعنی جائے پیدائش کو گرا کر تعمیر کی گئی ہے۔ 1949 میں مسجد کو بند کرا دیا گیا۔ اس طرح 40 سال سے زائد عرصے تک یہ مسجد متنازع رہی۔ 6 دسمبر 1992ء کو انتہا پسند ہندوؤں نے مسجد کو شہید کر دیا۔

بھارتیہ جنتا پارٹی نے ایل کے اڈوانی کی قیادت میں سخت گیر تنظیموں وشوا ہندو پریشد، بجرنگ دل اور شیو سینا کے ساتھ رام مندر کی تعمیر کے لیے ایک تحریک چلائی تھی۔ تحریک کے دوران 6 دسمبر 1992 کو ہزاروں ہندوؤں نے بی جے پی اور وشوا ہندو پریشد کے اعلیٰ رہنماؤں اور نیم فوجی دستوں کے سینکڑوں مسلح جوانوں کی موجودگی میں تاریخی مسجد کو شہید کر دیا تھا۔ جس کے بعد دہلی اور ممبئی سمیت ہندوستان میں تقریباً پانچ ہزار مسلمانوں کو ہندو مسلم فسادات میں شہید کر دیا گیا۔

اس کے بعد سے لے کر آج تک مسلمانوں کا داخلہ اس شہید شدہ مسجد میں بالکل ممنوع ہے۔ یہاں سے کافی زیادہ جگہ ہندوؤں کو الاٹ کر دی گئی ہے۔ لیکن مسلمانوں کے رعب و دبدبہ کی وجہ سے آج تک یہاں رام مندر کی تعمیر نہیں کی جا سکی۔ لیکن ہر گزرتے دن کے ساتھ ہندو اس جگہ پر رام مندر کی ناپاک تعمیر کا ارادہ کرتے ہیں اور اس کے لیئے مسلسل کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔ اس مسجد کے گرد بھارتی فوج اور پولیس کا انتہائی سخت پہرہ صبح و شام رہتا ہے۔ تاکہ کسی قسم کی کوئی بدمزگی پیدا نہ ہو جائے۔" جانباز یہاں تک کہہ کر رک گیا۔

"اب ان کے دن تھوڑے رہ گئے بھائی۔ ان شاء اللہ ہم مسجد کی شہادت کا بدلہ ان ہندو بنیے سے ضرور لیں گے۔ ان شاء اللہ۔" ارسلان نے جذباتی ہو کر کہا۔

"ان شاء اللہ۔ اب ہمیں نیچے چلنا چاہیے۔ زیادہ دیر چھت پر رہنا بھی ٹھیک نہیں۔ اہل محلہ ہمیں مشکوک نہ سمجھ لیں۔" جانباز نے کہا اور تینوں سیڑھیوں کے ذریعے نیچے کی طرف چلنے لگے۔

☆......☆......☆

ایک بڑے سے ہال نما کمرے میں کرنل موہن بڑی بے چینی کے عالم میں ٹہل رہا تھا۔ اس کے انداز میں بے پناہ بے چینی اور اضطراب نمایاں تھا۔ وہ بار بار ہونٹ کاٹتا، مٹھیاں بھینچتا اور پھر کھول دیتا۔ کمرے کے ایک کونے میں موجود میز پر موبائل رکھا ہوا تھا۔ کرنل موہن بار بار اس موبائل کو اس طرح دیکھتا جیسے اسے کسی کال کا شدت سے انتظار ہو۔ اس لمحے میں کمرے کے دروازے

پر دستک کی آواز سنائی دی تو کرنل موہن بے اختیار چونک پڑا۔

''یس کم ان''...... اس نے سخت لہجے میں کہا۔ دوسرے ہی لمحے دروازہ کھلا اور روشیل اندر داخل ہوئی۔

''یس سر! آپ نے مجھے بلایا ہے؟'' روشیل نے اندر آ کر مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''ہاں! تم نے مجھے سب بتا کر بہت اچھا کیا ہے روشیل! ایسے لوگوں کو زیادہ چھوٹ دینا بالکل مناسب نہیں۔ تمہیں اس کا خصوصی انعام دیا جائے گا اور تم حقیقت میں محب وطن ہو۔ یہ تینوں جلد ہی میری تحویل میں ہوں گے اور پھر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ تم نے ڈپٹی انچارج کے خلاف عدالت میں بیان دینا ہے تاکہ اس کا کورٹ مارشل کیا جا سکے، اس نے ملک دشمن عناصر کو اتنی ڈھیل آخر کسی کے کہنے پر دی۔'' کرنل موہن نے جوشیلے انداز میں کہا۔

اس سے پہلے کہ کرنل کا جوش مزید بڑھتا۔ موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

''یس؟'' کرنل نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔

''سر! مشن کی تکمیل کر دی گئی ہے۔'' آگے سے جواب دیا گیا۔

''پوری رپورٹ دو۔ تفصیل کے ساتھ......'' کرنل موہن نے قدرے غصے ہوتے ہوئے کہا۔

''سر! آپ کی ہدایت کے مطابق ہم نے سب سے پہلے وہ ویڈیو دیکھے جس میں ان تین افراد کی نشان دہی کی گئی تھی۔ اس کے بعد ہم مطلوبہ کالونی پہنچ کر کچھ محلے والوں سے پوچھ گچھ کی۔ لیکن کوئی سراغ نہ ملا۔ پھر ہمیں ایک پراپرٹی ڈیلر کا سراغ ملا جو اس کالونی کے گھروں کو کرایہ پر دیتا تھا۔ ہم اس کے پاس پہنچے اور پچھلے چار دنوں سے اس کالونی میں صرف ایک ہی گھر کو کرایہ پر دیا گیا تھا۔ کوئی شنکر نام کے بندے کا آرڈر تھا۔ جو بزنس مین تھا اور یہاں آنے کا مقصد نوادرات کی خرید تھی۔ ہم نے اس گھر کو چیک کرنے کا منصوبہ بنایا۔ چونکہ ہمیں آپ نے حکم دیا تھا کہ آدھی رات کے وقت ہی اٹیک کیا جائے۔ چنانچہ ہم آدھی رات تک رکے رہے اور پھر ہم پانچ لوگ دیواریں پھلانگ کر گھر میں داخل ہو گئے اور تینوں کو سوتے میں ہی سر پر ضربیں لگا کر بے ہوش کر دیا اور انہیں اٹھا کر باہر کھڑی وین میں ڈالا اور اس کے ساتھ ساتھ ان تینوں کے بیگ بھی گاڑی میں ڈال کر ہم پوائنٹ تھری پر آ گئے ہیں۔ آپ کی سخت ہدایات تھیں اس لئے ہم نے ان کو بے ہوشی کے باوجود ہتھکڑیاں لگا دیں تھیں۔ اب ہم پوائنٹ تھری پر آپ کے منتظر ہیں۔''

''ویلڈن راٹھور...... میں آ رہا ہوں۔ تب تک تم ان لوگوں کو کمرے میں بند رکھو۔'' کرنل موہن نے خوش ہوتے ہوئے کہا اور اٹھ کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

☆......☆......☆

جانباز کی آنکھیں کھلیں تو چند لمحوں تک تو وہ لاشعوری کی کیفیت میں رہا۔ اس کے سر میں اتنی شدید ٹیسیں اٹھ رہیں تھیں کہ ایک لمحے کو اس کا دماغ ماؤف ہو کر رہ گیا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کا شعور بیدار ہوتا چلا گیا۔ اس

کے ساتھ اس کے ذہن میں خیال آیا کہ وہ گھر میں بستر پر سونے کے لئے لیٹ چکا تھا اور اب یہاں وہ کیسے؟ اس کے ساتھ ہی اس نے پوری طرح شعور میں آتے ہی ادھر ادھر دیکھا۔ تو بے اختیار اس کے منہ سے ایک طویل سانس نکل گئی۔ وہ اس وقت ایک بڑے کمرے کے ننگے فرش پر پڑا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ عقب میں ہتھکڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ اس کے باقی دونوں ساتھی بھی اس کے ساتھ ہی فرش پر ٹیڑھے میڑھے انداز میں پڑے ہوئے تھے۔ ان کے بے حس و حرکت جسم کو دیکھ کر وہ سمجھ گیا کہ وہ ابھی بے ہوش ہیں۔ کمرہ خاصا بڑا لگ رہا تھا اور نو تعمیر شدہ لگ رہا تھا۔ کیونکہ کمرہ کی دیواروں پر پینٹ نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ جانباز نے اپنی ٹانگیں سمیٹیں اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کمرے کا ایک ہی دروازہ تھا جو بند تھا۔ دروازہ لوہے کا تھا۔ کمرے میں موجود واحد بڑا سا روشندان تھا۔ جس سے روشنی اندر آ رہی تھی۔ کمرے میں کسی قسم کا کوئی اور سامان موجود نہ تھا۔

اس نے ایک نظر پھر اپنے ساتھیوں کو دیکھا مگر وہ بے ہوش پڑے تھے اور ان کے سروں پر بڑے گومڑ صاف دکھائی دے رہے تھے۔ جانباز سمجھ گیا تھا کہ وہ مشکوک سمجھ کر دھر لیے گئے ہیں اور اب کسی ایجنسی کی تحویل میں ہیں۔

ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک باہر سے کچھ لوگوں کی آوازیں سنائی دیں جو لحہ بہ لحہ قریب آتی جا رہی تھیں۔ جانباز فوراً پہلے والی پوزیشن میں آ کر آڑھا ترچھا ہو کر لیٹ گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

☆......☆......☆

آگے کیا ہوا؟......

کیا یہ مشن شروع ہونے سے پہلے ختم ہو گیا؟

یا پھر

جانباز نے بازی پلٹ دی......

کیا جانباز اور اس کے دو ساتھی

اپنی زندگی کے سب سے مشکل مشن میں کامیاب ہو پائیں گے یا پھر شہادت سے ہمکنار ہو کر جاوداں ہو جائیں گے۔

سنسنی خیز مشن کی اگلی قسط پڑھنے کے لئے لازم یاد رکھیے

ہمارا، آپ کا......سب کا......پیارا......"مسلمان بچے"

☆......☆......☆

زبیر طیب

جانباز

31

تاج ہوٹل میں شدید ہنگامہ آرائی جاری تھی کہ اسی اثناء میں وزیراعظم کی گاڑی ہوٹل سے باہر نکل گئی۔ باہر نکلتے ہی وزیراعظم کی جان میں جان آئی اور انہوں نے اپنے پرسنل سیکرٹری کو کال ملانے کا حکم دیا اور اپنے ملٹری سیکرٹری کو فوراً "زیرو بریگیڈ" کے نام سے سپیشل کمانڈوز کو تاج ہوٹل پہنچنے کا حکم دے کر شاہی خاندان کی مکمل حفاظت کرنے کا آرڈر جاری کیا اور اپنے لئے سپیشل فورس جو ہیلی کاپٹر پر مشتمل ہوگی پہنچانے کا حکم دے کر فون بند کر دیا۔

اس کے بعد انہوں نے ڈرائیور کو تیز گاڑی چلانے کا حکم دیا۔ وزیراعظم کا دل چاہ رہا تھا کہ کاش گاڑی کو پر لگ جائیں اور وہ اسے اڑا کر "پرائم منسٹر ہاؤس" پہنچ جائیں۔

اس وقت وزیراعظم کی گاڑی کے ساتھ صرف ایک گاڑی فورس کی سفر کر رہی تھی جس میں چار کمانڈوز تھے جن میں ایک زخمی تھا۔ وزیراعظم کے چہرے پر اب بھی ہوائیاں اڑ رہیں تھیں۔

"کمار! اس سے خوفناک حملہ آتنک وادیوں نے کبھی نہیں کیا؟ آخر اس کے پیچھے کون ہوگا؟ پرائم منسٹر ہاؤس پہنچتے ہی پریس ریلیز پاکستان کے خلاف جاری کرو اور سخت سے سخت زبان استعمال کر کے عالمی برادری کے غم و غصے کا رخ پاکستان کے خلاف موڑ دو!" وزیراعظم نے غصے سے بھرے لہجے میں کہا۔

"یس سر! اس سب کے پیچھے پاکستان کا ہی ہاتھ ہو سکتا ہے سر! اس قدر منظم اور خوفناک حملہ کسی ملک کی مدد کے بغیر ممکن ہی نہیں۔" پرسنل سیکرٹری کمار نے ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے مؤدبانہ لہجے میں جواب دیا۔

"پرائم منسٹر ہاؤس میں پہنچتے ہی ملٹری اتاشی کو کال کرو اور انہیں فوراً انٹیلی جنس کو اس ساری کارروائی کی تحقیق کا حکم دو۔ میں یہ قصہ جڑ سے ہی ختم کرنا چاہتا

ہوں۔ میں ان آتنک وادیوں کو ایسا کرارا سبق دوں گا کہ ان کی نسلیں صدیوں مجھے یاد رکھیں گی۔ میں ان کو نوچ ڈالوں گا اور ان کے علاقوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دوں گا۔“

وزیراعظم کے منہ سے گالیوں کا طوفان امڈ آیا اور شدید غصے کے مارے وہ ہذیان بکنے لگا۔

”سر! مجھے لگتا ہے یہ کارروائی جانباز اور اس کے ساتھیوں نے کی ہے، ایسی دلیرانہ کارروائی صرف وہی کر سکتا ہے۔ لیکن وہ ایسا کیوں کرے گا؟ ہم سے تو کشمیری رہنماؤں نے اسے سوچنے کا وعدہ کر لیا ہے اور صرف دو دن باقی ہیں۔“ کمار نے کہا۔

”جو بھی اس سب کے پیچھے ہے میں اسے پاتال سے بھی نکال لاؤں گا اور اسے عبرتناک سزا دوں گا۔“

وزیراعظم نے کہا۔ اسی دوران ہی انہیں دریا کا پُل نظر آنے لگا۔ اس پل کے بعد وزیراعظم ہاؤس نظر آنا شروع ہو جاتا ہے، پل کو دیکھ کر وزیراعظم بچوں کی طرح خوش ہونے لگے اور ابھی چند سیکنڈ ہی گزرے تھے کہ پل سے پہلے ہی سپیشل فورس کے دو کوبرا ہیلی کاپٹر بھی گاڑیوں کے سر پر پہنچ گئے اور ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ وزیراعظم نے ان کو دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا۔ اب وہ خود کو بہت محفوظ خیال کرنے لگ گیا تھا۔ اس نے طویل سانس لی اور سر کو سیٹ کی پشت سے ٹکا لیا۔

☆......☆......☆

جانباز نے اپنے ساتھیوں کو نیچے والی منزل پر اتارا اور گاڑی کو ہوٹل کے بیسمنٹ میں چھوڑا اور آنا فانا ہوٹل کی لفٹ میں داخل ہو گیا۔ داخل ہوتے ہی اس نے ساتویں منزل کا بٹن دبا دیا جہاں شاہی خاندان کی وزیراعظم انڈیا کے ساتھ میٹنگ جاری تھی۔ ابھی لفٹ پانچویں منزل پر پہنچی ہی تھی کہ لفٹ رک گئی اور لائٹس آف ہو گئیں۔ جانباز نے ساتویں منزل کا بٹن پے در پے دبایا مگر لفٹ مکمل طور پر جام ہو چکی تھی۔ وہ ایک لمحے سے بھی پہلے سمجھ گیا کہ ہوٹل کی بجلی اس کے ساتھیوں نے اڑا دی ہے۔ جس کی وجہ سے لفٹ نے کام چھوڑ دیا ہے۔ اب وہ خود کو کوس رہا تھا کہ کیوں اس نے لفٹ کا سہارا لیا۔ کاش وہ سیڑھیوں کا سہارا لیتا۔ یہ بات اس کے ذہن میں پہلے کیوں نہ آئی۔ جانباز کو وہاں رکے پندرہ سے بیس منٹ گزر چکے تھے۔ لیکن وہاں سے نکلنے کی کوئی صورت اس کے ذہن میں نہ آ رہی تھی۔ اچانک اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی اس نے جیب میں رکھے چاقو کو نکالا اور کندھے پر رکھے بیگ کو نیچے رکھ دیا اور اچھل کر ایک ٹانگ لفٹ کی ایک دیوار اور دوسری ٹانگ لفٹ کی دوسری دیوار پر رکھ کر کچھ اوپر ہو گیا۔ اور لفٹ کی چھت پر لگی جالی کے پیچ کو چاقو کے ذریعے کھولنا شروع کر دیا۔ اسے اس کام میں بمشکل چند سیکنڈز لگے اور جالی کھل کر نیچے گر گئی۔ جالی کھلتے ہی جانباز نے دیکھا کہ وہ اگر کوشش کرے تو وہ اس سوراخ سے نکل سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے نیچے رکھے اپنے تھیلے کو اٹھایا جس میں مختلف ہتھیار تھے۔ اس نے تھیلے کو اچھال کر جالی کے باہر پھینک دیا جو لفٹ کی باہری چھت پر جا کر گر گیا۔ جانباز کافی کوشش کے بعد جالی والی جگہ سے لفٹ کی چھت پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ کافی وقت گزر گیا تھا۔ جانباز کو اندازہ تھا کہ اب تک

کمانڈوز ہوٹل پہنچ گئے ہوں گے۔

اس نے بیگ وہیں رکھا اور تیزی سے لفٹ کی رسیوں کے ذریعے اوپر چڑھنے لگا۔ رسیوں کے ذریعے وہ چھٹی منزل کی گیٹ تک پہنچا اور اس نے چاقو کی مدد سے وہ دروازہ کھولا اور چند منٹ کی محنت کے بعد وہ چھٹی منزل پر موجود تھا۔ اس نے سکھوں والا حلیہ فوراً ختم کیا اور تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔ وہ اپنے مشن پر بری طرح پچھتا رہا تھا کہ وہ اس بار بری طرح فیل ہو چکا ہے۔ وہ چاہ رہا تھا کہ اب وہ کسی طرح باہر نکل جائے۔ پورے ہوٹل میں ہنگامہ جاری تھا۔ لوگ ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ جانباز اس ہڑبونگ کا فائدہ اٹھا کر آگے بڑھنے لگا۔ وہ جلد از جلد ہوٹل سے باہر نکلنا چاہ رہا تھا۔ کیونکہ اب تک شاہی خاندان اور وزیر اعظم محفوظ مقام پر منتقل ہو چکے ہوں گے۔ اسے اپنے ساتھیوں کی کوئی خبر نہ تھی کہ وہ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں۔

☆......☆......☆

وزیر اعظم انڈیا نے خود کو محفوظ سمجھ کر بڑے مطمئن انداز میں پشت کو سر سے ٹکایا ہوا تھا۔ گاڑی اب پل عبور کر رہی تھی۔ اچانک اس کی سپیڈ آہستہ ہونے لگی اور وزیر اعظم نے چونک کر باہر دیکھا کہ گاڑی کیوں آہستہ ہو رہی ہے۔ لیکن سامنے سڑک خالی دیکھ کر اس نے فوراً تحکمانہ انداز میں ڈرائیور کو کہا:

''گاڑی کی سپیڈ بڑھاؤ ڈرائیور! ہمیں فوراً پرائم منسٹر ہاؤس پہنچنا ہے۔'' وزیر اعظم نے گاڑی کی پچھلی سیٹ سے چیخ کر کہا۔

''اب تم کبھی نہیں پہنچ سکو گے۔'' اچانک ایک گرجدار آواز سنائی دی ساتھ ہی پستول کی نال اسے نظر آئی جو ڈرائیور نے ایک ہاتھ سے اپنے کندھے پر رکھ کر اس کا رخ وزیر اعظم کی طرف کیا ہوا تھا۔

''کک......کک......کیا......!!!!!!! کیا مطلب؟ کون ہو تم؟'' وزیر اعظم کا رنگ سیاہ پڑ گیا۔ اس کی آواز کانپنے لگ گئی۔ اسے اپنی موت صاف نظر آنے لگ گئی تھی۔

''تم کیا ہمیں صدیوں کا سبق سکھاؤ گے۔ ہم تمہیں ایسا عبرتناک بنا دیں گے کہ پورا انڈیا کانپ جائے گا۔ تم نے جیل میں ہمارے اہم رہنما کو پھانسی دے کر زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی ہے۔ پھر اس کے بعد ہمارے قیدی بھائیوں پر تشدد کر کے اور بڑی حماقت کی ہے اور پھر جانباز کو گرفتار کرنے کی گھناؤنی سازش کی۔ آج تمہیں میرے ہاتھوں سے کوئی نہیں بچا سکتا۔'' ڈرائیور نے اپنے ہاتھ سے سکھوں والا حلیہ ختم کیا اور اب وہ اپنے اصل چہرے کے ساتھ تھا۔ یہ ولید تھا۔ جانباز کا وہ ساتھی جسے جانباز نے ایک پلان کے تحت ''خاص کام'' سونپا تھا۔

اسی دوران نظر بچا کر سیکرٹری نے فون کا بٹن دبایا ہی تھا کہ کان پھاڑ دھماکہ ہوا اور گولی اس کے سینے کو چیرتی ہوئی گاڑی کی سیٹ میں گھس گئی۔ اسی وقت ہی ولید نے پیچھے دیکھا تھا اور حرکت دیکھ کر اس نے فوراً ٹریگر دبا دیا۔

''دیکھو اب اگر کسی قسم کی حرکت ہوئی ایک گولی تمہارا بھیجا اڑا دے گی۔ اس لئے مجھے چپ کر کے گاڑی چلانے دو اور کوئی مشکوک حرکت مت کرنا۔'' ولید نے وزیر اعظم کو خبردار کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں! بالکل نہیں۔ میں کوئی حرکت نہیں کروں گا۔ تم مجھے معاف کر دو۔ میں تمہارے پاؤں پڑتا ہوں۔ میں اپنے سارے مطالبات سے دستبردار ہوتا ہوں۔ تم میری جان بخشی کر دو۔ میں تمہاری منت کرتا ہوں۔ میں تم جیسوں کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ میری غلطی تھی مجھے تم معاف کر دو! مجھے بخش دو!" وزیراعظم گھگھیانے لگا۔ اس کی حالت ایسی ہوگئی تھی جیسے وہ ایک چپڑاسی ہو کسی ملک کا سربراہ نہ ہو۔

"نہیں تمہیں معاف نہیں کرسکتا۔ تم ایک ناسور ہو۔ انسانیت کے ماتھے پر کلنک ہو۔ میں تمہیں مار ڈالوں گا۔" ولید نے شیر کی طرح دھاڑتے ہوئے کہا۔ یہ سن کر وزیراعظم کی حالت ایسی ہوگئی کہ ابھی اس کی جان نکل جائے گی۔

ولید سوچ رہا تھا کہ اب اس کا اگلا پلان کیا ہونا چاہیے۔ اس دوران گاڑی پل کراس کر چکی تھی۔ لیکن اس کی سپیڈ بے حد کم ہوچکی تھی۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ وہ کیا کرے کہ اچانک پچھلی گاڑی جس پر وزیراعظم کے گارڈز تھے تیزی سے قریب آئی اور گاڑی کے اندر کی حالت دیکھ کر فوراً سارا معاملہ سمجھ گئی اور فوراً اپنی گنیں ڈرائیور کی طرف تان لیں اور اسے گاڑی روکنے کا حکم دیا۔

"اگر تم نے گولی چلائی تو میں وزیراعظم کو مار ڈالوں گا۔" ولید نے صورتحال دیکھتے ہوئے چیخ کر کہا۔

ہیلی کاپٹر بھی صورتحال دیکھ کر فوراً الرٹ ہوگئے اور نیچی پرواز کرنے لگے۔ گارڈز نے چیخ چیخ کر ولید کو دھمکیاں دینی شروع کر دیں۔ ولید کے لئے بے حد مشکل صورتحال کھڑی ہوگئی تھی۔ ولید نے گاڑی کی سپیڈ تیز کر دی۔ وزیراعظم کی حالت بے حد خراب ہوچکی تھی۔ اسے اپنی موت صاف نظر آ رہی تھی۔ وہ اشاروں سے اور چیخ چیخ کر اپنے گارڈز کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ فائر نہ کریں۔ کیونکہ اسے ڈر تھا کہ ولید اسے فوراً شوٹ کر دے گا۔

اس صورتحال کو پانچ منٹ سے زیادہ گزر چکے تھے۔ دونوں گاڑیاں ساتھ ساتھ رواں دواں تھی کہ اچانک ایک موڑ مڑتے ہی زوردار فائر کی آواز سنائی دی اور ولید کے سینہ میں گولی پیوست ہوگئی۔ ہیلی کاپٹر میں موجود ایک شارپ شوٹر نے سنائپر سے ولید پر نشانہ تانا تھا جو سیدھا ولید کے دل میں لگا اور گاڑی کا کنٹرول خراب ہوگیا اور موڑ مڑتے مڑتے گاڑی الٹ گئی اور قلابازیاں کھاتی چلی گئی۔ وزیراعظم کو جب تباہ حال گاڑی سے نکالا گیا تو وہ کافی زخمی ہوچکے تھے۔ زخم زیادہ نہیں آئے تھے مگر اوسان خطا ہوچکے تھے۔ وزیراعظم کو فوراً ہیلی کاپٹر کے ذریعے ہسپتال پہنچا دیا گیا۔

☆......☆......☆

جانباز اپنا حلیہ بدل کر لوگوں کی بھیڑ میں گھس کر ہوٹل سے باہر آ چکا تھا۔ اس نے راستے میں ہوٹل کے ایک پورے حصے کو تباہ حالت میں دیکھا تو اس کا دل خوش ہوگیا۔ اس کے ساتھیوں نے توقع سے بڑھ کر دلیری کا کام کیا تھا۔ اسے وزیراعظم کے بارے میں کوئی اطلاع نہ تھی لیکن اسے ولید کی صلاحیتوں پر پورا یقین تھا۔ جانباز نے ہوٹل سے نکل کر فوراً ٹیکسی لی اور ریلوے اسٹیشن پہنچ گیا اور ہریانہ پنجاب کے لئے ٹکٹ خرید کر ٹرین کے چلنے کا انتظار کرنے

لگا۔ اسٹیشن پر لگے ٹی وی سے ہوٹل کی تباہی کی خبر بریکنگ نیوز کی صورت چل رہی تھی۔ جسے دیکھ کر جانباز مسکرا دیا تھا۔ اسے وزیر اعظم کی خبر کا انتظار تھا کہ اچانک نیوز آئیں کہ وزیر اعظم بحفاظت ہوٹل سے نکلنے میں کامیاب ہو چکے ہیں اور جلد ہی پرائم منسٹر پہنچ جائیں گے۔

یہ سن کر جانباز کے چہرے پر مسکان مزید بڑھ گئی۔ بالآخر ان کا پلان کام کر گیا تھا۔

☆......☆......☆

انڈیا کے اس سب سے بڑے سانحے کے دو ہفتوں بعد وزیر اعظم ہاؤس میں میٹنگ جاری تھی جس کی صدارت وزیر اعظم خود کر رہے تھے۔ ان کے بازو پر پٹی بندھی تھی اور وہ نقاہت زدہ لہجے میں میٹنگ کی کارروائی شروع کرنے کا اعلان کر رہے تھے۔

اشارہ پاتے ہی وزیر دفاع اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور کہنا شروع کیا:

"سر! آج سے دو ہفتے پہلے تاج ہوٹل پر ہوئے اٹیک کے پیچھے تحقیقات کے نتیجے میں جو نام سامنے آیا ہے وہ "جانباز" کا ہے۔ جانباز اور اس کے پانچ ساتھیوں کی خوفناک کارروائی کی تمام تفصیلات آپ کے سامنے ایک فائل کی صورت موجود ہے۔ مختصراً اس کا حال یہ ہے کہ جانباز اور اس کے پانچ ساتھی سکھوں کے روپ میں دہلی میں داخل ہوئے اور ایک ہوٹل میں بیٹھ کر کارروائی کی پوری پلاننگ کی۔ اس کے بعد وہ وزیر اعظم کی میٹنگ کے دوران ہوٹل میں داخل ہوئے اور چیک پوسٹ پر شدید فائرنگ کرتے ہوئے ہوٹل میں داخل ہو گئے۔ اس کے پانچ ساتھیوں میں سے ایک وزیر اعظم کے قافلے کی تمام گاڑیوں کو تباہ کرنے پر مامور تھا سوائے ایک گاڑی کے اس نے ساری گاڑیاں تباہ کر دیں۔ باقی چار ساتھیوں نے جنریٹر اور سیکیورٹی روم پر شدید حملہ کر کے اسے تباہ کر دیا۔ پہلی دو منزلوں پر فائرنگ کر کے غیر ملکیوں کو ہلاک کیا اور سیکیورٹی کے 20 سے زائد افراد مقابلے کے دوران مارے گئے۔ اس دوران چار آتنک وادی مارے گئے۔ آتنک وادیوں کا اصل مقصد وزیر اعظم کو اغوا کرنا تھا یا انہیں زخمی کرنا تھا۔ تاکہ وہ اپنے مطالبات سے پیچھے ہٹ جائیں۔

سیکیورٹی روم مکمل طور پر تباہ ہونے کی وجہ سے ویڈیو ریکارڈنگ نہیں مل سکیں۔ لیکن تحقیق کے مطابق آتنک وادیوں کا ایک آدمی لفٹ میں پھنس گیا تھا جس کے پاس تباہ کن ہتھیار تھے۔ وہ لفٹ سے نکل گیا اور ہتھیار وہیں چھوڑ دیے۔ اس کو بے حد تلاش کیا گیا لیکن وہ ابھی تک نہیں پکڑا جا سکا۔ وزیر اعظم کے ڈرائیور کے روپ میں جو آتنک وادی مارا گیا ہے وہ کشمیری تھا اور بھارت کو سخت مطلوب تھا۔ مزید تحقیقات جاری ہیں۔"

وزیر دفاع نے یہ کہہ کر استفہامیہ انداز میں حاضرین مجلس کی طرف دیکھا اور بیٹھ گئے۔

"ان کو عبرتناک سزا دینی چاہیے اور کشمیریوں کے لئے مزید سخت قوانین بنائے جائیں۔" صدر نے سخت لہجے میں کہا۔

"جیلوں میں موجود ان کے قیدیوں کو پھانسیاں دے دینی چاہئیں۔ ان پر مزید شکنجہ کسنا چاہیے۔" وزیر

خارجہ نے سخت لہجے میں کہا۔

"سر! آپ کچھ کہیں۔ آپ کا فیصلہ ہی حتمی تصور کیا جائے گا۔" آرمی چیف نے وزیر اعظم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وزیر اعظم نے ایک نظر تمام حاضرین کو دیکھا اور بولے:

"میرا نظریہ آپ سب لوگوں سے کچھ الگ ہے۔ کشمیری قوم ایسی قوم ہے جسے ہم شکست نہیں دے سکتے۔ اس کے ایک ایک شخص میں ہمارے خلاف ایسی نفرت بھری ہوئی کہ ہم اسے سرد نہیں کر سکتے۔ ان کا ایک عام شخص بھی ہمارے پیشہ ور کمانڈوز سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ ہم چاہیں بھی تو انہیں ہرا نہیں سکتے۔ ہمیں ان کے ساتھ مصالحت والا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ میں آپ سب سے زیادہ ان کے خلاف متشدد ہوں۔ لیکن میں اب سمجھ گیا ہوں کہ انہیں طاقت سے ہرانا ناممکن ہے۔

اس لئے میں آج سے اپنے تمام مطالبات سے دستبردار ہوتا ہوں۔ جانباز کو پکڑنے کی کوشش اور اس کے ساتھ ساتھ ملک کو آتنک وادی حملے سے بچاتے ضرور رہیں گے لیکن اب پالیسی تبدیل کرنی ہوگی۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔" یہ کہہ کر وزیر اعظم نے بے بس انسان کی طرح طویل سانس لی اور اپنے ٹوٹے ہوئے بازو کو دیکھا اور میٹنگ برخاست کرنے کا حکم دے دیا۔ سب لوگ شکست خوردہ انداز میں ڈھیلے قدموں سے میٹنگ ہال سے نکلتے چلے گئے۔

☆......☆......☆

☆ ہندوستان نے بالآخر گھٹنے ٹیک دیے......

☆ ہندوستان کے سخت گیر وزیر اعظم بالآخر کشمیریوں کی طاقت کو مان گئے......

☆ جانباز اور اس کے ساتھیوں کی سب سے بڑی کارروائی نے کامیابی کے ایسے جھنڈے گاڑے کہ ہندو بنیا منہ کے بل زمین پر آ گرا......

☆ کشمیریوں نے اس کامیابی پر جشن منایا اور مجاہدین اسلام کے لئے ڈھیروں دعائیں کی......

☆ وزیر اعظم انڈیا تو ہمت ہار گیا تھا......مگر جانباز کیسے چپ بیٹھ سکتا ہے......

☆ جانباز کا نیا اگلا مشن کیا ہو سکتا ہے؟......

☆ انتہائی خوفناک......انتہائی مشکل......اور انتہائی جان لیوا مشن......

☆ انتظار......تھوڑا سا انتظار......تب تک کے لئے عید مبارک......

جانباز کی طرف سے "مسلمان بچے" کے پیارے قارئین کو "عید مبارک"......

☆......☆......☆

☆......☆......☆

بڑی سے سرکاری نمبر پلیٹ والی جیپ خاصی تیز رفتاری سے سڑک پر دوڑتی ہوئی اس علاقے کی طرف بڑھی چلی جا رہی تھی جہاں ''براس ڈیم'' بنایا گیا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر جو شخص بیٹھا تھا، اس کا نام ارجن تھا۔ سائیڈ سیٹ پر کالا چشمہ لگائے اور کالے پینٹ کوٹ میں ملبوس شخص کا نام کرنل بیدی تھا۔ جو انڈیا کا ایک نامور جاسوس اور ایجنٹ تھا۔ وزیر مواصلات کو ویسے تو ڈیم کے سیکیورٹی چیف ''کرنل بالک'' پر پورا یقین تھا مگر پھر بھی اس نے اپنی تسلی کے لئے ایک انتہائی خفیہ تنظیم کے چیف سے درخواست کی کہ وہ اپنے سب سے ذہین ایجنٹ کو ڈیم کی سیکیورٹی چیک کرنے کے لئے بھیجیں تاکہ میں مطمئن ہو سکوں۔ چنانچہ کرنل بیدی اپنے دو باڈی گارڈ کے ساتھ دہلی سے کشمیر روانہ ہو گیا۔ اس کے آنے کی اطلاع چیف سیکیورٹی آفیسر کرنل بالک کو دے دی گئی۔

جیپ کی عقبی سیٹ پر دو فوجی اسلحہ سے لیس چوکس بیٹھے ہوئے تھے۔ انہیں سفر کرتے ہوئے آدھا دن ہو چلا تھا۔ اب وہ اپنی منزل کے تقریباً قریب پہنچ رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ ڈیم کی پہلی چیک پوسٹ کے قریب پہنچ گئے۔ اسلحہ سے پوری طرح لیس اس چیک پوسٹ پر چار آدمی تھی۔ یہاں ان کے کاغذات چیک کیے گئے اور انہیں آگے جانے کا اشارہ کر دیا گیا۔ اس کے بعد دوسری چیک پوسٹ آئی اور یہاں آلات کی مدد سے ان کی گاڑی

کو اچھی طرح چیک کیا گیا اور اندر بیٹھے افراد کی تلاشی لی گئی۔ کرنل نے انہیں کچھ نہ کہا کیونکہ وہ یہی سیکیورٹی چیک کرنے ہی آیا تھا اور پھر تیسری چیک پوسٹ پر انہیں اپنی گاڑی وہیں چھوڑ کر ڈیم کی اپنی مخصوص گاڑی میں بالآخر اندر لے جایا گیا۔ کرنل نے باہری انتظامات کو دیکھ کر اطمینان کا اظہار کیا اور ڈیم کی مخصوص گاڑی انہیں لے کر چیف سیکیورٹی آفیسر کے آفس تک لے آئی۔ چیف سیکیورٹی آفیسر باہر ہی مہمانوں کا منتظر تھا۔

''ویلکم سر! آیئے سر!'' کرنل بالک نے سیلوٹ کرتے ہوئے کہا۔ رینک میں وہ دونوں برابر تھے مگر بہر حال اس وقت کرنل بیدی کو آفیسر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اس لیے کرنل بیدی کو پروٹوکول دینا اس کی مجبوری تھی۔

کرنل بیدی نے بھی جواباً سیلیوٹ کیا اور کرنل بالک کی رہنمائی میں دفتر کے اندر پہنچ کر اطمینان سے صوفے پر بیٹھ گیا۔

''سر! کیسا سفر رہا؟ کافی لمبا سفر رہا ہوگا۔'' کرنل بالک نے خوشامدانہ لہجے میں بات کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں بالک! کافی تھکا دینے والا طویل ترین سفر تھا۔'' کرنل بیدی نے تھکے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

''چلیں سر! آپ کھانا کھا کر ریسٹ کرلیں۔ شام ہوتے ہی ہم ڈیم کا آپ کو دورہ کروائیں گے۔'' کرنل بالک نے کہا اور کرنل بیدی نے ہاں میں سر ہلا دیا۔

☆......☆......☆

ٹیلی فون کی گھنٹی بجتے ہی انڈیا کے صدر نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔ وہ اس وقت اپنی رہائش گاہ پر موجود تھے۔

''یس......'' صدر نے باوقار لہجے میں کہا۔

''جناب وزیر مواصلات کی ارجنٹ کال ہے۔'' دوسری طرف سے اس کے ملٹری سیکٹری کی مؤدبانہ آواز سنائی دی۔

''اوکے'' صدر نے کہا اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے فون پیس کے نیچے موجود ایک بٹن پریس کر کے لائن ڈائریکٹ بھی کر لی اور اسے محفوظ بھی کر لیا۔

''ہیلو'' صدر نے بٹن پریس کر کے کہا۔

''سر میں رابندر راٹھور بات کر رہا ہوں۔'' دوسری طرف سے مؤدبانہ لہجے میں کہا گیا۔

''یس۔ کہیے کیسے کال کی اس وقت؟'' صدر نے پوچھا۔

''سر! ابھی ابھی مجھے انٹیلی جنس کے ادارے سے مصدقہ اطلاع ملی ہے کہ جانباز کو ''براس ڈیم'' کا پتہ لگ چکا ہے اور وہ اس کے لئے کوئی منصوبہ بنا رہا ہے۔ پاکستان سے ایک فون کال ٹیپ کی گئی جو جانباز کے روحانی استاد شاہین کو کی گئی۔ اس کال میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ کشمیری اس معاملے میں پاکستان کی ہر ممکن مدد کریں گے اور اس کے لئے جانباز کو تیار کیا جا رہا ہے۔'' رابندر راٹھور نے گھبرائے ہوئے لہجے میں ساری تفصیل بتا

دی۔

"کس نے یہ رپورٹ دی ہے؟" صدر کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہمارے خفیہ اداروں میں سے ایک نے اپنے ایک ایجنٹ کی قربانی دے کر انتہائی قیمتی معلومات حاصل کی ہیں۔" وزیر نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"یہ تو واقعی پریشانی کی بات ہے؟ اس کا مطلب کہ ہم اپنے منصوبے میں بری طرح ناکام ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ ڈیم اوپن ہوگیا تو دنیا ہمارا مذاق اڑائے گی اور اقوام متحدہ اسے بند کر دے گا اور ہماری برسوں کی محنت رائیگاں چلی جائے گی۔" صدر نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

"یس سر! میں نے اسی خدشے کے پیش نظر ایک انتہائی ماہر خفیہ ایجنٹ کرنل بیدی کو ڈیم کی جانچ کے لئے بھیجا ہے۔ ان سے مجھے آج ہی رپورٹ موصول ہوئی ہے کہ ڈیم کی سیکیورٹی انتہائی سخت ہے۔ یہاں ایک آدمی تو دور پوری فوج بھی مل کر حملہ کر دے تو کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔" وزیر صاحب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"ویری گڈ" رابندر تم واقعی کام کے آدمی ہو۔ ٹھیک ہے اچھا کیا تم نے یہ کیا۔ لیکن پھر بھی لحہ بہ لحہ رپورٹ لیتے رہنا تاکہ ہم اپنا خواب پورا کر سکیں۔ ہمیں اپنے منصوبہ پر عمل درآمد کے لئے مزید دو مہینے چاہئیں۔ اس کے بعد ہم پاکستان کی آدھی سے زائد آبادی کو تہس نہس کر دیں گے۔" آخر میں صدر کا لہجہ انتہائی زہر خند ہوگیا۔

دونوں طرف سے "اوکے" کہہ کر فون بند کر دیا گیا۔

☆......☆......☆

جانباز پچھلے تین دنوں سے مختلف بھیس بدل کر مسلسل ڈیم کے اردگرد چکر لگا رہا تھا اس کے ساتھ اس کے دو ساتھی کاشف اور زعیم بھی تھے جو اس کی اس مشن میں مدد کر رہے تھے۔ جانباز نے پہلے تو لیبر کی صورت میں بھیس بدل کر اندر جانے کا فیصلہ کیا مگر معلوم ہوا کہ تمام لیبر (ڈیم میں کام کرنے والے لوگ) ڈیم کے اندر ہی رہتے ہیں اور صرف ماہانہ چھٹی پر اپنے گھروں کو جاتے ہیں۔ اکثریت ہندو طبقہ ملازم ہے اور انہیں مخصوص کارڈ الاٹ ہیں جن کی نقل بنانا ناممکن ہے۔

اس کے بعد جانباز نے سامان کی ترسیل کرنے والی گاڑیوں کی مدد لینا چاہی تو اس طرف سے بھی راستہ بند ہی ملا۔ ایک ایک ہی صورت تھی کہ ڈائریکٹ ایکشن کرتے ہوئے ڈیم کے اندر پہنچا جائے اور سب کچھ تہس نہس کر دیا جائے مگر یہ بھی ناممکن ہے۔ کیونکہ تین چیک پوسٹ کراس کرنے سے پہلے ہی لامحالہ الارم بج جائے گا اور الارم بجتے ہی ڈیم کے داخلی گیٹ خود بخود بند ہو جاتے اس کے بعد اندر داخل ہونا ناممکن ہو جاتا۔

اس کے بعد جانباز نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ڈیم کے چاروں اطراف کا دورہ کیا مگر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ تین اطراف سے سپاٹ پہاڑیاں ہیں۔ صرف ایک

طرف سے ایک ہی پہاڑ کو کاٹ کر دروازہ بنایا گیا ہے۔ ان پہاڑیوں اور دروازوں پر بھی چیک پوسٹیں بنائی گئیں ہیں۔ جانباز نے جب ہر طرف سے اس مشن کو ناممکن ترین دیکھا تو ایک لمحے کے لئے اس کا دل بجھ سا گیا۔ وہ دل میں پاکستان کی شدید محبت رکھتا تھا۔ اس کا دل پاکستان کے لئے دھڑکتا تھا۔ اسے یاد تھا کہ اس کے سینکڑوں دوست پاکستان سے دور بہت دور اس کے دیس میں آزادی کی جنگ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان کے جسد خاکی واپس نہ جا سکے۔ اسے معلوم تھا کہ پاکستانیوں نے ہم کشمیریوں کے لئے کتنی قربانیاں دی ہیں۔ اس لئے وہ ان قربانیوں کا کچھ نہ کچھ ازالہ کرنا چاہتا تھا۔

لیکن سوچ سوچ کر وہ پریشان ہو رہا تھا کہ آخر وہ کیسے اس مشن کو کامیاب بنا سکتا ہے۔ کوئی نہ کوئی کمزوری ضرور ہوگی، کوئی نہ کوئی راستہ تو ہر صورت موجود ہوگا۔

بالآخر اسے اطلاع ملی کہ ڈیم پر کام کرنے والا ایک گروپ ایمرجنسی مشینری اور لکڑی لینے کے لئے آجکل شہر آیا ہوا ہے۔ انہوں نے کچھ ناگزیر خریداری کرنی ہے۔ ان میں سے ایک مسلمان بوڑھا مزدور بھی ہے جو ڈیم کے اندر کام کرتا ہے۔ جانباز کو جیسے ہی پتا چلا فوراً خفیہ پیغام رسانی کے ذریعے اس بوڑھے کو پندرہ سے بیس منٹ کے لئے گروپ سے ہٹ کر ان سے ملنے کو کہا گیا۔ بالآخر بوڑھا مان گیا اور جانباز اب اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ اس بوڑھے سے ملنے کے لئے رواں دواں تھا۔

ملنے کا وقت بازار میں ہی رکھا گیا۔ جانباز کی جیپ ایک چائے کے ہوٹل کے باہر رکی اور جانباز ادھر ادھر دیکھ کر ہوٹل کے اندر چلا گیا۔ اس کے دونوں ساتھی باہر ہی رک گئے۔ جانباز نے ہوٹل کے اندر جا کر ایک ٹیبل پر بوڑھے آدمی کو دیکھا جو پریشانی کی عالم میں جانباز کو ہی دیکھ رہا تھا۔ جانباز نے چائے کا آرڈر دیا اور اس بوڑھے کے پاس جا کر دوسری طرف منہ کر بیٹھے گیا۔

"بسم اللہ، بسم اللہ" جانباز نے بوڑھے کی طرف منہ کرتے ہوئے آہستگی سے کہا اور دوبارہ سے واپس اپنی پوزیشن پر آ گیا۔ یہ ایک کوڈ تھا جس کا مطلب تھا کہ جانباز ہی وہ صحیح آدمی ہے جس سے اس کی ملاقات طے ہے۔

"ہاں بولو...... جو پوچھنا ہے پوچھو۔ لیکن جلدی میرے ساتھی کسی بھی لمحے یہاں آتے ہی ہوں گے۔" بوڑھے نے بھی دوسری طرف منہ کیے ہوئے جانباز کو آہستگی سے کہا۔

"بابا جی! آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ ڈیم کی اصل مشینری جو پانی کو روکتی ہے اور پھر جاری کرتی ہے مشرق کی سائیڈ پر ہے یا مغرب کی سائیڈ پر؟" جانباز نے آہستگی سے پوچھا۔

"مغرب کی سائیڈ پر ہے۔ وہیں چار سرنگیں ہیں۔ جہاں دن بھر کام چلتا ہے۔ لیکن شام ہوتے ہی ہم لوگ کوارٹر میں آجاتے ہیں اور وہاں پہرہ لگا دیا جاتا ہے۔ آج

کل ریڈ الرٹ جاری ہے۔'' بوڑھے نے تیز بولتے ہوئے کہا۔

''کیا اندر جانے کا مین گیٹ کے علاوہ کوئی راستہ ہے؟ آپ تو بہت پرانے ملازم لگتے ہیں۔ کچھ مدد کریں۔'' جانباز نے کہا۔

''نہیں بیٹا! کچھ نہیں کرسکتا۔ میرے علم میں اس گیٹ کے علاوہ کوئی گیٹ نہیں ہے۔ یا تو اس گیٹ سے آیا جاسکتا ہے یا پھر سیدھا آسمان سے کودا جاسکتا ہے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ بوڑھے نے جواب دیا اور جانباز کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

''ٹھیک ہے بابا جی۔ آپ کا شکریہ۔ اس ملاقات کو بھول جائیں۔ جیسے ہم کبھی ملے ہی نہیں۔'' جانباز نے کہا اور چائے کے کپ کا آخری گھونٹ بھی منہ میں انڈیلا اور بابا جی کی طرف بنا دیکھے نشست سے اٹھا اور ہوٹل سے باہر آگیا۔

گاڑی کی سائیڈ سیٹ پر بیٹھتے ہی اس نے کاشف کو گاڑی چلانے کا کہا۔ کاشف نے سنتے ہی گاڑی آگے بڑھادی۔

''کچھ کلیو ملا؟'' پیچھے بیٹھے زعیم نے پوچھا۔

''نہیں۔ بس اتنا کہ اصل مشینری مغرب کی سائیڈ پر ہے اس کے علاوہ کوئی کلیو نہیں ملا؟'' جانباز نے جواب دیا۔

''اوہ!! پھر تو یہ ملاقات کی بھاگ دوڑ فضول گئی۔'' کاشف نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں! بابا جی نے ویسے تو مذاق میں ایک بات کہی مگر میں حیران ہوں کہ ہمارے ذہن میں یہ بات کیوں نہ آئی؟''...... جانباز نے کہا۔

''کون سی بات؟'' دونوں نے یک زبان ہو کر پوچھا۔

''بابا جی نے کہا کہ یا تو مین گیٹ سے راستہ ہے یا پھر کوئی آسمان سے ٹپک پڑے تو اندر آسکتا ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ ہم بھی آسمان سے وارد ہو جائیں تو کیا خیال ہے؟'' جانباز نے سسپنس پھیلاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''آسمان سے؟'' کاشف کی حیرانی مزید بڑھ گئی۔

''ہاں آسمان سے؟ مطلب کہ ہم ہیلی کاپٹر سے لینڈ کر سکتے ہیں؟ ڈیم کی زمین ساٹھ ایکڑ سے زیادہ پر پھیلی ہوئی ہے ہم کہیں بھی آسانی سے لینڈ کر کے اندر گھس سکتے ہیں؟'' جانباز نے جواب دیا۔

''بالکل غلط آئیڈیا بھائی جان! آپ نے خود ہی بتایا کہ چاروں اطراف میں اینٹی ائیر کرافٹ گنیں نصب ہیں جو غلط چیز کو آتے دیکھ کر فوراً اسے بھی پہلے دھماکے سے اڑا دیں گی اور پھر اگر ہم اتر بھی گئے تو چھاؤنی میں ہیلی کاپٹر کی وجہ سے الارم بج چکے ہوں گے اور سینکڑوں کی تعداد میں فوجی ہماری کھوج میں نکل کھڑے ہوں گے اور ہم مشن کیسے مکمل کریں گے؟'' زعیم نے جوش و جذبے سے

جانباز کی سوچ کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے جواب دیا۔

''اوہ...... ہاں! اس صورتحال کے بارے میں تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔'' جانباز نے سوچتے ہوئے کہا۔

''لیکن یہ آئیڈیا اچھا ہے اس پر مزید کام ہو سکتا ہے۔ اگر کچھ اور سوچا جائے تو باباجی کا یہ مذاق حقیقت بھی بن سکتا ہے۔'' کاشف نے ہنستے ہوئے کہا۔

ابھی وہ آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ اچانک کاشف کی سنجیدہ آواز سنائی دی:

''سنبھل کر بیٹھ جاؤ آگے بی ایس ایف (بارڈر سکیورٹی فورس) کا سخت ناکہ لگا ہوا ہے اور گاڑیوں کی لمبی قطاریں بھی نظر آ رہی ہیں۔ اچھی خاصی چیکنگ ہو رہی ہے۔'' کاشف نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

یہ سنتے ہی تینوں سیٹ پر سنبھل کر بیٹھ گئے اور ان کی نظریں سامنے کھڑے اسلحے سے لیس فوجیوں پر پڑیں جو بڑی جنگ آمیز طریقے سے لوگوں سے برتاؤ کرتے نظر آ رہے تھے۔

''یار ایک کام ہو سکتا ہے؟'' اچانک پیچھے بیٹھے زعیم نے ایک جھٹکے سے چونکتے ہوئے کہا۔

''کیا کیا؟'' دونوں نے اسے پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہم عام ہیلی کاپٹر پر ڈیم نہیں جاتے بلکہ کانیا وارکی چھاؤنی میں گھس کر وہاں موجود آرمی ہیلی کاپٹر چرا کر ہم فوراً ڈیم کی طرف نکل سکتے ہیں۔ مورچے میں موجود فوجی بہرحال ایک فوجی ہیلی کاپٹر کو ہٹ کرنے سے حتی الامکان باز رہیں گے اور یوں ہم ان کو چکما دے کر نیچے اتر سکتے ہیں؟ کیسا ہے آئیڈیا؟'' زعیم نے بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے کہا جیسے اس نے کوئی بہت بڑی پہیلی بوجھ لی ہو۔

''ابھی نہیں۔ آئیڈیے کے بچے! ہم ناکے پر کھڑے ہیں اور تمہیں یہ کام سوجھ رہے ہیں۔ یہی آئیڈیا جوش میں ان فوجیوں کو نہ سنا دینا۔ سامنے دیکھ صرف ایک گاڑی کے بعد ہماری باری ہے۔ چپ کر!'' کاشف نے قدرے گھور کر مصنوعی غصے سے زعیم کو دیکھا اور گاڑی چیکنگ کے لئے آگے بڑھا دی۔

☆......☆......☆

پھر کیا ہوا؟......

جانباز کی زندگی کا سب سے مشکل مشن؟ کیا وہ کر پائے گا؟......

یا پھر......

ناکے پر موجود فوجی انہیں دھر لیں گے اور ان کا پلان دھرے کا دھرا رہ جائے گا؟......

کبھی کبھی وہ ہو جاتا ہے جس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا...... آگے کیا ہوتا ہے

یہ جاننے کے لئے پڑھتے رہیے

............مسلمان بچے............

☆......☆......☆

جانباز کے ساتھی کاشف نے چیک پوسٹ پر کھڑی ''بی ایس ایف فورس'' کی چیکنگ کے لئے رکی گاڑی کے آگے بڑھتے ہی اپنی گاڑی آگے بڑھادی اور تینوں بظاہر لاپرواہ لیکن الرٹ ہو کر بیٹھ گئے۔

''اپنی شناخت کرواؤ اور کہاں سے آرہے اور کہاں جا رہے ہو؟'' گاڑی کے رکتے ہی ایک فوجی اہلکار ڈرائیونگ سیٹ کی طرف سے آیا اور اندر جھانک کر دیکھنے لگا اور پھر پوچھنے لگا۔

''جی سر! یہ میرا ڈرائیور ہے اور یہ میرا کارڈ ہے۔'' جانباز نے کاشف کے کچھ بولنے سے پہلے ہی جیب سے ایک بزنس کارڈ نکال کر فوجی کو دیا۔

''آپ کی گاڑی کی چیکنگ کی جائے گی۔ گاڑی سائیڈ پر لگا کر باہر آجائیں۔'' فوجی اہلکار نے کارڈ پر دیکھتے ہوئے اچانک کہا تو جانباز پریشان ہو گیا کہ یہ ایسا کیوں کہہ رہا ہے؟ جانباز نے کاشف کو اشارہ کیا تو کاشف نے گاڑی سائیڈ پر لگا دی اور پھر تینوں باہر آ گئے۔ آس پاس درجن بھر کے قریب فوجی انتہائی الرٹ کھڑے تھے جو اب تینوں کو بہت غور سے دیکھ رہے تھے۔

''جناب! اس کی کیا ضرورت ہے؟ میں ایک بزنس مین ہوں اور ممبئی سے آیا ہوا ہوں۔ میرے پاس اتھینٹک

کارڈ ہے پھر آپ یہ سب کیا کر رہے ہیں؟" جانباز نے ایک آخری کوشش کی۔ اسے خطرہ تھا کہ گاڑی سے کچھ ایسا برآمد نہ ہو جائے جو شکوک و شبہات کھڑے کر دے۔ کیونکہ یہاں جلد بازی میں آنے کی وجہ سے وہ اس بات کا خیال نہ رکھ سکا تھا۔

"آرڈر بے حد سخت ہیں۔ اس علاقے میں گھر گھر تلاشی لی جا رہی ہے جناب! آپ کے حق میں بہتر یہی ہے کہ آپ کو جب تک کلیئر نہیں کیا جاتا آپ چپ چاپ کھڑے رہیں۔" ایک فوجی افسر نے انتہائی سخت لہجے میں جواب دیا۔ یہ شاید ان کا کوئی آفیسر لگ رہا تھا۔ تین سے چار فوجی گاڑی کی تلاشی لینے لگے مگر گاڑی سے کوئی مشکوک چیز نہ ملی۔

"گاڑی کے کاغذات دکھائیں؟" ایک فوجی نے قریب آ کر کہا۔ جانباز نے گاڑی کے ڈیش بورڈ سے کاغذات اس فوجی کے حوالے کر دیئے۔

"ٹھیک ہے پانچ منٹ میں کاغذات کی جانچ پڑتال کے بعد آپ کو جانے دیا جائے گا۔ تب تک آپ یہیں کھڑے رہیں۔" اس فوجی نے جانباز کو کہا اور ایک طرف لگے خیمے کے اندر چلا گیا۔ جانباز سڑک پر گاڑی رکتے دیکھتا اور ان کی چیکنگ ہوتی اور وہ آگے بڑھ جاتیں۔ لیکن ان کی گاڑی کو مشکوک سمجھ کر روک لیا گیا تھا۔ جانباز نے آنکھوں کے اشارے سے دونوں کو چوکنا رہنے کا کہہ تو دیا تھا مگر وہ خود بھی کچھ پریشان لگ رہا تھا کہ آخر معاملہ کیا ہے؟ شاید اس علاقے میں ڈیم پر حملے کی کوئی خبر انڈین حکومت یا آرمی کو مل چکی ہو اور انہوں نے چیکنگ سخت کر دی ہو۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک خیمے کا پردہ ہٹا اور وہی شخص آتے دکھائی دیا جو ان کے کاغذات لے کر گیا تھا۔ لیکن وہ جانباز کی طرف آنے کی بجائے اپنے افیسر کی جانب مڑا اور تقریباً دوڑتا ہوا اس کے پاس پہنچ کر بات کرنے لگا۔ اسی لمحے میں اچانک آفیسر نے چار سے پانچ فوجیوں کو حکم دیا کہ وہ ان تینوں نوجوانوں کو گرفتار کر لیں۔ اس کا حکم ملتے ہی آناً فاناً فوجی تینوں پر پل پڑے اور زمین پر گرا کر پیچھے ہاتھ کر کے ہتھکڑی لگا دی گئی اور پھر ان کو خیمے کے پچھلی جانب لے جایا گیا۔ تھوڑی دیر بعد کھڑا رکھنے کے بعد آفیسر آیا۔

"ہمیں کیوں اس طرح گرفتار کیا؟ کیا جرم کیا ہے ہم نے۔ یہ کیا فضول حرکت ہے ہم اس کی شکایت گورنمنٹ سے کریں گے؟" جانباز نے کہا۔

"ہاہاہا...... اچھا...... ضرور کرو شکایت...... ویسے یہ بتاؤ کہ کون لوگ ہو تم؟ تمہاری گاڑی نے اصلیت کھول دی ہے تمہاری۔ یہ کاغذات ایک ٹورسٹ کمپنی کی طرف سے ایشو ہیں۔ ہم نے اس ٹورسٹ کمپنی کو فون کیا اور تمہارے بارے میں پتہ چلا کہ یہ گاڑی کسی ابوحمزہ کی جانب سے بک کرائی گئی ہے اور ابوحمزہ کو ہم جانتے ہیں وہ ایک حریت پسند لیڈر کا سیکٹری ہے اور مفرور ہے۔ اس کا مطلب تم کوئی بزنس مین نہیں ہو۔ تم کون ہو؟ اور اس علاقے میں کیا کر رہے ہو؟ اگر سچ بتاؤ گے تو تمہاری جان بخشی کر دی جائے گی ورنہ تم جانتے ہو اگر تمہیں چھاؤنی کے ٹارچر سیل میں لے گئے تو وہاں کیا حشر کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے مجھے صرف سچ بتاؤ!" آرمی آفیسر نے بڑے

اطمینان سے کہا اور جانباز نے سر جھٹک دیا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ اس قدر سخت چیکنگ بھی کر سکتے ہیں یہ لوگ لیکن اب تو وہ بری طرح پھنس چکا تھا۔

''او۔کے! اگر آپ کو سچ سننا ہے تو سنیں! میں کسی ابو حمزہ کو نہیں جانتا۔ یہاں صرف دو ٹورسٹ کمپنیاں ہیں جو گاڑیاں دیتے ہیں۔ دوسری جو کمپنی ہے اس سے میری کاروباری دشمنی چل رہی ہے۔ میں اس سے گاڑی نہیں لے سکتا تھا۔ چنانچہ میں دوسری ٹورسٹ کمپنی کے پاس آیا تو انہوں نے بھی مجھے گاڑی دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ تمام گاڑیاں مصروف ہیں۔ اسی دوران ایک ملازم کو ٹپ دینے پر معلوم ہوا کہ ٹورسٹ کمپنی والا کسی ابو حمزہ کے نام پر تمہیں جتنی چاہیں گاڑیاں دے سکتا ہے۔ میں نے ابو حمزہ کا نام لیا اور پھر اس نے بغیر تصدیق کیے کہ ہم کون ہیں چپ چاپ گاڑی دے دی۔ اب ہمیں کیا معلوم تھا کہ ہم یوں پھنس جائیں گے اور ابو حمزہ کوئی مفرور شخص ہے۔'' جانباز نے اپنی طرف سے جلدی جلدی ایک من گھڑت قصہ سنا دیا۔

''دیکھو! تم فضول میں میرا وقت ضائع کر رہے ہو۔ مجھے ٹورسٹ کمپنی والے نے بتایا ہے کہ ابو حمزہ کا فون آیا تھا اور گاڑی اس کے بتائے ہوئے پتہ پر بھیج دی گئی تھی۔ اس کا مطلب تم وہاں خود گئے ہی نہیں تھے اور میں جانتا ہوں کہ ٹورسٹ کمپنی والا کون ہے اور اس نے گاڑی کیوں بھیجی؟ اس لئے اب تم لوگوں کا جھوٹ یہاں نہیں چل سکتا۔ ہاں تم دونوں میں سے کوئی بولنا چاہے تو بولے ورنہ ایسی عبرتناک ماردوں گا کہ صدیوں یاد کرو گے۔'' آفیسر نے غصے سے سرخ ہوتے ہوئے کہا۔

''ہمیں کچھ نہیں معلوم، ہم ملازم ہیں اس شخص کے۔ ہمیں کچھ معلوم ہوتا تو ضرور بتا دیتے صاحب!'' دونوں نے بس اتنا کہا اور چپ ہو گئے۔

''ٹھیک ہے تم لوگ نہ بتاؤ! اب میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ کیسے ٹرٹر بولتے ہو۔'' آرمی آفیسر نے کہا اور جانباز نے دونوں کو دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں ان سے خاموش اور کوئی حرکت نہ کرنے کا کہا۔ دونوں نے سر ہلایا اور اسی دوران تین فوجی قریب آئے اور تینوں کو لے کر فوجی ٹرک میں بٹھا دیا گیا اور آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی۔ ساتھ ہی کچھ فوجی بیٹھ گئے۔ ٹرک ایک کانوائے کی صورت روانہ ہوا اور مختلف پہاڑی علاقے سے ہوتا بالآخر چھاؤنی پہنچ گیا۔ چھاؤنی لے جا کر تینوں کو بڑی بے رحمی سے ٹرک سے گھسیٹ کر اتارا گیا اور دھکے دیتے ہوئے تینوں کو ایک ٹارچر روم میں جکڑ دیا گیا اور آنکھوں سے پٹیاں ہٹا دی گئیں۔ زنجیروں سے جکڑنے کے بعد فوجی ٹارچر سیل کی تیز روشنی چلا کر واحد دروازے سے باہر نکل گئے اور دروازہ مقفل کر دیا۔

''یہ کہاں پھنس گئے ہم؟'' جانباز نے دونوں کو اشارہ کیا کہ کوئی ایسی بات ابھی نہیں کرنی جس سے ہم مزید مشکوک ہو جائیں۔ اس لئے ابھی نارمل باتیں کرو اور پھر آگے حالات دیکھو کہ کیا ہوتا ہے۔''

''صاحب جی! ہمیں آپ نے یہاں لا کر اچھا نہیں کیا۔ اب ہم کیا کریں ہم دونوں غریب آدمی ہیں۔

بقیہ صفحہ 67 پر

بقیہ: جانباز

یہ فوجی تو ہمیں مارڈالیں گے۔'' کاشف نے مصنوعی طور پر روہانسا ہوتے ہوئے کہا۔

''بس ہم جلد یہاں سے نکل جائیں گے۔ کرنل صاحب کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ مجھے یقین ہے وہ ہمیں بہت جلد چھوڑ دیں گے۔'' جانباز نے کہا اور چپ ہوگیا۔ اس دوران اس کا دماغ تیز چل رہا تھا کہ اب کیا کرے؟ اور کیا نہ کرے؟ یہ ظالم تو مار پیٹ میں بھیڑیے تھے۔ یہ کسی حد تک بھی جاسکتے تھے۔ اسے یہاں سے فرار کی راہ سوچنی تھی۔ ڈیم کا مشن تو خراب ہوا تھا اب اس کی اور اس کے ساتھیوں کی زندگی بھی داؤ پر لگ چکی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ کیسے وہ خطرناک سے خطرناک سچویشن میں بھی بچ نکلتا ہے۔ کیسے اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت رہتی تھی جب سو فیصد شہادت یا پکڑے جانے کا خطرہ ہوتا تھا مگر آج پکڑے جانے کا ایک فیصد بھی چانس نہیں تھا مگر ہوا وہی جو منظور خدا تھا۔ کبھی کبھی ہم انسان کتنے اونچے اور بڑے بڑے پلان بنا لیتے ہیں لیکن اس درمیان اپنی موت کو بھول جاتے ہیں۔ بھول جاتے ہیں کہ ہم منزل پر پہنچ بھی پائیں گے یا نہیں۔

اس نے ایک بھرپور لمبی سانس لی جیسے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ رہا ہو۔ پہلے وہ ایک قید میں جکڑی اس چڑیا کی طرح باہر چھلانگ لگا کر پرواز کرنے کا سوچ رہا تھا جسے اچانک دھر لیا گیا ہو۔ مگر اب وہ مطمئن ہو چکا تھا۔ اس سے بھی بدتر حالات سے وہ گزر چکا تھا۔ اللہ نے اس کی مدد کی تھی تو آج وہ کیوں گھبرائے اور کیوں پریشان ہو؟ یہ سوچتے سوچتے وہ دعاؤں اور استغفار کا ورد کرنے لگا یہاں تک کہ انہیں وہاں لٹکے ہوئے پانچ گھنٹے سے زائد ہوگئے لیکن کوئی اندر نہیں آیا۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک ٹارچر روم کا بھاری بھرکم دروازہ کھلا اور چار فوجی یکے بعد دیگر اندر داخل ہوئے۔ ان کے ہاتھ بڑی گنیں اور اسلحے سے لیس تھے۔ اندر داخل ہوتے ہی انہوں نے ہماری زنجیریں چیک کیں اور پھر قطار بنا کر مؤدبانہ انداز میں کھڑے ہوگئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد دو افراد داخل ہوئے۔ جو آگے تھا اس کے سینے اور کندھے پر بیجوں کی قطاریں تھیں۔ وہ جنرل لگ رہا تھا شاید اس چھاؤنی کا سربراہ ہوگا۔ جبکہ اس کے پیچھے آنے والا شخص وہی پولیس آفیسر تھا جو تینوں کو پکڑ کر لایا تھا۔ ان دونوں کے آتے ہی چاروں فوجی اور بھی زیادہ چوکنے اور مستعد ہوگئے۔ جنرل آتے ہی ان تینوں کے سامنے پڑی ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا جبکہ آفیسر پاس کھڑا ان تینوں کا جائزہ لے رہا تھا۔

''میرا نام جنرل سیوک ہے۔ میں اس چھاؤنی کا ہیڈ ہوں۔ تم بہت بڑی مصیبت میں پھنس گئے ہو بچے۔ بہتر یہی ہے کہ تم خود اپنے بارے میں صاف صاف کہہ دو۔

صرف ایک ہی سوال ہے۔ کون ہو تم؟" جنرل نے یہ کہتے ہوئے سگریٹ نکال کر ایک اطمینان بھرا کش لیا۔

"میں جو کوئی بھی ہوں، سب صاف آپ کے اس آفیسر کو بتا چکا ہوں سر! میں ایک عام شہری اور انڈیا کا رہنے والا ہوں۔ مجھے خوامخواہ پھنسایا جا رہا ہے۔ میرے ساتھی غریب لوگ ہیں۔ بہت پریشان ہو رہے ہیں۔ مجھے ایک وکیل دیجئے تاکہ میں اس سے بات کر سکوں۔ آپ بڑے آدمی لگتے ہیں ہم پر کچھ مہربانی کریں سر......!!" جانباز نے مصنوعی ادب کرتے ہوئے جواب دیا۔

"نہیں تم عام آدمی نہیں ہو اور نہ ہی تمہارے ساتھی۔ تمہارے چہرے اور جسم بتاتے ہیں کہ تم عام نہیں ہو۔ تم کچھ خاص ہو۔ کیا تم پاکستانی ہو؟ کیا تم آئی ایس آئی پاکستان سے تعلق رکھتے ہو؟ یا کوئی مجاہد گروپ سے تعلق رکھتے ہو۔ جانتے ہو پچھلے ۲۵ برس سے میں اس علاقے میں ہوں۔ ہر ہر گھر اور اس کا باسی مجھے جانتا ہے اور میں اسے۔ تم نئے لگتے ہو۔ مجھے سچ بتاؤ کیا کرنے آئے ہو یہاں؟" جنرل نے اس بار آواز کچھ اونچی کر کے بارعب بنتے ہوئے کہا۔

"سر! آپ ہمارا یقین کیجئے! آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ہم پاکستانی ہیں؟ ہم پاکستانی ہوتے تو کیا ایسے کھلم کھلا گاڑی میں گھومتے؟ ابو حمزہ والی بات کا بھی ہمیں سرے سے کچھ معلوم ہی نہیں۔ آپ کی مہربانی جناب! ہم پر رحم کریں۔ ہم کبھی اس علاقے کا رخ بھی نہیں کریں گے۔" جانباز نے گھگیائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"میں سمجھا تھا شاید تم میری مدد کرو گے لیکن لگتا ہے تم ایسے نہیں مانو گے۔ یہاں سینکڑوں لوگ لائے جاتے ہیں اور پھر ان کی لاش کا بھی کسی کو پتا نہیں چلتا۔ یہاں لوگ صرف آتے ہیں کبھی نہ جانے کے لئے۔ شاید تم ایسے نہیں سمجھو گے۔" یہ کہہ کر جنرل نے فوجی آفیسر کو اشارہ کیا۔ اشارہ پاتے ہی آفیسر نے اپنے ہولسٹر سے پسٹل نکالا اور بنا کچھ سوچے سمجھے مزمل جو کہ جانباز کا تیسرا ساتھی تھا اس کے سر میں گولی مار دی۔ ایک دھماکہ سنائی دیا اور گولی مزمل کے سر سے پار ہو گئی اور خون کے چھینٹے پچھلی دیوار پر جا گرے۔ یہ سب آناً فاناً ہوا۔ کاشف اور جانباز ایک لمحے کے لئے اپنی پلکیں جھپکانا بھول گئے اور دوسرے ہی لمحے انہوں نے غصے سے نکلتی چیخ کو اپنے اندر بڑی مشکل سے گھونٹا۔ لیکن آنسوؤں کی لڑی کو جاری ہونے سے نہ روک سکے۔

"جنرل! تم ظالم ہو۔ یہ کیسا قانون ہے؟ یہ کیسا ملک ہے؟ کیا تم پاگل ہو؟ ایک معصوم پر گولی چلا دی؟ کیا چاہتے ہو تم؟" جانباز بالآخر پھٹ پڑا۔ وہ بہت کچھ ضبط کر رہا تھا۔ مزمل شہادت کا رتبہ پا چکا تھا مگر یہ سب اتنا اچانک ہوا کہ جانباز کو کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہ ملا۔

"میں نے تمہیں کہا تھا نوجوان۔ یہاں جو آتا ہے، اُسے واپس جاتا کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ میں تم پر تشدد کر کے تمہاری چیخیں سننے کے موڈ میں آج بالکل نہیں تھا۔ اس لئے تمہارے ساتھی کو گولی مار دی۔ اگلے پانچ منٹ تک اگر تم یا تمہارے ساتھی نے زبان نہ کھولی تو تمہارا یہ ساتھی بھی ایسے ہی مار دیا جائے گا اور تم اسے الوداع بھی نہ کہہ

پاؤ گے۔" جنرل کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ ناچ رہی تھی، لگ رہا تھا جیسے وہ اس کھیل سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔ اس کی شیطانیت اس کے خبیث چہرے پر کسی لعنت کی طرح برس رہی تھی۔

"دیکھیے سر! میں اور میرا ساتھی بے قصور ہیں۔ آپ کو کوئی شدید قسم کی غلط فہمی ہوئی ہے۔ آپ میری بات سمجھ کیوں نہیں رہے؟ آپ سے ہم بھیک مانگتے ہیں۔" جانباز کو لگا کہ اسے اپنی آخری کوشش کر لینی چاہیے۔ اسے مزمل کی شہادت کا صدمہ برداشت نہیں ہو رہا تھا چہ جائیکہ وہ کاشف کو بھی اپنے سامنے یوں شہید ہوتا دیکھے۔ یہ اس کی زندگی کی کٹھن ترین رات تھی۔

"ہاہاہا...... تمہارا یہی فیصلہ ہے تو تمہاری مرضی۔" جنرل سیوک نے یہ کہتے ہوئے آفیسر کو اشارہ کیا اور آفیسر نے اشارہ پاتے ہی کاشف پر پستول تان لیا اور گولی مارنے ہی لگا تھا کہ جانباز چیخ اٹھا۔

"نہیں...... رکو...... رکو...... بس بہت ہو گیا۔" یہ کہہ کر اس نے نظر اٹھا کر کاشف کو دیکھا۔ سخت سردی میں بھی اس کا جسم تپ رہا تھا۔ اس کی ٹھنڈی پیشانی سے پسینہ بہتا ہوا اس کے گردن کو چھو رہا تھا۔ کاشف اس کا مدعا جان کر "نہیں" میں گردن ہلا رہا تھا۔ لیکن جانباز کو دور بہت دور اپنے کشمیری دوست، ساتھی اور خاندان یاد آ رہا تھا۔ اس کے دل و دماغ میں برپا ہوتے طوفان نے ایک زور دار انگڑائی لی اور تبھی جانباز نے فیصلہ کیا کہ اب اس راز کو کھولنے کا وقت آ چکا ہے جس کو ڈھونڈتے، بوجھتے اور کھوجتے انڈیا کی ٹاپ سیکرٹ ایجنسیوں کو سالہا سال ہو گئے لیکن وہ ابھی تک ناکام رہے ہیں۔ اس نے پسینے سے تر ہوتیں اپنی پلکیں جھپکائیں اور ہونٹوں پر بڑی دلکش مسکراہٹ کے ساتھ اس نے جنرل کی طرف رخ کیا اور کہا:

"جنرل! میں ہارا تم جیتے۔ لیکن ایک سودا کرتے ہیں۔ تم میرے اس ساتھی کو جانے دو! میں تمہیں ایک ایسا راز بتاتا ہوں کہ تم راتوں رات مشہور ہو جاؤ گے۔ صبح ہر اک ٹی وی چینل پر، ہر اخبار میں، ہر جگہ بس تمہارا نام ہو گا۔ تمہیں انڈیا کا سب سے بڑا اعزاز دیا جائے گا اور تم ایک معمولی جنرل سے بہت بڑے عہدے پر پہنچ سکتے ہو۔ لیکن شرط اتنی سی ہے کہ تم میرے ساتھی کو چھوڑ دو گے۔" جانباز نے بڑی دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ جنرل کو کہا۔

"کیا تم اب مجھ سے سودا کرو گے۔ میں تمہاری ہڈیوں سے بھی سارے راز نکال لوں گا۔" جنرل نے سگریٹ ختم ہوتے ہی اسے پھینک کر بوٹ سے مسلتے ہوئے کہا۔

"دیکھو جنرل! گھاٹے کا سودا نہیں ہے۔ لیکن اگر تم نے میری بات نہ مانی تو یقین کرو تم میری بوٹی بوٹی الگ کر دو گے، تم میرے ہاتھ پاؤں توڑ دو گے۔ میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو گے تب بھی وہ راز تمہیں نہیں بتاؤں گا۔ آزما کر دیکھ لو!" جانباز نے غراتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں ایسا رعب تھا کہ ایک لمحے کے لئے جنرل بھی سکتے میں آ گیا۔ اس نے تھوڑی دیر سوچا اور پھر ہاں میں سر ہلا دیا۔

"مبارک ہو جنرل! میں "جانباز" ہوں۔" یہ سنتے

ہی جنرل کرسی سے ایسے اٹھا جیسے اسے کرنٹ لگا ہو۔ تڑپ کر جانباز کے قریب آیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنے لگا:

''کیا مطلب؟ کیا تم واقعی جانباز ہو؟'' جنرل کے چہرے پر شدید حیرت کے آثار تھے جیسے وہ ابھی برین ہیمرج کا شکار ہو جائے گا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے اس کی لاٹری نکل آئی ہو۔

''ہاں میں ہی ہوں ''جانباز'' جو تمہارے لئے موت کا پیغام لایا تھا۔ یہ راز کبھی تم لوگ پا ہی نہیں سکے۔ لیکن تمہیں اب اپنا وعدہ پورا کرنا ہوگا۔'' جانباز نے رعب دار آواز میں جواب دیا۔

''اوہ......! اوہ......! آخر میں کامیاب ہو گیا۔ آج رات جشن ہوگا۔ پوری دہلی حکومت کو بتا دو کہ ''جانباز'' میرے قبضے میں ہے۔ جنرل سیوک کے قبضے میں ہے۔ اسے کہتے ہیں چھکا مارنا۔ جنرل یہ کہتے ہوئے ایسے ناچ رہا تھا جیسے وہ ایک چھوٹا بچہ ہو۔ اسے اپنے پروٹوکول کا بھی خیال نہ رہا تھا۔ چاروں فوجی جو گنیں تھامے مستعد کھڑے تھے حیرت سے زنجیروں میں جکڑے اس نوجوان کو دیکھ رہے تھے جو خود کو ''جانباز'' کہہ رہا تھا۔ وہ سمجھے تھے کہ جانباز کوئی چھلاوہ ہے جو نظر آتا ہے اور پھر غائب ہو جاتا ہے۔ کوئی دیوہیکل جسم کا مالک ہے۔ کوئی اور ہی مخلوق ہے۔

''کرنل آنند تم آج سے میرے نائب ہو۔ چھاؤنی میں میرے بعد تمہارا درجہ سب سے اونچا ہوگا۔ جانباز کو سیون فور بلاک میں رکھو۔ کل صبح ہوتے ہی خبر دہلی بھیجو اور جشن کی تیاری کرو!'' پاس کھڑے فوجی آفیسر کو یہ کہہ کر جنرل پاگلوں کی طرح ناچتا ہوا باہر چلا گیا۔ فوجی آفیسر کرنل آنند نے چاروں فوجیوں کو اشارہ کیا وہ تیزی سے جانباز کے پاس آئے اور اس کے منہ پر کپڑا چڑھا کر زنجیریں کھول دیں اور اس کے ہاتھ پیچھے کر ہتھکڑی لگا دی اور اسے ٹارچر سیل سے باہر لے گئے۔ سیون فور بلاک میں وہ بیرکیں تھیں جو انتہائی تنگ تھیں جن میں انسان کھڑا نہیں ہو سکتا تھا صرف بیٹھ سکتا تھا وہ بھی سکڑ کر۔ وہاں انسانوں کو جانور سمجھ کر رکھا جاتا تھا۔

''الوداع میرے دوست! اپنا خیال رکھنا۔'' جانباز نے جاتے جاتے کاشف کو اونچی آواز میں کہا اور دروازہ بند ہو گیا۔ کاشف نے سر جھکا لیا۔ ایک طویل خاموشی چھا گئی۔ کاشف کو لگ رہا تھا جیسے اس کا سینہ غم کی شدت سے پھٹ جائے گا۔ اسے ایک لمحے کے لئے بھی یہ خیال نہ آ رہا تھا کہ اس کا کیا بنے گا؟ کیا جنرل جانباز سے کیا وعدہ پورا کرے گا یا اسے کسی کال کوٹھڑی میں پھینک دیا جائے گا۔ بس خیال تھا تو ایک ہی کہ جانباز کو اللہ تعالیٰ اپنی امان میں رکھیں وہ سوچ رہا تھا کہ کشمیر آج یتیم ہو گیا۔ جانباز نے اس کی جان کی خاطر بہت بڑی بازی کھیل دی تھی۔ ابھی وہ یہ سب سوچ ہی رہا تھا کہ چھاؤنی میں شور و غوغا سنائی دینے لگا۔ یہ ان کی خوشی کی آوازیں تھیں۔ وہ ناچ رہے تھے۔ گا رہے تھے اور خوش ہو رہے تھے۔ ان کا دشمن نمبر ایک آج ان کی گرفت میں تھا۔

☆......☆......☆

''ہاہاہاہا......آج ہم آزاد ہو گئے دوستو! یہ جانباز اس

نے ہماری کئی ساتھی مار ڈالے۔ یہ خوف کی علامت تھا آج بھیڑ بنا ہماری ایک بیرک میں اوندھے منہ پڑا ہوا ہے۔ ہم اس کو ایسی عبرتناک موت ماریں گے کہ کشمیر کا بچہ بچہ جانباز کا نام لے کر خوف سے کانپے گا۔'' جنرل سیوک اپنی چھاؤنی میں کھلے آسمان تلے سب فوجیوں کو شراب کی دعوت دیتے ہوئے بھڑک مار رہا تھا۔ فوجی اہلکار اس کی ہر بات پر تالیاں بجا رہے تھے اور شراب کے جام بھر بھر کر پی رہے تھے۔ ان کی خوشی دیدنی تھی۔ آج شیطانیت کھل کر جشن منا رہی تھی۔

''کرنل! کیا پتہ کل جانباز کو آ کر کوئی اتھارٹی لے جائے۔ کیا ہم اسے اپنے جشن میں شریک نہیں کر سکتے؟'' جنرل نے کرنل آنند کو آنکھ مارتے ہوئے شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''او کے سر! میں سمجھ گیا۔ ابھی لاتا ہوں اسے۔'' کرنل آنند یہ کہہ کر اپنے پانچ فوجیوں کے ساتھ اس بیرک کی طرف چلا گیا جہاں جانباز کو رکھا گیا تھا۔ بیرک کا دروازہ کھولتے ہی پانچوں فوجی اس پر ڈنڈوں سے پل پڑے اور اسے ادھ موا کر دیا۔ کچھ دیر مارنے کے بعد کرنل نے اس کے ہاتھ ایک لمبی رسی کے ساتھ مضبوطی سے باندھے اور رسی اپنے ہاتھ میں رکھ کر اسے کھڑا کیا اور اسے لے جانے لگے۔ جانباز لڑکھڑاتے ہوئے چل رہا تھا۔ لیکن وہ خاموش تھا۔ اس کے لب ہل رہے تھے شاید وہ اپنے رب سے مناجات کر رہا تھا اور ثابت قدم رہنے کی دعا کر رہا تھا۔

کرنل اسے رسی سے کھینچتا ہوا فوجیوں کے ہجوم میں لے گیا۔ فوجیوں نے جب جانباز کو آتے دیکھا تو پہلے ایک دم سہم گئے مگر پھر ان خبیث فوجیوں کے ہاتھ میں جو پتھر، ڈنڈا آتا گیا وہ جانباز کی طرف پھینک دیتے۔ وہ قہقہے لگا رہے تھے۔ کسی کے ہاتھ کچھ نہ آتا تو وہ پاس آ کر گھونسا مار دیتا اور کوئی ٹانگیں چلا دیتا۔ جانباز کبھی گر جاتا مگر پھر ہمت کر کے اٹھ جاتا۔ اس کا جسم درد کی شدت سے پھٹے جا رہا تھا۔ جگہ جگہ سے خون رس رہا تھا۔ چہرہ پراگندہ ہو رہا تھا۔ اسے فوجیوں کی قطار کے درمیان گھمایا جا رہا تھا۔ انہیں لگ رہا تھا کہ شاید ایسا کرنے سے جانباز ڈر رہا ہوگا۔ خوف میں جتلا ہوگا۔ لیکن جانباز کو تو اپنے رب سے ملنے کی جلدی تھی۔ وہ تو خود چاہتا تھا کہ یہ ہندو بنیے اسے جلد مار ڈالیں اور وہ بڑی شان سے اپنی خالق سے جا ملے۔ ایک گھنٹے بعد یہ شیطانی کھیل ختم ہوا۔ اسے واپس اس خوفناک بیرک میں ڈال دیا گیا۔ اس کا پورا جسم سوج چکا تھا۔ جگہ جگہ سے جسم پھٹ چکا تھا اور وہ بنا خوف کے بس ایک عجیب سی مسکان کے ساتھ ہونٹ ہلائے جا رہا تھا۔ جیسے اسے ابھی سے اپنا مقام نظر آنے لگ گیا ہو۔ جنت کی سرسبز و شاداب ٹھنڈی ہوائیں اسے چھو رہی ہوں، اسے بلا رہی ہوں۔ اس کے بابا اس کا ہاتھ تھامے اسے لے جانے کے لئے آ رہے ہوں۔

☆......☆......☆

دہلی میں صبح کے آٹھ بجے سے بھی پہلے پرائم منسٹر کا دفتر لگ چکا تھا۔ پورا عملہ آ چکا تھا۔ جو خبر آئی تھی اس کی جانچ پڑتال کی جا رہی تھی۔ وزیراعظم نے ایک اعلیٰ سطحی اجلاس بھی طلب کر لیا تھا۔ ہر طرف ایک غیر یقینی صورتحال

تھی۔ ہر شخص کی زبان پر صرف اور صرف جانباز تھا۔ وزیر اعظم نے اپنی ساری مصروفیات کینسل کر دی تھیں۔ بیرون ملک دورے پر گئے صدر کو ہنگامی طور پر واپس بلا لیا گیا تھا۔ وزیر دفاع اور وزیر داخلہ پلان بنا رہے تھے کہ کیسے "جانباز" کے ساتھ اگلی کارروائی کی جائے؟ میڈیا پر بھی خبر چل چکی تھی۔ ہر طرف شور ہی شور تھا۔ ہر چینل، ہر نیوز پر صرف "جانباز" کا نام تھا۔ ہندو دھرم کے لوگ سڑکوں پر نکل آئے تھے اور خوشی سے نعرے لگا رہے تھے۔ پوری ہندو برادری کی نظر وزیر اعظم کے بیان پر لگی ہوئیں تھیں جو بلائے گئے اجلاس کے بعد دیا جانا تھا۔ اس میں جانباز کی گرفتاری کی تصدیق کی جانی تھی۔

دوسری طرف کشمیر میں لوگ سیاہ پٹیاں باندھ کر سڑکوں پر نکل آئے۔ غم سے ان کے چہرے بدل گئے تھے۔ مائیں، بہنیں، بیٹیاں بھی اپنے جانباز کے لئے سڑکوں پر تھیں۔ کشمیر کا سپوت آج کال کوٹھڑی میں قید کر دیا گیا تھا۔ سکول، دفاتر اور کارخانے بند کر دیئے گئے تھے۔ کشمیر میں آج مکمل ہڑتال کا اعلان ہو چکا تھا۔ ہر کوئی غیر یقینی صورتحال سے دوچار تھا۔ کسی کو بھی اس بات پر یقین نہ آ رہا تھا کہ "جانباز" جیسا عظیم مجاہد آج ہندو بنیے کے قبضے میں آ چکا ہے۔

انڈین حکومت نے ایک ایمرجنسی صورتحال نافذ کر دی تھی۔ بند کمرے میں اجلاس ہو رہا تھا۔ جس میں ٹیلی فونک اور ویڈیو کالنگ کے ذریعے جنرل سیوک اور کرنل آنند کی شرکت بھی لازمی قرار دی گئی تھی۔ بالآخر اجلاس شروع ہوا اور وزیر اعظم نے اپنے اندر کی بے پناہ خوشی کو بڑی مشکل سے دباتے ہوئے جنرل سیوک سے پوچھا کہ "جانباز" آخر کیسے پکڑا گیا؟ جواب میں جنرل سیوک نے انتہائی فخریہ انداز میں ساری سٹوری بتا دی کہ کیسے گاڑی کے شبہ میں گرفتار تین اشخاص کو پکڑا گیا اور پھر جانباز نے کیسے مانا کہ وہ واقعی جانباز ہے۔ اجلاس میں گرفتار جانباز کی تصویریں بھی پیش کی گئیں جسے سیکیورٹی خفیہ ادارے کے چیف اجیت پانیکر نے مان لیا کہ یہی شخص "جانباز" ہے۔

"ویلڈن جنرل! تمہیں اس کا اعلیٰ انعام دیا جائے گا۔ آج سے تم قوم کے ہیرو ہو۔ وزیر داخلہ سے کہوں گا کہ وہ جلد از جلد "جانباز" کو فول پروف سیکیورٹی میں دہلی تہاڑ جیل منتقل کرنے پر کام شروع کریں۔ سپیشل کورٹ میں اس کے خلاف مقدمہ چلایا جائے گا اور اسے سزا دی جائے گی۔ اجلاس برخاست" وزیر اعظم نے فیصلہ سناتے ہوئے اجلاس برخاست کر دیا اور بریفنگ کے لئے میڈیا ہال میں چلے گئے جہاں دنیا بھر سے آیا ہوا میڈیا وزیر اعظم کا انتظار کر رہا تھا۔

"سر...... سر...... کیا واقعی کشمیر میں پکڑا جانے والا شخص جانباز ہی ہے؟" جیسے ہی وزیر اعظم نے مائیک سنبھالا ایک ساتھ کئی آوازیں ابھریں۔

"جی آپ سبھی کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ وہ ہمارے دیش کا سب سے بڑا آتنک واد جانباز ہی ہے جو اس وقت ہماری قید میں ہے۔ جسے جلد ہی اس کے انجام تک پہنچا دیا جائے گا۔" یہ کہہ کر وزیر اعظم مسکراتے ہوئے میڈیا ہاؤس سے باہر نکل گئے۔

☆......☆......☆

"دیکھو جنید! میری ساری زندگی کی جمع پونجی وہی "جانباز" ہے۔ میرے پاس جو کچھ ہے وہ سب اس پر لگا دینا چاہتا ہوں۔ کچھ بھی کرو اور اسے چھڑا لاؤ!" جانباز کے روحانی استاد شاہین نے تڑپتے ہوئے کہا۔

"جی کمانڈر! ہم پوری کوشش کریں گے۔ ہمارے جاسوسوں نے ہمیں بتایا ہے کہ "جانباز" کو سڑک کے ذریعے نہیں لے جایا جائے گا بلکہ جنگی ہیلی کاپٹروں کا ایک کانوائے انہیں اپنے ہمراہ لینے آئے گا۔ اس صورت میں ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔" جنید جو کہ کشمیر کا ایک بڑا کمانڈر تھا، اس نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"کیا ہم چھاؤنی پر دھاوا بول سکتے ہیں؟ ہمارے پاس تقریباً اس علاقے میں کل ملا کر دو سو سے اوپر مجاہد ساتھی ہوں گے۔ سب کو بلا لو! ہم اکٹھے اٹیک کریں گے۔" شاہین نے جذباتی ہوتے ہوئے کہا۔

"میں نے یہ پلان بھی سوچا تھا مگر جنرل سویک نے انڈین حکومت کے کہنے پر دو بٹالین مکمل چھاؤنی کی حفاظت کے لئے تعینات کر دی ہیں۔ جن کی تعداد سات ہزار سے اوپر ہے۔ اس صورت میں تو یہ قطعی خودکشی ثابت ہوگی۔" جنید نے ساری صورت حال واضح کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ! ہو! صورتحال کیوں اتنی مشکل ہوتی جا رہی ہے۔ کاش! ہمیں اس کی گرفتاری کا رات کو ہی پتہ چل جاتا تو ہم چھاؤنی کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے۔ یا اللہ! میرے بیٹے جانباز کی حفاظت کرنا۔ تم اپنے ساتھی لے جاؤ اور جو بھی کر سکتے ہو کرو! تمہیں کھلی جنگ کی بھی اجازت ہے اور اگر بالفرض کوئی پلان ایسا نہ بن سکا تو ہم تہاڑ جیل میں اپنے بیٹے کے لئے کچھ کریں گے۔" شاہین نے کہا اور مصلیٰ بچھا لیا۔ اس کے بوڑھے رخسار آنسوؤں سے تر ہو رہے تھے۔

☆......☆......☆

رات ہوتے ہی انڈین کو برا چار ہیلی کاپٹر ہتھیاروں سے پوری طرح لیس چھاؤنی میں اترے اور آناً فاناً "جانباز" کو وصول کر کے ہیلی کاپٹر میں ڈالا اور آسمان کی طرف اڑ گئے۔ اہل کشمیر کچھ بھی نہ کر سکے، لیکن ان کے آنسو اور دعائیں "جانباز" کے ساتھ تھیں۔ دو گھنٹوں کی پرواز کے بعد دہلی میں کسی خفیہ مقام پر "جانباز" کو رکھا گیا۔ اس کی مرہم پٹی کی گئی اور پھر اسے کھانے کے لئے دیا گیا۔ "جانباز" نے اطمینان سے سب کام کیے۔ وہ نماز بھی پڑھ رہا تھا۔ رب سے مناجات میں بھی لگا ہوا تھا اور مختلف آفیسروں کے سوالوں کے جواب بھی دے رہا تھا۔ ہر کوئی آتا، تفتیش کرتا اور چلا جاتا۔ یوں دو دن اور گزر گئے۔ اس نے سورج نہیں دیکھا تھا۔ بالآخر ایک دن اسے اس خفیہ مقام سے نکال کر عدالت لے جانے لگے۔ سپریم کورٹ کے باہر آج پوری دنیا کی میڈیا کھڑی تھی۔ ایک سپیشل بنچ تشکیل دیا گیا تھا جو اس کا فیصلہ سناتا۔ ہزاروں لوگ اس شخص کی ایک جھلک دیکھنا چاہتے تھے جس نے انڈیا کو ناکوں چنے چبوائے اور لاشوں کے ڈھیر تحفے میں دیے۔ کمرۂ عدالت میں پہنچ کر کارروائی شروع کی گئی۔

''میں جسٹس سادھورام اور میرے ساتھی جسٹس کولیا وارا آج اس خصوصی عدالت میں تمہارا مقدمہ سنیں گے۔ عدالت کی کارروائی اس وقت وزیراعظم ہاؤس میں لائیو دیکھی جارہی ہے۔ سرکاری وکیل اپنی کارروائی شروع کر سکتے ہیں۔'' انڈیا کے چیف جسٹس نے جانباز (جو کہ بیڑیوں میں جکڑا کٹہرے میں کھڑا تھا) کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''کیا تم ہی ''جانباز'' ہو؟'' سرکاری وکیل نے پاس آ کر پوچھا۔

''ہاں میں ہی جانباز ہوں۔'' جانباز نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

''تمہارا اصلی نام کیا ہے؟ سرکاری وکیل نے پوچھا۔

''میرا اصلی نام ''محمد سجاد کشمیری'' ہے۔ جانباز نے جواب دیا۔

''کیا تم قبول کرتے ہو کہ تم نے کشمیر میں تقریباً ۱۸۰ فوجیوں اور ۸۸ کرنلوں اور کم و بیش ۴۰ کے قریب میجرز کو قتل کیا ہے؟'' وکیل نے کہا۔

''جج صاحب ! میں اعتراض کرتا ہوں۔ وکیل صاحب بہت غلط اعداد و شمار بیان کر رہے ہیں۔ میں نے تو اس سے بھی زیادہ مارے ہیں۔'' جانباز نے اچانک جج کو مخاطب کرتے ہوئے انتہائی رعب دار انداز میں کہا کہ وکیل بے چارہ جو منحنی سی شکل والا تھا کانپ گیا۔

''اچ چ چھا...... ! کتنے قتل کیے تم نے؟'' وکیل نے ڈرتے ہوئے پوچھا۔

''ارے بندر! مت پوچھو! رات کو نیند نہیں آئے گی۔ بس میں کہہ دیتا ہوں کہ میں قبول کرتا ہوں۔ میں نے ہی سب کو مارا ہے۔'' جانباز نے ہاتھ کھڑا کرتے ہوئے کہا۔

''تم نے یہ سب کیوں کیا؟'' جج بھی اس کے جواب سے کانپ گیا تو از خود پوچھنے لگا۔

''ہاں! میں نے یہ سب کیوں کیا؟ کیا کبھی آپ نے کشمیر میں موجود سات لاکھ آرمی کے جوانوں میں سے پچھلے ۲۵ برسوں میں ایک بار بھی یہ سوال کیا کہ وہ جو کرتے ہیں؟ وہ کیوں کرتے ہیں جج صاحب!!

میرے باپ کو میری آنکھوں کے سامنے زندہ جلا دیا، آپ کی حکومت کے بھیجے ہوئے جلادوں نے؟ میں نے پوچھا کہ یہ کیوں کیا؟ یا آپ نے کبھی پوچھا کہ یہ کس اصول یا قانون کے تحت کیا؟ کشمیر کے وینکور گاؤں کی ۲۵ بچیوں کا قتل عام کیا، چھوٹی معصوم بچیاں جن کی ابھی کھیلنے کی عمر تھی؟ کیا آپ نے کبھی پوچھا ان درندوں سے کہ ایسا کیوں کیا؟ کشمیر کے ڈیڑھ لاکھ سے زائد نوجوانوں کو چن چن کر مار ڈالا، تشدد کیا اور اپاہج بنا دیا۔ کبھی آپ نے پوچھا کہ ایسا کیوں کیا؟ ایک ماں کے سامنے اس کے ڈیڑھ سالہ بچے کو ذبح کر کے اسے کھانے پر مجبور کیا، آپ کے فوجی کتوں نے؟ کبھی آپ نے پوچھا کہ ایسا کیوں کیا؟ ایک نوجوان کے سامنے اس کے بوڑھے باپ کی داڑھی پر پیشاب تک کیا آپ کے فوجیوں نے؟ کیا آپ نے کبھی پوچھا کہ ایسا کیوں کیا؟

کیا ان سب کے ہوتے میں اور مجھ جیسے اور کشمیری لوگ آپ کے فوجیوں کو پھولوں کا ہار پہنائیں؟ یا ان کی

گردن سر سے جدا کر دیں؟ کیا کریں آخر وہ؟ یہ کوئی سوال نہیں ہے جج صاحب!

سوال یہ بنتا ہے کہ آئندہ بھی اگر موقع ملا تو کیا ایسا کرو گے؟ تو میرا جواب سننے کی ہمت ہے تو سنیے!

ہاں! میں آئندہ بھی ایسا کروں گا اور بھی زیادہ ماروں گا اور بھی زیادہ قتل کروں گا۔ مجھے دنیا میں اس سے زیادہ لذت کا احساس نہیں ہوتا جتنا میں کسی فوجی کا جسم اپنے چاقو سے زخمی کرتا ہوں۔" جانباز نے گرج دار آواز میں جواب دیا اور ساری عدالت میں خاموشی چھا گئی۔ ایک لمبی خاموشی۔ شاید بہت سوں کی پینٹ بھی خراب ہو گئی ہو گی۔ وزیراعظم ہاؤس میں اس ساری کارروائی کو سنتے ہوئے خود وزیراعظم کو بھی نزلہ زکام تو ہو ہی گیا ہوگا۔

"ٹھیک ہے۔ اگلی پیشی ٹھیک تین دن بعد ہو گی۔ جس میں عدالت اس کیس کا فیصلہ سنائے گی۔ تب تک مجرم کو تہاڑ جیل میں قید رکھا جائے۔" جج نے کہا اور عدالت برخاست کر دی گئی۔ سیکیورٹی اداروں کے اہلکاروں نے "جانباز" کے سر کو کالے کپڑے سے ڈھانپا اور اسے لے کر جانے لگے۔

☆......☆......☆

"ہیلو میں ایگل ٹو بول رہا ہوں۔" یہ جنید کی آواز تھی جو فون پر بات کر رہا تھا۔

"ہاں بولو میں ایگل ون بول رہا ہوں۔" یہ شاہین کی آواز تھی۔

"پتا چلا ہے کہ شاہین کو سپیشل فورس کے زیر نگرانی ٹاؤن مندر والی سڑک سے تہاڑ جیل لے جایا جائے گا۔ میرے ساتھ مکمل طور پر تیار ہیں۔ آپ دعا کریں۔ ہمارا یہ مشن کامیاب ہو۔" جنید نے کہا۔

"میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں بیٹا! اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔" شاہین نے جواب دیا اور جنید نے فون رکھ دیا۔

جنید نے بڑی محنت کر کے "جانباز" کو لے کر جانے والا روٹ معلوم کر لیا تھا اور اس کے بیس کے قریب ساتھیوں نے پوزیشنیں سنبھال لیں تھیں۔ وہ بھی مقرر جگہ پر گھات لگائے موجود تھا۔ ٹھیک پندرہ منٹ بعد ۸ کالی گاڑیوں کا ایک قافلہ سائرن بجاتا ہوا ٹاؤن مندر کا جیسے ہی موڑ مڑنے لگا اچانک بڑے اور چھوٹے ہتھیاروں کے پے در پے شدید دھماکے سنائی دیے اور چیخوں کے ساتھ ماحول انتہائی خوفناک ہو گیا۔ ہر طرف آگ کے شعلے، فائرنگ اور دھماکے......

☆......☆......☆

پھر کیا ہوا؟......

کیا اس بار کوئی معجزہ ہو جائے گا؟......

یا کشمیر کے در و دیوار اس مرد قلندر کے قدموں کو ترسیں گے؟

یا پھر کمانڈر جنید کا یہ حملہ ناکام گیا اور تہاڑ جیل جانباز سے آباد ہو گئی؟

کیا ہو گا آخر؟......

انتظار کیجیے...... اور پڑھتے رہیے...... "مسلمان بچے"

☆......☆......☆

کمانڈر جنید اور اس کے بیس عدد ساتھیوں نے ٹاؤن مندر کی طرف آنے والے "جانباز" کے قافلے پر بھاری ہتھیاروں سے شدید حملہ کر دیا تھا۔ وہ اپنے ساتھی کو چھڑوانے کے لئے اپنی آخری بازی لگا چکے تھے، یہ ایک قسم کا فدائی حملہ تھا۔ کیونکہ "جانباز" کو لانے والی فورس انتہائی جدید ترین اسلحہ سے لیس تھے اور وہ چاک و چوبند بھی تھے، اس لئے جیسے ہی کمانڈر جنید کی طرف سے حملہ کیا گیا اور پہلی گاڑی ہٹ ہوئی تو پھر باقی گاڑیوں نے سنبھل کر چلنا شروع کیا اور اس میں بیٹھے کمانڈوز نے شیشے نیچے کر کے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ تقریباً سبھی گاڑیوں کے ٹائر برسٹ ہو گئے اور وہ رک گئیں لیکن ان میں موجود کمانڈوز نے اب سنبھل کر دوبارہ وار شروع کر دیا تھا۔ نتیجتاً کمانڈر جنید کے ساتھی آہستہ آہستہ ہٹ ہونے لگ گئے تھے اور پسپا ہو رہے تھے۔ صرف پانچ منٹ کے وقفے کے دوران ہی انڈین فورس کی کمک مزید پہنچ گئی اور اب وہ مجاہدین پر تابڑ توڑ حملے کر کے انہیں شہید

کر رہے تھے۔ کمانڈر جنید نے جب یہ دیکھا کہ وہ اب بے بس ہو رہا ہے تو اس نے اپنے بچے ہوئے ساتھیوں کو اشارہ کیا کہ وہ کسی طرح نکلنے کی کوشش کریں۔ تقریباً بیس منٹ کی مسلسل لڑائی کے بعد بالآخر انڈین فوجی بھی کافی تعداد میں مارے گئے اور مجاہدین بھی دس سے بارہ شہید ہو گئے۔ باقی ساتھی بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ کمانڈر جنید کو تین گولیاں لگیں اور وہ بھی شہادت کے بلند مرتبہ پر فائز ہو گیا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے "جانباز" کو لانے والے قافلے کو پہلے سے ہی سب کچھ معلوم تھا اور وہ پوری طرح اسلحہ سے لیس اور الرٹ تھے۔

☆......☆......☆

"یہ یہ یہ کیا ہو گیا؟؟ کیا پوزیشن ہے؟ کیا جانباز محفوظ ہے؟" ایک گھبرائی ہوئی آواز نے کمرے میں بیٹھے ہوئے ایک شخص کو چونکا دیا۔ یہ وزیر اعظم تھے جو پروٹوکول کے برخلاف اچانک اپنے ملٹری سیکریٹری کے دفتر میں چلے آئے تھے۔ کیونکہ خبر ہی کچھ ایسی تھی۔

"جی جی سر! جانباز بالکل محفوظ ہے۔ ہماری انٹیلی جنس ایجنسیوں کو پہلے سے کچھ ایسی اطلاعات تھیں کہ جانباز کو چھڑوانے کے لئے اس کے ساتھی ہماری فورس پر حملہ کر سکتے ہیں۔ اس لئے عدالت سے گاڑیوں کو جانباز کے بغیر ویسے ہی روانہ کر دیا گیا اور اندر بیٹھے کمانڈوز بھی پوری طرح الرٹ تھے۔ جبکہ جانباز کو ہیلی کاپٹر کے ذریعے "تہاڑ جیل" لے جایا گیا ہے اور ابھی اطلاع آئی ہے کہ وہ وہاں پہنچ چکا ہے اور اسے بلیک ڈیتھ سیل میں پہنچا دیا گیا ہے۔ جبکہ ہمارے چار جوان شہید اور دس سے بارہ آتنک وادی مارے گئے ہیں جبکہ باقی فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے ہیں سر!!" ملٹری سیکریٹری پہلے تو یوں اچانک وزیر اعظم کو حیران رہ گیا اور پھر ذرا سنبھل کر ساری صورتحال واضح کر دی۔

"ویری گڈ" یہ تو بہت گڈ نیوز ہے۔ مجھے لمحہ بہ لمحہ آگاہ کرتے رہنا۔ یہ انتہائی ہائی پروفائل کیس ہے اور میں اب کسی قسم کی سبکی نہیں چاہتا۔ عالمی میڈیا کی نظریں ہم پر ہیں اور الیکشن بھی سر پر ہیں۔ اس لئے میں یہ فائدہ کسی قسم کے نقصان میں نہیں بدلنا چاہتا۔" وزیر اعظم نے خوش ہو کر کہا اور ملٹری سیکریٹری نے "یس سر" کہہ کر وزیر اعظم کو مؤدبانہ انداز میں رخصت کیا۔

☆......☆......☆

عدالت کی کارروائی کے بعد جانباز کو ایک خفیہ کمرے میں بند کر دیا گیا۔ جہاں اس نے دو رکعت نفل ادا کیے اور اللہ رب العزت سے مغفرت اور بخشش کا سوال کیا اور ثابت قدمی مانگی۔ کچھ دیر بعد دو اہلکار آئے اور اس کے منہ پر کالا کپڑا باندھا اور ہاتھ پیچھے کر کے ہتھکڑیوں میں جکڑ دیے اور پاؤں میں بیڑیاں پہنا کر اسے کمرے سے باہر لے آئے اور سائیڈ پر لگی لفٹ کی طرف بڑھے۔ لفٹ کے بٹن دباتے ہی دروازہ کھلا اور جانباز کو بازوؤں سے پکڑ کر لفٹ میں لے جایا گیا اور لفٹ اب آہستہ آہستہ اوپر جا رہی تھی۔ چھت کے فلور پر جا کر لفٹ رک گئی اور وہی دو اہلکار جانباز کو لئے ہیلی پیڈ پر کھڑے ایک گن شپ ہیلی کاپٹر تک لائے اور اس میں بٹھا دیا۔ ہیلی کاپٹر میں پہلے سے تین مسلح فوجی اہلکار اسلحہ سے لیس موجود تھے جنہوں

نے ان دونوں سے جانباز کو وصول کیا اور اسے ہیلی کاپٹر کی ایک نشست پر بٹھا دیا اور راڈ سے اسے جکڑ دیا گیا۔

کچھ ہی دیر بعد ہیلی کاپٹر کے پنکھے حرکت میں آئے اور ہیلی کاپٹر سپریم کورٹ کی عمارت سے آہستہ آہستہ دور جانے لگا۔ جانباز دل ہی دل میں اطمینان اور مکمل سکون میں تھا اور آنے والے حالات کے لئے خود کو تیار کر رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ اس کی زبان مسلسل ذکر الٰہی سے معمور ہو رہی تھی۔ تقریباً بیس منٹ بعد ہی ہیلی کاپٹر ایک جگہ اترنے لگا۔ یہ تہاڑ جیل کا احاطہ تھا۔

تہاڑ جیل کیا ہے؟ ایک بہت بڑا قلعہ جس میں ایک خلقت آباد ہے۔ دہلی شہر سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر تہاڑ نامی جیل واقع ہے۔ جس کی سنگین اونچی دیواروں کے پیچھے قیدیوں کی ہزاروں ایسی داستانیں ملتی ہیں کہ تاریخ کی زبان میں ان داستانوں کا ایک ایک لفظ انسانیت کے رونگٹے کھڑے کر دینے کیلئے کافی ہے۔

وقت کے بے زباں ہیولوں نے ان اونچی دیواروں کے اندر انسانیت کو سسکتے ہوئے دیکھا ہے۔

ہزاروں بے گناہوں کو ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم توڑتے ہوئے دیکھ کر بے زباں وقت بھی اپنی آنکھیں بند کرنے پر مجبور ہو گیا۔

فرنگی سامراج نے اور سیکولر انڈیا نے یہاں ایسے ایسے مظالم آزادی کے متوالوں پر ڈھائے، بے گناہ قیدیوں پر تشدد کے ایسے ایسے حربے استعمال کئے کہ ان بد قسمت قیدیوں کی طرح وقت کے پر بھی پھڑ پھڑا کر رہ گئے۔

کشمیر جنت نظیر آج دنیا بھر میں آزادی کے متوالوں کی جدوجہد کی بناء پر ساری دنیا کی نگاہوں کا مرکز ہے۔ اس وادیٔ آہ و فغان سے بلند ہونے والے شعلے بھارتی جبر و تشدد کی ان گنت داستانیں دنیا کو سنا رہے ہیں۔

آج اسی جیل میں ایک اور بابرکت روح کا اضافہ ہو گیا تھا۔ کشمیر اپنا ایک اور سپوت اسی تہاڑ جیل کو سونپنے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ جہاں اس کے ہزاروں سپوت اپنی جوانیاں لٹا چکے تھے۔ آج جیل میں قید بہت سے کشمیریوں کا حسین شہزادہ ان کی رونق بڑھانے بالآخر آن پہنچا تھا۔

جانباز کو ہیلی کاپٹر سے اتار کر سیدھا ایک مخصوص کمرے میں لے جایا گیا۔ وہاں موجود ایک کرسی پر اسے بٹھا دیا گیا۔ کچھ دیر بعد ہی جیل کا وارڈن کرنل رائے اندر داخل ہوا۔ اس کے آتے ہی کمرے میں موجود سپاہی مزید الرٹ ہو گئے۔ کرنل رائے کے ایک ہاتھ میں چھڑی تھی اور دوسرے ہاتھ میں ایک فائل تھی۔ آتے ہی وہ اپنی مخصوص نشست پر بیٹھ گیا اور بنا کچھ بولے فائل پڑھنے لگا۔ کچھ دیر بعد وارڈن نے ایک سپاہی کو اشارہ کیا جس نے قریب آ کر جانباز کے چہرے سے کالا کپڑا اتار لیا اور اپنی جگہ جا کر کھڑا ہو گیا۔ جانباز نے ایک اچٹتی نگاہ ڈالی اور لاتعلق سا ہو کر بیٹھا رہا۔ وارڈن نے بولنا شروع کیا:

"میرا نام کرنل رائے ہے۔ یہاں سب مجھے وارڈن بلاتے ہیں مطلب جیل کا مالک۔ یہ میری جیل ہے اور میں یہاں کا بھگوان ہوں۔ میں تمہیں جب سونے کا کہوں گا تم سو گے۔ جب کھانے کا کہوں گا تم کھاؤ گے

اور میں جب کام کرنے کا کہوں گا تم کرو گے۔ اپنی مرضی یہاں منع ہے۔ یہاں تمہارا کوئی نہیں اور یہاں سے نکلنے کا کبھی سوچنا بھی نہیں۔ یہ تہاڑ جیل ہے اور یہاں سے صرف لاش ہی جا سکتی ہے۔" وارڈن نے سخت لہجے میں کہنا شروع کیا۔

"جی جناب! میں کوشش کروں گا کہ آپ کو کسی قسم کی پریشانی نہ دوں۔" جانباز نے اطمینان بھرے لہجے میں مختصر سا جواب دیا۔

"یہی تمہارے لئے اچھا ہوگا۔ کیا تم واقعی وہ سب کر چکے ہو جو اس فائل میں لکھا ہے؟" وارڈن نے فائل پڑھتے ہوئے حیران ہو کر کہا۔

"جناب! کاش مجھے پتا ہوتا کہ اس فائل میں کیا لکھا ہے تو میں اس سوال کا جواب دینے کی پوزیشن میں ہوتا۔" جانباز نے ایک بار پھر بڑے اطمینان بھرے انداز میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

"تمہارا یہ اطمینان اور گھمنڈ بتا رہا ہے کہ تم واقعی بہت ہائی پروفائل کیس ہو؟ تمہارے جیسوں کے لئے ہمارے پاس بہت اچھا انتظام ہے۔ بے فکر رہو۔ اچھے سے مہمان نوازی کریں گے ہم تمہاری۔" چہرے پر شیطانی مسکراہٹ سجا کر وارڈن نے سپاہی کو اشارہ کیا کہ وہ اب اس کو لے جائے۔ اہلکار نے اشارہ سمجھتے ہی منہ پر کالا کپڑا ڈال کر جانباز کو چلنے کا کہا۔

کچھ دیر بعد جانباز کو مخصوص لباس پہننے کو دے دیا گیا۔ جانباز نے اپنے پہنے ہوئے کپڑے اتار کر جیل والوں کے دیے ہوئے کپڑے پہنے اور پھر اس کو جیل کے ایک خاص حصے کے طرف لے جایا گیا جہاں ایک بڑی عمارت کے نیچے تہہ خانہ سا بنا ہوا تھا۔ وہاں ایک انتہائی اندھیری کوٹھڑی میں جانباز کو ڈال کر باہر سے دروازہ بند کر دیا گیا۔

یہ بلیک ڈیتھ سیل کہلاتا تھا جہاں صرف ان قیدیوں کو لایا جاتا تھا جو ہائی سیکیورٹی رسک ہوتے تھے یا پھر جن کے ڈیتھ وارنٹ ملنے کی سو فیصد امید ہوتی تھی۔ حکام کے مطابق جانباز کو بلیک ڈیتھ سیل میں رکھنے کا آرڈر آیا تھا۔ یہ سیل انسانیت کی تذلیل کے سوا کچھ نہ تھا۔ انتہائی بدبودار سیل جہاں انسانیت سسکتی ہے۔

جانباز نے سیل کے اندر جا کر بغور معائنہ کیا۔ ایک طرف پرانا گھڑا پڑا ہوا تھا اور ساتھ میں سٹیل کا ایک گلاس۔ اس کے ساتھ سیمنٹ کا بنا ایک لمبا بنچ بنا ہوا تھا۔ جہاں قیدی کو سونا ہوتا تھا۔ سیل مکمل طور پر بند تھا جہاں سے کسی قسم کی کوئی روشنی بھی داخل نہ ہو سکتی تھی۔ نہ ہی یہاں دن کا پتہ چل سکتا تھا اور نہ ہی رات کا۔ جانباز نے گھڑے کو جا کر دیکھا تو وہ مکمل طور پر خشک اور گندہ ہو رہا تھا۔ جانباز نے سیمنٹ کے اس بنچ پر بیٹھ کر تسبیحات شروع کر دیں۔ ابھی جانباز کو بیٹھے ہوئے دو سے تین گھنٹے ہی ہوئے تھے کہ اچانک زوردار طریقے سے سیل کا دروازہ کھلا چار لوگ یکے بعد دیگر اندر داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک آفیسر اور باقی خفیہ ایجنسی کے اہلکار لگ رہے تھے۔ آتے ہی آفیسر نے اپنے اہلکاروں کو اشارہ کیا جنہوں نے فوراً ساتھ لائے ہوئے بیگ کھولے اور اس میں سے دو مضبوط رسے نکالے اور جانباز کو پکڑ کر ہاتھ اور

پاؤں اسی رسے سے جکڑ دیے اور جانباز کو لٹا دیا گیا۔ جانباز کے منہ کو ایک کپڑے کے ذریعے بند کر دیا گیا۔ پھر اس آفیسر نے بیگ سے ایک کانٹے دار کوڑا نکالا اور آناً فاناً جانباز کی کمر پر برسانے لگ گیا۔ وہ پاگلوں کی طرح جانباز پر کوڑے برسا رہا تھا۔ جانباز بھی آخر انسان تھا کب تک برداشت کرتا۔ بالآخر اس کی چیخیں بلند ہونے لگیں۔ اس کے جسم سے خون رسنے لگا تھا۔ کوڑا آگ کی طرح برس رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد جب آفیسر اپنی آخری حد تک گزر گیا تو اس نے کوڑے مارنا بند کر دیے۔

"میرا نام موہن لال ہے۔ میں سیدھی بات پر آتا ہوں۔ آج ہمارے چھ اہلکار تمہارے آتنک وادیوں نے مار ڈالے۔ یہ اس کا چھوٹا سا بدلہ تھا۔ اب جو اصل بات ہے وہ یہ کہ تمہیں ایک بیان دینا ہوگا ہماری مرضی کا کہ پاکستان نے تمہیں لانچ کیا تھا اور تمہاری ساری کارروائیوں کے پیچھے پاکستان تھا۔ یاد رکھو! یہ بیان نہیں دو گے تو روز اسی طرح مار مار کر ادھیڑ ڈالوں گا۔ تمہارے پاس وقت کم ہے اور کام زیادہ ہے۔ کیا جواب ہے تمہارا؟" موہن لال (جو خفیہ ایجنسی کا آفیسر تھا) نے خونخوار لہجے میں دھمکی دیتے ہوئے کہا۔

"نہیں میں ایسا کوئی بیان نہیں دوں گا۔ بے شک جو کرنا ہے کر لو!" جانباز نے آواز کو مضبوط بناتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی" یہ کہہ کر موہن لال نے جانباز کو سیدھا لٹانے کا کہا اور بیگ سے کانٹے دار پلاس نکال کر جانباز کے پاؤں کا ایک بڑا ناخن بڑی بے دردی سے کھینچنے لگا۔ جانباز شدید تکلیف کی وجہ سے دہرا ہو گیا۔ بالآخر اس ظالم نے اس پلاس سے وہ ناخن اکھیڑ ڈالا اور جانباز کی چیخیں آسمان کا سینہ چیرنے لگیں۔ لیکن اس کی زبان سے ایک لفظ "ہاں" کا نہ نکلا۔ پاؤں خون سے لت پت ہو گئے اور وہ شدید درد کی وجہ سے نیم بے ہوش ہو گیا اور اس کے سیل کی ہر چیز اس کی آنکھوں کے سامنے دھندلی ہو گئی۔

اس کے ذہن میں بس یہ بات تھی کہ یہ جیل میں اس کی پہلی رات ہے۔

☆......☆......☆

ٹھیک چار دن بعد خصوصی عدالت پھر دوبارہ قائم ہوئی اور انڈین حکومت کے وکیل نے کہا کہ شدید سیکیورٹی رسک کی وجہ سے جانباز پیشی پر حاضر نہیں ہو سکتا۔ اس کے بارے میں جو فیصلہ آپ سنائیں گے وہ آڈیو لنک کے ذریعے جانباز کو سنا دیا جائے گا۔

عدالت نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا اور صرف دس منٹ کی چھوٹی سی بحث کے بعد سزائے موت کے آرڈر جاری کر دیے گئے کہ جتنی جلدی ہو سکے جانباز کو ملک و قوم کے سب سے بڑے دشمن کے روپ میں پھانسی دے دی جائے اور اگر تہاڑ جیل میں اس کو ٹھیک طرح نہ رکھا جا سکے تو اس کو کسی اہم اور خفیہ اور جیل میں منتقل کر دیا جائے۔ یہ فیصلہ سنا کر عدالت کو برخاست کر دیا گیا۔

☆......☆......☆

جانباز کے سیل میں موجود تھا۔ نہ کوئی چادر تھی اور نہ ہی کوئی نرم گدا۔ جانباز کے پاؤں کے ناخنوں سے بہنے والا خون تقریباً جم چکا تھا۔ ظالموں نے اس کے پاؤں کی تین انگلیوں کے ناخن نوکیلے پلاس سے کھینچ ڈالے تھے اور اس کے منہ اور ناک سے بھی خون کافی بہہ چکا تھا، جس کی وجہ سے اس کا چہرہ خون سے لت پت ہو چکا تھا۔ جانباز نے بمشکل آنکھ کھول کر اپنے سیل پر نگاہ دوڑائی تو سیل خالی تھی۔ شاید وہ درندے جا چکے تھے۔

جانباز نے دل میں ایک بات ٹھان لی تھی کہ وہ مر جائے گا مگر غلط کام ان کا کسی صورت بھی نہیں کرے گا۔ وہ کسی شخص یا پاکستان کے خلاف کوئی بھی بیان نہیں دے گا۔ چاہے کچھ بھی کیوں نہ ہو جائے۔ کیونکہ ذلت اور شکست کے راستے سے بہت اچھا ہے عزت کی موت کو گلے لگا لینا چاہیے۔ جانباز نے اٹھنے کی کوشش مگر جسم کے درد اور شدید اذیت کی بنا پر اس کا جوڑ جوڑ درد کر رہا تھا جس کی وجہ سے وہ اٹھ نہ پایا اور وہیں لیٹے لیٹے اس نے آنکھیں موند لیں۔ شاید وہ ایک بار پھر بیہوش ہو چکا تھا۔

ایک آزاد انسان کے لئے جیل شاید دنیا کی سب سے بڑی اور کڑوی سزا ہو سکتی ہے۔ جانباز کو سزائے موت کی اندھی کال کوٹھڑی میں رکھا گیا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اب سورج نہیں دیکھ سکتا اور وہ کسی سے مل نہیں سکتا یہاں تک کہ کسی اور قیدی سے بھی۔ سزائے موت کے قیدیوں کے لئے الگ مخصوص زیر زمین سیل بنائے گئے تھے جہاں جانباز کو رکھا گیا تھا۔ جب سے جانباز کو یہاں لایا گیا تھا، سیکیورٹی ڈبل کر دی گئی تھی اور پہرہ بے حد سخت کر دیا گیا تھا۔

ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ جیل کا وارڈن کرنل رائے سیل میں آیا۔ اس کے ساتھ ایک ڈاکٹر اور تین گارڈز تھے۔

ڈاکٹر نے جانباز کو چیک کیا اور صورتحال نازک دیکھ کر وارڈن کو مطلع کیا کہ اس پر ضرورت سے کچھ زیادہ تشدد کیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی نبض بہت آہستہ چل رہی ہے۔ وارڈن گھبرا گیا اور فوراً ٹریٹمنٹ کرنے کا آرڈر دے کر جانباز کے سیل کو منی ہسپتال میں بدلنے کا حکم دیا اور جانباز کو اچھی حالت میں رکھنے کا حکم جاری کر دیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے ہی جانباز کو قدرے ایک اچھے سیل میں منتقل کیا گیا۔ جہاں مریضوں کو لٹانے والا بیڈ موجود تھا۔ جانباز کو آناً فاناً وہاں منتقل کر دیا گیا۔ اچھے کھانے اور پھل فروٹ کا بندوبست کیا گیا اور ڈرپ اور انجکشن دیے گئے۔ مسلسل تین ڈاکٹر اس کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔ یہاں سیل میں واش روم بھی الگ سے بنا ہوا تھا۔ ایک ہفتہ تک جانباز کا یہ ٹریٹمنٹ چلتا رہا بالآخر جانباز ایسی حالت میں آ گیا کہ وہ اٹھ کر کھڑا ہونے کا قابل ہو چکا تھا۔ جانباز نے یہ صورتحال دیکھتے ہوئے شکر ادا کیا کہ ان جانوروں میں رحم دلی کا اثر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون ڈال سکتا ہے؟

☆......☆......☆

"شٹ اپ! تم پاگل اور جاہل ہو، میں ابھی ابھی تم کو برخاست کر دوں گا۔ تم سے یہ بیوقوفی کی امید نہیں تھی۔ اگر وہ مر جاتا تو؟" تفتیشی افسر موہن لال جس نے جانباز پر غیر انسانی تشدد کیا تھا، اپنے افسر بریگیڈیئر اجیت چرم کے آگے سر جھکا کر کھڑا، اس کی ڈانٹ سن رہا تھا۔

"سر! سر! سوری سر! میں آپ کے چرنوں میں آتا ہوں سر! مجھے معاف کر دیں! میں اسے دیکھتے ہی آپے سے باہر ہو گیا تھا سر! معافی دے دیں سر!" موہن لال اپنے افسر کے قدموں میں بیٹھ کر معافی کی بھیک مانگنے لگا۔

"شٹ اپ یو بلیڈی فول! وزیر اعظم صاحب نے اس کی سیکیورٹی اور چیکنگ کی اتنی بھاری ذمہ داری مجھ پر لگائی ہے اور تم پہلے دن ہی یہ "کانڈ" کر آئے ہو۔ تمہیں صرف تفتیش کے لئے بھیجا تھا، یہ نہیں کہا تھا کہ اس کی ہڈی پسلی ایک کر دینی ہے۔ وزیر اعظم صاحب نے حکم کے مطابق ابھی اسے سزائے موت نہیں دی۔ آہستہ آہستہ اس آتنک وادی کو موت کے گھاٹ اتاریں گے۔ یہ خود موت مانگے گا، اس کو ایسا کر دیں گے ہم۔ اس کے ساتھیوں کے نام پوچھیں گے اور اس کے ایک ایک کارنامے پر اس کو سزا دیں گے اور تم ایک ہی دن میں ساری کہانی ختم کر کے آنے والے تھے۔ نانسنس گیٹ لاسٹ!" آفیسر اجیت چرم نے دھکا دیتے ہوئے موہن لال کو پیچھے کیا اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر اس نے یوں ہی سر جھکائے رکھا اور پھر فون اٹھا کر اس نے نمبر ملائے اور آگے سے فون اٹھاتے ہی وہ کہنے لگا:

"کرنل رائے! جانباز کی کیا پوزیشن ہے؟"

"جی سر! وہ اب کافی بہتر ہے۔ اس کا مکمل خیال رکھا جا رہا ہے۔ 24 گھنٹے اس کی دیکھ بھال کی جا رہی ہے۔ آج ڈاکٹر اس کی صحت کو تسلی بخش قرار دے رہے ہیں۔" آگے سے کرنل رائے جو کہ تہاڑ جیل کا وارڈن تھا فوراً بول اٹھا۔

"میں چاہتا ہوں کہ جب تک اس کی صحت ٹھیک نہ ہو۔ کوئی اس سے ملنے نہیں آئے گا، کوئی اس سے تفتیش نہیں کرے گا اور جیسے ہی مکمل ٹھیک ہو تو اس کے سیل سے بیڈ

نکال کر اسی سیل میں رہنے دیں اور اس کو خوراک وغیرہ بھی ٹھیک دیتے رہیں۔ اٹ از مائی آرڈر" آفیسر اجیت چرم نے کہا اور آگے سے "یس سر!" کی آواز سنتے ہی اس نے فون رکھ دیا۔

☆......☆......☆

کشمیر میں آج آٹھواں روز تھا اور کشمیری سراپا احتجاج بنے ہوئے تھے۔ وہ جانباز کو دی جانے والی سزائے موت کے خلاف احتجاج کر رہے تھے۔ اس احتجاج پر بھارتی فوج کی جانب سے مسلسل شیلنگ اور فائرنگ جاری تھی۔ مختلف جھڑپوں میں اب تک پانچ سے زائد کشمیری نوجوان شہید اور درجنوں زخمی ہو چکے تھے۔ دوسری طرف شاہین اور اس کے ساتھی مسلسل سر جوڑے بیٹھے تھے کہ جانباز کو کس طرح رہائی دلوائی جائے مگر کوئی صورت کامیاب نہ ہو رہی تھی۔ شاہین مسلسل رب کے حضور آہ و زاری میں بھی رہتا تھا کہ کاش اس کا روحانی بیٹا واپس آ جائے۔ یہ بیٹا ان کے لئے قیمتی تھا، یہ بات وہ اچھی طرح جانتے تھے۔ کشمیر کی تحریک آزادی کو اس کی گرفتاری نے ایک نیا موڑ تو دے دیا تھا مگر مجاہدین کی صفوں میں جو خلا پیدا ہو گیا تھا اس کو بھرنے کے لئے کوئی بھی اس کی جگہ موجود نہ تھا۔ اور سب جانتے تھے کہ پچھلے کئی برسوں سے انڈیا کتے کی طرح جانباز کی بو سونگھ رہا تھا اور اب جب کہ وہ ان کے ہاتھ لگ گیا ہے تو وہ اس کا کیا حال کر رہے ہوں گے یہ سوچ کر ہی شاہین کو کچھ ہونے لگ جاتا تھا۔ لیکن یہ بوڑھا مجاہد اور کر بھی کیا کر سکتا تھا۔ شاہین یہ بات بھی سوچ رہا تھا کہ کیا اس کی ماں کو اطلاع کر دے کہ اس کا جانباز بیٹا گرفتار ہو چکا ہے۔ لیکن پھر وہ یہ سوچ خاموش ہو جاتا کہ نہ جانے اس کی ماں پر کیا گذرے؟

شاہین جانتا تھا کہ اگر جانباز کو پتہ لگ جائے کہ اس کے پیچھے کشمیری نوجوان اپنا خون بہا رہے ہیں اور کئی زخمی ہو چکے ہیں تو وہ شاہین کو روکنے کا کہہ دیتا کیونکہ مزید جانیں گنوانے سے کہیں بہتر تھا کہ کوئی جانباز کی رہائی کے لئے کوئی فول پروف پلاننگ کی جائے جس میں کچھ نہ کچھ امید ہو کہ جانباز کو رہا کیا جا سکتا ہے۔

چنانچہ یہ سوچتے ہی شاہین نے فوراً دو تین فون ملا کر کشمیری رہنماؤں کو میٹنگ کے لئے ایک جگہ بلا کر فوراً خود بھی روانہ ہو گیا۔ تین گھنٹے کی میٹنگ کے بعد بالآخر یہی طے ہوا کہ اگلے ہی دن سے کشمیری احتجاج ختم کر دیں گے اور مجاہدین جانباز کو چھڑوانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں گے۔ لیکن فی الحال ہڑتال ختم کر کے فوج کے ظلم و ستم اور مزید گرفتاریوں سے عوام کو بچایا جائے تاکہ وہ یکسوئی سے بیٹھ کر کوئی پلاننگ کر سکیں۔

☆......☆......☆

جانباز تقریباً 20 دن کے اندر اندر مکمل صحت یاب ہو چکا تھا۔ اس کے سیل سے بیڈ اٹھا دیا گیا تھا۔ مگر اب اس کو اتنی سہولت ضرور دے دی گئی تھی کہ واش روم کے لئے الگ جگہ بنی ہوئی تھی اور اس کے علاوہ سیمنٹ کے بنے بنچ پر چادر اور اوپر ڈالنے کی چادر بھی رکھ دی گئی تھی۔ جانباز کو ان بیس دنوں میں کسی نے تنگ نہ کیا تھا۔ مختلف آفیسر ضرور آتے رہے تھے مگر وہ سب بیان قلمبند کرتے اور چلے جاتے۔ کسی نے جانباز کو تشدد کا نشانہ نہ بنایا تھا۔ لیکن

جانباز جانتا تھا کہ یہ سب بہت عارضی ہے، جلد ہی اسے دوبارہ تختہ مشق بنایا جائے گا۔ جانباز نماز وغیرہ اور تسبیحات میں مسلسل مشغول رہتا تھا۔ جیل میں اسے اور کوئی کام نہ تھا وہ صرف اور صرف استغفار اور تسبیحات میں مسلسل مشغول رہنا چاہتا تھا۔ اگلے ہی دن اس کو ایک خوش اخلاق آفیسر ملنے آیا۔

"کیا آپ کی کوئی فیملی ہے؟" حال احوال دریافت کرنے کے بعد بڑے پیار سے جانباز سے پوچھنے لگا۔

"نہیں! میں کافی چھوٹا تھا، جب میں نے گھر چھوڑ دیا تھا۔ میری کوئی فیملی ہو بھی تو میں اسے نہیں جانتا ہوں گا۔" جانباز نے اطمینان بھرے انداز میں جواب دیا۔ وہ اپنی ماں کا بتا کر ہندو بنیے کو ایک اور موقع نہیں دینا چاہتا تھا کہ وہ اسے تکلیف پہنچا سکیں۔

"اس کے علاوہ کوئی اور جسے آپ کی خیریت کی اطلاع پہنچائی جا سکے؟" آفیسر نے انتہائی شائستہ اور میٹھے لہجے میں جانباز سے پوچھا۔

"نہیں، میں اکیلا کام کرتا تھا۔ میرا کوئی ساتھی نہیں تھا۔ کوئی ماسٹر مائنڈ نہیں تھا۔ میں جو بھی تھا اکیلا تھا، تنہا تھا اور کسی کو اطلاع دینے کی ضرورت بھی نہیں۔" جانباز نے مضبوط لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی۔" یہ کہہ کر وہ آفیسر چلا گیا۔ لیکن جانباز کو ایک کھٹکا لگا رہا کہ ضرور اب کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔ وہی ہوا تھوڑی دیر بعد کرنل رائے اپنے آٹھ بندوں کے ساتھ سیل میں وارد ہوا۔ اس کے بندوں کے ہاتھوں میں عجیب و غریب ایک مشین اور لوہے کی ایک کرسی تھی۔ انہوں نے آتے ہی جانباز کو لوہے کی اس کرسی پر بٹھا دیا۔ ہاتھ باندھ دئے اور پاؤں ایک بڑے برتن میں رکھ دیے اور پھر اس میں پانی بھر دیا اور جانباز کی پنڈلیوں تک پانی کو بھر دیا گیا۔ ساتھ ہی ایک چھوٹی سی میز پر اس مشین کو رکھ دیا گیا۔ مشین سے مختلف تاریں نکال کر اس کے دو کلپ جانباز کے بازوؤں اور ایک کلپ جانباز کی ٹانگ پر ایڈجسٹ کر دیا گیا۔ جانباز ان کو یہ سب دیکھتے ہوئے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ رہا تھا۔

"دیکھو جانباز! تمہیں ہمارے ساتھ کچھ نہ کچھ تعاون تو کرنا پڑے گا ورنہ تم ایسی اذیتوں کا یہاں شکار ہو گے کہ ہم سے موت کی بھیک مانگو گے۔ ہم تم سے کشمیر میں تمہارے کنٹکٹ مانگ رہے ہیں۔ تمہاری مدد کون کرتا تھا؟ کون کون ان کارروائیوں میں شامل رہا تھا، مجھے وہ سب بتانا پڑے گا۔ ورنہ تمہیں ابھی اسی وقت ایسی اذیت دی جائے گی جسے بڑے بڑے لوگ برداشت نہیں کر سکے۔ تم بھی نہیں کر پاؤ گے۔" کرنل رائے نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

"میں نے پہلے بھی بتایا کہ میں اکیلا کام کرتا ہوں اور میری کوئی مدد نہیں کرتا تھا۔ میں کسی سے کنٹیکٹ میں نہیں رہتا تھا۔ یہی میرا انداز تھا اور میری تم لوگوں سے بچ کر رہنے کی سب سے بڑی وجہ بھی یہی تھی۔" جانباز نے اطمینان بھرے انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔ اب تمہاری چیخیں اس کال کوٹھڑی میں ہی دفن ہو جائیں گی۔" کرنل رائے نے یہ کہہ کر اپنے ایک بندے کو اشارہ کیا، جس نے مشین کا

ریڈ بٹن پریس کیا اور ناب کو گھما کر پندرہ تک لے آیا اور جانباز کے جسم کو کرنٹ کا ایسا شدید جھٹکا لگا کہ وہ کرسی سے نیچے گرتے گرتے بچا۔ اب وہ مسلسل کانپ رہا تھا۔ اس بندے نے ناب اور گھمائی اور کرنٹ کی مقدار 25 تک بڑھا دی اور جانباز کی حالت خراب ہونے لگی اور اس کی برداشت جیسے ہی ختم ہوئی، اس کے منہ سے دلدوز چیخیں نکلنی شروع ہو گئیں۔ تھوڑی دیر بعد اس بندے نے ناب کو کم کر کے صفر کر دیا۔ کرنل رامے جانباز کے قریب آیا اور اس کا ڈھلکا ہوا چہرہ اوپر اٹھا کر کہنے لگا:

''ابھی بھی وقت ہے جانباز تم بتا دو! ورنہ یہ کرنٹ آہستہ آہستہ تمہاری رگیں جام کر دے گا اور تمہارے عضلات پھٹ جائیں گے اور تمہاری دماغ کی نسیں پھول جائیں گی اور تم اذیت کی موت مارے جاؤ گے۔ بتا دو کون کون ہیں تمہارے مددگار؟

''میرا مددگار ''اللہ تعالیٰ ہے'' صرف وہی میری مدد کر سکتا ہے۔ تم خنزیر کی اولاد میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے زیادہ سے زیادہ مار ڈالو گے۔ میں تو پچھلے بارہ برسوں سے جان ہتھیلی پر لیے بیٹھا ہوں۔ مار ڈالو مجھے!'' جانباز نے کانپتے مگر مضبوط ہو کر جواب دیا۔

کرنل رامے نے جواب سن کر مشین والے کو اشارہ کیا، جس نے ناب کو دوبارہ گھما کر 30 تک لے گیا۔ انتہائی شدید شاک کی وجہ سے جانباز مسلسل اچھل رہا تھا اور اسکی چیخیں آسمان ہلا رہی تھیں۔ کچھ ہی دیر بعد اسکے ناک اور منہ سے خون بہنا شروع ہو گیا اور اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔ مشین آف کر دی گئی۔ کرنل رامے نے ایک زوردار مکہ سامنے دیوار پر مارا، جیسے اسے جانباز کے یوں بے ہوش ہونے اور اس کے کچھ نہ بولنے پر شدید مایوس ہوا ہو۔

''اس کو تو میں وہ سزائیں دوں گا کہ اس کی نسلیں بھی پچھتائیں گی۔'' وہ خود سے ہمکلام ہوا۔

اس نے اپنے بندوں کو اشارہ کیا۔ جنہوں نے جانباز کے بازوؤں اور ٹانگ سے وہ کلپ ہٹا لیے، جانباز کی قمیص اتار ڈالی اور اس کی کمر اور بازوؤں کو کرسی سے باندھ کر کرسی سمیت جانباز کو سیل کے بالکل درمیان میں رکھ دیا اور کرسی کو نیچے فرش سے جوڑ دیا گیا تا کہ جانباز کرسی کو ادھر ادھر نہ کر سکے۔ جانباز کے سر کے اوپر چھت پر ایک کھونٹا سے لگا ہوا تھا۔ کرنل کے حکم پر ایک ٹھنڈے یخ پانی کا بڑا کین اس کھونٹے سے لٹکا دیا گیا۔ یہ کین عین اس جگہ رکھا گیا تھا جہاں جانباز کا سر تھا اور پھر کین میں ایک بالکل چھوٹا سا سوراخ کھول دیا گیا جس سے بہت معمولی مقدار میں پانی نکلتا جو جانباز کے سر کے اوپر آ کر ٹپکتا۔ دس سے پندرہ قطرے ہی ٹپکے تھے کہ جانباز نے آنکھیں کھول دیں، اس کا جسم ٹوٹ رہا تھا۔ اس نے غیر ارادی طور پر اٹھنا چاہا تو ساتھ کھڑے ایک سپاہی نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اسے وہیں بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا۔ کچھ ہی دیر بعد جانباز کو ساری صورتحال سمجھ میں آ گئی۔

''میں جانتا ہوں تم ایسے نہیں زبان کھولو گے۔ لیکن میں تمہاری زبان کھلوانا جانتا ہوں۔ یہ کین دیکھ رہے ہو یہ تقریباً تین دن تک یونہی تمہارے اوپر برستا رہے گا۔ ایک ایک قطرہ۔ آہستہ آہستہ تمہیں لگے گا کہ یہ ایک قطرہ

نہیں بلکہ پہاڑ ہے جو تمہارے سر پر بار بار ٹکرا رہا ہے۔ تم کھانا پینا یہیں کرو گے۔ نیچے شیٹ بچھا دی ہے۔ یہیں ہی تم حاجت بھی کرو گے۔ تم سو بالکل نہیں پاؤ گے کیونکہ یہ قطرے تمہیں سونے نہیں دیں گے۔ اس اذیت کو آج تک کوئی نہیں جھیل پایا دیکھتے ہیں تم کیسے جھیل پاؤ گے۔ جب کچھ بتانا چاہو تو ایک سنتری باہر کھڑا ہو گا اسے آواز دے دینا وہ آ جائے گا۔" یہ کہہ کر اس نے جانباز کو ایک طنزیہ نظر سے دیکھا اور اپنے بندوں کو ہدایات جاری کر کے چلا گیا۔

جانباز کو پہلے پہل تو لگا کہ ہر سیکنڈ میں برسنے والا ایک چھوٹا سا قطرہ اس کا کیا اکھاڑ لے گا مگر جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا، اس کو لگا جیسے کوئی اس کے سر پر ہتھوڑا برسا رہا ہو۔ اس نے کوشش کر کے کرسی کو ادھر ادھر ہٹانے کی کوشش کی مگر وہ زمین کے ساتھ فکس کر دی گئی تھی۔ جانباز نے گردن ہلائی تو قطرہ سیدھا اس کے سر پر گرنے کی بجائے اس کی گردن تک آیا۔ لیکن آخر وہ کب تک یوں گردن ڈھلکائے رکھتا بالآخر اسے سیدھی رکھنی پڑی۔ پانچ گھنٹوں کے بعد جانباز کی حالت واقعی قابل رحم ہو چکی تھی۔ اس کا سارا جسم بھیگ چکا تھا اور وہ چیخنا چاہتا تھا مگر چیخ نہیں پا رہا تھا اور وہ اٹھ کر بھاگنا چاہتا تھا مگر بھاگنے سے عاجز تھا۔ یہ واقعی بہت عجیب سزا تھی۔

☆......☆......☆

"یار پیٹر! میں کب سے تمہیں کہہ رہا ہوں کہ ان پولیس والوں سے اپنا پیچھا چھڑواتے ہیں، مجھے ایڈونچر پسند ہے اور یہ ہمیں کہیں ادھر ادھر آنے جانے نہیں دے رہے۔"

پیٹر جو کہ ایک سیاح تھا اور اپنے دو دوستوں تھامس اور اینڈرسن کے ساتھ انڈیا ایک تفریح کے لئے آیا ہوا تھا۔ تینوں دوست بہت امیر کبیر گھرانے سے تعلق رکھتے تھے مگر انتہائی ایڈونچر پسند تھے۔ مگر ان کے گھر والوں نے انڈیا کی گورنمنٹ سے سپیشل پرمٹ ان تینوں کی حفاظت کے لئے مانگ لیا تھا۔ جس کی بناء پر تینوں کے ساتھ پانچ پولیس اہلکاروں کی ایک گاڑی مسلسل ان کے ساتھ ہوتی تھی۔ وہ جہاں بھی جاتے یہ سب پولیس والے ان کے ساتھ ہوتے تھے۔ اب وہ بمبئی میں بیٹھے اپنے ریسٹ ہاؤس میں بیٹھے یہی باتیں کر رہے تھے کہ کس طرح ان سے پیچھا چھڑایا جائے۔

"نہیں پیٹر! بابا بہت غصے ہوں گے میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گا۔ یہ ایک بیک ورلڈ ملک ہے۔ ہر طرف غنڈہ گردی ہے اور دہشت گردی ہے ہم اکیلے کہیں بھی نہیں جا سکیں گے۔" تھامس جو ذرا ڈرپوک تھا ان تینوں میں۔ اس نے فوراً پیٹر کی اس بات کو رد کر دیا۔

"میں پیٹر کے ساتھ ہوں۔ مجھے بھی بالکل مزہ نہیں آ رہا۔ ہر وقت پروٹوکول اور بھی کتنے امریکی یہاں آئے ہوئے ہیں وہ تو ایسے ہی گھوم پھر رہے ہیں تو ہمیں کیا مجبوری ہے؟" اینڈرسن نے پیٹر کا ساتھ دیا اور یوں پھر کچھ بحث و مباحثہ کے بعد تینوں کا ہی اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ کل ہی چپکے سے اس ریسٹ ہاؤس سے نکلا جائے اور پھر یہاں واپس نہ آیا جائے اور کہیں اور رہائش لے کر اپنی من مرضی سے گھوما پھرا کریں گے۔

اچانک آنکھ کھلی تو وہ سیمنٹ کے اس واحد بنچ پر الٹا لیٹا ہوا تھا جو چنانچہ اگلے ہی دن وہ معمول کے مطابق باہر گھومنے پھرنے گئے اور رات ہوتے ہی تینوں نے اپنا سامان اٹھایا اور عقبی دروازے سے ہوتے ہوئے باہر نکل آئے۔ تمام پولیس والے بے خبر سامنے کے راستے سے ہی پہرہ دیتے رہے۔ ایک اور رہائش گاہ کا انہوں نے فون پر ہی بندوبست کر لیا تھا۔ تینوں سیدھے وہاں گئے اور سامان وغیرہ سیٹ کر کے گپ شپ کرنے بیٹھ گئے۔ اینڈرسن جو کہ لیپ ٹاپ میں انڈیا کی مختلف جگہیں دیکھ رہا تھا اچانک چونک پڑا۔ اس کو چونکتا دیکھ کر باقی سارے بھی اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''یار پیٹر اور تھامس! کیا خوبصورت جگہ ہے یار؟ اس آبشار کو تو دیکھنے کے لئے میں اپنی جان بھی دے سکتا ہوں۔ کیا کمال کی جگہ ہے۔'' اینڈرسن نے یہ کہہ کر لیپ ٹاپ ان کے سامنے کر دیا۔ جہاں ایک ویڈیو میں آبشار ایک پہاڑ سے تین مختلف زاویوں سے بہہ رہی تھی اور دیکھنے والوں کو اپنے سحر میں جکڑ رہی تھی۔ اس کے آس پاس کی جگہ اس دنیا کی نہیں لگ رہی تھی بلکہ کسی اور دنیا کی لگ رہی تھی۔

''او مائی گاڈ'' دونوں کے منہ سے نکلا

''لیکن یہ جگہ تو کشمیر میں ہے؟'' اچانک تھامس نے کہا تو پیٹر اور اینڈرسن چونک پڑے؟

''کیا واقعی؟'' دونوں کے منہ سے نکلا۔ تھامس نے لیپ ٹاپ میں ویڈیو کے نیچے دیے گئے کیپشن میں لکھا دیکھا جہاں کشمیر کا ایڈریس ان کا منہ چڑا رہا تھا۔

''میں دیکھنا چاہوں گا۔'' پیٹر نے اچانک زوردار لہجے میں کہا۔

''لیکن وہ تو وار زون میں آتا ہے۔ وہاں جنگ چل رہی ہے۔ دنیا کا سب سے خطرناک علاقہ ہے؟'' تھامس اور اینڈرسن دونوں نے چیختے ہوئے کہا۔

''تو کیا ہوا؟ سوچو! جب ہم یہ سب دیکھ کر اور ویڈیو تصاویر لے کر واپس جائیں گے تو لوگ کتنا جلیں گے کہ ہم دنیا کے موسٹ ٹیرر علاقے سے ہو کر آئے ہیں اور ایسی جگہ سے ہو کر آئے ہیں جو اس دنیا کی لگتی نہیں جنت کی لگتی ہے۔'' پیٹر نے جوش بھرے لہجے میں کہا۔

''میں بھی تیار ہوں۔'' اینڈرسن نے بھی کچھ دیر سوچ کر ہاں کر دی۔

''لیکن میں تیار نہیں ہوں۔ یہ خودکشی ہے؟ ہمارا وہاں جانا اور وہ بھی بغیر سیکیورٹی کے ایک بہت بڑا رسک ہے۔ تم دونوں جانا چاہو تو جاؤ میں واپسی پر تمہیں یہیں ملوں گا۔'' تھامس نے اپنا آخری فیصلہ سناتے ہوئے جواب دیا تو دونوں کے منہ لٹک گئے کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ تینوں کا فیصلہ ہی ہو گا تو ہی وہ کہیں جا سکتے ہیں ورنہ نہیں جا سکتے۔

تینوں کا منہ لٹکا دیکھ کر بالآخر اگلے ہی دن تھامس بھی اس بات پر راضی ہو گیا کہ وہ اس آبشار کو دیکھنے جائیں

گے اور زندگی کو ایک بہت ہی خوبصورت دن دیں گے۔ دونوں دوستوں نے خوشی کا ایک نعرہ مارا اور تھامس کو اپنے کندھوں پر اٹھالیا۔

☆......☆......☆

تینوں دوستوں نے ایک بڑی جیپ ہائر کی اور ضروری سامان لے کر وہ کشمیر کے سفر پر نکل کھڑے ہوئے۔ امریکی تھے اور دولتمند بھی اس لئے چیک پوسٹ پر روکا بھی جاتا تو کبھی امریکی ہونے کی وجہ سے سیلوٹ مل جاتا اور کبھی دولت کی وجہ سے۔ آگے جانے کی پرمیشن مل جاتی۔ بالآخر دو دن کے سفر کے بعد وہ کشمیر کی وادی بازان میں پہنچ گئے۔ یہاں ان کے علاوہ بھی کافی سیاح موجود تھے جو قدرت کی اس عجیب وغریب شان کو دیکھنے کے لئے موجود تھے۔ سیاحوں کی حفاظت کے لئے یہاں حکومت کی طرف سے پہلے ہی کافی انتظام موجود تھا۔ تینوں دوستوں نے اپنے کیمروں میں ان لمحات کو محفوظ کیا اور آبشار کے قریب دو دن رہے۔ دو دن بعد انہوں نے واپسی کا رخت سفر باندھا اور اسی جیپ پر واپسی کی راہ لی۔ وادی بازان سے ابھی کچھ ہی دور جا پائے تھے کہ ان کی جیپ خراب ہوگئی۔ ابھی وہ لوگ سوچ ہی رہے تھے کہ کیا کیا جائے اچانک ایک کالے شیشوں والی بڑی گاڑی ان کے قریب آ کر رکی، اس میں سے چار نوجوان جن کے چہرے ڈھکے ہوئے تھے، آناً فاناً نکلے اور ان تینوں کے چہروں پر کالے کپڑے ڈال کر انہیں دوسری گاڑی میں منتقل کیا۔ تھامس کے زیادہ چیخنے پر اغوا کاروں نے اس کے سر پر گن کا بٹ مار کر اسے بے ہوش کر دیا۔ دونوں نے تھامس کا یہ حال دیکھ کر خاموشی میں عافیت جانی۔ تینوں کے اندر بیٹھتے ہی گاڑی کا طاقتور انجن غرایا اور تیزی سے آگے بڑھ گئی ایک انجانے سفر پر۔

☆......☆......☆

کیا واقعی جانباز کی قسمت میں اب اذیت اور تکلیف ہی سہنا رہ گیا ہے؟......

کیا جانباز کو جلد پھانسی دے دی جائے گی یا جانباز ایک بار پھر سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر رہا ہو جائے گا؟......

تینوں سیاح دوستوں کو اغوا کرنے والے کون ہیں؟

......

ان کا مقصد کیا ہے؟......

کیا یہ جانباز کو رہا کروانے کی کوئی نئی چال ہے؟......

یا پھر کچھ نہیں ہوگا اور جانباز یوں سسک سسک کر اندھیری کال کوٹھڑی میں جان دے دے گا؟......

کیا ہوگا؟

یہ سب جاننے کے لیے انتہائی حیرت ناک سچویشن اور سسپنس سے بھرپور اگلی قسط کا انتظار کیجیے!

پڑھتے رہیے!...... مسلمان بچے

☆......☆......☆

زبیر طیب

جانباز

قسط 37

شاہین تین ماہ سے مسلسل مصروف تھا۔ وہ مختلف کمانڈرز سے رابطے میں تھا۔ اس کے ذہن میں بس ایک ہی جذبہ اور جنون چھایا ہوا تھا کہ کسی طرح جانباز کو جیل سے رہائی مل جائے۔ اسے اپنے قیدی دوستوں کے اہل خانہ کے ذریعے یہ اطلاع تو مل چکی تھی کہ جانباز دہلی کی بدنام زمانہ تہاڑ جیل میں انتہائی کڑی نگرانی میں موجود ہے۔ اس نے جیل سے رہائی کے لئے کئی زاویوں سے سوچا اور کئی ایک کو رشوت بھی دی مگر کوئی راضی نہ ہوا۔ بالآخر اس کے ایک مخبر نے اسے انتہائی اہم معلومات دیں۔ ایک دن شام کے وقت مخبر کا فون آیا۔

''السلام علیکم! جناب میں سالم بول رہا ہوں۔'' فون کرنے والے نے کہا۔

''ہاں سالم بولو! کیا خبر ہے؟'' شاہین نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ کیونکہ سالم اس کے انتہائی کارآمد مخبروں میں سے تھا۔

''جناب! تین پرندے اڑان بھرنے کے لئے تماش گاہ پر آ چکے ہیں۔ ان میں سے ایک پرندہ گدھے کے ملک سے آیا ہے۔'' یہ ایک کوڈ بات تھی۔

تین پرندوں سے مراد تین لوگ جو شکار بن سکتے ہیں جبکہ گدھے کے ملک سے مراد امریکہ تھا۔ سالم نے اسی طرح کوڈ میں ساری بات سمجھا دی۔

''بہت خوب میرے بیٹے! مجھے تم سے یہی امید تھی۔

یہ ہمارے پاس انتہائی خوبصورت موقع ہے۔ بہت شکریہ۔ باقی کام مجھ پر چھوڑ دو! میں کرلوں گا۔" شاہین نے سالم کی ساری بات سن کر خوشی سے کانپتے ہوئے کہا۔

فون رکھتے ہی شاہین تقریباً دوڑتا ہوا ساتھ والے کمرے میں آ گیا جہاں اس کا سب سے اعتماد والا دوست ابوحمزہ بیٹھا ہوا تھا۔ جانباز کے بعد ابوحمزہ اس کا سب سے لاڈلا تھا اور کشمیر کے جہاد میں ابوحمزہ کی قربانیاں بھی جانباز سے کسی صورت کم نہ تھیں۔ شاہین کو اس طرح دوڑتے ہوئے آتا دیکھ کر پہلے تو ابوحمزہ پریشان ہوا لیکن جب شاہین کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھی تو وہ مطمئن ہو گیا۔

"آپ اس طرح؟ خیریت تو ہے میرے استاد محترم! مجھے کمرے میں بلا لیا ہوتا؟" ابوحمزہ نے شاہین کے لئے کھڑے ہو کر سلام و دعا کے بعد کہا۔

"نہیں میرے بچے۔ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔ ابھی اسی وقت فول پروف پلاننگ کرنا ہو گی۔ میرے جانباز بیٹے کے لئے رہائی کی ایک صورت بر آئی ہے۔" شاہین نے جذبات سے بری طرح مغلوب ہو کر کہا۔

"آپ بیٹھئے اور مجھے بتایئے کیا بات ہے؟" ابوحمزہ کے چہرے پر ابھی تک حیرانی تھی۔

"ابھی کچھ دیر پہلے سالم کا فون آیا تھا۔ تین غیر ملکی نوجوان کشمیر میں جھیل دیکھنے کے لئے آئے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک امریکہ کا شہری ہے جب کہ باقی دو مختلف قومیت کے ہیں۔ اگر ہم ان کو اغوا کرلیں اور ان کے بدلے بھارت سرکار سے "جانباز" کی رہائی مانگیں تو میرا نہیں خیال بھارت اس بات کو رد کرے گا؟ امریکہ کا شہری تم جانتے ہو اس کے لئے کیا معنی رکھتا ہے۔ انڈیا کی ساکھ اور سیاحت داؤ پر لگ جائے گی اور وہ جانباز کو رہا کرنے پر راضی ہو جائیں گے۔" شاہین نے سارا پلان ابوحمزہ کے سامنے رکھ دیا۔

"میرے استاد محترم! آپ جانتے ہیں کہ جانباز کی زندہ گرفتاری ان کی 15 سالوں کی محنت کا نتیجہ ہے۔ وہ کسی صورت بھی اس کو رہا کرنے پر راضی نہ ہوں گے۔ آپ کا پلان مکمل طور پر فول پروف ہے۔ اس میں کامیابی بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر ہم کامیاب نہ رہے تو ہو سکتا ہے وہ جانباز کو شہید کر ڈالیں۔ اس لئے ہمیں مکمل طور پر احتیاط سے کام لینا ہو گا۔ ہندو بنیا غصے میں کوئی بھی قدم اٹھا سکتا ہے۔" ابوحمزہ نے جذبات سے عاری ہو کر حقائق شاہین کے سامنے رکھ دیے۔

"ہاں بیٹا! تم ٹھیک کہہ رہے ہو مگر نجانے مجھے کیوں ایسا لگتا ہے کہ ہم کامیاب ہو جائیں گے۔ تم ایک گھنٹے میں ساتھی اکٹھے کرو۔ جگہ کا تعین کرو اور سیاحوں کو اٹھا کر مختلف جگہوں پر رکھو اور چوکنے رہو اور جیسے جیسے میں کہتا جاؤں ویسا کرتے جانا۔ اللہ تعالیٰ تمہارا حامی و ناصر ہو۔"

"آمین" دونوں کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

ابوحمزہ نے یہ سنتے ہی مخابرہ نکالا اور اس میں اپنے ساتھیوں کو اکٹھا کرنے کے احکامات جاری کیے۔ تقریباً آدھے گھنٹے میں چند مجاہدین اسلحے سے مکمل لیس ہو کر جھیل کی جانب نکل کھڑے ہوئے۔ وہاں پہنچ کر انہیں تین غیر ملکی دوستوں کو ڈھونڈنے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ لیکن وہ

ان کو یہیں سے اغوا نہ کر سکتے تھے کیونکہ یہاں سیاحوں کا بے پناہ رش تھا اور انتہائی سخت سیکیورٹی کا انتظام بھی تھا۔
ابوحمزہ نے سیاحتی مقام کے باہر ہی ایک ٹریپ بنایا اور ابوحمزہ کے پلان کے عین مطابق وہ لوگ اس ٹریپ میں آ پھنسے اور اب وہ تینوں دوست ابوحمزہ کی گاڑی میں موجود تھے۔ ان کے سر کالے کپڑے سے ڈھکے ہوئے تھے اور انہیں سیٹوں کے درمیان بیٹھایا گیا تھا۔ بعد ازاں جیسے ہی وہ قریبی شہر میں داخل ہوئے ان کے منہ پر ٹیپ لگا دی گئی تھی۔ کالی جیپ انتہائی تیز رفتاری سے شہر سے کچھ ہٹ کر بنے ایک گھر میں داخل ہو گئی۔
''ان تینوں کو نیچے اتار کر فوراً ان کے کپڑے بدلوا دو اور انہیں کچھ کھانے پینے کا دے کر مجھے بتاؤ! ہمارے پاس صرف آدھا گھنٹہ ہے۔'' ابوحمزہ نے اپنے ساتھیوں کو جلدی جلدی ہدایات دیں جو فوراً اس کے احکامات کی تکمیل میں مشغول ہو گئے۔
ابوحمزہ نے کوڈ ورڈ میں شاہین کو خوشخبری دے دی تھی کہ پرندے قابو میں آ چکے ہیں۔
کچھ دیر بعد ایک بار پھر قافلہ روانہ ہونے والا تھا۔ تھامس کو کچھ مرہم پٹی بھی کر دی گئی کیونکہ اس کے چیخنے پر ابوحمزہ نے اسے گن کا بٹ مارا تھا۔ اب تین اغوا شدگان اور تین اغوا کاروں کا یہ قافلہ ایک انتہائی پرانی سامان اٹھانے والی ویگن میں شروع ہو گیا۔ یہ منی وین ہوتی ہے جو سامان اٹھانے کے کام آتی ہے۔ پیچھے سبزیاں انتہائی کثیر تعداد میں لدی ہوئیں تھیں، جن میں تینوں دوستوں کو چھپا دیا گیا تھا اور ان کے ساتھ دو مجاہد ساتھی بھی بیٹھ گئے تھے جبکہ ڈرائیونگ سیٹ پر ابوحمزہ اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔ ان کے حلیے بھی تبدیل ہو چکے تھے اب وہ شکل سے کسان ٹائپ لوگ لگ رہے تھے۔ تینوں دوستوں کو کچھ اس طرح سبزیوں کے بیچ رکھا گیا تھا کہ جب تک خاص طور پر چیک نہ کیا جائے ان کا ٹھیک سے پتہ نہیں چل سکتا تھا۔
قافلہ روانہ ہوا۔ اب اس کی منزل کاٹھی واڑ کا علاقہ تھا جو برفیلے پہاڑوں کی وجہ سے شہرت رکھتا تھا۔ کشمیر کے شمالی علاقہ جات میں یہ آخری وادی تھی، اس کے بعد برفیلے پہاڑوں کا انتہائی خوفناک گھنا جنگل شروع ہو جاتا تھا۔ دن اب کافی نکل چکا تھا۔ ابوحمزہ اور اس کے ساتھی دعا کر رہے تھے کہ کوئی چیک پوسٹ نہ آ جائے ورنہ بہت مشکل کھڑی ہو سکتی تھی۔ اغوا شدگان کے منہ پر ٹیپ لگا دی گئی تھی اور ان کے چہرے ڈھک دیئے تھے تاکہ وہ نہ تو آواز نکال سکیں اور نہ ہی انہیں کوئی دیکھ سکے اور ان کو مکمل باندھ دیا گیا تھا تاکہ وہ حرکت نہ کر سکیں۔ دو مجاہد ان کی نگرانی کے لئے ہمہ وقت ان پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ گاڑی کے خفیہ خانوں میں اسلحہ بھی چھپایا ہوا تھا کیونکہ کسی وقت کچھ بھی ہو سکتا تھا۔
گاڑی شہر سے باہر نکل چکی تھی اور اب لمبی خاموش بل کھاتی سڑک تھی۔ دن آہستہ آہستہ بلند ہو رہا تھا۔ وہ جلد ہی کسی قریبی علاقے میں پہنچنا چاہتے تھے۔ تقریباً 150 کلو میٹر سفر کے بعد انہیں دور سے ایک چیک پوسٹ دکھائی دی اور ابوحمزہ نے ہاتھ باہر نکال کر اپنے ساتھیوں کو ہوشیار رہنے کا اشارہ کیا اور گاڑی چیک پوسٹ کی طرف بڑی تیزی سے بڑھنے لگی۔ ابوحمزہ کے دل و

دماغ میں ایک طوفان برپا تھا کہ وہ گاڑی روک دے یا پھر ناکے کو توڑتا ہوا گاڑی بھگا کر لے جائے۔ دونوں صورتوں میں کچھ بھی ہو سکتا تھا، لیکن اسے فیصلہ لینا تھا اور اب چیک پوسٹ انتہائی قریب آ چکی تھی جس پر مستعد فوجی اہلکار درجن بھر کی تعداد میں کھڑے تھے اور انہوں نے گاڑی کو رکنے کا اشارہ بھی دے دیا تھا۔

☆......☆......☆

"یس ہیرالال پولیس اسٹیشن" فون آتے ہی ایک حوالدار نے فون اٹھا کر کہا۔

"سر! میں رام لعل بات کر رہا ہوں، مقامی بستی کا گارڈ ہوں سر! یہاں ایک گاڑی کھڑی ہے جو کہ خراب ہے لیکن یہ خالی ہے۔ کسی سیاحوں کی لگتی ہے اور یہاں کے لوگوں کا کہنا ہے کہ اس گاڑی پر تین غیر ملکی سوار تھے۔" آگے سے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا گیا۔

"یہ گاڑی کہاں کھڑی ہے؟ تم وہیں رہو اور کوئی گاڑی کے قریب مت جائے ہم ایک پولیس پارٹی بھیج رہے ہیں جو تحقیقات کرے گی۔" دوسری طرف سے گاڑی جہاں کھڑی ہے وہاں کا مکمل ایڈریس سمجھا دیا گیا اور "او۔کے" کہہ کر بات ختم ہو گئی۔

کچھ ہی دیر بعد ہیرالعل پولیس اسٹیشن پر کھلبلی مچ گئی۔ سب انسپکٹر جسونت کے ہمراہ ایک پولیس وین جائے وقوعہ پر پہنچ گئی اور کچھ دیر بعد ہی ساری کہانی سمجھ میں آ گئی۔ بات آناً فاناً جنگل کی آگ کی طرح پھیلی اور پھر پریس سے ہوتے ہوئے انڈیا کی وزارت داخلہ کو ہلا کر رکھ گئی۔

یہ بھارت میں غیر ملکی اغوا ہونے کا پہلا واقعہ تھا۔ اس قدر دیدہ دلیری سے اغوا کیا گیا کہ انڈیا کی پوری مشینری ایک لمحے کے لئے وہیں جام ہو کر رہ گئی تھی۔ پورے کشمیر اور بھارت کے کشمیر سے ملحقہ علاقوں میں ایمرجنسی نافذ کر دی گئی تھی۔ جگہ جگہ پولیس ناکوں اور فوج کو الرٹ کر دیا گیا تھا۔ مخبروں کا جال بچھا کر معلومات لینے کی کوشش کی جا رہی تھی مگر کچھ کلیو نہیں مل رہا تھا۔ امریکہ میں جیسے ہی خبر پہنچی تو وہاں کھلبلی مچ گئی۔ تینوں بڑے باپ کی اولاد تھے اور ان کے والدین بے حد اثر ورسوخ کے مالک۔ چنانچہ سیاسی طور پر بھی بھارت پر شدید دباؤ پیدا ہو گیا۔ ابھی تک اغوا کاروں کی طرف سے کوئی ڈیمانڈ نہیں رکھی گئی تھی۔

انڈیا کا وزیر داخلہ ایڈوانی اپنے گنجے سر کو کھجلا کھجلا کر زخمی کر چکا تھا مگر کہیں سے کوئی کلیو نہ مل رہا تھا۔ ساری خفیہ ایجنسیاں، انٹیلی جنس ادارے اور پولیس اس ایک کام میں جتے ہوئے تھے مگر ایک قدم بھی وہ آگے نہ بڑھ پائے تھے۔ ایڈوانی غصے سے تلملاتا ہوا اپنے کمرے میں چکر کاٹ رہا تھا کہ اسی اثناء میں دروازے پر دستک ہوئی اور راجیو شکلا جو اس کے ڈیپارٹمنٹ کا انتہائی چالاک، ذہین اور قابل انویسٹی گیشن آفیسر تھا، اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"کچھ پتا چلا؟ نہ جانے تم جیسے نانسس تنخواہ کس بات کی لیتے ہیں؟ میرا بس چلے تو سب کو ایک لائن میں کھڑا کر کے گولی مار دوں۔ بڑے بنے پھرتے ہیں آفیسر؟" ایڈوانی غصے سے تقریباً باؤلا ہو چکا تھا اور اندر آنے والا آفیسر اس کی یہ حالت بخوبی سمجھ رہا تھا، اس لئے خاموش

کھڑا استنا رہا۔

"اب کچھ بولو گے یا منہ سے زبان نکال کر کہیں باہر رکھ دی ہے؟" ایڈوانی نے شدید جھنجھلاہٹ کے عالم میں اس کو غلیظ گالی دیتے ہوئے کہا۔

"یس سر! سر! گاڑی سے ان کے پاسپورٹ ملے ہیں جن کے مطابق ان تینوں کے نام تھامس، اینڈرسن اور پیٹر ہیں۔ ان کو فول پروف سیکیورٹی حاصل تھی مگر یہ لوگ رات کی تاریکی میں اپنے حفاظتی اہلکاروں کو چکمہ دے کر نکلنے میں کامیاب ہوئے اور اگلے ہی روز کشمیر جا پہنچے۔ تفصیلات کے مطابق گاڑی کے قریب ایک بڑی پراڈو گاڑی کے ٹائرز کے سراغ ملے ہیں۔ ایسی گاڑیاں بہت کم استعمال ہوتی ہیں، اس لئے قریبی شہروں سے اس گاڑی کے متعلق پوچھ گچھ جاری ہے۔ اس کے علاوہ ایک مقامی پولیس کی پٹرول گاڑی نے بتایا ہے کہ ایک بڑی جیپ "عباس پور شہر" میں داخل ہوئی ہے، اس کے بعد وہ کہاں گئی اس پر کام چل رہا ہے۔" راجیو شکلا نے ساری تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"نہ جانے یہ غیر ملکی امیرزادے اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہیں۔ حرکتیں ان کی آوارہ کتوں جیسی ہیں۔ کہیں ٹک کر بیٹھتے نہیں ہیں اور جدھر منہ اٹھایا دفع ہو جاتے ہیں۔ مجھے مل گئے تو میں اپنے ہاتھوں سے ان کی جان لے لوں گا۔ صبح سے وزیراعظم نے درجنوں فون کر کے میری کلاس لے لی ہے جیسے ان کے اغوا میں میرا ہی ہاتھ ہے۔" ایڈوانی کا غصہ کم نہ ہوا تھا۔ وہ مسلسل غصے سے چیخ رہا تھا۔

"سر! عباس پور میں ہمارا مخبر ہے، اگر اس کو لالچ دی جائے تو وہ مجاہدین کے خفیہ ٹھکانے بتانے میں دیر نہیں لگائے گا۔" راجیو شکلا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"جتنی بھی رقم لگے لگا دو لیکن مجھے کیس آگے بڑھتا ہوا نظر آنا چاہیے۔ تمہیں مکمل فری چارج دے رہا ہوں۔ یہ کیس تم سنبھالو گے اور اگر اس میں کامیاب نہ رہے تو تم ڈسمس کر دیئے جاؤ گے۔" ایڈوانی نے فیصلہ سناتے ہوئے کہا اور راجیو شکلا نے ہاتھ جوڑ کر نمستے کیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

وہاں سے نکل کر وہ اپنے آفس پہنچا اور فون ملا کر فوراً ہیلی کاپٹر منگوا کر عباس پور جانے کا فیصلہ کیا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ اس کیس میں ناکام ہوتا ہے تو اس کی زندگی بھی داؤ پر لگ سکتی ہے اور اگر وہ کامیاب ہو جاتا ہے تو اس کی ترقی کو کوئی نہیں روک سکتا۔

یہ سوچتے ہوئے اس نے چھت پر بنے ہیلی پیڈ پر کھڑے ہیلی کاپٹر پر جانے کے لئے لفٹ استعمال کی اور چند منٹ کے بعد ہی وہ فضا میں عباس پور کی جانب اڑے چلے جا رہا تھا۔ اس کی ٹیم پہلے ہی وہاں کام کر رہی تھی۔ مقامی اور غیر مقامی سب لوگوں سے پوچھ گچھ کی جا رہی تھی۔ گھروں کی تلاشی بھی لی جا رہی تھی مگر ابھی تک کوئی کامیابی نہ ہوئی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد راجیو شکلا عباس پور لینڈ کر چکا تھا۔ اس نے آتے ہی آناً فاناً ایک مخبر شکیل پہاڑی کو طلب کیا جو انڈین آرمی کا خاص مخبر تھا۔ جلد ہی وہ آن پہنچا۔

"شکیل! اگر تم ایک لاکھ روپے ابھی وصول کرنا چاہتے ہو تو ابھی اسی وقت مجھے یہاں کے سارے خفیہ

اڈوں کا بتاؤ جو آتنک وادیوں کے ہو سکتے ہیں۔ پورا شہر چیک کرنا مشکل ہے مگر مجھے ہر صورت معلوم ہے کہ تم یہ کام کر سکتے ہو۔" راجیو شکلا نے شکیل کو اپنے سامنے بٹھاتے ہوئے کہا۔

"دیکھیں صاحب! میں غریب آدمی ہوں۔ مجھے یہ آتنک وادی جان سے مار ڈالیں گے، اگر میں نے منہ کھولا تو۔" شکیل نے مصنوعی اداکاری کرتے ہوئے کہا اور اسی دوران راجیو شکلا نے اپنی جیب سے ایک لاکھ کی گڈی نکالی اور شکیل کے سامنے لہرا دی۔ شکیل کی آنکھیں ایک لاکھ دیکھتے ہی چمک اٹھیں اور اس نے فوراً ہی ان کو جھپٹ لیا۔

"میں بتاتا ہوں صاحب! لیکن میرا نام نہ آئے۔ ورنہ یہ لوگ مجھے نہیں چھوڑیں گے۔" شکیل نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"اب بکو بھی۔ کیا تمہارا نام پہلے کبھی آؤٹ کیا ہے؟" راجیو نے غصے ہوتے ہوئے کہا۔

"صاحب! کل یہاں ایک گوریلا کمانڈر ابو حمزہ کو دیکھا گیا ہے۔ وہ دو دن سے یہاں موجود تھا۔ ویسے تو ان کے ٹھکانے بہت سارے ہیں لیکن ایک ٹھکانہ ایسا ہے جو بے حد خفیہ ہے لیکن میں جانتا ہوں کیونکہ میں اس گھر میں کام کر چکا ہوں۔ میں وہاں سبزیاں سپلائی کرتا تھا۔ وہاں ابو حمزہ اکثر آ کر رہتا ہے صاحب! یہ گھر شہر سے کچھ دیر ہٹ کر پرانی سبزی منڈی کے عقب میں واقع ہے۔ سرخ رنگ کی عمارت ہے اور گودام کے طور پر استعمال کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا۔" شکیل نے جواب دیا۔

"کالے رنگ کی بڑی جیپ کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو؟" راجیو نے ایک اور سوال پوچھا۔

"نہیں صاحب! ایسی کوئی گاڑی نہیں جس کو میں جانتا ہوں۔" شکیل نے جواب دیا۔

"ایک بات یاد رکھو! اگر تمہاری یہ بات جھوٹ نکلی تو میں تمہاری زبان گدی سے کھینچ لوں گا اور تمہیں کہیں جائے پناہ نہ ملے گی اب دفع ہو جاؤ!" راجیو نے کہا اور شکیل الٹے قدموں انتہائی تیزی سے لوٹ گیا۔

شکیل کی اطلاع پر جلد ہی دو گاڑیاں تیار کی گئیں جن میں متعدد کمانڈوز مسلح موجود تھے۔ شہر سے باہر پرانی سبزی منڈی کے قریب وہ گودام نما اس سرخ عمارت کی طرف بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ قریب پہنچ کر گھر کو چاروں طرف سے کمانڈوز نے گھیر لیا اور سب سے پہلے اندر دھواں چھوڑنے والے بم استعمال کیے گئے اور پھر گھر کا اکلوتا دروازہ توڑ کر کمانڈوز اندر داخل ہو گئے۔

پورچ میں ایک سیاہ رنگ کی جیپ موجود تھی۔ ابھی وہ جیپ کا معائنہ کر ہی رہے تھے کہ چھت کی جانب سے فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ سیڑھیوں میں ایک کمانڈوز زخمی حالت میں موجود تھا اور اوپر کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ چار کمانڈوز انتہائی احتیاط سے اوپر کی جانب چھڑے۔ اسی اثناء میں راجیو نے چیخ کر وائرلیس پر اعلان شروع کر دیا کہ اگر کوئی شخص ہے تو اسے زندہ پکڑنا ہے۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس پیغام کو سن پاتے ایک اور گولیوں کی بوچھاڑ آئی اور دو کمانڈو اوندھے منہ زمین کو آ پڑے اور باقی دو

کمانڈوز نے جگہ بدل کر اندھا دھند فائر کھول دیے اور ایک مجاہد جو اس عمارت میں موجود تھا شہید ہو چکا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد پوری عمارت کی تلاشی لی جا چکی تھی مگر یہاں سے کچھ نہ ملا تھا، سوائے اس جیپ کے جو خالی پڑی ان کا منہ چڑا رہی تھی۔ کچھ خون کے دھبے ضرور نظر آئے جو راجیو شکلا کی تیز نگاہوں سے چھپے نہ رہ سکے۔

ساتھ ہی سبزیوں کا اچھا خاصا گودام بھی موجود تھا اور ایک منی وین کے ٹائروں کے نشان بالکل تازہ معلوم ہو رہے تھے جو عمارت سے باہر جا کر ختم ہو جاتے تھے۔ راجیو شکلا کو بات سمجھنے میں زیادہ مشکل بالکل پیش نہ آئی وہ سمجھ گیا کہ اس جیپ میں اغوا شدگان کو لایا گیا اور پھر کسی منی وین میں ان کو منتقل کر کے کہیں اور لے جایا گیا ہے۔ اس کو اپنے یوں فیل ہونے پر شدید غصہ آ رہا تھا اور وہ جانتا تھا کہ ایڈوانی نے اس کا سر کھا جانا ہے۔ مگر اس کو رپورٹ دینی تھی چنانچہ وہ تھکے ماندے قدموں سے وائرلیس پر سب کو واپسی کے پیغام دینے لگا اور گاڑیاں اس عمارت سے واپس روانہ ہو گئیں۔

☆......☆......☆

جانباز کے سر پر ٹپکنے والا قطرہ ایک جان لیوا عذاب تھا۔ دوسرا دن تھا۔ اب جانباز کی ہمت جواب دے رہی تھی۔ وہ اسی حالت میں بندھا ہوا تھا۔ اس کے حلق میں کچھ پانی اور کچھ کھانا ڈال دیا گیا تھا۔ لیکن وہ مسلسل اسی حالت میں بندھا ہوا تھا۔ چھت پر لگا پانی کا بھاری کین تقریباً آدھا ہو چکا تھا۔ لیکن جانباز کی حالت انتہائی قابل رحم تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے زمانے بھر کی اینٹیں جمع کر کے کوئی اس کے سر پر مسلسل برسا رہا ہو۔ یہ خوفناک سزا اس کا حشر کر رہی تھی اور وہ بری طرح تڑپ رہا تھا۔ لیکن وہ بھاگ نہیں سکتا تھا اور نہ ہی دوڑ سکتا تھا۔ وہ بس چیخ رہا تھا اور اس کی چیخیں جیل کے در و دیوار ہلا رہیں تھیں۔ وہ پاگلوں کی طرح کبھی سر ایک طرف مار رہا تھا تو کبھی دوسری طرف۔ جانباز کو ایک پل کے لئے لگا کہ وہ ذہنی مفلوج ہو جائے گا لیکن اسے ہمت رکھنی تھی۔ اس نے کبھی بھی ہندو بنیا کے ظلم و جبر کے سامنے ہار نہیں مانی تھی تو آج کیسے مان لیتا؟

اس کی زبان پر کلمہ طیبہ کا ورد جاری تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کر کے اپنے ذہن کو مفلوج ہونے سے بچانے کی سعی کر رہا تھا۔ جیل انتظامیہ کی جھنجھلاہٹ بھی اب عروج پر تھی۔ انہوں نے اپنی تاریخ میں کبھی اس قدر سخت انسان نہیں دیکھا تھا جو دو دن تک اس سزا کو بھگت رہا ہو۔ ان کے لیے یہ حیرانی اور پریشانی کی بات تھی۔ لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ جانباز نے خود کو ایسے لمحے کے لئے سالوں پہلے تیار کر لیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ایک نہ ایک دن بہر حال اسے ایسی مصیبت اور آزمائش کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

☆......☆......☆

سبزیوں سے بھری وین چیک پوسٹ پر رک چکی تھی اور ابو حمزہ نے گاڑی سائیڈ پر لگا کر خود گاڑی سے نیچے اتر گیا تھا۔ اس نے اشارے سے اپنے دونوں ساتھیوں کو اشارہ کیا کہ وہ تیار رہیں کسی وقت بھی معاملہ خراب ہو سکتا ہے۔

"کہاں جا رہے ہو بھائی؟" ایک فوجی نے آگے

بڑھ کر پوچھا۔

''صاحب مزدور لوگ ہیں سبزیاں لے کر جا رہے ہیں۔ روزانہ آنا جانا لگا رہتا ہے۔'' ابوحمزہ نے منمناتے ہوئے کہا۔

''چیک کراؤ!'' فوجی نے ابوحمزہ سے کہا۔

''صاحب! چیکنگ کی کیا ضرورت؟ ہم تو روز آتے جاتے رہتے ہیں۔ ہم آپ کی سیوا کریں گے، جو آپ کہیں......'' ابوحمزہ نے آخری کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا گوبھی کے چند پھول دے دو! اور سرخ نوٹ دو اور جاؤ!'' فوجی نے مسکراتے ہوئے آنکھ مار کر اشارہ کیا۔

''جی صاحب ضرور! ہمیں آپ کی سیوا کر کے خوشی ہوگی۔'' یہ کہہ کر ابوحمزہ نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا جنہوں نے فوراً گوبھی کے کچھ پھول فوجی کے حوالے کیے اور ابوحمزہ نے جیب سے سو کا نوٹ حوالے کیا اور یوں یہ قافلہ خیر و عافیت سے آگے روانہ ہو گیا۔

ابوحمزہ نے اللہ کا لاکھ شکر ادا کیا اور اب ان کی منزل زیادہ دور نہ تھی۔ کاٹھی واڑ قریب آ رہا تھا، اس کے بعد ایک طرح سے اس مشن کا پہلا مرحلہ مکمل ہو جاتا۔

☆......☆......☆

☆ آگے کیا ہوگا؟ کیا سیاحوں کو بحفاظت رکھ کر مجاہدین کشمیر اپنی ڈیمانڈ بھارت سے منوا سکیں گے؟

☆ جانباز پر کیا جانے والا تشدد آخر کیا رنگ لائے گا؟ کیا جانباز برداشت کر سکے گا یا پھر گھٹنے ٹیک دے گا؟

☆ انڈیا کی حکومت کیا مجاہدین کی مانگیں مان لے گی؟

انتہائی خوفناک مشن اور سسپنس سے بھرپور سرگزشت پڑھنے کے لئے مزید کچھ انتظار اور۔

تب تک پڑھتے رہیے...... جانباز اور مسلمان بچے

☆......☆......☆

اگر روزی عقل سے حاصل کی جاتی
تو دنیا کے تمام بے وقوف بھوکے مر جاتے۔

(شیخ سعدیؒ)

برفیلے پہاڑ کی چوٹی پر اس وقت گوریلا کمانڈر ابوحمزہ تقریباً اپنے سات ساتھیوں کے ساتھ یہاں پچھلے دو ماہ سے ایک مشن کی خاطر موجود تھا۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا ویسے ہی حالات سخت سے سخت تر ہوتے جا رہے تھے۔ ابوحمزہ کو یقین ہو چلا تھا کہ ایک دو دن مزید میں ان شاء اللہ وہ اس مشن میں کامیاب ہو جائیں گے اور یہ خوفناک مشن اپنے انجام کو پہنچے گا۔ انتہائی سخت اور برفیلا پہاڑ جہاں کا درجہ حرارت مائنس پر رہتا تھا۔ ہر وقت برف گرتی رہتی تھی اور دھوپ انتہائی کم دکھائی دیتی تھی۔ اسی کے ساتھ تیز ہوا کے جھکڑ بھی مسلسل چلتے رہتے تھے۔ حقیقتاً یہ ایسا مقام تھا جہاں پر انسانی جسم زیادہ عرصہ نہیں رہ سکتا وہاں یہ سب لوگ ایک بڑے مقصد کی خاطر موجود تھے۔ لیکن آخر کب تک وہ ہمت، محنت اور اس سخت موسم کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ ان سات جانبازوں میں سے اکثر کو تیز بخار نے جکڑ لیا تھا لیکن وہ چٹان کی طرح اپنے مقصد کے لئے ڈٹے ہوئے تھے۔

اسی طرح وہ تین فارن قیدی جنہیں جانباز کے بدلے میں اغوا کیا گیا تھا تاکہ ان کے بدلے جانباز کو رہا کروایا جا سکے، ان تینوں (پیٹر، اینڈرسن اور تھامس) کی حالت بھی اب خاصی خراب ہو چکی تھی۔ وہ بسا اوقات اپنی

طبیعت سے عاجز آ کر ابو حمزہ سے یہ تک کہہ دیتے کہ پلیز انہیں مار ڈالا جائے، اب وہ مزید اس قید کو برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن مرتے کیا نہ کرتے انہیں بہرحال ہر صورت یہاں رہنا تھا۔ تینوں سارا دن ہاتھ اور پاؤں بندھے ایک چھوٹے سے خیمے میں پڑے رہتے۔ آنکھوں پر سیاہ پٹی ہوتی۔ صرف کھانے اور قضائے حاجت کے وقت ان کی آنکھیں کھولی جاتیں اور ہاتھ کھول دیئے جاتے۔ اسی وجہ سے اب ان کا صبر جواب دے رہا تھا۔ دونوں طرف سے سخت حالات چل رہے تھے، اسی لئے اب بھی یہی چاہتے تھے کہ کسی طرح اس پہاڑ سے اتر کر وادی میں چلا جائے اور یہ مشن اب اپنے منطقی انجام کو پہنچے۔

رات کا وقت تھا اور اس برفیلے پہاڑ پر ہوا کے تیز جھکڑ چل رہے تھے۔ تینوں دوستوں ایک ساتھ لیٹے ہوئے تھے۔ آنکھوں پر پٹی موجود تھی۔ لیکن وہ اردگرد کے ماحول سے اب قدرے مانوس ہو چکے تھے۔ انہیں معلوم ہو جاتا تھا کہ خیمے میں اب کوئی پہریدار موجود ہے یا نہیں۔

"تھامس! میں اب تنگ آ گیا ہوں یار! مجھ سے اب مزید برداشت نہیں ہو رہا۔ کیا ہم کچھ کر سکتے ہیں۔ یہاں سے بھاگ سکتے ہیں۔ میں نے سنا ہے ایک شخص اس نقاب پوش ابو حمزہ کو بتا رہا تھا کہ پہاڑ کے نیچے آرمی ہے۔ اگر ہم یہاں سے بھاگ سکیں تو با آسانی ہم وہاں پہنچ سکتے ہیں؟ کیا کہتے ہو؟" اینڈرسن نے انتہائی سنجیدگی بھرے لہجے میں تھامس کی طرف دیکھ کر آہستگی سے کہا۔

"کیا؟ کیا تم پاگل ہو گئے ہو۔ ہم یہ علاقہ نہیں جانتے۔ ہمارے ہاتھ بندھے ہیں، ہماری آنکھوں پر پٹی لگی ہوئی ہے۔ ہم کریں بھی تو کیا کر سکتے ہیں؟ اگر تم یہاں سے زندہ بچ کر نکلنا چاہتے ہو ایسی کوئی حماقت مت کرو! مجھے امید ہے یہ لوگ ہمیں ضرور چھوڑ دیں گے۔ یہ لوگ امانتدار ہیں۔ انہوں نے اب تک ہمیں کوئی تکلیف بھی نہیں دی۔ خود کم کھاتے ہیں اور ہمیں زیادہ کھلاتے ہیں۔ ہمارے ساتھ احترام سے بات کرتے ہیں۔ تو تم آخر کیوں انہیں اپنا دشمن بنانا چاہتے ہو؟" تھامس نے اینڈرسن کو جواب دیتے ہوئے بھاگنے کی تجویز بالکل مسترد کر دی۔

"میں بھی اینڈرسن کے ساتھ ہوں۔ آخر ہمیں کوئی چھوٹی سی کوشش تو کرنی ہی چاہیے۔ کیا معلوم یہ ہمیں کام ہو جانے پر مار ڈالیں کیونکہ ہم ان کے نام جانتے ہیں۔ ہم ان کو دیکھ چکے ہیں اور میں نے سنا ہے یہ لوگ اس معاملے میں انتہائی سخت ہوتے ہیں۔ یہ لوگ کسی کو نہیں چھوڑتے۔ آج یہ ہم سے نرم لہجے میں بات کرتے ہیں یہ بھی تب تک ہے جب تک ان کا کام نہیں ہو جاتا۔" پیٹر نے اینڈرسن کے بھاگنے کی تجویز پر اتفاق کرتے ہوئے اس گفتگو میں شامل ہوتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی...... اگر تم دونوں یہی چاہتے ہو تو میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ لیکن ہم یہ سب کریں گے کیسے؟ اس کے لئے بہت سوچ سمجھ اور ہوشیاری کی

ضرورت ہے اور ہمارے ہاتھ اور پاؤں ہر صورت کھلے ہونے چاہیں تاکہ ہم بھاگ سکیں اور آنکھوں کی پٹی بھی ہمیں ہٹانی پڑے گی؟ لیکن یہ سب کیسے ہوگا؟'' تھامس نے ہار مانتے ہوئے کہا۔

''دیکھو! ہمارے خیمے میں رات کے وقت سے صبح تک کوئی بھی نہیں رہتا۔ ہمیں اپنے ہاتھ کھولنے کے لئے کچھ اوزار یا ماچس یا کچھ نوکیلی چیز چاہیے۔ یہ چیزیں ہم دن میں واش روم کے لئے جاتے وقت حاصل کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کو استعمال ہم رات کو کریں گے اور کوشش کریں گے کہ رات کو ہی یہاں سے بھاگ نکلیں؟ کیا کہتے ہو؟'' اینڈرسن نے اپنی تئیں ایک فول پروف منصوبہ بتاتے ہوئے کہا۔

دونوں دوستوں نے اس میں مزید کچھ ردو بدل کیا اور یوں اگلے دن اس مشن کو سرانجام دینے کا فیصلہ کر لیا اور تینوں نے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر ایک دوسرے کو گڈ نائٹ بولا اور آنکھیں موند لیں۔ وہ بظاہر سونے کے لئے لیٹ گئے مگر ان تینوں کے دل اس تیزی سے دھڑک رہے تھے گویا ابھی اچھل کر باہر نکل آئیں گے۔

☆......☆......☆

دو جیپیں رات کے اندھیرے میں آناً فاناً آئی بی کے ایک خفیہ ٹھکانے پر نمودار ہوئیں اور انہوں نے ایک قیدی جو کہ خالد نام کا تھا، اسے وہاں سے ایک قسم کا اغوا کیا اور آندھی کی طرح واپس ہو گئے۔

راجیو شکلا (انڈین انٹیلی جنس آفیسر جو کہ کاٹھیاواڑ میں موجود تھا اور ابوحمزہ کی ٹیم کو تلاش کر کے مغویوں کو بازیاب کرانے کی کوشش کر رہا تھا) آج بہت خوش تھا کیونکہ اس نے ''آئی بی'' کے کیپٹن اجے پوار کے منہ سے شکار چھین لیا تھا۔ اس کے ایک مخبر نے اطلاع دی تھی کہ خالد جس پر یہ شک ہے کہ وہ ابوحمزہ کو خوراک وغیرہ سپلائی کر رہا ہے آئی بی کی حراست میں ہے اور وہ لوگ جلد ہی اس سے ابوحمزہ کا ٹھکانہ اگلوانے والے ہیں۔ یہ سنتے ہی اس کی شیطانیت چمک اٹھی کہ اگر کیپٹن اجے پوار اس میں کامیاب ہو گیا تو سارا کریڈٹ وہ لے جائے گا۔ یوں اس نے خالد کو زندہ یا مردہ لانے کا حکم جاری کیا اور صرف تیس منٹ کے بعد خالد زندہ حالت میں اس کے سامنے موجود تھا۔ اس کی حالت قابل رحم تھی کیونکہ اس پر غیر انسانی تشدد کے آثار نمایاں تھے۔

راجیو شکلا نے خالد کو فوراً ایک اور خفیہ سینٹر منتقل کرنے کا حکم جاری کیا کیونکہ اس کو ڈر تھا کہ جس طرح آئی بی والوں کے ساتھ اس نے کیا وہ بھی پلٹ کر یہی وار کر سکتے ہیں۔ چنانچہ دو جیپوں کا یہ قافلہ ایک اور منزل کی طرف چل پڑا۔ خالد سے کچھ اگلوانے کے لئے ایک انتہائی خفیہ گھر کا انتخاب کیا گیا۔ جلد ہی قافلہ اس گھر میں پہنچ گیا۔ خالد کو ایک خاص کمرے میں لے جایا گیا۔ وہاں لے جا کر خالد کو الٹا لٹکا دیا گیا اور اس پر ٹھنڈا پانی گرا کر اسے ہوش میں لایا گیا۔

''کیا تم نے آئی بی والوں کو کچھ بتایا؟ جلدی بتاؤ؟'' راجیو شکلا نے فوراً پوچھا۔

”اب تم کون لوگ ہو بھائی؟“ خالد نے سنبھلتے ہوئے کہا کیونکہ اس کے سامنے اب بالکل نئے چہرے اور نئی لوکیشن تھی۔

یہ کہتے ہی اس کے چہرے پر ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کردیا گیا۔

”سوال صرف ہم پوچھیں گے اور تم جواب دو گے۔“ راجیو شکلا نے غصے سے چیختے ہوئے کہا۔

”صاحب! میں ایک غریب آدمی ہوں۔ ظالموں نے میرے گھر والوں کو ماردیا۔ آپ مجھے بھلے لوگ لگتے ہیں۔ میں نے ان کو کچھ نہیں بتایا کیونکہ میں کچھ بھی نہیں جانتا صاحب!“ خالد نے گھگیائے ہوئے لہجے میں ایک اور کوشش کرتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی راجیو شکلا کی تعریف بھی کردی کہ شاید اس کا دل پگھل جائے لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کا سامنا درندوں سے ہے نہ کہ کسی رحم دل لوگوں سے۔

”یار! یہ شخص مکاری کررہا ہے، اب میرا صبر ختم ہورہا ہے، اب یہ شخص فرفر بولے گا۔ اسے پاس لاؤ جلدی“ راجیو نے غصے سے چیختے ہوئے کہا۔

اس کے ساتھی نے اسے پلاس لا دیا۔ اس نے خالد کے ہاتھ کو ایک مشین نما شکنجے میں کس دیا اور پھر اس نے انتہائی درندگی سے انگوٹھے کا ناخن پلاس میں جکڑا اور اس زور سے کھینچا کہ خالد کی چیخیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں اور کچھ زور لگانے کے بعد انگوٹھے کا ناخن اب اپنی جگہ سے اکھڑ چکا تھا۔ انگوٹھے سے خون نکلنے لگا تھا۔ خالد کچھ دیر چلانے کے بعد بے ہوش ہو چکا تھا۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں تھا۔ اس نے اپنے ساتھی کو پلاس دیتے ہوئے کہا کہ وہ اسے ہوش میں لا کر اس کے سارے ناخن اتار دے اور پھر اس کے بعد داڑھی نوچ ڈالے اور پھر ایک ایک بوٹی الگ کردے جب تک یہ نہیں بولتا۔ یہ کہہ کر وہ الگ کمرے میں چلا گیا۔

اس کا چہرہ غصے سے لال ہو رہا تھا، اسے جلد از جلد کوئی رپورٹ چاہیے تھی کیوں کہ حکومت نے ان کو صبح آٹھ بجے تک کا ٹائم دیا تھا۔ اگر صبح تک مغوی بازیاب نہ ہوئے تو مجبوراً جانباز کو رہا کرنے کا اعلان کردیا گیا تھا۔ اب یہ چند گھنٹے انتہائی اہم تھے۔ اگر راجیو شکلا یا آئی بی کا چیف اس مشن میں کامیاب نہیں ہوتے تو پھر ان کا کورٹ مارشل کردیا جائے گا۔ یہ ڈر تھا جس کی وجہ سے راجیو پاگل درندہ بن چکا تھا۔

☆......☆......☆

”مسٹر مائیکل! کل صبح تک ہم جانباز کو رہا کردیں گے اور آپ کے افراد بھی ساتھ ہی وہ لوگ رہا کردیں گے لیکن اس سے پہلے ہماری فورسز ایک لاسٹ ٹرائی کررہے ہیں۔ آپ بالکل بے فکر رہیں۔“ ایڈوانی نے مسٹر مائیکل کو ایک گڈ نیوز دی تا کہ وہ ریلیکس رہیں اور امریکی سرکار مزید انڈیا پر دباؤ نہ ڈالے۔

وہ بظاہر مطمئن لگ رہا تھا مگر اندر سے انتہائی پریشان تھا۔ یہ ایک کٹر ہندو تھا جو اینٹی مسلم تھا وہ کسی صورت نہیں چاہتا تھا کہ جانباز کو رہا کیا جائے۔ وہ ادنی سے مسلمان کو

بھی زندہ رہنے کا حق نہیں دیتا تھا پھر کہاں جانباز جو کئی ہندوؤں کا قاتل تھا۔

اس نے کچھ دیر سوچا اور پھر فون اٹھا کر ایک نمبر ڈائل کیا:

"یس سر! حکم سر!" آگے سے اس کے پی اے نے فون اٹھایا۔

"میری جلد از جلد کاٹھیاواڑ میں موجود کیپٹن راجیو شکلا سے بات کرواؤ!" ایڈوانی نے فوراً کہا۔

"یس سر! میں ابھی انہیں ٹریس کر کے بات کرواتا ہوں۔" یہ سن کر ایڈوانی نے فون بند کر دیا۔

کچھ دیر بعد فون کی گھنٹی بجی تو اس نے لپک کر فون اٹھا لیا اور اس کے پی اے نے بتایا کہ راجیو شکلا لائن پر ہے۔

"ہیلو! کیپٹن راجیو! میں ایڈوانی بات کر رہا ہوں۔" ایڈوانی نے باوقار لہجے میں بات کرتے ہوئے کہا۔

"یس سر! حکم سر!" کیپٹن نے مؤدبانہ لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

"مشن رپورٹ کیا ہے؟" ایڈوانی نے پوچھا۔

جواب میں کیپٹن نے خالد کو پکڑنے کا کارنامہ اپنا بنا کر بتاتے ہوئے اب اس سے راز اگلوانے کی کوشش اور پھر امید بھی ظاہر کی کہ ہم جلد مشن کی کامیابی تک پہنچ جائیں گے۔

"کیپٹن تمہاری کارکردگی اچھی ہے مگر ابھی تک ہم اندھیرے میں تیر چلا رہے ہیں۔ یاد رہے تمہارے پاس صبح سات بجے تک کا وقت ہے اس کے بعد آٹھ بجے تک جانباز کو مغویوں کے بدلے رہا کر دیا جائے گا اور اگر ایسا ہو گیا تو تم کورٹ مارشل کے لئے تیار رہنا۔" آخر میں ایڈوانی کا لہجہ مزید سرد ہو گیا۔

"یس سر! آپ بے فکر رہیں سر! ایسا نہیں ہوگا۔ ہم مشن کے انتہائی قریب ہیں۔" راجیو نے گھبرائے ہوئے لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا اور یس سر سنتے ہی ایڈوانی نے آگے سے فون رکھ دیا۔

اس کے بعد اس نے یکے بعد دیگرے تمام فورسز کو کال کی اور سب کو ایک آخری وارننگ دے کر مشن مکمل کرنے کا عندیہ دیا۔ جنٹ سینک طیارہ اور گن شپ ہیلی کاپٹر کی سرچنگ اس نے ساری رات جاری رکھنے کی ہدایت کر دی۔

اس کے چہرے پر شدید پریشانی کے اثرات اب نمایاں ہو رہے تھے۔ یہ اس ہندو کی موت تھی اگر جانباز رہا ہو جائے تو۔ جانباز کی رہائی کا سوچتے ہی اس پر شدید غصے کے اثرات نمایاں ہوئے اور اس نے اس زور سے اپنے ہونٹ چبائے کہ اس کو اپنے منہ میں خون کا ذائقہ محسوس ہوا۔

☆......☆......☆

کمرے کا دروازہ ایک دھماکے سے کھلا اور راجیو اندر داخل ہوا جہاں خالد الٹا لٹکا ہوا تھا۔ اس کی چار انگلیوں کے ناخن الگ ہو چکے تھے مگر خالد نے کچھ بھی بتانے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کے انکار کو سنتے ہی راجیو کی

رگ بھڑک اٹھی اور اس نے ہولسٹر سے پستول نکال کر خالد کو آخری وارننگ دی مگر خالد نے کوئی جواب نہ دیا اور اس کی خاموشی کو دیکھتے ہوئے راجیو نے پستول چھوڑ کر اس پر لاتوں اور مکوں کی بارش کردی۔ خالد کی چیخیں تھیں کہ آسمان کو چھو رہی تھیں۔ مگر وہ صرف "اللہ، اللہ" پکار رہا تھا۔ خالد کے ذہن میں بس یہ بات تھی کہ اس کی جان اگر جاتی ہے اور جانباز رہا ہو جاتا ہے تو اس کی قربانی بہت چھوٹی قیمت ہے۔ بس یہی سوچ کر وہ یہ انسانیت سوز تشدد برداشت کررہا تھا۔

راجیو نے ایک نیا شیطانی حکم دیا کہ پانی شدید گرم کر کے لایا جائے۔ کچھ ہی دیر بعد پانی کا ایک بڑا ٹب لایا گیا جو ابل رہا تھا۔ راجیو نے شیطانی مسکراہٹ سجا کر ایک جگ میں پانی لے کر خالد کے پاؤں پر ہلکا سا ڈالا اور آناً فاناً وہاں آبلے پڑ گئے اور خالد اس شدید اذیت میں کانپنے لگا۔

"آخر کیوں ہمیں کچھ نہیں بتا رہے؟ تم کیوں اپنی جان کے درپے ہو؟" راجیو نے حیران ہوتے ہوئے کہا کیونکہ اس نے اپنی ساری سروس کے دوران اس قدر سخت جان شخص نہیں دیکھا تھا جو اس قدر اذیت برداشت کرنے کے بعد بھی خاموش تھا۔

"تم کبھی نہیں جان پاؤ گے ہندو بزدل...... یہ ایمان کی طاقت ہے۔ یہ کلمہ کی طاقت ہے۔ یہ جذبۂ جہاد ہے۔ تم میرے جسم کی بوٹی بوٹی کر دو میں پھر بھی نہیں بتاؤں گا۔" خالد نے مضبوط لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

یہ دیکھ کر راجیو پہلی بار شدید پریشان ہو گیا۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیسے اس شخص سے سچ اگلوائے۔ اس نے تشدد کا ہر حربہ آزما لیا تھا مگر یہ شخص ٹس سے مس نہیں ہو رہا تھا۔

اس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا کہ اس کا خیال رکھیں اور اس نے تھوڑی دیر کے لئے خالد کو ریسٹ دینے کا فیصلہ کیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا کہ خالد کو اتار کر سیدھا کرو اور اسے کھانے کے لئے کچھ دو!

یہ حکم دے کر وہ اپنے کمرے میں آگیا اور کچھ سوچنے لگا

اس نے کمرے میں موجود واحد کھڑکی سے باہر دیکھا تو رات کا اندھیرا جا رہا تھا اور صبح کی سفیدی آہستہ آہستہ نمودار ہو رہی تھی اور اس کا دل مزید زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

خیمے کا پردہ ہٹا اور ایک مجاہد نقاب پوش اندر داخل ہوا۔ تینوں (پیٹر، اینڈرسن، تھامس) ویسے ہی جاگ رہے تھے کیونکہ یہ دن ان کے ایکشن کا دن تھا۔ اسی سوچ اور پلان نے انہیں سونے نہ دیا۔ نقاب پوش نے پیٹر کو جو سب سے پہلے لیٹا ہوا تھا اٹھایا۔ تو پیٹر آنکھ ملتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔ اس نے ایسا ظاہر کیا جیسے وہ ایک طویل نیند سے جاگا ہے۔ نقاب پوش نے اس کے ہاتھ کھولے اور آنکھ سے پٹی ہٹا دی اور اسے سہارا دے کر کھڑا کیا اور پاؤں بھی آزاد کر دیا اور ہاتھ کا سہارا دے کر اسے حاجت کے لئے

خیمے سے باہر لے آیا۔ پیٹر نے پلان پر عمل شروع کر دیا۔ اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی ابھی بھی صبح ہونے میں کچھ وقت تھا اور ہلکا ہلکا اندھیرا ابھی باقی تھا مگر پھر بھی کافی حد تک آس پاس کا منظر صاف تھا۔

اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی مگر اس کو کچھ ایسی چیز دکھائی نہ دی جسے وہ اٹھا کر اور نقاب پوش کی نظر بچا کر اسے استعمال میں لا سکے۔ جلد ہی وہ جگہ آ گئی جہاں پیٹر نے ہاتھ منہ دھوئے اور اسی طرح نقاب پوش کے آگے چلتے ہوئے واپس آ گیا۔ اس کے بعد اینڈرسن کے ساتھ بھی یہی ہوا، اس نے بھی بھرپور نگاہ دوڑائی لیکن کوئی ایسی چیز نہ ملی جس کو وہ اپنی مدد کے لئے اٹھا سکے۔ کچھ دیر بعد وہ بھی اسی طرح واپس خیمہ میں واپس آ گیا۔

اس کے بعد باری تھامس کی تھی، اس کے بھی ہاتھ پاؤں اور آنکھیں کھول کر نقاب پوش نے اس کے قدم آگے بڑھا دیے۔ جلد ہی تھامس بھی واپس آ گیا۔ دونوں نے تھامس کو بھی یونہی ہی واپس آتا دیکھ کر انتہائی مایوسی کا اظہار کیا کہ اب آخری امید بھی ختم ہو چکی۔ نقاب پوش نے ان کے ہاتھ باندھ دیے مگر آنکھیں اور پاؤں کھلے رکھے کیونکہ کچھ دیر بعد کھانا آنے والا تھا اور روز ایسا ہی ہوتا تھا۔ نقاب پوش کے جانے کے بعد تھامس نے اچانک پیٹر کے کان میں کہا کہ اسے کچھ ملا ہے۔ پیٹر نے اینڈرسن کو بتایا کہ تھامس کو کچھ ملا ہے۔

تھامس نے پیٹر کی طرف اپنی پیٹھ کی جس طرف پیٹر کے بندھے ہوئے ہاتھ تھے۔ پیٹر نے تھامس کی جیب میں ہاتھ ڈالا تو دونوں کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں کیونکہ پیٹر کے ہاتھ میں ایک لائیٹر تھا۔ تھامس نے آہستگی سے بتایا کہ واش روم جو کہ عارضی طور پر بنایا گیا وہاں ایک فرن لٹکا ہوا تھا اس کی جیبیں چیک کرنے پر اسے یہ لائیٹر ملا ہے۔

اس وقت خیمے میں کوئی نقاب پوش موجود نہیں تھا۔ تینوں نے اپنے پلان پر اسی وقت عمل کرنے کا سوچا، چنانچہ پیٹر نے بندھے ہاتھوں سے لائیٹر جلا کر سب سے پہلے تھامس کے ہاتھ پر بندھی رسی کو جلانے کی کوشش کی۔ اس کوشش میں تھامس کے ہاتھ جلے تو سہی مگر انہیں اطمینان ہوا کہ رسی ڈھیلی ہوئی اور بالآخر ٹوٹ گئی اور تھامس کے ہاتھ آزاد ہو گئے۔ اس کے بعد تھامس نے پیٹر اور پھر اینڈرسن کی رسی ہاتھ سے کھول دی۔ اب یہ تینوں رسیوں سے مکمل آزاد تھے اور اب اپنے اگلے پلان پر عمل درآمد کے لئے تیار۔

ابھی وہ سوچ ہی رہے تھے کہ آگے کیا کریں؟ اچانک خیمے کا پردہ ہٹا اور وہی نقاب پوش اندر داخل ہوا جو انہیں حاجت کے لئے لے گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ڈش تھی شاید اس میں ان کا کھانا تھا۔ مگر وہ اندر کا منظر دیکھ کر ایک لمحے کے لئے اپنی جگہ پر ساکت ہو گیا۔

اس سے پہلے کہ وہ اس شاک سے باہر نکلتا اینڈرسن اور تھامس اس پر کود چکے تھے۔ ایک نے اس کے منہ اور ناک پر ہاتھ رکھا اور دوسرے نے اس کو دبوچ لیا کہ وہ بھاگ نہ سکے۔ اینڈرسن کی پکڑ انتہائی مضبوط تھی۔ نقاب

پوش کچھ دیر کے لئے تڑپا اور پھر سانس نہ آنے کی بناء پر وہ ساکت ہو کر بے ہوش ہو چکا تھا۔

دونوں نے ایک ٹھنڈا سانس لیا کہ اب تک سب صحیح جا رہا ہے۔ اب پیٹر نے نقاب پوش کے فرن سے ایک کلاشنکوف اور دو گرنیڈ بھی برآمد کر لئے تھے۔ نقاب پوش پوری طرح اسلحہ سے لیس تھا مگر اس کو اسلحہ استعمال کرنے کا موقع ہی نہیں ملا کیونکہ اندر کا منظر انتہائی حیران کن تھا۔

☆......☆......☆

دہلی کی تہاڑ جیل میں صبح کی پو پھٹتے ہی کافی گہما گہمی شروع ہو گئی تھی۔ فوجی ہیلی کاپٹر پر چند افسران اتر چکے تھے۔ انہوں نے آتے ہی احکامات دیے کہ جانباز کو نہلا دہلا کر صاف کپڑے پہنا دیے جائیں اور اسے قدرے اچھے سیل میں رکھا جائے۔

جانباز کو جب بتایا گیا کہ اس کے ساتھ یہ اچھا سلوک اس لئے کیا جا رہا ہے کہ اسے رہا کر دیا جائے گا۔ یہ سن کر جانباز کو پہلے پہل تو یقین نہ آیا مگر جلد ہی اسے یقین کرنا پڑا۔ جب واقعی اسے صاف ستھرا سوٹ پہننے اور نہانے کے لئے ایک اچھی جگہ میسر آ گئی۔

جانباز سمجھ گیا کہ منزل قریب آ گئی ہے۔ جلد ہی اسے ایک کمرے میں جس میں رہائش کا سارا سامان موجود تھا منتقل کر دیا۔ جانباز نے سجدہ شکر ادا کیا اور پھر لمبی دعا کی کہ مجاہدین کو اللہ جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے اس کی رہائی کے لئے اپنی جانیں تک داؤ پر لگا دیں۔

اب صبح کے ۶ بج چکے تھے۔ جانباز کو بتایا گیا کہ ایک گھنٹے کے اندر اسے فوجی ہیلی کاپٹر میں لے جایا جائے گا۔

یہ سن کر جانباز کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو نکلنا شروع ہو گئے۔ وہ اپنے رب کی اس مہربانی پر شکر کر رہا تھا اور سجدہ ریز تھا۔

☆......☆......☆

آخر کار جانباز رہائی کے قریب پہنچ گیا......

کیا وہ واقعی ہندو بنیے کے سامنے یوں رہا ہو جائے گا؟......

کیا ہندو بنیا اپنی اس شکست عظیم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ پائے گا......

کاٹھیاواڑ کے اس برفیلے پہاڑ پر کیا ہونے جا رہا ہے؟

کیا مجاہدین کا یہ مشن فیل ہو جائے گا

یا

پھر وہ ہو گا جس کا کسی نے سوچا بھی نہیں ہو گا؟

پڑھتے رہیے..................مسلمان بچے

☆......☆......☆

تینوں مغوی (پیٹر، اینڈرسن اور تھامس) جو کہ اب مغوی نہیں رہے تھے بلکہ تقریباً رہا ہو چکے تھے۔ خیمے کے اندر وہ اب پلان بنا رہے تھے، ان کے پاس ایک کلاشنکوف اور دو گرنیڈ تھے۔ اب چاہتے تو وہ اندھا دھند فائرنگ کرتے ہوئے باہر جا سکتے تھے اور ایک افراتفری کی کیفیت پیدا کر سکتے تھے لیکن انہوں نے آپس میں مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ چونکہ ہم نہیں جانتے باہر کی صورتحال کیا ہے اور کتنے لوگ پہرے پر ہیں اور کتنے لوگ کس پوزیشن میں ہیں لہٰذا ہم چپکے سے باہر نکلتے ہیں۔

پیٹر نے ایک گرنیڈ تھامس کو دیا اور دوسرا گرنیڈ اینڈرسن کو دیا اور خود اپنے ہاتھ میں کلاشنکوف رکھی اور اسے لوڈ کر لیا تاکہ کسی سے بھی سامنے ہو تو وہ نہتے نہ ہوں۔

پہاڑوں کی صبح بڑی صاف شفاف تھی۔ اجالا بہت حد تک پھیل چکا تھا۔ سب سے پہلے پیٹر باہر نکلا اور اس نے صرف چہرہ باہر نکال کر ادھر ادھر نگاہ ڈالی، اسے اپنے آس پاس کوئی ہلچل محسوس نہ ہوئی۔ یوں پیٹر فوراً باہر نکلا اور اس کے بعد دونوں دوست بھی باہر نکل آئے۔ وہ ڈرے سہمے اور انتہائی پریشان حال میں لگ رہے تھے کیونکہ ان کے لئے یہ ایک جان جوکھم بھرا کام تھا۔ انہوں نے باہر نکل کر دیکھا کہ تا حد نگاہ بلند و بالا درخت ہی درخت نظر آ رہے تھے جو برف سے بری طرح ڈھکے ہوئے تھے۔

آہستہ آہستہ وہ ڈھلوان اترنے لگے۔ انہیں اب تک کوئی مجاہد نظر نہیں آرہا تھا کوئی پہریدار بھی نظر نہیں آیا، وہ تینوں بڑے چاک و چوبند نظر آرہے تھے اور چاروں طرف نگاہیں مسلسل دوڑا رہے تھے۔

پہاڑ انتہائی دشوار تھا۔ ساتھ ہی بہت تیز ہوا بھی چل رہی تھی اور ان تینوں کو کبھی بھی پہاڑ چڑھنے کا تجربہ نہ رہا تھا۔

راستہ انتہائی تنگ تھا اور باقی تینوں اطراف میں بہت گہری کھائیاں تھیں۔ تینوں پھونک پھونک کر قدم بھی رکھ رہے تھے اور چاروں اطراف میں دیکھ بھی رہے تھے۔ اچانک تھامس کا پاؤں پھسلا اور اس کے منہ سے گرتے ہوئے بڑی کربناک چیخ بلند ہوئی۔ انتہائی خاموش جنگل میں آواز دور دور تک گونج گئی۔ اگرچہ وہ کھائی میں گرنے سے بچ گیا تھا مگر لڑکھڑاتا ہوا کافی دور نکل گیا تھا۔ اسے کافی چوٹیں آئی تھیں۔ دونوں دوڑتے ہوئے تھامس کے پاس پہنچے۔ اچانک پیٹر کی نظر اپنی طرف آتے دو مجاہدوں کی طرف پڑی جو بڑی تیزی سے ان کی طرف آرہے تھے۔ لیکن ابھی وہ دور تھے۔ پیٹر نے تھامس کو اٹھنے کا اشارہ کیا مگر شاید اس کی ٹانگ میں فریکچر آگیا تھا، جس کی وجہ سے وہ کھڑا نہیں ہو پا رہا تھا۔ مجبوراً پیٹر نے گن سیدھی کی اور اندھا دھند فائرنگ کر دی۔ اس کا نشانہ بہت خراب تھا ظاہر ہے کہ وہ پہلی بار کلاشنکوف چلا رہا تھا۔ ان دو مجاہدوں کو تو کچھ نہ ہوا مگر فائرنگ کی آواز نے سب مجاہدین کو چونکا دیا سب کے سب مقررہ جگہ پر پہنچنے لگے۔ پیٹر مسلسل فائرنگ کرتے ہوئے چیخ بھی رہا تھا۔

جب اینڈرسن نے اپنی طرف آتے کچھ اور مجاہدین کو بھی دیکھا تو گرنیڈ کی پن نکالی اور پوری طاقت سے وہ گرنیڈ ان کی طرف اچھال دیا۔ ایک زوردار دھماکہ ہوا اور مجاہدین نے وہیں رک کر پوزیشنیں سنبھال لیں۔ کچھ کو گرنیڈ سے نقصان بھی پہنچا لیکن اس کا فائدہ یہ ہوا کہ وہ لوگ وہیں رک گئے۔

تھامس چیخ رہا تھا کہ مجھے اٹھاؤ اور یہاں سے بھاگو! یا پھر ہتھیار پھینک دو اب کوئی اور چارہ نہیں لیکن پیٹر کسی صورت ہار ماننے کو تیار نہیں تھا۔ چنانچہ ایک طرف سے اینڈرسن اور دوسری طرف سے پیٹر نے زخمی تھامس کو پکڑا اور تینوں بڑی تیزی سے ڈھلوان اترنے لگے۔

☆......☆......☆

اچانک فائرنگ کی آواز آئی تو ابوحمزہ بری طرح اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔ اس نے مخابرے پر کوڈ ورڈ میں فوراً اپنے ساتھیوں کو اس جگہ پہنچنے کا حکم دیا۔ تھوڑی دیر بعد صورتحال واضح ہو چکی تھی۔ مغوی جواب آزاد ہو چکے تھے، ہتھیار کے ساتھ لیس تھے اور بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے۔

مخابرے پر ابوحمزہ نے صورتحال کا اندازہ لگایا اور اپنے ساتھیوں کو فوراً حکم دیا کہ وہ ان پر گولی نہیں چلائیں گے۔ وہ جانتا تھا کہ مشن کی اس قدر تکمیل پر وہ بازی ہارنا نہیں چاہتا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ بھی اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ لیکن ابھی وہ کافی دور تھا کہ اس نے گرنیڈ پھٹتے دیکھا اور فوراً اوٹ لے لی۔ اس کا ایک ساتھی جو کچھ آگے تھا وہ ہٹ ہو چکا تھا۔ وہ زخمی ہو چکا تھا۔ اب

ابوحمزہ کو غصہ آ رہا تھا مگر اس نے خود پر تحمل پر کیا مخابرے پر حکم دیا کہ وہ اب بھی انہیں زندہ پکڑنے کی کوشش کریں۔

چنانچہ دو مجاہدین نے اونچی آواز میں ان کو وارننگ دی کہ اگر وہ نہ رکے تو ان پر گولیاں برسا دی جائیں گی۔ لیکن مغوی کسی صورت رک نہیں رہے تھے۔ چنانچہ ابوحمزہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان کا پیچھا کر رہا تھا۔ اسے اب فیصلہ کرنا تھا کہ انہیں گولی مار کر مشن فیل کر دے یا کیا کرے؟

اچانک اس نے دیکھا کہ پیٹر نے گن پھینک دی اور اپنے ہاتھ سر کے پیچھے کر لیے اس کے دونوں دوستوں نے بھی گرنیڈ پھینک کر ایسا ہی کیا۔ دو مجاہد جوان سے زیادہ دور نہیں تھے، وہ آہستگی سے ان کے پاس پہنچے اور انہیں گن پوائنٹ پر رکھ لیا اور ان کے ہتھیار اپنے قبضے میں کر لیے۔ اب یہ تینوں پوری طرح ابوحمزہ کے کنٹرول میں تھے۔ کچھ دیر بعد ہی ابوحمزہ بھی ان کے قریب پہنچ گیا اور اس نے آتے ہی پیٹر کو ایک زوردار تھپڑ جڑ دیا اور پھر ان تینوں کو رسیوں سے باندھ دیا گیا۔

☆......☆......☆

راجیو شکلا اپنے آفس بیٹھا ہوا تھا۔ صبح کے آٹھ بجنے والے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اس مشن میں بری طرح فیل ہو چکا ہے۔ اب کورٹ مارشل سے کوئی اسے نہیں بچا سکتا۔ خالد سے وہ کچھ نہیں اگلوا سکا تھا۔ خالد نے کہہ دیا تھا کہ وہ اسے گولی مار دے لیکن وہ نہیں بتائے گا۔ چنانچہ راجیو شکلا نے غصے میں آ کر اسے چاقوؤں کے وار سے اس قدر تشدد کیا کہ زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے وہ شہید ہو چکا تھا۔ خالد اس کا آخری مہرہ تھا، اب کیا ہو سکتا تھا۔ وہ ایسی شکست سے قریب تھا جو اس نے خواب میں بھی کبھی نہیں سوچی تھی۔

ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ فون کی تیز گھنٹی بجی۔ اس نے بددلی سے فون اٹھایا تو آگے سے چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

”سر سر!! اوپر پہاڑ پر زبردست دھماکوں کی آواز سنی گئی ہے سر! ہم نے خود سنی ہے سر!“ فون پر وہ شخص بری طرح بوکھلایا ہوا تھا۔

”کیا تم نشہ میں تو نہیں ہو؟ کوئی لینڈ سلائیڈنگ ہوئی ہوگی۔ اس کے دھماکے ہوں گے۔“ راجیو شکلا نے فوراً کہا۔

”نہیں سر! یہ کسی بارود کے پھٹنے کی آواز تھی اور بے حد صاف سنائی دی گئی ہے سر! آپ نے ہماری ڈیوٹی قریبی پہاڑی پر لگائی تھی سر! اور ہم نے دوربین سے اچھی طرح چیک کیا ہے۔ ایک جگہ سے کچھ دھواں بھی اٹھ رہا ہے۔ وہاں کچھ نہ کچھ تو ہے سر!“ بولنے والا انتہائی پر اعتماد تھا۔

”ٹھیک ہے تم وہیں رکو! میں گن شپ ہیلی کاپٹرز پر خود وہاں کا جائزہ لیتا ہوں تم ایئر کمانڈ کو پوزیشن بتا کر فضائی نگرانی کے لئے تعینات کرو! میں بھی پہنچ رہا ہوں۔“

راجیو شکلا مایوس تو تھا لیکن آخری بار وہ ہاتھ پاؤں مارنا چاہ رہا تھا کہ شاید کورٹ مارشل سے بچ جائے۔

راجیو شکلا اور اس کے درجن بھر کمانڈوز جلد ہی دو ہیلی کاپٹروں میں پہاڑوں کی طرف اڑان بھر رہے تھے۔ ہوا خاصی تیز تھی لیکن ہیلی کاپٹر جنگی قسم کے تھے، اس لئے

خطرے کی کوئی خاص بات نہیں تھی۔ پائلٹ کو اس شخص نے پہاڑ کی جگہ کی لوکیشن خوب اچھی طرح سمجھا دی تھی، جہاں اس نے دھواں دیکھا تھا۔ راجیو شکلا مسلسل اپنی آنکھ سے طاقتور دوربین لگائے اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا۔ کمانڈوز اپنی مشین گنوں کے ساتھ مکمل تیار تھے۔ کچھ ہی دیر بعد وہ جگہ آنے والی تھی جہاں سے دھواں اٹھتا، اس کے ایک فوجی نے دیکھا تھا۔

☆......☆......☆

زندگی کبھی کبھی عجیب معجزات بھی دکھاتی ہے۔ تنگ و تاریک کوٹھڑیوں اور ہیبت ناک سلاخوں کے پیچھے رہتے ہوئے انسان کا ذہن یہ سوچنا چھوڑ دیتا ہے کہ اب کبھی وہ آزاد فضاؤں میں سانس بھی لے پائے گا؟ بسا اوقات اسے درد کی اس کیفیت سے دوچار کر دیا جاتا ہے کہ وہ راحت اور لطف نام کی کسی بھی چیز سے نا آشنا ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات اسے لگتا ہے بس اب ان کال کوٹھڑیوں سے اس کا مردہ جسم تو باہر نکل سکتا ہے مگر زندہ جسم یہاں سے اب باہر کی دنیا میں نہیں جا سکتا۔

یہی کیفیت جانباز کی تھی مگر وہ ایک سچا، پکا مسلمان تھا۔ اسے دنیا میں کسی بھی چیز سے زیادہ، کسی بھی طاقت سے زیادہ، کسی بھی پریشان کن حالات سے زیادہ اپنے رب پر قطعی بھروسہ ہوتا ہے کہ وہ رب جس نے اسے ان کال کوٹھڑیوں میں لا کھڑا کیا ہے، وہی رب اس کی آزادی کا بھی پروانہ جاری کر سکتا ہے، اگر مشیت ایزدی یہی ہے تو۔

جانباز کے لئے وہ دن بڑا ہی خوشگوار تھا، وہ ہندو بنیے کے جھکے چہرے دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ اسے اپنی رہائی سے زیادہ اس بات کی خوشی تھی کہ اس نے اپنی زندگی میں ہندو بنیے کی ایک اور عبرتناک شکست دیکھ لی۔ ان کا دل آمادہ نہیں تھا، ان کی روح بے چین ہو رہی تھی، ان کے چہرے سیاہ پڑ چکے تھے مگر وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

جانباز کو جیل سے خارج کرنے کی آخری دستاویز پر سائن ہوئے۔ اس کے ہاتھ کھول دیے گئے لیکن چہرے پر سیاہ رنگ کا کپڑا چڑھا دیا گیا۔ اس کے پاؤں سے بیڑیاں بھی ہٹا دی گئیں۔ دو فوجیوں نے اسے اپنے بازوؤں میں جکڑا اور اسے ہیلی پیڈ پر لے آئے جہاں ایک فوجی ہیلی کاپٹر اسے تہاڑ جیل سے دور لے جانے آیا تھا۔ جانباز کو ہیلی کاپٹر میں بٹھا دیا گیا۔ پنکھوں نے حرکت کی، ہیلی کاپٹر نے اڑان بھری اور لمحے بھر میں وہ جیل حکام کی اداس آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

ہیلی کاپٹر ایک بڑی عمارت کی چھت پر اتر آیا۔ یہاں سے دو گاڑیوں کی صورت میں یہ قافلہ اب لداخ جو کہ کشمیر میں تھا روانہ ہونا تھا کیوں کہ مغوی حضرات کو وہیں لداخ میں سپرد کیا جانا تھا اور جانباز کو بھی وہیں رہا کر دیا جانا تھا۔ ہیلی کاپٹر سے جلد ہی اسے گاڑی میں منتقل کر دیا گیا۔ اس کے چہرے پر ویسے ہی کپڑا تھا جیسا جیل سے نکلتے وقت ڈالا گیا تھا۔ لیکن ہاتھ پاؤں بہرحال کھلے ہوئے تھے۔ جانباز مسلسل تسبیح اور رب کی حمد و ثناء کر رہا تھا۔ قافلہ بڑی تیزی سے روانہ ہوا اور اب منزل آہستہ آہستہ قریب آ رہی تھی۔ دہلی کی تہاڑ جیل بہت پیچھے رہ گئی تھی اور جانباز اب اپنے پاک وطن کشمیر میں داخل ہونے

والا تھا۔ انڈیا کی عبرتناک شکست کا نظارہ اس سے پہلے چشم فلک نے شاید ہی کبھی دیکھا ہوگا۔

☆......☆......☆

راجیو شکلا کے ہیلی کاپٹرز اب اس جگہ پہنچ چکے تھے، جہاں سے دھواں اب بھی اٹھ رہا تھا مگر بے حد کم تھا۔ سرد ہواؤں اور مسلسل برف باری کے باعث انہیں دیکھنے میں مشکل نظر آ رہی تھی مگر وہ اب اس پوری جگہ کا جائزہ لینا چاہتے تھے۔ دوربین سے اس نے دیکھنے کی کوشش کی مگر کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے اپنے چار کمانڈوز کو حکم دیا کہ وہ رسیوں کے ذریعے نیچے جا کر جائزہ لیں اور وائرلیس پر رابطہ بھی رکھیں۔

ابھی وہ سوچ ہی رہے تھے کہ اچانک تیز فائرنگ ہوئی اور دوسرا ہیلی کاپٹر جو پہاڑ کے کچھ زیادہ ہی قریب تھا بری طرح فضا میں جھولنے لگا۔ گولیاں شاید اس کے پنکھوں میں لگی تھیں اس لئے وہ اپنا بیلنس کھو رہا تھا۔ راجیو شکلا نے فوراً کمانڈوز کو حکم دیا کہ وہ جوابی کارروائی کریں۔ چنانچہ انہوں نے فوراً اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔

دوسری طرف راجیو شکلا نے فوراً ایڈوانی آفس کال ملائی اور فوراً ایڈوانی سے بات کروانے کا کہا۔

”سر! میں بول رہا ہوں راجیو شکلا سر! ہمیں آتنک وادیوں کے ٹھکانے کا پتہ لگ گیا ہے سر! ہم آپریشن کی اجازت چاہتے ہیں۔ اس دوران مغویوں کو کچھ ہو جاتا ہے سر! تو کیا حکم ہے؟“ راجیو نے تیز بولتے ہوئے کہا۔

”اگر مغوی بازیاب نہیں ہو سکتے تو آتنک وادیوں پر ہر طرح کے حملے کی اجازت دی جاتی ہے۔ ہم جانباز کو چھوڑنے کی ذلت برداشت نہیں کر سکتے۔ تم جو چاہے کر سکتے ہو۔ رپورٹ جلد دو کہ یہ وہی جانباز کے ساتھی ہیں۔ پھر میں جانباز کو رہا کرنے کا آرڈر کینسل کرتا ہوں۔ تمہارے پاس دس منٹ ہیں۔ جلدی کرو!“ ایڈوانی نے چیختے ہوئے کہا۔

”یس سر! میں ابھی آپ کو رپورٹ کرتا ہوں۔“ راجیو نے کہا اور کال بند کر دی۔

”کیا پوزیشن ہے کمانڈر؟“ راجیو نے وائرلیس پر دوسرے ہیلی کاپٹر کے بارے میں پوچھا۔

”حالت خراب ہے سر! دوسری طرف سے شدید فائرنگ کی جا رہی ہے اور ہم انہیں دیکھ بھی نہیں پا رہے سر! اور ہم بیلنس کھو رہے ہیں ہمارے ہیلی کاپٹر کو اب لینڈ کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اس کے فیول ٹینک کو آگ لگ سکتی ہے۔“ دوسری طرف سے چیختے ہوئے کہا گیا۔

”ٹھیک ہے تم لینڈ کر سکتے ہو کمانڈر!“ راجیو نے کہا اور وائرلیس آف کر دیا۔

راجیو نے دو منٹ سوچنے کے لئے لیے اور پھر اس نے ایک فیصلہ کیا۔ اس نے پائلٹ سے میزائل گرانے کا کہہ کر نظریں سامنے پہاڑ کی اس برفیلی چوٹی پر جما لیں جہاں سے اب بھی شدید فائرنگ جاری تھی۔ گن شپ ہیلی کاپٹر ہر طرح کے تباہ کن اسلحہ سے لیس تھا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ میزائل حملے میں وہ مغوی بھی مارے جا سکتے ہیں اگر یہ وہی آتنک وادی ہیں۔ لیکن یہ چند گوروں کے لئے اپنے ملک کا مستقبل داؤ پر نہیں لگا سکتے تھے۔ اس لئے اس نے فیصلہ کیا کہ میزائل سے حملہ کر دیا جائے۔

پائلٹ نے اشارہ کیا کہ میزائل ریڈی ہے۔ راجیو شکلا نے بڑے نخوت سے اس جگہ کو دیکھا جہاں سے اب بھی کچھ دیوانے فائرنگ کر رہے تھے اور پھر "فائر" کا لفظ بول دیا۔ فائر کا لفظ سنتے ہی پائلٹ نے سرخ رنگ کی وہ ناب اوپر کر دی۔ گن شپ ہیلی کاپٹر سے ایک درمیانے سائز کا میزائل فضا کو چیرتے ہوئے نکلا اور لمحے بھر میں اس جگہ پر ایسی آگ لگا دی جیسے یہاں ابھی آسمان سے کوئی آگ کا گولہ گرا ہو۔ برفیلے پہاڑ پر درختوں کو لگی آگ نے پل بھر میں سارے جنگل کا سکوت توڑ دیا۔ وہ جگہ بری طرح تباہ ہو گئی تھی۔ فائرنگ کی آوازیں اب خاموش ہو چکی تھیں۔

راجیو شکلا نے کچھ دیر انتظار کیا اور پھر فوراً کمانڈوز کو حکم دیا کہ وہ تین تین کی ٹولیوں میں رسیوں کے ذریعے نیچے اتریں اور صورتحال کا جائزہ لیں۔ مقتولوں کو تلاش کریں۔ کوئی آتنک وادی نظر آئے تو گرفتار نہ کریں بلکہ گولی مار دیں۔

حکم سنتے ہی کمانڈوز رسیوں کے ذریعے نیچے اترے اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔

☆......☆......☆

"ہیلو ہیلو!! آپریشن کمانڈر! میں ایڈوانی بات کر رہا ہوں۔" ایڈوانی نے چیختے ہوئے کہا۔

"یس سر! میں آپریشن کمانڈر بول رہا ہوں حکم دیجئے سر!" آگے سے جواب دیا گیا۔

"تمہاری پوزیشن کیا ہے اور تم کہاں پہنچے ہو؟" ایڈوانی نے فوراً پوچھا۔

"سر! ہم لداخ سے ابھی بھی سو کلومیٹر دور ہیں۔ جانباز حفاظت سے ہے اور دوسری گاڑی میں ہے۔" کمانڈر نے جواب دیا۔

"فوراً کسی محفوظ جگہ گاڑیاں روک لو اور مکمل سیکیورٹی میں جانباز کی حفاظت کرو اور میرے مزید آرڈرز کا انتظار کرو! مجھے ایک خبر کا انتظار ہے۔ جیسے ہی وہ آتی ہے میں تمہیں انفارم کرتا ہوں۔ تب تک اس جگہ سے آگے نہیں جانا۔ ہری اپ!!" ایڈوانی نے فوراً کہا اور لائن کٹ ہو گئی۔

آپریشن کمانڈر نے فوراً پیچھے آنے والی گاڑی کو حکم دیا کہ وہ ایک مخصوص جگہ پر آ کر ہمارے ساتھ رک جائے۔ مشن فی الحال روک دیا گیا ہے۔

چنانچہ دونوں گاڑیاں کچھ ہی دیر بعد آنے والے ایک دریا کے پل پر رک گئیں۔ یہ ایک ایسا مقام تھا جہاں دوسری گاڑیوں کی آمد و رفت کم ہی ہوتی تھی۔ اس لئے قدرے یہ ایک محفوظ جگہ تھی۔ کچھ کمانڈوز نے آس پاس نکل کر پوزیشنیں پھر بھی سنبھال لیں تھیں اور کچھ لوگ جانباز کے ساتھ بیٹھے رہے تاکہ وہ کوئی غلط حرکت نہ کر سکے۔

جانباز سوچنے لگا کہ یہ گاڑی اچانک ایسے کیوں رک گئی؟ ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔ اس کی چھٹی حس بیدار ہو چکی تھی۔ وہ اپنے آس پاس خطرہ محسوس کر رہا تھا۔ چنانچہ اس نے متبادل کے طور پر کچھ سوچنا شروع کر دیا کہ اگر خدانخواستہ اسے واپس لے جایا گیا کہ تو اس کے پاس کیا آپشن ہو سکتا ہے۔ وہ ایک جدوجہد کرنا ضروری خیال کر

رہا تھا، چاہے اس میں اس کی جان بھی چلی جائے۔ وہ نہتا تھا اور اس کے اردگرد درجن بھر کے قریب مسلح گارڈز۔

☆......☆......☆

''ہاں کیا پوزیشن ہے ورما؟؟'' راجیو شکلا نے چیختے ہوئے کہا۔ اس کے انداز میں بے پناہ تجسس تھا اور کہیں ڈر بھی کہ اگر یہ وہ آتنک وادی نہ ہوئے تو پھر کیا ہوگا؟

''یس سر! یہاں ہر طرف جلی ہوئی لاشیں پڑی ہیں۔ یہ آتن وادی ہی ہیں سر!'' ورما نے وائرلیس پر جواب دیا۔

''ان میں سے دیکھو کہ مغوی بھی ہیں یا نہیں؟'' راجیو شکلا کے انداز میں بے چینی تھی۔

کچھ دیر خاموشی رہی اور پھر اچانک وائرلیس پر تیز آواز سنائی دی۔

''سر سر! یہ مغوی ہی ہیں۔ یہ بھی تینوں بری طرح جل چکے ہیں سر! ان کے ہاتھ پیچھے کو بندھے ہوئے ہیں ۔لیکن لاشیں ناقابل شناخت ہیں۔ بس بندھے ہوئے ہاتھوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ تینوں ان آتنک وادیوں کے قیدی تھے۔'' یہ ورما کی آواز تھی جو چیخ چیخ کر وائرلیس پر بتا رہا تھا۔

''ٹھیک ہے۔ تم اور بھی شواہد اکٹھے کرو! میں اوپر سے مزید آرڈر لے کر تم سے بات کرتا ہوں۔'' راجیو نے کہا اور وائرلیس آف کر کے فون نکالا اور فوراً ایڈوانی کو ساری صورتحال سے آگاہ کیا۔

''ٹھیک ہے تم لاشوں کو ٹھکانے لگا دو! پریس میں یہ نہیں پتہ لگنا چاہیے کہ ہم نے مغویوں کو بھی ساتھ مار ڈالا ہے۔ انہیں کوئی اور کہانی سنا کر مطمئن کر دیں گے۔

ویلڈن میجر! تمہاری ترقی منظور کی جاتی ہے۔'' ایڈوانی نے کہا اور فون لائن آف ہو گئی۔

راجیو شکلا کی شکل سرخ ٹماٹر کی طرح ہو رہی تھی، وہ اس قدر خوش تھا کہ کبھی زندگی میں نہ ہوا تھا۔

☆......☆......☆

''ہیلو ہیلو مشن کمانڈر! مشن ابورٹ...... مشن واپس لیا جاتا ہے۔ تم جانباز کو اپنے قبضے میں لے کر جلد از جلد تہاڑ جیل واپس منتقل کرو! فوراً......'' ایڈوانی نے جانباز والے قافلے کو حکم دیتے ہوئے کہا۔

''یس سر! آپ بے فکر رہیں سر! اگلے دو گھنٹوں میں جانباز سلاخوں کے پیچھے ہوگا۔'' کمانڈر نے جواب دیا اور آگے سے ''اوکے'' کہہ کر فون کاٹ دیا گیا۔

کمانڈر نے اشارہ کیا کہ گاڑیاں واپس موڑ لیں۔ مشن کینسل کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ جس تیزی سے وہ روانہ ہوئی تھیں اسی تیزی سے اب واپسی کی طرف سفر شروع ہو چکا تھا۔

جانباز کے لئے سوچنے کا وقت بہت کم تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کے ساتھیوں نے اس کے لئے اپنی جان قربان کر دی ہے۔ چنانچہ اس نے ایک آخری کوشش کرنے کا فیصلہ کیا۔ چاہے اس میں اس کی جان چلے جائے۔ بے شک وہ ہمت ہارنے والوں میں سے نہیں تھا۔ اس کی راہ میں آخری رکاوٹ وہ کپڑا تھا جو اس کے منہ پر چڑھا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ باہر کا منظر دیکھنے سے قاصر تھا اور ظاہر ہے جب تک وہ دیکھ نہیں سکتا وہ کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔

اگرچہ اس کے ہاتھ آزاد تھے۔ پاؤں آزاد تھے مگر وہ تھوڑی سی بھی حرکت کرتا تو اس کے ساتھ بیٹھے کمانڈوز اسے وارننگ دے دیتے۔ وہ ڈرائیور کی بالکل پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اس کی سیٹ اور اپنی سیٹ کا فاصلہ جانچنے کے لئے اپنا ایک ہاتھ جیسے ہی آگے کیا ایک کمانڈو جو بالکل اس کے قریب بیٹھا تھا نے جانباز کو ایک زوردار کہنی ماری اور ساتھ ہی ہتھکڑی نکال کر جانباز کے دونوں ہاتھوں کو مقفل کر دیا۔

وہ جانباز کو جب لے جا رہے تھے تب ان کا انداز بہت احترام والا تھا لیکن اب وہ ان کا قیدی تھا اب وہ اسے واپس لے جا رہے تھے۔ اس لئے وہ اس کے ساتھ کسی طرح کا کوئی لحاظ نہ رکھ رہے تھے۔ اب مصیبت یہ ہوگئی تھی کہ اس کے ہاتھ بھی قید ہو گئے تھے۔ یہ صورتحال بڑی حد تک خطرناک ہوگئی تھی۔ لیکن جانباز کو ایسی کئی صورتحال سے واسطہ پڑ چکا تھا اس لئے وہ قطعاً ہمت ہارنے والا نہیں تھا۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کرے؟ کہ اچانک ڈرائیور کے ساتھ بیٹھے ہوئے کمانڈر نے باتوں باتوں میں کہا کہ دریا آ رہا ہے، اس لئے رفتار کچھ کم کر لو! یہ پل کافی حد تک کمزور ہے۔ جانباز نے بھی یہ بات سنی اور فوراً اپنے پلان پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو کر بیٹھ گیا۔

کچھ ہی دیر بعد گاڑیاں آہستہ ہوئیں اور دریا کا خوفناک شور بھی سنائی دے رہا تھا۔ جانباز کے لئے یہ موقع سب سے بہترین تھا۔ اس نے اللہ اکبر کا زوردار نعرہ لگایا اور بجلی کی سی تیزی سے وہ اپنی جگہ سے اچھلا اور ہتھکڑی والے ہاتھوں سے اس نے ڈرائیور کی گردن پر اس قدر طاقت سے شکنجہ بنایا کہ ڈرائیور کے منہ سے کسی ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح آواز نکلی۔ اس سے پہلے کہ ساتھ بیٹھے کمانڈوز اس بدلتی صورتحال کا اندازہ لگاتے جانباز نے پوری طاقت سے اسٹیئرنگ دائیں سائیڈ پر موڑ دیا۔ اسی اثناء میں اس کو اپنی کمر میں شدید درد کا احساس ہوا جیسے کسی نے گرم سلاخیں اس کے جسم میں اتار دی ہوں۔ ڈرائیور نے بوکھلا کر اسپیڈ بھی تیز کر دی اور نتیجتاً دائیں طرف کو گاڑی بڑی تیزی سے مڑی۔ انتہائی پاورفل جیپ کا اگلا حصہ پوری قوت سے پل کی حفاظتی دیوار کو ٹکرایا اور دیوار کو توڑتا ہوا پل سے نیچے آ رہا۔

جانباز کو آخری احساس یہی ہوا کہ شاید وہ اس پلان میں فیل ہو گیا ہے۔

☆......☆......☆

آگے کیا ہوا؟

کیا جانباز ہٹ ہو گیا تھا؟

انتہائی تیز دریا کی موجیں کیا جانباز کو بچا پائیں گی؟

یا پھر

کمانڈوز جانباز کی اس خوفناک ترکیب کو ناکام بنا کر اسے دوبارہ زندہ یا مردہ گرفتار کر لیں گے؟

کیا ہوگا آخر؟؟؟

یہ جاننے کے لئے پڑھتے رہیے...... مسلمان بچے

☆......☆......☆

گاڑی ایک زوردار دھماکے سے دریا میں جا گری۔ گاڑی میں موجود جانباز اور دوسرے کمانڈوز کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ ملا، یہ اس قدر اچانک ہوا جیسے بجلی کوندتی ہے اور سب کچھ آناً فاناً ہو گیا۔ جانباز کو گولی لگ چکی تھی۔ مگر اس کی خوش قسمتی کہ گولی اسے چھوتی ہوئی نکل گئی تھی۔ گاڑی کے جھٹکے اور نیچے گرنے کی وجہ سے ڈرائیور تو اسی وقت کسی چیز کے لگنے کی وجہ سے ساکت ہو چکا تھا۔ جبکہ دوسرے کمانڈوز بھی زخمی حالت میں تھے اور بے بسی سے جانباز کو دیکھ رہے تھے، جو اب آہستہ آہستہ اپنے ہوش میں واپس آ رہا تھا۔ پانی انتہائی تیزی سے گاڑی کے اندر داخل ہو رہا تھا۔ جانباز کو معلوم تھا کہ اسے جتنی جلدی ہو سکے جلد از جلد پانی کے بھرنے سے پہلے گاڑی سے باہر نکلنا ہے ورنہ اس کا دم گھٹ سکتا ہے۔ اب اس کا صرف ایک مسئلہ تھا کہ اس کے ہاتھ میں ہتھکڑی موجود تھی۔ اس نے بجلی کی تیزی سے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ اس کے دائیں جانب ایک کمانڈو بے سدھ موجود تھا جس نے اسے ہتھکڑی پہنائی تھی۔ چابی اس کی بیلٹ کے ساتھ لٹکی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

اس نے خود کو موڑ کر پچھلی سائیڈ سے چابی تھامی اور اپنی ہتھکڑی کھول لی۔ اب وہ آزاد تھا۔ چنانچہ وہ گاڑی کے دروازے کا شیشہ کھولنے کے لئے جھکا مگر دروازے شاید کسی آٹومیٹک نظام کے تحت لاک ہو چکے تھے۔ پانی اب تقریباً مکمل اندر داخل ہو چکا تھا۔ دوسرے کمانڈوز بھی اب ہوش میں آ رہے تھے۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کرے کہ اچانک اوپر سے شدید فائرنگ کا طوفان جیسے

اڈا آیا ہو۔ شاید دوسری گاڑی کو احساس ہو گیا تھا کہ اندر گڑبڑ جان بوجھ کر کی گئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ہائی کمانڈ سے اجازت لے کر شدید فائرنگ شروع کر دی تاکہ ان کے کمانڈوز کے ساتھ ساتھ جانباز ہر صورت ہٹ ہو جائے۔ جانباز چونکہ گاڑی کے اندر تھا، اس لئے ابھی تک وہ اس فائرنگ سے محفوظ تھا۔ لیکن اس کو جلد کچھ کرنا تھا کیونکہ وہ لوگ گاڑی کو اوپر سے بم مار کر بھی تباہ کر سکتے تھے اس صورت میں اس کا بچ نکلنا بہت مشکل ہو جاتا۔

چنانچہ جانباز نے فوراً ایک سائیڈ دروازے کے شیشہ کو بٹن سے کھولا اور شیشہ کھلتے ہی پانی کا شدید ریلہ اندر آیا لیکن جانباز اس کے لئے پہلے ہی سے تیار تھا۔ اس نے سائیڈ پر ہو کر باہر کی طرف ٹانگیں نکالیں اور پھر گاڑی سے باہر آ گیا۔ گاڑی سے باہر آ کر اس نے ایک جانب تیرنا شروع کر دیا۔ فائرنگ ابھی بھی جاری تھی مگر جانباز کو چونکہ اوپر موجود کمانڈوز کی پوزیشن کا علم ہو چکا تھا، اس لئے وہ بڑی احتیاط سے مخالف سمت میں تیر رہا تھا۔ اس کی رفتار خاصی تیز تھی۔ لیکن سانس اس کا پھولنے لگا تھا، اس لئے اس نے کچھ دور جا کر فوراً اوپر کی طرف بڑھنا شروع کر دیا تاکہ سانس لے کر پھر دوبارہ تیرنے کا عمل شروع کر سکے۔ لیکن وہ اتنا دور نکل جانا چاہتا تھا کہ کمانڈوز اسے دیکھ نہ سکیں۔ کچھ دور جا کر جب وہ بالکل سانس لینے کے قابل نہ رہا تو فوراً اوپر کی جانب بڑھنے لگا اور بہت احتیاط سے اوپر پہنچ کر اس نے صرف منہ باہر نکالا تاکہ سانس لے سکے۔ دور اب بھی فائرنگ کا سلسلہ جاری تھا۔ ابھی وہ یہ دیکھ ہی رہا تھا کہ ایک کان پھاڑ دھماکہ ہوا اور دریا میں موجود گاڑی کے پرخچے اڑ گئے۔

جانباز نے شکر ادا کیا کہ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو خود ہی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ سوچ کر وہ خوشی سے نہال ہو گیا۔ لیکن اب وہ اس جگہ سے دور نکل جانا چاہتا تھا کیونکہ یہ جگہ اب آرمی کے سرچ آپریشن کا مرکز بننے والی تھی اور وہ چاہتا تھا کہ جلد از جلد کسی محفوظ ٹھکانے پر پہنچ جائے۔ کیونکہ سرچ کرنے کے بعد جب پتہ چلے گا کہ جانباز اس گاڑی میں موجود نہیں تو پورے شہر کو آناً فاناً بلاک کر دیا جائے گا۔ جس سے جانباز کو پھر کسی پریشانی کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ چنانچہ وہ تیرنے لگا۔ دریا کا پرزور بہاؤ بھی آج اس کا ساتھ دے رہا تھا۔

☆......☆......☆

اگلی ہی صبح دہلی کی قومی پریس کلب میں خاصی بھیڑ تھی۔ سرکاری افسران ہاتھوں میں فائلیں تھامے ادھر ادھر بھاگ دوڑ رہے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد وزیراعظم انڈیا کی طرف سے خصوصی مشیر برائے قومی امور "اے جی کرشن شوشانت" پریس کانفرنس کرنے والے تھے۔ صبح 9 بجے پریس کانفرنس کی جانی تھی مگر اب 10 بج چکے تھے اور خصوصی مشیر صاحب کا کوئی اتا پتا نہیں تھا۔ سب جاننا چاہتے تھے کہ اصل صورتحال کیا ہے؟ دو ماہ سے جاری اس کشمکش میں کیا ہوا؟ اور اب آگے کیا ہونے جا رہا ہے؟

صبر آزما لمحات کے بعد بالآخر صحافیوں، پولیس اہلکاروں اور وزیروں کے جھرمٹ میں خصوصی مشیر صاحب تشریف لائے۔ ان کا چہرہ جیسے تاریک پڑا ہوا تھا اور کافی نروس دکھائی دے رہے تھے۔ آتے ہی انہوں نے مائیک سنبھالا

اور بولنا شروع کیا:

"میں تاخیر پر آپ سب سے "شما" چاہتا ہوں۔ (اس کے ساتھ ہی اس نے ہاتھ بھی جوڑے۔ اس کے بعد اس نے کاٹھیاواڑ کے علاقے سے شروع ہونے والی تفصیل شروع سے لے کر آخر تک سنائی اور کچھ واقعات اس نے توڑ مروڑ کر بھی پیش کیے تاکہ عوام کے سامنے ان کا سچ پوری طرح سامنے نہ آئے اور وہ لوگ مطمئن ہو جائیں۔)

"میں آپ سب کے سامنے اپنی فورس کے لئے "شبھ کامنائیں" دیتا ہوں کہ انہوں نے بہت بہادری اور دلیری کے ساتھ آتنک وادیوں کا مقابلہ کیا مگر امریکی شہریوں کو نہیں بچا سکے۔ جوابا تمام 12 آتنک وادیوں کو ڈھیر کر دیا گیا مگر ہم بڑے افسوس کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ مغویوں کو باوجود کوشش کے رہائی نہیں دلائی جا سکی۔ انہیں حملہ شروع ہونے سے پہلے ہی آتنک وادیوں نے جلا ڈالا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے پھر سرچ آپریشن شروع کیا اور کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑا۔ فی الحال وہاں میڈیا کو اجازت نہیں دی جا رہی کیونکہ ابھی بھی بہت سارے شواہد اکٹھا کرنا باقی ہیں۔" یہ کہہ کر مشیر صاحب ذرا دم لینے کو رکے تو ایک صحافی نے بڑے جارحانہ انداز میں سوال داغ دیا:

"سر! امریکی خصوصی مشیر تو بے حد غصے سے واپس امریکہ گئے ہیں۔ کیا ان کی طرف سے کوئی سخت پیغام دیا گیا ہے؟"

"نہیں! ایسی کوئی بات نہیں۔ تمام صورتحال ان کے سامنے رکھی ہے۔ وہ اس پیش رفت پر حکومت ہند کے شکر گزار ہیں۔ کسی ناراضگی کی باتیں من گھڑت ہیں۔ اس لئے بلاوجہ ایسی خبروں سے پرہیز کیا جائے۔" شوشانت نے جواب دیا لیکن اس کی آواز میں گھبراہٹ نمایاں تھی۔

"سر! جانباز کا کیا ہوا؟ اسے رہا کیا جا رہا تھا؟ لیکن پھر اس کا کچھ معلوم نہیں؟ کیا اسے واپس جیل لے جایا گیا ہے؟" ایک صحافی جو ذرا ناٹے قد کا تھا، نے سوال پوچھا۔

"جانباز ہماری کسٹڈی میں ہے۔ ہم اسے جلد جیل منتقل کر دیں گے۔ لیکن یہ سراسر ریاستی معاملہ ہے اس میں دخل اندازی کی کسی کو اجازت نہیں دی جا سکتی۔" شوشانت نے چہرے پر آئے پسینے کو صاف کرتے ہوئے جواب دیا۔

"سر! کیا وزیر داخلہ ایڈوانی کو اس ساری کارروائی کا کریڈٹ دیا جائے گا؟ انہوں نے اس سارے معاملے کو ہینڈل کیا ہے؟" ایک اور صحافی نے پوچھا۔

"سر ایڈوانی ایک پرانے پولیٹیشن ہیں۔ وہ بہتر اس سوال کا جواب دے سکتے ہیں۔ ان کی ملاقات وزیراعظم سے جلد ہونے والی ہے۔ اس کے بعد ہی کوئی فیصلہ کیا جا سکے گا۔" شوشانت نے گول مول سا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"سر! کیا مستقبل میں آتنک وادیوں کی طرف سے مزید اس جیسے حملوں کی توقع کی جا سکتی ہے؟" ایک خاتون صحافی نے پوچھا۔

"آتنک وادی جہاں کہیں بھی ہوگا ہم اسے پکڑ لیں گے۔ دہشت کی یہاں کوئی جگہ نہیں۔" یہ کہہ کر شوشانت اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے وزیر اور دوسرے تمام لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ صحافیوں کی جانب سے

شور اٹھا کہ سر! ایک آخری سوال، سر! آخری سوال؟ مگر شوشانت انہیں نظر انداز کرتا ہوا تیز قدموں کے ساتھ پریس کلب سے باہر نکلا اور گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔ اس کا رخ وزیر اعظم ہاؤس کی جانب تھا۔ اس کی چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ انہوں نے جانباز کو کھو دیا ہے لیکن حکومت نے فی الحال اس بات کو اوپن نہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

جلد ہی شوشانت وزیر اعظم ہاؤس پہنچ گیا۔ اس کو بتایا گیا کہ وزیر اعظم اسی کا انتظار کر رہے ہیں۔ چنانچہ وہ بتائے ہوئے کمرے میں پہنچ گیا اور دیکھا کہ وزیر اعظم خود پریشانی کے عالم میں ٹہل رہے ہیں۔

''آؤ شوشانت! پریس کانفرنس میں کسی پر یہ بات تو واضح نہیں ہوئی کہ ہم نے جانباز کو کھو دیا ہے؟'' وزیر اعظم نے پریشان کن لہجے میں سوال پوچھا۔

''نہیں سر! بالکل نہیں۔ جیسا آپ نے کہا، میں نے ویسا ہی کیا ہے سر!'' شوشانت نے سر جھکا کر مئودبانہ لہجے میں جواب دیا۔

''اس ایڈوانی نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔ میں اسے بڑے کام کا بندہ سمجھتا تھا مگر یہ تو انتہائی نالائق نکلا۔ دل چاہ رہا ہے کہ اس کا فوجی ٹرائل کیا جائے تا کہ یہ جواب دہ ہو سکے۔'' وزیر اعظم نے غصے سے مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا۔

''سر! امریکہ کی طرف سے کوئی خبر؟'' شوشانت نے پوچھا۔

''امریکی وزیر خارجہ کا مجھے فون آیا ہے اور وہ مجھے دھمکی دیے جا رہا تھا۔ ابھی انہوں نے دس ارب ڈالر کا معاہدہ کیا ہے، وہ منسوخ کرنے کی بات کر رہا تھا۔ میں حیران ہوں کہ ہماری فورسز کس قدر ناکام رہتی ہیں ہر معاملے میں۔ تنخواہیں دیکھ لو تو آسمان سے باتیں کر رہی ہیں مگر سب حرام خوری کو لگے ہوئے ہیں۔'' وزیر اعظم نے ہونٹ بری طرح چباتے ہوئے کہا۔

پھر کچھ دیر کمرے میں خاموشی رہی شاید دونوں ہی ماتم کر رہے تھے۔ پھر یکایک وزیر اعظم گویا ہوئے:

''تم کل صبح ہی راجیو شکلا کو سسپنڈ کر دو اور اس کے ٹرائل کی درخواست آرمی ہیڈ کوارٹر بھیج دو۔ اس نے قانون کی خلاف ورزی کے ساتھ ساتھ دو تین گھناؤنے جرم بھی کیے ہیں۔ یہ اپنے ہی ملک کی دوسری فورس پر حملہ تک کرنے سے باز نہیں آیا اور جب یہ آتنک وادیوں کے اتنا قریب پہنچ چکے تھے تو کیسے مغوی ان کے ہاتھ نہیں آ سکے اور میں آج ہی پارٹی کا اجلاس بلا کر ایڈوانی کو اس کے عہدے سے برخاست کر رہا ہوں۔ جانباز جیسے مجرم کو ہم نے کس قدر محنت سے پکڑا اور اب یہ خبر لیک ہو گئی تو ہماری حکومت بھی جا سکتی ہے۔ جانباز کے لئے ساری فورسز جھونک دو! پورے شہر کی ناکہ بندی کر دو! وہ جہاں کہیں بھی ہو گا، ایک دن تو باہر نکلے گا۔ گھر گھر تلاشی کا عمل شروع کرو۔ لیکن پریس میں خبر بالکل نہیں آنی چاہیے ورنہ یہ ہماری بہت بڑی شکست ہو گی۔'' وزیر اعظم نے تفصیلی انداز میں سمجھاتے ہوئے کہا۔

''یس سر! ایسا ہی ہو گا سر! آپ بے فکر ہو جائیں۔'' شوشانت نے خوشامد بھرے انداز میں جواب دیتے

ہوئے کہا اور جس راستے سے آیا تھا، اسی راستے سے واپس لوٹ گیا۔

☆......☆......☆

جانباز اب بہت دور نکل چکا تھا۔ اب اسے دیکھے جانے کا ڈر نہیں تھا۔ یہ کسی شہر کا باہری علاقہ سا لگ رہا تھا۔ اب وہ خشکی پر تھا۔ اس کے سارے کپڑے بھیگے ہوئے تھے۔ اسے اب جلد از جلد ان کپڑوں سے نجات حاصل کرنی تھی تاکہ سراغ رساں کتے اس کی بو سونگھتے ہوئے پہنچ نہ جائیں۔ اس نے پیدل دوڑنا شروع کر دیا۔ جلد ہی اسے علاقہ کی پہچان ہو گئی یہ پنجاب اور کشمیر کا سرحدی علاقہ آرام نگر تھا۔ جانباز کے لئے یہ سارے علاقے دیکھے بھالے تھے۔ اسے یاد آ گیا کہ یہاں اس کا ایک پرانا ساتھی جو یہاں کا مقامی رہنے والا تھا، موجود ہے۔ چنانچہ اس نے وہاں جانے کا ارادہ کیا لیکن وہ پیدل تھا اور دوست کا گھر بستی کے اندر تھا، اس لئے بہر حال اسے کچھ دیر لگنی تھی تاکہ وہ بغیر کسی کی نظر میں آئے پہنچ سکے۔

ایک آدھ گھنٹے کی پیدل واک کے بعد وہ دوست کے گھر پہنچ گیا۔ دروازے پر اس نے ہلکے سے دستک دی۔ صبح ہونے میں بس کچھ ہی دیر باقی تھی۔ دروازہ تھوڑی دیر بعد کھلا تو آنکھیں ملتا ہوا ایک قدرے بوڑھا آدمی اس کے سامنے تھا۔ جیسے ہی اس نے جانباز کو دیکھا تو اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا مگر پھر جلد ہی سنبھل کر اسے گلے سے لگا لیا۔

''اوہ میرا یار! میرا دوست! کیسے ہو بھائی؟ آؤ اندر آ جاؤ!'' بوڑھے آدمی نے جس کا نام حسن خان تھا نے جانباز کو بڑی خوشی سے ویلکم کہا اور اسے اندر بلا کر باہر کی طرف ایک نظر دوڑائی کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا لیکن گلی بالکل سنسان تھی، اس لئے اس نے مطمئن ہو کر دروازہ کو اندر سے بند کر لیا۔

سب سے پہلے اس نے جانباز کو انگیٹھی جلا کر دی اور پھر اس کو کپڑے دیے کہ وہ بدل لے۔ چنانچہ جانباز نے فوراً کپڑے بدل لیے۔ اس کے میزبان نے اس کے لئے کھانا لگا دیا اور جانباز نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔ پھر دونوں میں گپ شپ شروع ہو گئی۔

''شکریہ حسن خان! میں بڑی مشکل میں یہاں تک پہنچا تم نے مدد کی۔'' جانباز نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''نہیں! ایسی کوئی بات نہیں۔ میں آج جس مقام پر ہوں تمہاری وجہ سے تو ہوں۔ میرے بیٹے کے لئے تم نے جو کچھ کیا، میں اسے نہیں بھول سکتا۔ اس گھر کو تم اپنا ہی سمجھو!'' حسن خان کے آنکھوں میں آنسو تھے۔

''ارے نہیں! ایسی کوئی بات نہیں، آپ کو کسی پریشانی میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ اذانیں ہو رہی ہیں۔ ابھی فورسز یہ سارا علاقہ گھیر لیں گی، اس لئے مجھے یہاں سے نکلنا ہو گا۔ میرے کپڑے جلا کر راکھ کر دیں اور مجھے اجازت دیں!'' جانباز نے اجازت لیتے ہوئے کہا۔

''نہیں بالکل نہیں جانباز! ہم تمہیں کیسے جانے دے سکتے ہیں؟ تم انتہائی خستہ حال میں ہو اس وقت کہاں جاؤ گے؟ پھر تمہارے پیچھے پورے انڈیا کی فورسز لگی ہوئی ہیں۔'' حسن خان نے کہا۔

''اسی لئے تو کہہ رہا ہوں کہ مجھے اجازت دیں تاکہ میں اس جگہ سے دور چلا جاؤں۔ تاکہ آپ کو کوئی پریشانی نہ

ہو۔" جانباز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہارے لئے تو ہم اپنی جان پر کھیل جائیں۔ ہماری لاشوں سے گزر کر ہی کوئی تم تک پہنچ سکے تو پہنچ جائے۔" حسن خان نے بڑے جذباتی انداز میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

"اللہ تعالیٰ آپ کو اس جذبے پر جزائے خیر عطاء فرمائے۔ میں اب چلتا ہوں، میرے لئے دعا کر دیجئے!" یہ کہہ کر جانباز نے ضرورت کا کچھ سامان اٹھا کر اور ایک عدد پستول لے کر (جو حسن خان نے احتیاطاً ساتھ دے دیا) روانہ ہو گیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اب کہاں جائے؟ واپس کشمیر چلا جائے یا آگے انڈیا کی طرف روانہ ہو جائے۔ مگر اس نے محتاط رہنے کا سوچا کہ ابھی سیکیورٹی بے حد سخت ہے جیسے ہی حالات نارمل ہوئے تب وہ انڈیا کے لئے ایک نئے مشن پر روانہ ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ سوچ کر اس نے کشمیر جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن وہ کیسے جائے؟ ظاہر ہے وہ پیدل تو جا نہیں سکتا تھا۔ اس کے لئے کیا ذریعہ اختیار کرے۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک اسے دور سے ایک گاڑی کی ہیڈ لائٹس نظر آئیں اور وہ ایک اوٹ میں ہو کر کھڑا ہو گیا۔

☆......☆......☆

انڈین فورسز آئی بی، بی ایس ایف، راء ایجنسی، آر سی پی ایف سمیت بلیک کیٹ کمانڈوز بھی اگلے تین گھنٹوں میں موقع پر پہنچ گئے۔ جہاں سے جانباز کو لے جانے والی پارٹی کی ایک گاڑی دریا میں جا گری تھی۔ ادھ جلی گاڑی کو کرین کے ذریعے دریا سے باہر نکال لیا گیا تھا۔ اس میں موجود فوجیوں کے چیتھڑے اڑ گئے تھے مگر جانباز کا کہیں اتا پتا نہیں تھا۔ انہیں کھلی ہوئی ایک ہتھکڑی ضرور مل گئی تھی، جس پر ان کا شک یقین میں بدل گیا تھا کہ جانباز فرار ہو چکا تھا۔ مزید شواہد اکٹھے کیے جانے لگے۔ رات کا وقت بھی ہو چکا تھا، اس لئے آس پاس کے علاقے میں سرچ آپریشن کے لئے مشکل بھی ہو رہی تھی مگر بہر حال سرچ آپریشن شروع کر دیا گیا تھا۔ شہر کے خارجی اور داخلی راستوں پر کڑی نگرانی کے احکامات بھی مل گئے تھے اور دو ہیلی کاپٹر بھی فضائی نگرانی کے لئے موجود تھے۔ جو چپہ چپہ چھان پھٹک کر کے دیکھ رہے تھے۔

دریا کو بہت دور تک وہ دیکھ رہے تھے مگر کوئی لاش یا جیتا جاگتا کوئی شخص انہیں نظر نہ آ رہا تھا۔ لیکن وہ مسلسل تلاش جاری رکھے ہوئے تھے۔ اتنے سخت احکامات کی وجہ سے تقریباً دو درجن سے زائد گاڑیوں پر اہلکار یہاں پہنچے تھے اور سب اپنے اپنے طریقہ کے مطابق شواہد اکھٹے کر کے اس کے مطابق فیصلہ کر رہے تھے۔ لیکن انہیں اس بات کا بالکل اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ آخر گاڑی کے اندر ایسا کیا ہوا کہ ایک شخص نے بندھے ہوئے ہاتھوں کے باوجود ایسا کیا کر دیا جس کی وجہ سے گاڑی دریا میں جا گری؟ یہ بات ابھی تک معمہ بنی ہوئی تھی۔ دوسری گاڑی جو کہ جانباز کی گاڑی سے آگے چل رہی تھی انہوں نے صرف اتنا بتایا کہ اچانک گاڑی کا توازن بری طرح بگڑا۔ گاڑی دو ٹائروں پر جھولتی ہوئی تیز رفتاری سے دریا کی حفاظتی دیوار کو توڑتی ہوئی نیچے جا گری۔ جب تک وہ واپس پلٹتے۔ گاڑی پانی کے اندر جا چکی تھی۔

اب چونکہ صبح ساری صورتحال واضح ہوئی تھی، اس لئے مختلف ایجنسیوں نے رات بھر یہیں رکنے کا فیصلہ کیا اور دریا کے کنارے ہی خیمے گاڑ لیے اور مختلف گشتی پارٹیوں کو آس پاس کے علاقے پر نظر رکھنے کے لئے بھیج دیا۔

ایک کالے سیاہ رنگ کے خیمے میں میجر کرن بھی موجود تھا۔ یہ بی ایس ایف میں تازہ بھرتی ہونے والا نوجوان تھا۔ اس کے چہرے پر جوش کے کچھ زیادہ ہی آثار تھے۔ اس سارے معاملے کو وہ نہایت دلچسپی سے دیکھ اور سن رہا تھا۔ اس نے آس پاس کا نقشہ منگوایا اور اس پر کافی غور وخوض کے بعد اس نے وائرلیس سیٹ اٹھایا اور اپنے جونیئر کو کال ملادی:

"ہیلو ہیلو اکرن سپیکنگ" میجر کرن نے بار بار بولنا شروع کر دیا۔

"یس سر! میجر چرن داس سپیکنگ سر!" آگے سے مؤدبانہ انداز میں جواب دیا گیا۔

"میجر! تم اس وقت کہاں ہو؟" میجر نے پوچھا۔

"سر! جیسا آپ نے کہا ہم دریا کو چیک کر رہے ہیں۔ اس کے کنارے کنارے سے ہوتے ہوئے ہم دائیں طرف جہاں دریا ختم ہو رہا ہے پہنچ رہے ہیں۔ ابھی تک ہمیں کسی کے قدموں کے نشان یا کوئی ایسی واضح علامت پتہ نہیں چلی سر!" میجر چرن داس نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"میجر! میں نے آس پاس کا نقشہ دیکھا۔ مجھے دو علاقے ایسے لگ رہے ہیں جہاں جانباز آسانی سے پہنچ سکتا ہے۔ اگر وہ دریا کراس کر لیتا ہے تو اس کے بالکل دائیں طرف ایک علاقہ جس کا نام یہاں آرام نگر لکھا ہے جا سکتا ہے اور پھر کچھ آگے جا کر دریا ایک جانب مڑتا ہے وہاں بھی ایک بستی ہے جو کلگرنی گاؤں کے نام سے مشہور ہے۔ تم دونوں جگہوں کو چیک کرو! ان دونوں کے پولیس اسٹیشنوں کو بھی الرٹ کر دو! ان دونوں علاقوں کے علاوہ جانباز اور کہیں نہیں جا سکتا۔ تمہیں یہ سب فوراً کرنا ہوگا اور ہاں ہمارے اس پلان کی خبر کسی اور ایجنسی کو نہ ہونے پائے۔"

"ٹھیک ہے سر! ایسا ہی ہوگا۔"

"اوور اینڈ آؤٹ"

اب میجر کرن کسی حد تک مطمئن ہو گیا تھا کہ جانباز کا اب کوئی نہ کوئی سراغ بہر حال مل ہی جائے گا۔

☆......☆......☆

جانباز کس قدر اوٹ میں کھڑا ہوا تھا۔ گاڑی کی ہیڈ لائٹس اب قریب آتی جا رہی تھیں۔ جانباز نے سوچا کہ اسے سفر کرنے کے لئے گاڑی تو ہر صورت چاہیے۔ ورنہ وہ یہیں پھنس کر رہ جائے گا۔ اب دن کا اجالا کسی قدر واضح ہونے لگا تھا۔ مگر ابھی بھی بہر حال اتنی روشنی نہ تھی کہ دور سے دیکھنے پر سب کچھ واضح ہو جائے۔ چنانچہ اس نے کچھ دیر سوچا اور پھر روڈ کے ایک طرف ہٹ کر وہ اوٹ سے نکل آیا اور لفٹ مانگنے کے انداز میں اپنا ہاتھ ہوا میں لہرا دیا۔ اس کے جسم پر کشمیری فرن تھی اور اس میں پستول تھا۔ ایک ہاتھ میں اس نے فرن کے اندر ہی پستول کو اچھی طرح تھام لیا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ گاڑی کون سی ہے اور اس میں کون لوگ ہو سکتے ہیں اس لئے وہ کوئی رسک

نہیں لینا چاہتا تھا۔
گاڑی قریب آتی گئی۔ جیسے ہی وہ قریب آئی جانباز ایک لمحے کو چونک گیا۔
یہ ایک پولیس جیپ تھی جسے ایک ڈرائیور چلا رہا تھا اور دوسرا اس کا افسر ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ جانباز ایک لمحے کو گھبرایا مگر جلد ہی اس نے خود کو نارمل کر لیا۔
جیپ بالکل جانباز کے قریب آ کر رک گئی اور فرنٹ سیٹ پر بیٹھے پولیس افسر نے انتہائی مشکوک انداز میں جانباز کو دیکھتے ہوئے کہا:
''کون ہے تو؟ اور کیا کر رہا ہے اس وقت؟'' آفیسر نے سر باہر نکالتے ہوئے پوچھا۔
''صاحب! میں غریب آدمی ہوں۔ روز یہاں سے ایک وین اگلے شہر تک جاتی ہے۔ آج پتا نہیں کیوں نہیں آ رہی۔ میری وہاں دوکان ہے صاحب! میں رہتا یہاں آرام نگر میں ہوں۔'' جانباز نے رونی صورت بنا کر فوراً جواب دیا۔
''کون سی بس؟ یہاں سے کوئی وین نہیں جاتی۔ پہلے جاتی تھی اب تو نہیں جاتی۔ مسلا ہے تو کیا؟'' پولیس آفیسر نے مزید مشکوک ہوتے ہوئے پوچھا۔
''جی صاحب مسلمان ہوں۔ شہباز خان نام ہے جی۔ سب مجھے یہاں جانتے ہیں پرانا بندہ ہوں جی۔'' جانباز نے اطمینان بھرے انداز میں جواب دیتے ہوئے کہا۔
ابھی وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ پولیس جیپ میں رکھے وائرلیس پر اعلان ہونے لگا کہ
''ایک شخص جس کا قد فلاں اور فلاں فلاں وہ مفرور ہے اور اس علاقے میں ہے۔ کسی پولیس گشتی پارٹی کو کوئی اطلاع ہو تو فوراً بتائے۔'' اعلان ہوتے ہی پولیس آفیسر نے ہولسٹر سے بجلی کی سی تیزی سے پستول نکالنے کی کوشش کی مگر جانباز بھی وائرلیس پر یہ اعلان سن چکا تھا چنانچہ اس نے فرن کے اندر ڈالے ہاتھ کو باہر نکال کر آفیسر کی کنپٹی پر پستول رکھ دی اور گرجدار آواز میں آفیسر کو گاڑی سے باہر آنے کا کہا۔
''ٹھیک ہے میں باہر آتا ہوں۔ دیکھو! میں چھٹی پر بچوں سے ملنے گھر جا رہا تھا۔ میں آن ڈیوٹی نہیں ہوں۔ تم جیسا کہو گے میں ویسا کروں گا۔ پلیز مجھے مت مارو!'' پولیس آفیسر کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔
''اپنے ڈرائیور سے کہو باہر نکلے ورنہ یہیں کھوپڑی پھاڑ دوں گا۔'' جانباز کی آواز میں نہ جانے کیا تھا۔ ڈرائیور نے سنتے ہی ہاتھ کھڑے کر دیے اور گاڑی سے باہر نکل آیا۔ اب پولیس آفیسر اور ڈرائیور دونوں گاڑی سے باہر کھڑے تھے۔
جانباز سوچ رہا تھا کہ ان دونوں کے ساتھ کیا کرے؟ مگر وہ ان دونوں کو شوٹ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ آواز دور دور تک سنائی دی جا سکتی تھی۔ اس لئے اس نے پولیس آفیسر کے ہولسٹر سے پستول نکال کر اپنے قبضے میں لیا اور ان دونوں کو گھٹنوں کے بل بٹھا لیا۔ جیسے ہی وہ بیٹھے جانباز نے بجلی کی تیزی سے پوری طاقت لگا کر پستول کا بٹ کنپٹی پر مارا اور پولیس آفیسر کو وہی ایک ضرب ہی کافی ہوئی اور وہ ایک طرف لڑھک گیا۔ اس نے ڈرائیور کے ساتھ بھی یہی کیا

اور پھر دونوں کو بے ہوش کرنے کے بعد اس نے پولیس آفیسر کی وردی اتاری اور خود پہن لی۔ اسے کسی حد تک فٹ آ گئی تھی اور ساتھ ہی اس نے دونوں کو گھسیٹ کر سڑک کر کچھ دور ایک اوٹ میں رکھ دیا تاکہ جب تک ان کو ہوش نہ آئے کوئی ان کو دیکھ نہ سکے۔

اب وہ ایک طرح سے پولیس آفیسر لگ رہا تھا۔ اس کی قسمت اچھی تھی کہ یہ پولیس آفیسر کسی گشتی پارٹی کے ہمراہ نہیں تھا بلکہ چھٹیوں پر گھر جا رہا تھا اور جانباز کے لئے ایک غیبی مدد آ گئی۔ اس نے پولیس آفیسر کی وردی میں اسی گاڑی میں آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اس نے پولیس جیپ اسٹارٹ کی اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ وائرلیس پر ابھی بھی اعلان ہو رہا تھا۔ جانباز یہ سن کر مسکرا دیا۔ اس کے چہرے پر اطمینان اور سکون کی لہر تھی۔

رہائی کے بعد یہ اس کا پہلا دن تھا جب وہ آزادی کا سانس لے رہا تھا اور اپنے پیارے ملک کشمیر کے راہ پر گامزن تھا۔

☆......☆......☆

☆ پھر کیا ہوا؟

☆ کیا میجر کرن اپنی پلاننگ کی وجہ سے جانباز کی گرد کو پہنچ پایا؟

☆ جانباز آخر کار رہا ہو گیا مگر اب اس کا اگلا پلان کیا ہوگا؟

یہ سب پڑھنے کے لئے جائیے اور پڑھتے رہیے............... مسلمان بچے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جس شخص کو آخرت کا غم ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں بے نیازی پیدا کر دیتا ہے اور اس کے معاملات اکٹھے کر دیتا ہے اور دُنیا اس کے پاس ناک رگڑتے ہوئے آتی ہے۔ اور جسے (صرف) دُنیا ہی کا غم ہو اللہ تعالیٰ اس کی آنکھوں پر غربت طاری کر دیتا ہے اور اس کے معاملات منتشر کر دیتا ہے اور اسے دُنیا میں سے صرف وہی ملتا ہے جو اس کی قسمت میں لکھا جا چکا ہے۔" (سنن ترمذي: 2465)

بی ایس ایف کا میجر کرن مسلسل اپنے ساتھیوں سے رپورٹ لے رہا تھا جو جانباز کی تلاش میں نکلے تھے اور اب کافی دور نکل چکے تھے مگر فی الحال انہیں سراغ نہیں ملا تھا۔ دریا سے گاڑی باہر نکالنے کا کام جاری تھا۔

اچانک میجر کے وائرلیس پر کال آئی۔

"یس میجر کرن" میجر کرن نے فوراً جواب دیا۔

"سر! میں میجر چرن داس بات کر رہا ہوں۔ جانباز کا سراغ مل گیا ہے سر!" کال کرنے والے نے جلدی میں ایسے بتایا جیسے کچھ سیکنڈ کی بھی اور دیر ہو گئی تو جانباز نہیں پکڑا جائے گا۔

"پوری رپورٹ دو میجر!" میجر کرن نے کہا۔

"سر! ہم سرچ کرتے کرتے آرام نگر شہر سے باہر جانے والی سڑک پر پہنچے تو ہمیں ٹائر کے نشان نظر آئے۔ کچھ ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی گاڑی یا بھاری جیپ یہاں سے ابھی گزری ہو۔ ہم نے ذرا پھیل کر اس جگہ کی مزید چھان بین کی تو آرام نگر پولیس اسٹیشن کا ایک پولیس آفیسر زخمی اور بے ہوشی کی حالت میں اپنے ڈرائیور کے ساتھ اوندھے منہ پڑا ہوا ملا۔ ہم نے فوراً دونوں کو ہوش میں لا کر ان سے معاملہ پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ کس طرح ایک شخص جس کا حلیہ جانباز سے مکمل میل کھاتا ہے آیا اور گن پوائنٹ پر اس نے گاڑی چھین لی اور ان دونوں پر تشدد کر کے انہیں بے ہوشی کی حالت میں چھوڑ کر فرار ہو گیا۔" اس بار میجر چرن داس جو کہ میجر کرن کا نائب تھا نے آہستہ آہستہ ساری رپورٹ دے دی۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کے پاس اسلحہ کیسے آ سکتا

ہے؟ پوری تحقیق کرو، شہر میں پوچھ کچھ کرو۔ شاید اس کا یہاں کوئی جاننے والا ہے، جس نے اسے اسلحہ فراہم کیا ہے۔ فوراً الرٹ کر دو! میں جانباز کے پیچھے جاتا ہوں اب یہاں رکنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہم نے ہر صورت یہاں سے کوئی نہ کوئی کلیو حاصل کرنا ہے۔ اوور اینڈ آؤٹ"

یہ کہہ کر میجر نے وائرلیس آف کر دیا۔ اس کی پیشانی پر لکیروں کا ایک جال سا پھیلتا چلا گیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ جانباز کی منزل کشمیر ہے۔ وہ ہر صورت جانباز کو پکڑنا چاہتا تھا تا کہ اسے میڈل سے نوازا جائے اور جلد اس کی ترقی ہو جائے۔ چنانچہ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ جانباز کو پکڑ کر حکومت کے حوالے کر دے۔ اس نے میجر چرن داس کو وہیں آرام نگر میں کلیو حاصل کرنے کے لئے رکے رہنے کا حکم دیا اور خود چار کمانڈوز کے ساتھ جیپ میں روانہ ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ جانباز کو پکڑنا اتنا آسان نہ ہوگا مگر وہ آخری حد تک کوشش کرنا چاہتا تھا۔ جیپ میں بیٹھتے ہی اس نے کال گھمائی اور آرام نگر سے کشمیر جانے والے تمام راستوں پر اس نے ہائی الرٹ کر دیا۔ فوج کے دستوں، سپیشل فورسز اور بی ایس ایف اور مقامی پولیس کو خبردار کر دیا کہ تمام راستوں کی سخت سے سخت چیکنگ کریں۔ پولیس جیپ کی ساری معلومات بھی آناً فاناً اس نے سب کو شیئر کر دی تا کہ جانباز کو پولیس والا سمجھ کر کہیں چھوڑ نہ دیا جائے۔ یہ سب کرنے کے بعد اس نے ڈرائیور کو مزید سپیڈ بڑھانے کا کہا اور پشت سے سر ٹکا لیا۔ اس کی منزل اب پلوامہ تھی جو تمیر کے سنگم پر واقع ایک بڑا شہر تھا۔

☆......☆......☆

ایک وسیع عریض گھر کے دالان میں رکھے فون کی تیز گھنٹی بج اٹھی۔

"جی کون بول رہا ہے؟" ایک بزرگ سے آدمی نے آگے بڑھ کر فون کان سے لگا کر کہا۔

"جی حضرت! میں شاہد بات کر رہا ہوں۔" آگے سے بولنے والے نے کہا۔

"جی شاہد بیٹا! کوئی خاص بات معلوم ہوئی؟" بزرگ نے پوچھا جو یقیناً شاہین تھا۔

"جی حضرت! سنا ہے پرندہ اڑ چکا ہے۔ فی الحال کہاں ہے کچھ معلوم نہیں لیکن جلد معلوم ہو جائے گا۔" شاہد نے پر جوش انداز میں کہا۔

پرندہ سے مطلب ظاہر ہے جانباز ہی تھا۔

"الحمد للہ! اللہ کرے یہ خبر سچ ہی ہو۔ اللہ اس کی حفاظت فرمائے۔ ساتھیوں کو الرٹ کر دو! اس کا پتہ چلے تو اس کی مدد کرو! چاہے کچھ بھی کرنا پڑے۔ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔" شاہین نے دعائیہ کلمات کہہ کر اللہ حافظ کہا اور فون رکھ دیا۔ اس کے بوڑھے رخساروں پر دو قطرے آنسو کے نکل آئے کہ وہ اپنے مالک کا کن الفاظ میں شکر ادا کرے۔ آخر جانباز رہا ہو گیا تھا۔

اس نے جائے نماز بچھائی اور اس کی حفاظت اور سلامتی کے لیے سجدہ ریز ہو گیا۔

☆......☆......☆

جانباز کو آرام نگر سے نکلے ایک گھنٹہ ہونے کو آیا تھا

لیکن ابھی اسے کشمیر پہنچنے کے لئے مزید دو گھنٹے درکار تھے۔ صبح کا اجالا کافی پھیل چکا تھا اور وہ جانتا تھا کہ جلد ہی اس جیپ کی تلاش شروع کر دی جائے گی اس لئے وہ ان کپڑوں اور جیپ سے چھٹکارہ حاصل کرنے کا سوچ رہا تھا۔ کچھ ہی دیر آگے گیا تھا کہ اچانک ایک چھوٹی سی بستی کے آثار نظر آنے لگے۔ اس نے بورڈ پڑھا تو وہاں نام لکھا تھا "سوریا گڑھ" جانباز نے کچھ دیر کسی ہوٹل میں رک کر کچھ کھا کر آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا۔

وہ چاہ رہا تھا کہ یہاں سے وہ بغیر جیپ اور بغیر پولیس وردی کے آگے جائے۔ چنانچہ اس نے جگہ دیکھ کر ایک چھوٹے سے "ڈھابے" نما ہوٹل سے کچھ دور قدرے اوٹ میں گاڑی روکی اور پولیس وردی اتار دی۔ نیچے اس کے اپنے ہی کپڑے تھے۔ اس نے گاڑی کو لاک کیا اور چابی پاس ہی کھڑے کھیت کی طرف اچھال دی۔

اب وہ اپنے اصلی حلیے میں ہوٹل کی طرف چل دیا۔ وہاں اس نے سیر ہو کر کھانا کھایا اور پھر پیدل ہی سڑک سے کچھ ہٹ کر اوٹ میں آگے بڑھنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ اب تک پولیس جیپ کی گمشدگی کی اطلاع ہر طرف پہنچ گئی ہوگی اور مختلف فورسز اسے اور جیپ کو پاگل کتے کی طرح تلاش کر رہی ہوں گی، اس لئے اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی جیپ سے چھٹکارا حاصل کیا اور پیدل ہی آگے بڑھنے کا پروگرام بنایا۔

☆......☆......☆

وزیراعظم صبح اٹھتے ہی جیسے ناشتہ کی ٹیبل پر آ کر بیٹھے اچانک سامنے دیوار پر لگے ایک ٹی وی سیٹ سے حیران کر دینے والی خبر نشر ہونے لگی:

"ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ خطرناک آتنک وادی جانباز فرار ہو چکا ہے۔ اس کو پکڑنے کے لئے پانچ فورسز آپریشن کر رہی ہیں لیکن ابھی تک کی اطلاع کے مطابق جانباز ان کے ہاتھ نہیں آیا ہے۔ جانباز چار کمانڈوز کو ہلاک کر کے دو کو زخمی کر چکا ہے۔ جانباز کا فرار کیسے ممکن ہوا اور کیوں ہوا؟ حکومت اب تک اس سے لاعلم ہے؟"

یہ سنتے ہی وزیراعظم کو سکتہ سا ہو گیا۔ فوراً اس نے موبائل پر اپنے پرسنل سیکرٹری شوشانت کو فون گھما دیا۔

"شوشانت! کیا تم نے نیوز سنی؟ میں نے تمہیں کہا تھا کہ یہ خبر لیک نہیں ہونی چاہیے، ابھی یہاں کہرام برپا ہو جائے گا۔ فوراً اس خبر کی تردید جاری کرو!" وزیراعظم نے تقریباً غصے سے چیختے ہوئے کہا۔

"یس سر! میں ابھی کرتا ہوں سر!" پرسنل سیکرٹری نے فوراً کہا اور وزیراعظم نے فون رکھ دیا۔

وہ اب بھی مسلسل ٹی وی سکرین پر دیکھ رہا تھا جہاں اس دریا کا منظر دکھایا جا رہا تھا جہاں سے جانباز کو فرار ہونے کا موقع ملا تھا۔ وزیراعظم بالکل ٹھیک تھا۔ کچھ ہی دیر بعد اس کے موبائل پر فون کا تانتا سا بندھ گیا تھا۔ صدر مملکت سے لے کر چیف سیکرٹری اور آرمی چیف تک سب کے فون آ چکے تھے۔

☆......☆......☆

میجر کرن تیزی سے آگے بڑھتا ہوا جا رہا تھا کہ اچانک اس کا وائرلیس فون ایک بار پھر بج اٹھا۔

"یس میجر کرن سپیکنگ" میجر نے قدرے تحکمانہ انداز میں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"سر! ہم پٹرولنگ پارٹی جموں کشمیر سے بات کر رہے ہیں۔ ہم نے آپ کی مطلوبہ جیپ دیکھ لی ہے۔ لیکن یہ خالی کھڑی ہے اور لاکڈ ہے۔ ہم نے آس پاس کا علاقہ بھی چھان مارا ہے لیکن کوئی سراغ نہیں ملا۔ ایک ہوٹل والے نے بتایا کہ ایک اجنبی کم و بیش گھنٹہ پہلے آیا اور کھانا کھا کر مغرب کی جانب پیدل چلا گیا تھا۔ ہم نے اس سمت بھی پارٹی بھیجی ہے مگر فی الحال کوئی سراغ نہیں ملا۔ اب جیسے آپ کا حکم ہو سر!" پٹرولنگ پارٹی کے آفیسر نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے جیپ کو اس کے متعلقہ تھانے میں بھجوانے کا بندوبست کرو اور کوئی اطلاع آئے تو فوراً بتاؤ۔ جس لوکیشن پر تم ہو اس کے قریب کوئی بڑا شہر ہے؟" میجر نے ایک خیال کے تحت پوچھا۔

"یس سر! یہاں سے تقریباً پندرہ بیس کلومیٹر دور ایک بڑا شہر ہے جو کشمیر جانے کے راستے میں آخری بڑا شہر ہے۔ یہاں سے بسیں اور کوچیں کشمیر کے لئے مل جاتی ہیں اور بڑے ہوٹلز بھی ہیں۔ شہر کا نام گجنال پور ہے۔" یہاں اکثر سکھ آبادی ہے سر! آفیسر نے مکمل اطلاع دیتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے آفیسر۔ اوور اینڈ آؤٹ" میجر کرن نے کہا اور وائرلیس آف کر دیا۔

وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ جانباز کو جیپ کے ذریعے ڈھونڈنا بے کار ثابت ہوا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ جانباز اس شہر میں ضرور پہنچے گا اور ہم اگر خفیہ طور پر سارے علاقے کے داخلی اور خارجی راستوں پر نظر لگائیں تو ممکن ہے جانباز نظر آجائے کیونکہ بہر حال وہ یہاں سے پیدل کشمیر تو جانے سے رہا۔ اب وہ جلد از جلد گجنال پور پہنچنا چاہتا تھا تاکہ وہ جانباز کو اپنی گرفت میں لے سکے۔

پھر بھی اس نے احتیاطاً اپنی فورس کے پانچ ذہین ترین آفیسرز کو جو گجنال شہر کو اچھی طرح جانتے تھے فوراً گجنال پہنچ کر آس پاس کے تمام علاقے کی چھان بین کا حکم دیا۔ یہ پانچ آفیسرز 30 منٹ میں شہر پہنچ سکتے تھے، اس لئے میجر نے ان کا انتخاب کیا تھا۔ وہ اب کسی قدر مطمئن تھا کہ جانباز اس کی نظروں سے بچ کر نہیں جا پائے گا۔

☆......☆......☆

جانباز کسی قدر تیزی سے اوٹ میں مسلسل آگے بڑھتے چلا جا رہا تھا کہ اچانک اسے اپنے پیچھے تیز آوازیں سنائی دیں۔ یہ فوجی تھے جو پٹرولنگ ٹیم کا حصہ تھے اور آپس میں باتیں کرتے ہوئے آرہے تھے۔ جانباز نے ان کی آواز سنتے ہی فوراً اپنے قدم روک لئے اور سوچنے لگا کہ اب وہ کیا کرے؟ اسے اپنے آس پاس ایک درخت نظر آیا جس کی اوٹ میں وہ پہنچ گیا، اس نے پستول پر اپنی گرفت مضبوط کرلی اور دم سادھے وہ کھڑا ہو گیا۔ پٹرولنگ پارٹی کے دس سے زائد فوجی اس سے کچھ ہی فاصلے پر آکر رک گئے اور کچھ دیر آس پاس کا جائزہ لے کر واپس چلے گئے اور جانباز نے ایک طویل سانس لیا اور ان کے چلے جانے پر اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

اب اس کی رفتار کافی تیز تھی وہ چاہتا تھا کہ جلد از جلد کسی محفوظ جگہ پہنچ کر وہ روپوش ہو جائے اور جب تک چیکنگ ہے وہ باہر نہ نکلے مگر ابھی بھی وہ کشمیر سے کافی دور تھا۔ راستے میں کئی چیک پوسٹیں بھی تھیں اور کشمیر میں ہی اس کے مددگار تھے۔ بالآخر کچھ دیر کی مزید پیدل خوری کے بعد وہ قدرے ایک بڑے شہر جس کا نام بورڈز وغیرہ پر گجنال پور لکھا ہوا تھا، اس میں داخل ہو رہا تھا۔ اس نے قدرے احتیاط سے چاروں اطراف کا جائزہ لیا اور پھر شہر میں داخل ہو گیا۔

اس نے کچھ خریداری کی اور پھر ایک ہوٹل میں کمرہ کرائے پر لے کر کچھ دیر آرام کرنے کا سوچا۔ کیونکہ وہ شدید تھک چکا تھا۔ اس کا جسم ٹوٹ رہا تھا اور وہ شدید تکلیف محسوس کر رہا تھا۔ اس نے یہاں تک پہنچنے پر اللہ کا شکر ادا کیا اور پھر بستر پر لیٹ کر آنکھیں موند لیں۔

نہ جانے کس کی زوردار آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے لاشعوری طور پر سرہانے کے نیچے رکھے ہوئے پستول پر اپنی گرفت مضبوط کر لی لیکن پھر کوئی کھٹکا نہ ہونے پر اس نے کھڑکی سے باہر جھانکا تو باہر ہر طرف سکوت کا عالم تھا حالانکہ یہ شہر کی سب سے مصروف سڑک تھی۔ لیکن اب سب کچھ خالی نظر آ رہا تھا۔ وہ فوراً کھڑکی سے ہٹ گیا۔ اسے شدید گڑبڑ کا احساس ہو رہا تھا۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کرے؟ اچانک اسپیکر پر میجر کرن (بی ایس ایف) کی آواز گونجی:

”تمہیں چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ خود کو ہمارے حوالے کر دو ورنہ مارے جاؤ گے۔“ اسپیکر سے بار بار یہی اعلان ہو رہا تھا۔

بالآخر جانباز اس قدر کشمیر کی دھرتی کے قریب آ کر ایک بار پھر پھنس چکا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ گرفتاری سے بہتر ہے وہ بہادری سے لڑ کر شہادت کا رتبہ پالے۔ جس شہادت کے لئے وہ برسوں سے تڑپ رہا تھا، آج وہ شہادت اس کے در پر دستک دے رہی تھی، اس نے کھڑکی کے باہر جھانکا تو اب اسے کافی تعداد میں فوجی اور فوجی گاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ آس پاس کے کمروں سے کچھ شور بھی نہ اٹھ رہا تھا کیونکہ ہوٹل پہلے ہی خالی کروا لیا گیا تھا۔ جانباز نے اکلوتے پستول پر اپنی گرفت مضبوط کی اور نشانہ لیا اور میجر کرن پر فائر کھول دیا اور پھر فائرنگ کے ایسے کان پھاڑ دھماکے سنائی دیے کہ جس میں انسانی چیخیں بھی نمایاں سنی جا سکتی تھیں۔ جس میں جانباز کی بھی چیخ شامل تھی کیونکہ وہ ہٹ ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆

گجنال شہر میں لڑا جانے والا خونریز معرکہ......

کیا جانباز کا آخری معرکہ ثابت ہو گا؟

جانباز نہتہ ہوا اور فورسز کی اتنی بھاری نفری......

مقابلہ ایک کا سو سے تھا......

شہادت یقینی ہے؟

کیا واقعی؟

مزید جاننے کے لئے...... پڑھتے رہیے...... مسلمان بچے

☆......☆......☆

گجنال شہر میں فوج کی طرف سے آناً فاناً کرفیو لگا دیا گیا۔ داخلی اور خارجی راستوں پر پہرے لگا دیے گئے۔ جس ہوٹل میں جانباز موجود تھا وہاں شدید فائرنگ کی جا رہی تھی۔ میجر کرن جو اس پورے آپریشن کو "کور" کر رہا تھا چیخ چیخ کر سب کو ہدایات دے رہا تھا۔ اس نے وزیراعظم سے آرڈر لے لیے تھے کہ جانباز کو زندہ یا مردہ ہر صورت میں ہٹ کرنا ہے۔ یہ معرکہ آدھے گھنٹے سے چل رہا تھا مگر جانباز کی طرف سے ابھی بھی وقتاً فوقتاً فائرنگ کی جا رہی تھی لیکن فورس جانتی تھی کہ جلد ہی اس کا ایمونیشن (بارودی ذخیرہ) ختم ہونے والا ہے۔ لہٰذا وہ اس وقت کا انتظار کر رہے تھے۔

اس وقت میجر کرن کی فورس کے علاوہ، بی ایس ایف، را فورس، آئی بی کی مزید فورس، ایس ایس راشٹریہ رائفلز کے علاوہ فوج کی بھاری نفری موقع پر موجود تھی۔

جانباز کو بائیں کندھے پر گولی لگ چکی تھی۔ اسے شدید ٹیسیں اٹھ رہیں تھیں لیکن وہ اپنی زندگی کا آخری معرکہ بڑی جوانمردی اور بہادری سے لڑنا چاہتا تھا۔ اس کے حسین و خوبصورت چہرے پر نکھار سا آیا ہوا تھا۔ ایک مجاہد کے لئے یہ لمحہ بڑا خاص ہوتا ہے۔ یہ لمحہ اس رسی کے جیسا ہوتا ہے جس کا ایک سرا اس کے پاس اور دوسرا سرا جنت میں جا رہا ہوتا ہے۔ جانباز کے چہرے پر نہ تھکن کے آثار تھے اور نہ ہی کسی قسم کی پریشانی و تکلیف کے۔ وہ آج بھی ویسا سرسبز و شاداب تھا جیسا پہلے دن اس جدوجہد کے لئے اپنے گھر سے نکلا تھا۔ مختلف اطراف سے آنے والی گنوں کی گولیاں اس کے ہوٹل کے کمرے کے دیواروں میں چھید کر رہی تھی۔ کمرے میں دھول مٹی جمع تھی جو اس کے چہرے اور لباس کو پراگندہ کر رہی تھی مگر درحقیقت مٹی کی یہ دھول اس کے حسن میں مزید اضافہ کر

رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ شہادت اب یقینی ہے اس لئے وہ خوش تھا۔ وہ رب کا شکرادا کر رہا تھا کہ اسے کال کوٹھڑی میں موت نہیں دی بلکہ کھلی فضا میں رب کے دشمنوں سے لڑتے ہوئے اسے شہادت سے سرفراز کرر ہا ہے۔

اس کے لب ہلے اور وہ اپنے کریم رب کی حمد وثناء کرنے لگا۔ اس نے اپنے پستول میں آخری میگزین لوڈ کیا۔ اس کے پاس اب صرف چند گولیاں بچی تھیں۔ اس نے ہوٹل سے باہر نکل کر لڑنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اس نے فوراً بیڈ کی چادر پھاڑی اور اپنے زخمی کندھے پر اس کپڑے کو مضبوطی سے باندھ لیا کہ مزید خون نہ نکلے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے کھڑکی سے پرے ہٹ کر دروازے کی طرف ایک جست لگائی اور لات مار کر دروازہ کو دھکا دیا تو دروازہ کھل گیا۔ جانباز نے احتیاط سے ہوٹل کی اس گیلری میں جھانکا اسے کوئی نظر نہ آیا، اس نے پستول پر گرفت مضبوطی سے جمائی اور باہر کی طرف کود گیا۔ اب وہ گیلیری میں تھا۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ نیچے سیڑھیاں جارہی تھیں۔ وہ احتیاط سے سیڑھیاں اترنے لگا۔ اب وہ نچلی منزل پر موجود تھا۔ جہاں سے باہری دروازہ اسے صاف دکھائی دے رہا تھا مگر وہاں رکاوٹ موجود تھی۔ شیشے کے اس دروازے کو باہر سے لاک کردیا گیا تھا اور باہر فوج کی بھاری نفری تعینات تھی۔ لہذا وہ اس دروازے سے باہر نہیں جا سکتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ ایسے ہوٹلز کے کچھ دروازے پچھلی جانب بھی ضرور ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ ہوٹل کی پچھلی جانب لپکا اور وہاں دروازے کی تلاش شروع کردی۔ جلد ہی اسے وہ دروازہ مل گیا۔ اس نے دروازے کا قفل اٹھا کر جیسے ہی باہر جھانکا۔ گولیوں کی ایک شدید بوچھاڑ نے اسے پیچھے ہٹنے پر مجبور کردیا۔

جانباز سمجھ چکا تھا کہ ہوٹل کو خالی کروا کر اسے چاروں اطراف سے گھیرے میں لے لیا گیا ہے۔ جانباز نے ایک فائر اندازے سے داغا جہاں سے فائرنگ کی بوچھاڑ آئی تھی تاکہ وہ لوگ اس راستے سے اندر نہ آئیں اس ڈر سے کہ ابھی جانباز کے پاس اسلحہ موجود ہے۔ جانباز کو لگ رہا تھا کہ اب وہ لوگ اس کے ایمونیشن ختم ہونے کا انتظار کررہے ہیں تاکہ اسے زندہ پکڑا جاسکے جبکہ جانباز کو یہ قطعاً منظور نہ تھا۔

☆......☆......☆

گجنال شہر اس وقت میدان جنگ اور کسی چھاؤنی کا منظر پیش کررہا تھا۔ میجر کرن اس وقت آپریشنل انچارج تھا۔ وہ اس سارے معاملے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ بے حد ذہین اور شاطر تھا۔ وہ جانباز کو مارنا نہیں چاہتا تھا بلکہ گرفتار کرکے حکومت سے میڈل لینا اس کا مقصد تھا۔ کیونکہ جانباز کو مارنے پر اسے کم شاباشی ملتی جبکہ زندہ پکڑنے پر اسے خوب انعام واکرام سے نوازا جاتا۔ اس نے مزید فورس طلب کرلی تھی۔ ہوٹل کو مکمل خالی کروالیا تھا۔ اس کے چاروں اطراف میں فورس کو تعینات کردیا گیا تھا۔ اونچی عمارتوں پر اسنائپر شوٹرز کو تعینات کردیا گیا تھا۔ بکتر بند گاڑیاں منگوالی گئی تھیں۔ ہیلی کاپٹر فضا میں مسلسل نگرانی کررہا تھا۔ شاید یہ کشمیر کا سب سے بڑا آپریشن کہلانے کے لائق تھا لیکن عجیب بات یہ تھی کہ

صرف ایک شخص کے لئے اس قدر انتظامات...... لیکن میجر کرن جانتا تھا کہ یہ شخص انڈیا کے لئے کس قدر اہمیت کا حامل ہے۔ اس لئے وہ کسی قسم کا رسک لینے کو تیار نہیں تھا۔ آپریشن کو کم وبیش ایک گھنٹہ گزر چکا تھا۔ اس کو اطلاع مل گئی تھی کہ جانباز نے عقبی دروازے سے پیش قدمی کی مگر فورس نے اسے وہاں سے نکلنے نہیں دیا۔ چنانچہ اب ایک ہی راستہ تھا کہ فورس اس کے پستول کی آخری گولی ختم ہونے تک اس کا انتظار کرے یا پھر بارود سے پورے ہوٹل کو ہی تباہ کر دے اور جانباز کو قتل کر دے۔ یہ دوسری آپشن میجر کرن آخر میں استعمال کرنا چاہتا تھا۔ پہلے وہ ہر ممکن کوشش کرنا چاہتا تھا کہ کسی طرح جانباز کو زندہ گرفتار کر لیا جائے۔ ابھی وہ یہ سب سوچ ہی رہا تھا کہ اس کے وائرلیس فون کی گھنٹی بج اٹھی......

''ہیلو! میں میجر کرن بول رہا ہوں'' میجر نے کہا۔

''یس پی اے ٹو سیکٹری آف پریذیڈنٹ! صدر صاحب آپ سے خود بات کرنا چاہتے ہیں۔'' فون پر صدر کے پرسنل سیکٹری کی رعب دار آواز گونجی۔

''یس سر! میں سن رہا ہوں۔'' میجر کرن کا لہجہ مودبانہ ہو گیا۔ وہ پہلی بار ملک کے صدر سے بات کر رہا تھا۔ صدر کا یوں ایک چھوٹے رینک کے افسر سے بات کرنا اگرچہ پروٹوکول کے خلاف تھا مگر وہ جانتا تھا کہ صورتحال ایسی ہے کہ صدر صاحب خود بات کر کے اطمینان کرنا چاہتے ہوں گے۔

''ہیلو میں پریذیڈنٹ بات کر رہا ہوں۔'' صدر نے بھاری بھر کم لہجے میں بات کرتے ہوئے کہا۔

''یس سر! میجر کرن بول رہا ہوں۔ حکم کریں سر!'' میجر کا لہجہ بھیک مانگنے جیسا ہو گیا۔

''میجر! آپریشن کی کیا رپورٹ ہے؟'' صدر نے پوچھا۔

''یس سر! آپریشن پرفیکٹ جا رہا ہے سر! ہم نے جانباز کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ کوشش یہی ہے کہ اسے زندہ پکڑ لیا جائے ورنہ سر اسے شوٹ کر دیا جائے گا۔'' میجر نے جلدی جلدی سارے انتظامات کے بارے میں بھی بتا دیا۔

''گڈ شو میجر! مجھے تم سے یہی امید تھی۔ کوشش یہی کرو کہ ملک کا یہ دشمن گرفتار ہو جائے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو بچ کر کسی صورت بھی نہ جائے ورنہ تمہارا کورٹ مارشل کر دیا جائے گا۔ میڈیا کو کسی صورت کوریج کی اجازت نہیں ہے اور مقامی عوام اگر مزاحمت کرے تو طاقت کا استعمال کرنے کی کھلی اجازت ہے۔ میں تمہیں اس سلسلے میں ڈائریکٹ آرڈر دوں گا۔ وزیراعظم صاحب ''جانباز'' سے بہت مرعوب ہیں، اس لئے وہ معاملے میں دلچسپی نہیں لیں گے۔ اگر وہ کوئی آرڈر دیں تو تم پہلے مجھے بتاؤ گے۔ اگر تم کامیاب رہے تو تمہارا رینک جنرل کے برابر کر دیا جائے گا اور تمہیں اعلیٰ فوجی اعزاز سے نوازا جائے گا۔'' صدر نے لہجے کو کس قدر سخت بناتے ہوئے کہا۔

''یس سر! آپ بے فکر رہیں سر! میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کروں گا۔''

میجر نے فوراً کہا اور یہ سنتے ہی سامنے کی لائن کٹ گئی۔ میجر کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ اس کو اپنی ترقی

سامنے نظر آ رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اڑ کر جانباز کو گرفتار کر لے اور پھر صدر ہاؤس پہنچ کر میڈل تھام لے۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو مزید آرڈر دیے۔ فائرنگ بڑھا دی تا کہ جانباز اپنا ایمونیشن جلد خالی کرے اور پھر اسے جا کر دبوچ لیا جائے۔

☆......☆......☆

جانباز نے ہوٹل کو چاروں طرف سے دیکھ لیا مگر نکلنے کی ہر راہ مسدود ہو چکی تھی۔ چنانچہ اس نے شیر کی طرح سینے پر گولی کھا کر شہید ہونے کو ترجیح دی۔ وہ سامنے کے گیٹ سے جا کر دشمنوں پر وار کرتے ہوئے شہید ہونا چاہتا تھا۔ اس کے چہرے پر عجیب مسکان تھی۔ وہ اس وقت ایک شیر کی طرح جری اور بہادر لگ رہا تھا جو خود شکار نہیں بلکہ دوسروں کو شکار کرنے کا سوچ رہا تھا۔ بے شک وہ چاہتا تھا کہ اس کی ہر گولی جو باقی بچی ہے ہر ایک مشرک کی کھوپڑی اڑاتی جائے۔ اس نے ایک شیر کی طرح باہری گیٹ کی طرف نگاہ ڈالی۔ شیشے کا یہ گیٹ اب کافی ٹوٹ چکا تھا۔ جگہ جگہ گولیاں لگنے سے آدھے سے زیادہ گیٹ ٹوٹ چکا تھا۔ وہ باہر جانے والا تھا۔ اس کی چال ایسی تھی جیسی کسی فاتح کی چال ہو۔ بلاشبہ وہ کشمیر کے لاکھوں نوجوانوں کے دل فتح کر چکا تھا۔

☆......☆......☆

ہوٹل کی عمارت میں جا بجا سوراخ تھے۔ اب تو کئی جگہ پر آگ بھی لگ چکی تھی اور وہاں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ میجر کرن حیران تھا کہ اب تک جانباز کو ہاتھ کھڑے کر دینے چاہیے تھے مگر یہ کیسا شخص ہے جو اس خوفناک صورتحال میں بھی بڑی جوانمردی سے مقابلہ کر رہا ہے اور کسی صورت بھی ہار ماننے کو تیار نہیں۔

ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اسے وائرلیس پر کال آنے لگی۔ اس نے کال آن کر کے کان سے لگالی......

"یس! میجر کرن بات کر رہا ہوں۔"

"سر! ہم آپ کے آرڈر کے مطابق شہر کے باہری ناکے پر موجود ہیں۔ یہاں ابھی بی ایس ایف کے تین میجرز فوجی گاڑی میں آئے ہیں اور وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ لیکن آپ کے آرڈر کے مطابق کسی کو اجازت نہیں اب وہ شہر کے اندر جانے پر مصر ہیں۔ آپ کا کیا حکم ہے سر! شہر کی باہری چوکی سے ایک اہلکار نے ساری صورتحال میجر کرن کو بتادی۔

"بی ایس ایف کی یہاں جتنی نفری طلب کی تھی وہ پہنچ چکی ہے یہ کیوں آنا چاہتے ہیں؟" میجر کرن کے چہرے پر تشویش کے آثار نمودار ہو گئے۔

"یس سر! میں نے ان کے اندر آنے کی وجہ پوچھی ہے سر تو کہہ رہے ہیں کہ ہمیں ڈائریکٹ وزیر اعظم سے آرڈر ملے ہیں سر! میں نے ان کے بیج چیک کیے ہیں وہ کلیئر ہیں سر مجھے یہ سپیشل فورس سے لگ رہے ہیں سر! اب جیسے آپ کہیں۔" اہلکار نے مزید سب کچھ بتادیا۔

"اوہ اچھا! یہ بات ہے۔ ضرور یہ لوگ خود کریڈٹ لینا چاہتے ہوں گے۔ ٹھیک ہے انہیں اندر بھیج دو میں دیکھ لوں گا۔ اوور اینڈ آؤٹ"

فون رکھ کر اس نے اہلکاروں کو مزید فائرنگ کرنے اور بھاری گولہ باری کرنے کے احکامات جاری کر دیے

کیونکہ اب دو گھنٹے سے زائد ہو گئے تھے اور یہ آپریشن ابھی تک تعطل کا شکار تھا۔ اب وہ مزید انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ اس سے پہلے کہ مزید کوئی فورس پہنچے وہ جانباز کا کریڈٹ خود لینا چاہتا تھا۔

☆......☆......☆

گجنال شہر کے اندر ایک فوجی گاڑی داخل ہوئی۔ اس میں تین اہلکار جو شکل سے آرمی کے لگتے تھے اور تینوں کی وردی میجر رینک کی تھی گاڑی میں موجود تھے۔ شہر کے اندر داخل ہو کر انہوں نے قدرے ایک ویرانے میں گاڑی روکی۔ گاڑی سے دو افراد اترے اور گاڑی سے اسلحہ نکال کر انہوں نے آپس میں تقسیم کیا اور تیسرا جو ڈرائیونگ کر رہا تھا اس کی طرف آئے اور الوداعی نگاہوں سے دیکھا لیکن بولے کچھ نہیں اور دونوں الگ الگ سمت کی طرف روانہ ہو گئے۔ جبکہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے نوجوان نے ایک اچٹتی نگاہ ان دونوں پر ڈالی۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے تو اس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ اس کی سمت اب شہر کا وہ علاقہ تھا جہاں ایک آپریشن کیا جا رہا تھا۔ گاڑی کی رفتار خاصی تیز تھی۔ وہ جلد از جلد اس جگہ پہنچنا چاہتا تھا جہاں میجر کرن آپریشن کر رہا تھا۔ اب اسے فائرنگ کی آوازیں بھی صاف سنائی دے رہیں تھی۔ اب وہ اس سڑک پر پہنچ گیا تھا جہاں میجر کرن موجود تھا لیکن اسے گاڑی کی رفتار آہستہ کرنی پڑی کیونکہ اس آپریشن کی جگہ سے پہلے آرمی کا ایک اور ناکہ موجود تھا۔ اس نے پر اعتماد ہو کر گاڑی روکی اور اپنا کارڈ چیکنگ کے لئے آنے والے اہلکار کو بے نیازی سے دکھایا۔ اہلکار نے کارڈ دیکھتے ہی سیلوٹ مارا اور بیرئر اٹھانے کا کہہ دیا۔ چنانچہ بیرئر اٹھا دیا گیا اور فوجی جیپ باسانی اس چیک پوسٹ سے بھی گزر گئی۔ اب جیپ کا رخ اس جگہ تھا جہاں آرمی نے پوزیشنیں سنبھالی ہوئی تھی اور مسلسل فائرنگ ہوٹل پر جاری رکھے ہوئے تھے۔

☆......☆......☆

اچانک میجر کرن جو مسلسل ہوٹل کی طرف نگاہ کیے ہوئے تھا چونک اٹھا۔ اسے جانباز کی جھلک نظر آ گئی تھی۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر فائرنگ کو روکنے کا حکم دیا۔ جانباز ہاتھ میں پستول پکڑے شیشے کے اس ٹوٹے ہوئے دروازے سے باہر آ رہا تھا۔ اس نے پہلا فائر کیا مگر وہ خطا گیا کیونکہ فوج نے آڑ لی ہوئی تھی، اس لئے پستول کی گولیاں ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھیں۔ میجر کرن کے چہرے پر خوشی کے آثار تھے بلا آخر اس کا شکار خود چل کر اسے کے سامنے آ گیا تھا۔ ابھی جانباز ہوٹل سے باہر نکلا تھا کہ میجر کرن نے اپنی طرف ایک فوجی جیپ کو تیز رفتاری سے آتے دیکھا۔ جیپ کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ اس کی سانسیں ایک لمحے کے لئے تھم سی گئیں۔ رفتار اس قدر زیادہ تھی کہ اس کا رکنا محال تھا۔ رخ بالکل وہی تھا جہاں میجر کرن اور اس کے فوجی کھڑے تھے۔ میجر کرن اس سے پہلے کہ جیپ پر فائرنگ کا حکم دیتا جیپ فل تیزی سے کھڑی کی گئی رکاوٹوں سے ٹکرائی اور کان پھاڑ دھماکہ ہوا۔ جیپ مکمل بارود سے بھری ہوئی تھی۔ آنا فانا میجر کرن اور اس کے ساتھیوں کے پرخچے اڑے اور ایک کہرام برپا ہو گیا۔ دوسری جانب سے اچانک فائرنگ شروع ہو گئی اور جو فوجی

اس اچانک افتاد سے بچ گئے تھے وہ دھڑا دھڑ فائرنگ کا شکار ہونے لگے۔ ہر طرف دھواں چھا گیا اور چیخ و پکار میں کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔ ایک قیامت برپا تھی جو میجر کرن اور اس کے فوجی ساتھیوں پر ٹوٹ چکی تھی۔

☆......☆......☆

گبتال شہر کے وسط میں ہونے والا یہ معرکہ کسی خوفناک یاد سے کم نہیں تھا۔ ہندوستان کے ہر گھر میں ماتم برپا تھی۔ تقریباً پچاس سے اوپر فوجی ہلاک ہوئے اور سو سے زائد زخمی ہوئے تھے۔ اگلے دن طلوع ہونے والا سورج انڈیا کی بربادی کی داستان سنا رہا تھا۔ کشمیر کے ایک عظیم سپوت نے اپنی جان قربان کر کے انڈیا کو ایسا گھاؤ دے دیا تھا جو صدیوں نہ بھلایا جا سکے گا۔ میجر کرن کے ٹکڑے اکھٹے کر کے انہیں ترنگے میں لپیٹ کر گارڈ آف آنر دے کر نذر آتش کر دیا گیا۔ جانباز کا کوئی سراغ نہ ملا، نہ ہی اس کی لاش نظر آئی اور نہ ہی یہ معلوم ہو پایا کہ جیپ پر یہ فدائی کارروائی کس نے کی تھی۔

حکومت پر میڈیا اور عوام دونوں نے چڑھائی کر دی تھی۔ انڈیا کی خفیہ ایجنسیاں منہ چھپائے اپنے بلوں میں موجود تھیں۔ انڈیا کو شکست کا عبرتناک منہ دیکھنا پڑا اور یوں بھارت کو پہلی بار اندازہ ہوا کہ کشمیری مجاہدین کچھ بھی کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

☆......☆......☆

پھر کیا ہوا؟

یہ فدائی کارروائی کیسے کی گئی؟ اور کس نے کی؟

کیا جانباز کو بچا لیا گیا یا اب بھی وہ کشمیر کی دھرتی سے کوسوں دور ہے؟

جانباز پڑھنے کے لئے ساتھ رہیے

اور پڑھتے رہیے...... "مسلمان بچے"

☆......☆......☆

"انسان کے اندر ایک گوشت کا ٹکڑا ہے

اگر وہ صحیح ہے تو پورا بدن صحیح ہے

اور وہ بیمار ہے تو پورا بدن بیمار ہے اور وہ گوشت کا ٹکڑا دل ہے"

زبیر طیب

جانباز

قسط 48

تہاڑ جیل میں آج فوجی اہلکار بہت خوش تھے۔ انہوں نے اپنی طرف سے "گجنال پورہ" میں ہونے والے واقعہ کا بدلہ لے لیا تھا۔ کمانڈر خالد جو کہ کشمیر کی تحریک آزادی میں سپہ سالار کی حیثیت رکھتے تھے آج ان کو بزدل آرمی نے انتہائی کڑے پہرے میں پھانسی دے کر شہید کر دیا تھا۔ جیل میں کسی تہوار کا سا سماں تھا۔ پولیس اہلکار ایک دوسرے کو مٹھائیاں کھلا رہے تھے اور مسلمان قیدی غم سے نڈھال تھے۔ کمانڈر خالد کا وجود کشمیر کی تحریک آزادی میں بہت اہم تھا وہ نہ صرف تمام مجاہدین کے سرپرست اعلیٰ تھے بلکہ ان کو اندر سے مسلسل ہدایات بھی دے رہے تھے۔ مگر آج انڈین حکومت نے اپنا غصہ اتارنے کے لئے کمانڈر خالد کو پھانسی دے دی تھی۔

انڈین حکومت بڑھ چڑھ کر پریس کانفرنس کر رہی تھی۔ وہ خوشی سے پوری دنیا کو بتا رہی تھی کہ انہوں نے ایک آتنک وادی کو مار دیا ہے۔ کشمیر میں ہڑتال کی کال دے دی گئی اور شدید احتجاج کیا گیا۔ نتیجتاً پورے کشمیر کو ایک چھاؤنی میں بدل دیا گیا اور کھلے عام مظاہرین پر شیلنگ کی گئی جس سے کئی مظاہرین زخمی بھی ہو گئے۔ کشمیری ان کا جسد خاکی مانگ رہے تھے تا کہ ان کو پوری کشمیری قوم اعزاز کے ساتھ الوداع کہہ سکے مگر ہندو بنیے کو خوف تھا کہ کشمیریوں کو ان کی میت سے ایک نئی بیداری مل جائے گی اس لئے اس نے کمانڈر خالد کو تہاڑ جیل میں ہی دفن کر دیا۔

یہ دیکھ کر کشمیری قوم کا غصہ مزید بڑھ گیا اور وہ شدید احتجاج کرنے لگے۔ احتجاج کی شدت کو دیکھ کر انڈین سرکار نے بھی فوج کو فری ہینڈ دے دیا کہ وہ مظاہرین پر

جس طرح ہو سکے انہیں منتشر کرنے کے لئے ہر قدم اٹھائیں۔ چنانچہ ان پر تشدد کارروائیوں میں مزید چار کشمیری نوجوان شہید کر دیئے گئے۔

دہلی میں حکومت پر کچھ دباؤ ہوا تو انڈین وزیر داخلہ نے پریس کانفرنس میں کہا:

"کمانڈر خالد کوئی عام آتنک وادی نہیں تھا بلکہ وہ ان سب کا "مکھیا" تھا اسی وجہ سے کشمیری قوم یہ احتجاج کر رہی ہے۔ مگر انڈین گورنمنٹ کشمیریوں کے ان حیلے بہانوں سے ڈرنے والی نہیں ہے۔" راج پال نے کرخت لہجے میں کہا جو کہ انڈیا کا نیا وزیر داخلہ تھا۔

"مگر سر! وہاں انتہائی پر تشدد کارروائیاں کی جا رہی ہیں۔ فوج کی جانب سے کافی دباؤ کا سامنا ہے۔ کشمیریوں کا مطالبہ صرف میت کو واپس لینے کا ہے، کیا ان کو دے دینے سے حکومت کمزور پڑ سکتی ہے؟" ایک رپورٹر نے سوال کیا۔

"دیکھیں! سرکار پوری کوشش میں ہے کہ اس احتجاج کو کسی طرح روکا جائے۔ باقی رہی میت لینے کی بات تو اس میں ہمارا مشورہ ہوا ہے کہ فی الحال لاش واپس نہ دی جائے ہاں بعد میں لاش واپس دینے کا سوچا جا سکتا ہے۔" وزیر داخلہ نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

"سر! کیا کشمیری آتنک وادیوں کی جانب سے کوئی دھمکی آئی ہے؟" ایک صحافی نے سوال کیا۔

"نہیں! ہمیں ایسی کوئی "چنوتی" نہیں دی گئی۔ اگر دی گئی تو اس کے ذمہ دار کشمیری قوم خود ہو گی۔" وزیر داخلہ نے کہا۔

"یس سر، تھینک یو سر!" سب صحافیوں نے یک زبان ہو کر کہا اور پریس کانفرنس برخاست کر دی گئی۔

☆......☆......☆

"دیکھیں! آپ اپنے آپ کو قصور وار نہیں ٹھہرا سکتے۔ آپ کیوں اتنی پریشانی مول رہے ہیں۔ آپ کے زخم ابھی بھی پوری طرح مندمل نہیں ہوئے آپ کو مکمل آرام کی ضرورت ہے" یہ کمانڈر ارسلان تھا جو ایک گھر کے صحن میں چکر کاٹتے غصے سے بھرے جانباز کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"میں کیسے مان لوں کہ میں اس میں شامل نہیں۔ کمانڈر خالد کو میری وجہ سے شہید کیا گیا۔" جانباز نے بھیگی پلکوں کے ساتھ کہا اور ایک ہاتھ کا مکہ بنا کر دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر دے مارا۔

"ان کی شہادت یقینی تھی۔ انہیں آج نہیں تو کل انڈین آرمی شہید کرنا چاہتی تھی لیکن کسی بہانے کے انتظار میں تھی۔ آپ اس میں شامل نہیں۔ ہم سب مل کر کمانڈر صاحب کا بدلہ لیں گے۔" کمانڈر ارسلان نے مزید کہا۔

"ان شاء اللہ! میرا خون ان کے انتقام کے لئے بہے گا۔ ان کا ایسا انتقام لوں گا کہ انڈین کتوں کو اپنی اوقات یاد آ جائے گی۔ ان کی نسلیں بھی اس انتقام کو یاد رکھیں گی۔" جانباز کی سرخ آنکھوں سے بہتے آنسوؤں نے اس کے گالوں کا بوسہ لیا گویا اس کا عہد کرنا انہیں اچھا لگا ہو۔

"ہاں ان شاء اللہ! ہم ضرور بدلہ لیں گے۔ چاہیں اس کے لئے ہمیں اپنی جانیں قربان کرنی پڑیں۔"

کمانڈر ارسلان نے بھی جانباز کے اس عہد کی تائید کی۔

"مجھے جلد تمہاری مدد درکار ہوگی۔ میں یہاں مزید ایک ہفتہ رکوں گا۔ مجھے ایک ایسا ٹارگٹ چاہیے جسے میں تباہ و برباد کرسکوں اور کمانڈر خالد کے لئے سینے میں لگی آگ کچھ ٹھنڈی ہو سکے۔ مجھے اس مشن کے لئے ایک سے دو مجاہدین کی ضرورت ہوگی۔ کام کی نوعیت دیکھ کر مزید فیصلہ کروں گا۔ کیا تمہارے ذہن میں ایسا کوئی پلان ہے؟ جس سے میں دو ہفتوں کے اندر اندر انڈین آرمی کو ایک جھٹکا دے سکوں؟" جانباز نے فرشی نشست پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ اب کمانڈر ارسلان اور جانباز ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

"ایک ٹارگٹ ایسا ہے اگر ہم اسے تباہ کرسکیں تو یہ کمانڈر خالد کا بہترین انتقام ہوگا۔ لیکن اس مشن پر عمل کرنا اور کام کرنا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔" کمانڈر ارسلان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"بالکل مجھے ایسا ہی ٹارگٹ چاہیے۔ اب مجھے جلدی سے بتاؤ وہ کیا ہے؟" جانباز نے بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"آپ جانتے ہیں کہ ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی بھارت کا وزیراعظم اسرائیل سے لوٹا ہے۔ وہاں اس نے اربوں ڈالر کے معاہدے کئے ہیں۔ جس میں زیادہ تر اسلحہ کے ہیں۔ اب آپ کو اصل بات بتاتا ہوں۔ ریاست اتر پردیش کے کسی علاقے میں ایک زیرزمین فیکٹری بنائی گئی ہے۔ اس میں اسلحہ سے لیس ڈرونز، فائٹر جہاز اور جدید ہیوی مشین گنز بنائی جارہی ہیں۔ یہ تمام اسلحہ ویسے تو سارا ہی خوفناک ہے مگر اس میں سب سے زیادہ خطرناک چیز ڈرونز ہیں جو کہ ہماری تحریک کے لئے شاید انتہائی خطرناک ثابت ہوں۔ اگر ان پر تجربات کامیاب ہوگئے تو پھر ہم پہاڑوں کی غاروں میں محفوظ ہیں اور نہ ہی گھروں کے خفیہ تہہ خانوں میں۔ ان ڈرونز کو سینکڑوں میل دور بیٹھ کر آپریٹ کیا جاسکتا ہے۔ یہ بیک وقت میزائل فائر بھی کرسکتا ہے اور گولیاں بھی برسا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ہمارے لئے انتہائی خطرناک ہتھیار ثابت ہوسکتا ہے۔ اگرچہ ابھی اس ٹیکنالوجی کو پانے کے لئے بھارت اور اسرائیل کو کافی وقت درکار ہے مگر ابتدائی ٹیسٹ جو کیے گئے ہیں وہ کافی حد تک ہمارے لئے خطرے کی علامت ہیں۔ یہ فیکٹری کس علاقے میں ہے، کیسی ہے اس کے حفاظتی انتظامات کیسے ہیں اس بارے میں کوئی بھی معلومات نہیں ہے۔ یہ معلومات جو میں نے آپ سے شیئر کی ہیں یہ مجھے ایک اعلیٰ سطح کی میٹنگ کے باعث معلوم ہوئیں جو کہ دہلی میں منعقد کی گئی تھی۔ لیکن اگر یہ فیکٹری کام کرجاتی ہے اور اس میں بنائے گئے ہتھیار جو کہ خاص طور پر کشمیریوں پر آزمانے کے لئے بنائے گئے ہیں تو یوں سمجھ لیں کہ تحریک آزادی کو بہت بڑا دھچکا پہنچے گا۔" کمانڈر ارسلان نے انتہائی تفکر بھرے لہجے میں کہا۔

"واہ! کیا بات ہے...... یہ زبردست مشن ہے۔ اس فیکٹری کی تباہی سے نہ صرف انڈیا کی معشیت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا بلکہ اس کے اسرائیل سے تعلقات بھی خراب ہوسکتے ہیں۔ ٹھیک ہے میں اس فیکٹری کی

اپنے طور پر معلومات لیتا ہوں۔ تم میرے لئے کچھ ضروری سامان، کچھ کارڈز پاسپورٹ وغیرہ کا بندوبست کردو۔ باقی مجھ پر چھوڑ دو۔ ان شاء اللہ انڈیا کمانڈر خالد کو شہید کر کے بہت پچھتانے والا ہے۔" جانباز نے انتہائی مضبوط عزم کے ساتھ کہا۔

☆......☆......☆

وزیراعظم ہاؤس میں اعلیٰ سطحی اجلاس جاری تھا۔ اجلاس میں صدر، وزیراعظم سمیت آرمی چیف اور دیگر بڑے عہدیدار شامل تھے۔ خفیہ ایجنسیوں کے چیف بھی اس اجلاس میں مدعو کیے گئے تھے۔

"جی مسٹر شکلا آپ اپنی انفارمیشن سب کے سامنے رکھ دیں۔" وزیراعظم نے اجلاس کی کارروائی مسٹر شکلا سے شروع کرنے کو کہا جو کہ ایک خفیہ ایجنسی کا ہیڈ چیف تھا۔

"شکریہ مسٹر پرائم منسٹر! ...... ہماری خفیہ ایجنسی کو انتہائی معتبر ذرائع سے یہ خبر ملی ہے کہ مختلف جہادی گروپس کمانڈر خالد کی موت کا بدلہ لینے کا انتہائی سنجیدگی سے سوچ رہے ہیں۔ یہ حملہ کسی نوعیت کا ہوگا ابھی اس کے بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔ اس کے لئے فدائیان کو تیار کیا جا رہا ہے۔ جو کشمیر میں بھی کارروائی کر سکتے ہیں اور انڈیا کے اندر بھی کسی مقام کو نشانہ بنا سکتے ہیں۔ دو دن پہلے ہمارے انتہائی خاص مخبر نے اطلاع دی ہے کہ جانباز انڈیا میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ کسی نئے مشن پر ہو سکتا ہے۔ وہ اکیلا بھی ہو سکتا ہے اور ساتھیوں کے ساتھ بھی۔ فی الحال صرف اتنی معلومات ملی ہیں۔ ہماری ٹیم مزید معلومات لینے کی انتہائی کوشش کر رہی ہے۔ جیسے ہی اطلاع آتی ہے فوراً مطلع کر دیا جائے گا۔" مسٹر شکلا نے کہا اور بیٹھ گیا۔ کچھ دیر تک اجلاس میں خاموشی رہی۔ اس کے بعد آرمی چیف اچانک اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور کہا:

"شکریہ مسٹر شکلا! آپ کی ٹیم کی کارکردگی قابل تحسین ہے۔ کمانڈر خالد کی پھانسی کے بعد ایسے کسی بڑے حملے کی خبر ہمارے لئے کوئی بڑی خبر نہیں ہے۔ لیکن ہم اس کے لئے تیار ہیں۔ آج سے ہی تمام فورسز اگر انڈیا کے آنے جانے والے راستوں، بڑے شہروں کے مخصوص ہوائی اڈوں، بس، ریلوے اسٹیشن اور دریائی راستوں کو کور کرلیں اور نگرانی سخت کر دیں تو ہم اس خطرے کو بہت پہلے ہی پکڑ سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم اپنے شہروں میں موجود اہم مقامات پر سیکیورٹی آج سے ریڈ الرٹ کر دیں، اور مقامی شہریوں میں یہ شعور اجاگر کریں کہ کسی اجنبی کو دیکھیں تو فوراً ہیلپ لائن پر کال کریں تو ہم آنے والے خطرے کو جڑ سے اکھاڑ پھینک سکتے ہیں۔" آرمی چیف نے انتہائی جوش بھرے جذبے کے تحت ساری پلاننگ بنا دی۔

"ویری گڈ جنرل! ٹھیک ہے۔ آپ اس آپریشن کی کمان سنبھال لیں اور اپنے تحت ساری ایجنسیز کو متحرک کر دیں، انہیں یہ ساری ہدایات دے دیں۔ کسی قسم کی غفلت برداشت نہیں کی جائے گی۔ ہم امریکہ، اسرائیل اور ایران کے ساتھ ایک نئے تعلق کی بنیاد رکھ رہے ہیں جو ہمارے کاز کو تقویت دے سکتے ہیں۔ لیکن اگر ہم آتنک

وادیوں سے ہار گئے تو ہم عالمی طاقتوں کا اعتماد کھو دیں گے۔ اس کے لئے ہمیں سخت ایکشن لینے کی ضرورت ہے۔" وزیراعظم نے کہا اور آخر میں ان کا لہجہ سرد ہو گیا۔

سب نے اثبات میں سر ہلایا گویا وہ وزیراعظم کی بات کی تائید کر رہے ہوں۔ کچھ دیر بعد وزیراعظم نے اجلاس کو برخاست کر دیا اور یوں میٹنگ کا اختتام ہو گیا۔

☆......☆......☆

جانباز کو آرام کیے دو ہفتوں سے زائد ہو چکے تھے۔ اب وہ تازہ دم ہو چکا تھا اور ایک نئے مشن کے لئے بالکل تیار تھا لیکن کمانڈر ارسلان کو ایک نئے پاسپورٹ اور آئی ڈی بنوانے میں شدید مشکلات کا سامنا تھا جس کی بدولت جانباز انڈیا داخل ہونے کے مزید نئے راستوں کی تلاش میں سوچ رہا تھا کہ اچانک کمرے میں کمانڈر ارسلان داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر خوشی کے آثار تھے جیسے وہ کامیاب لوٹا ہو۔

"کیا خبر ہے کمانڈر؟" جانباز نے بھی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"کام بن گیا ہے۔ نیو آئی ڈی اور پاسپورٹ آپ کو آج مل جائے گا۔ آپ کو اپنے چہرے کی تھوڑی بہت تبدیلی کرنی ہو گی۔ باقی سب ٹھیک ہے۔ کیونکہ اب ایجنسیز آپ کا حلیہ پہچانتی ہیں اور وہ کسی بھی لمحے آپ کو شناخت کر سکتی ہیں۔ نیا آئی ڈی اور پاسپورٹ تین دن کے اندر ہمارے پاس پہنچ جائے گا اور پھر آپ نئی اڑان کے لئے تیار ہوں گے۔" کمانڈر نے واقعی جانباز کو خوشخبری سنا دی۔

جانباز نے یہ سن کر کمانڈر ارسلان کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ اس کے اداس چہرے پر رونق سی آ گئی۔ اس کے بدن میں بجلی کوندنے لگی۔ وہ جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر نئے سفر کے لئے تیار ہو گیا۔ صرف تین بعد وہ ایک نئے سفر پر نکل جائے گا۔ ان شاء اللہ

☆......☆......☆

فوجی ہیڈ کوارٹر دہلی کے بڑے سے گیٹ پر ایک انتہائی قیمتی بی ایم ڈبلیو گاڑی آ کر رکی۔ گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر ایک نوجوان سویلین لباس میں موجود تھا۔ اس کے انداز سے لاابالی پن صاف جھلک رہا تھا۔ کچھ لمحوں کے بعد اس کی گاڑی کے شیشے پر دستک ہوئی۔ یہ گیٹ پر کھڑا ہوا فوجی تھا جو اس نے اس کی شناخت پوچھنے کے لئے گاڑی کا شیشہ نیچے کرنے کو کہہ رہا تھا۔ نوجوان نے گاڑی کا شیشہ نیچے کیا اور بنا کچھ کہے اپنا کارڈ اس فوجی کی طرف بڑھا دیا۔

فوجی نے کارڈ دیکھا اور کارڈ اس کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا۔ وہ چونک گیا اور بے ساختہ منہ سے نکلا۔

"ریڈ ایگل" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا، ماتھے پر کئی شکنیں آ گئیں جیسے اسے یقین نہ آ رہا ہو۔ لیکن حقیقت اس کے سامنے تھی۔ بادل نخواستہ اس نے کارڈ واپس بڑھا کر سیلوٹ کیا اور بیریئر ہٹا دیا۔ رکاوٹ ہٹتے ہی نوجوان نے بڑی لاپرواہی سے گاڑی آگے بڑھا دی۔

نوجوان کی منزل فوجی ہیڈ کوارٹر میں اب چیف آف آرمی اسٹاف کے گھر کی طرف تھی۔ یہ گھر بھی اسی

ہیڈکوارٹر میں بنا ہوا تھا۔ جلد ہی وہ ان رکاوٹوں تک پہنچ گیا جو آرمی چیف کے گھر جانے سے کچھ پہلے موجود تھیں۔ ان کو اس نوجوان کے آنے کی اطلاع پہلے سے تھی اس لئے انہوں نے گاڑی دیکھتے ہی رکاوٹیں ہٹادیں اور نوجوان بلا تکلف گاڑی آگے لے جاتا گیا۔ گھر کے سامنے پہنچ کر گاڑی لاک کی اور بے فکری سے ایک ہاتھ میں چابی اچھالتا ہوا وہ اب آرمی چیف کے وسیع و عریض ڈرائنگ روم میں موجود تھا۔ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد آرمی چیف ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔

''کیسے ہو وکی بوائے! تمہیں کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی یہاں آتے ہوئے؟'' آرمی چیف نے انتہائی بلا تکلف انداز میں آنے والے نوجوان کو مخاطب کیا۔

''ٹھیک ہوں سر! آپ کیسے ہیں؟ نہیں مجھے کیسی تکلیف ہونی ہے؟'' آنے والے نوجوان جس کا نام وکی تھا نے ویسے ہی لہجے میں جواب دیا۔

''گڈ...... آؤ باہر لان میں چلتے ہیں۔ یہاں دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں'' آرمی چیف نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر دونوں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے سرسبز و شاداب لان میں موجود پڑی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

''آپ کچھ زیادہ ہی پراسرار بن رہے ہیں۔'' وکی نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

''کیا کریں...... ایسے معاملے میں بننا پڑتا ہے۔'' جنرل نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ہاں تو مجھے آج کیسے یاد کیا؟'' وکی نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پر ایسی سنجیدگی طاری ہوگئی جیسے وہ کبھی مسکرایا ہی نہ ہو۔ کچھ دیر پہلے والا کھلنڈرا نوجوان اب غائب ہو چکا تھا۔

جنرل بھی اس کی سنجیدگی دیکھتے ہوئے اصل موضوع کی طرف آ گیا۔

''میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔'' وکرم راٹھور یعنی تم (وکی) اس دیش کا بہت بڑا اگر پس پردہ نام ہے۔ تم اس دیش کے ''ٹاپ سیکرٹ ایجنٹ'' ہو۔ تم نے دیش کے لئے بہت کارنامے سرانجام دیے ہیں۔ دیش کا ایٹمی پروگرام کی حفاظت بھی بلاشبہ تمہاری تنظیم ریڈ ایگل کے پاس ہے۔ تم صرف چار لوگ ہو مگر ان چاروں میں تمہاری صلاحیت کا میں معترف ہوں۔ تم نے سی آئی اے اور پھر موساد میں بھی مکمل ٹریننگ لی اور وہاں بھی تم نے دیش کا نام روشن کیا اور ہمیشہ اول پوزیشن لی۔ اس کے بعد تم نے غیر ملک اور اپنے ملک کے اندر درجنوں اٹیک کو اکیلے ہی روکا ہے اور تم بلاشبہ ریڈ اتھارٹی بھی ہو۔ یعنی تمہارے اختیارات اس ملک کے صدر کے برابر ہیں۔ لیکن اس کے باوجود تم انتہائی خفیہ رہتے ہو اور تم سے کوئی واقف نہیں ہے۔ تم بیک وقت بلیک بیلٹ اور نشانہ بازی میں ماہر ہو۔ اسرائیل میں تم نے مقابلے کے دوران کرنل جمیز کو شکست دی جو کہ اس دنیا کا سب سے بڑا جوڈو فائٹر سمجھا جاتا تھا۔ تم دنیا کا تقریباً ہر ہتھیار چلا سکتے ہو اور دنیا کی بیس سے زائد زبانیں بھی ازبر یاد ہیں۔ تمہاری صلاحیتوں اور کارکردگی کو دیکھتے ہوئے میں نے تمہارا انتخاب کیا ہے۔ امید ہے تم میری امیدوں پر پورا اترو گے۔'' جنرل نے

تمہید باندھتے ہوئے کہا۔

''اوہ! آپ نے میری کچھ زیادہ ہی تعریف کر دی۔ آپ کا بہرحال مجھ پر بہت احسان ہے۔ آپ بتائیں میں کیا کر سکتا ہوں؟'' وکی نے جواب دیتے ہوئے کہا اس کا چہرہ اب بھی سپاٹ تھا۔

''تم جانتے ہو کہ حال ہی میں ایک خطرناک کشمیری قیدی ''جانباز'' فرار ہوا ہے۔ اس نے فرار ہو کر نہ صرف حکومت کو شدید مشکلات سے دوچار کیا ہے بلکہ اس کے ساتھیوں نے فدائی اٹیک کر کے ہمارے درجنوں فوجی مار دیئے ہیں۔ جس کے جواب میں ہم نے کمانڈر خالد کو پھانسی دی ہے۔ اب خفیہ ایجنسیوں نے اطلاع دی ہے کہ جانباز اور اس کے ساتھی کسی خفیہ مقصد اور مشن پر انڈیا میں داخل ہو کر کوئی کارروائی کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کارروائی کس طرح کی ہوگی اس کے بارے میں ابھی کچھ حتمی اطلاع نہیں ہے مگر یہ اطلاع پکی ہے۔

ہم آج تک جانباز سے ایک قدم پیچھے رہے ہیں۔ میں کل ہی سوچ رہا تھا کہ آخر جانباز میں ایسی کیا خاص بات ہے کہ وہ ہماری پکڑ سے دور ہے اور ہمیں سخت نقصان پہنچا کر وہ چھلاوہ بن کر نکل جاتا ہے۔ اس کی واحد وجہ یہ سامنے آئی کہ وہ اکیلا کام کرتا ہے۔ اس کا کوئی رازدان نہیں ہے۔ وہ کوئی کلیو نہیں چھوڑتا اور نہ ہی کوئی کمزوری اس کے مشن پر حاوی ہوتی ہے۔ صرف یہی ایک واحد وجہ ہے جس کی بدولت وہ اس قدر ہائی فائی مشن بھی کامیابی سے سرانجام دے دیتا ہے۔

اسی لئے اب ہمیں بھی جانباز کی طرز پر کام کرنا ہوگا۔ ہمیں کسی فورس کا سہارا لینے کی بجائے تمہاری طرح کے کسی باصلاحیت نوجوان کو آگے کرنا ہوگا تاکہ جانباز کو اس کے ٹکر کا بندہ مل سکے۔ مجھے تمہاری صلاحیتوں پر پورا بھروسہ ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم اکیلے کام کرنا پسند کرتے ہو۔ میں چاہتا ہوں تم جانباز کو زندہ یا مردہ پکڑو اور مجھے سونپ دو۔ اب انڈیا کسی بھی حملے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔'' آرمی چیف نے اسے بلانے کا اصل مقصد بتا دیا۔

''مجھے لگا تھا آپ مجھے کوئی بڑا کام سونپیں گے۔ یہ چور سپاہی کا کھیل مجھ سے نہیں ہوگا۔ کسی گلی محلے کے چور اچکے کو اب میں پکڑتا پھروں۔ آئی ایم ریلی سوری سر! یہ میرے ٹائپ کا کیس نہیں ہے۔'' نوجوان نے قدرے ناراض لہجے میں کہا۔

''میں جانتا تھا تم ایسے ہی کہو گے۔ اس لئے میں نے جانباز کی گذشتہ پانچ سال کی رپورٹ، اس کی کارروائیوں کی تفصیل اور اس کی عادات وسکنات پر رپورٹ منگوا لی تھی۔ تم اطمینان سے فائل پڑھ لو۔ اگر تمہارے لیول کا کیس لگے تو ضرور اس میں دلچسپی لینا ورنہ تمہارے اوپر میں کیسے جبر کر سکتا ہوں۔ تم تو کھڑے کھڑے مجھے معطل کر سکتے ہو۔'' جنرل نے آخر میں ہنستے ہوئے کہا اور فائل تھما دی۔

نوجوان نے بے دلی سے فائل تھامی جیسے یہاں آنے کا سارا وقت ضائع گیا ہو اور واپس جا کر اپنی بی ایم ڈبلیو گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔ اس کا رخ ایک مشہور ہوٹل کی طرف تھا۔ چہرے سے صاف لگ رہا تھا کہ وہ بور

ہو چکا ہے۔ اب اس کو کسی تفریح کی ضرورت ہے۔ اس نے ڈیش بورڈ میں پڑی اس فائل کو ایک نظر نخوت سے دیکھا اور گردن جھٹک کر کار کی رفتار بڑھا دی۔

☆......☆......☆

دروازے پر دستک ہوئی تو جانباز نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

کمانڈر ارسلان دروازے پر موجود تھا۔ جانباز نے اسے اندر آنے کو کہا۔

"کیا خبر لائے ہو کمانڈر؟" جانباز نے پوچھا۔

"آپ کا آئی ڈی اور پاسپورٹ تیار ہیں۔ مگر اس کے بعد ایک بری خبر ہے اور ایک اچھی خبر ہے۔ آپ بتائیں پہلے کون سی سناؤں؟" کمانڈر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جو بھی دل کرے پہلے وہ سنا دو!" جانباز نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"بری خبر یہ ہے کہ انڈیا میں داخلہ تقریباً ناممکن بنا دیا گیا ہے۔ داخلی و خارجی تمام راستوں پر تین تین چیک پوسٹیں بنا دی گئی ہیں۔ بس اڈوں سے لے کر ہوائی اڈوں تک ریڈ الرٹ جاری کر دیا گیا ہے۔ اس لئے اب سیدھے طریقے سے انڈیا میں داخل ہونا تو ناممکن بات ہے۔ اچھی خبر یہ ہے کہ زیر زمین اس لیبارٹری کی ایک خفیہ فائل کا پتہ چلا ہے۔ اس فائل میں وہ تمام معلومات درج ہیں جو آپ کو چاہیں لیکن اس فائل کا حصول بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ یہ فائل انڈین ریزروبینک دہلی کے خفیہ زیر زمین لاکر میں رکھی گئی ہے۔ جس تک پہنچنا ناممکن ہے۔" کمانڈر ارسلان نے کہا۔

"انڈیا میں داخلے کا دیکھا جائے گا لیکن یہ فائل والی بات بہت کام کی ہے۔ بس پھر مشن مکمل ہونے کی دعا کروا میں کل ان شاء اللہ روانہ ہو رہا ہوں۔ جانباز نے مسکراتے ہوئے کہا اور کمانڈر ارسلان کو گلے سے لگا لیا۔

☆......☆......☆

پھر کیا ہوا؟

انتہائی خوفناک ایک نیا مشن......

جس کا آغاز ہی آپ کے رونگٹے کھڑے کر دے گا......

کیا وکی خفیہ ایجنٹ اس کام پر راضی ہو جائے گا؟......

کیا ہو گا آخر......

ضرور پڑھتے رہیے...... مسلمان بچے

☆......☆......☆

قادر (خفیہ ایجنٹ) کو اپنا کام کرتے کرتے دو سال ہو چکے تھے۔ اس نے اپنا ایک نیٹ ورک اور اثر ورسوخ قائم کرلیا تھا۔ وہ بھارتی فوج کی توقعات سے بڑھ کر اپنا کام سرانجام دے رہا تھا۔ کمانڈر سلطان سمیت وہ اب تک 24 سے زائد مجاہدین کی مخبری کر کے انہیں بھارتی فوج کے ہاتھوں شہید کروا چکا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے مختلف جہادی تنظیموں کے مابین ایک نفرت اور اشتعال انگیز پروپیگنڈہ کا سلسلہ بھی شروع کر رکھا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ مجاہدین کے اتحاد کو کسی طرح کمزور کیا جاسکے۔ اس کی مسلسل الزام تراشیوں اور مکاریوں کو کشمیری مجاہدین سمجھ نہ سکے اور جلد ایک دوسرے سے بدظن ہو گئے جس کا فائدہ بھارتی فوج نے اٹھایا اور اس دوران سینکڑوں مجاہدین شہید ہو گئے۔ وہ مجاہدین جو ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے قادر کی خوفناک حکمت عملی کی وجہ سے اب وہ ایک دوسرے سے تعاون پر آمادہ نہیں ہوتے۔ ان کا اتحاد ٹوٹ گیا اور وہ ایک ایک کر شہید کیے جانے لگے۔ شاہین کے لئے قادر کی یہ خوفناک چال کافی دیر بعد سامنے آئی لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ وہ درجنوں بڑے مجاہدین کمانڈر کو نگل چکا تھا۔ وہ اب ایک عفریت بن چکا تھا جو کہ آزادی کے لئے خوفناک سے خوفناک بنتا جا رہا تھا۔ کئی بڑے کمانڈر قادر کو اب بھی ایک نیک نیت کشمیری مجاہد سمجھتے تھے لیکن شاہین جو کہ اب کافی ضعیف ہو چکا تھا وہ اب جان چکا تھا کہ قادر آستین کے سانپ کا کردار ادا کر رہا ہے لیکن اسے مارنا اور ختم کرنا آسان نہ تھا۔ کیونکہ قادر کے طرفدار اب بہت سے کشمیری تھے اگر قادر کو ختم کر دیا جاتا تو کشمیر کے جو مجاہدین اب تک متحد تھے وہ رہی سہی

کسر بھی پوری ہو جاتی۔ اسی لئے شاہین کچھ اور سوچ رہا تھا۔ اس نے جانباز کو ایک مشن پر مقرر کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ مشن جس قدر خوفناک تھا اسی قدر بہت عظیم بھی تھا کیونکہ اس مشن سے کشمیر کی جدوجہد آزادی کی بقاء تھی۔ مجاہدین کشمیر جو ایک دوسرے سے تقریباً متنفر ہو چکے تھے ان کو متحد کرنے کے لئے شاید یہ آخری راستہ بچا تھا۔ اگر یہ امید بھی ختم ہو جاتی تو پھر کشمیر کو تباہی سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ کشمیر میں بھارتی افواج کے خلاف رہی سہی مزاحمت بھی دم توڑ جاتی۔ اسی لئے شاہین نے جانباز کو بلا کر ساری صورتحال اس کے سامنے رکھی۔

"جانباز بیٹا! ہم سب جانتے ہیں کہ تم نے ہم کشمیریوں کے لئے بڑی قربانیاں دی ہیں۔ آج کل کے حالات تم جانتے ہو۔ کمانڈر قادر جسے مسلمان کہتے ہوئے بھی میرا سر شرم سے جھک جاتا ہے اس نے ہر طرف ایسی آگ لگا دی ہے جسے بجھانا میرے بس میں نہیں۔ نہ ہی کوئی میری بات سننے کو تیار ہے۔" شاہین نے بجھے بجھے لہجے میں جواب دیا۔ یہ بوڑھا شیر شاید اب مایوس ہو چکا تھا۔

"آپ ایسے مت کہیں! آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ آپ حکم کریں میں کمانڈر قادر کو جانتا ہوں۔ وہ انڈین ایجنسیوں کا ٹاؤٹ ہے۔ میں نے اسے آپ کی وجہ سے اب تک قتل نہیں کیا ورنہ اب تک وہ میرے ہاتھوں مارا جا چکا ہوتا۔ آپ حکم کریں اسے ابھی جا کر ٹھکانے لگا دوں" جانباز نے جذباتی انداز میں کہا۔

"نہیں! میں ایسا نہیں کہہ سکتا۔ مجھے تمہاری قابلیت پر بھی شک نہیں لیکن اس کے مرنے سے مسئلہ حل نہیں ہو گا۔ وہ لوگ جو اسے اب بھی کشمیر کا ایک سچا لیڈر مانتے ہیں وہ اس کے قتل پر بھڑک اٹھیں گے اور میں ڈرتا ہوں کہ ایک دوسرے کے خلاف گولیاں چل پڑیں گی۔ میں ایسا نہیں چاہتا" شاہین نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ جانباز بڑی توجہ سے اسے سنتے چلا جا رہا تھا۔

"لیکن آخر اس کا کوئی حل تو ہو گا؟ کیا ہم سب یوں تقسیم ہوتا دیکھتے رہیں گے؟ آج انڈین فوج خوش ہے کیوں کہ ہم لوگ ایک دوسرے کے اب نہیں رہے۔ ہمارے شہداء ہم انہیں کیا جواب دیں گے؟ کیا چپ کر کے بیٹھ جانا ان کے خون سے غداری نہ ہو گا؟"

جانباز اب کمرے میں اٹھ کر ٹہلنے لگا تھا۔ صاف لگ رہا تھا کہ اسے شاہین کا یوں پیچھے ہٹ کر قادر کے قتل کا حکم نہ دینا سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

"بیٹا! میں تمہارے جذبات کی قدر کرتا ہوں لیکن فی الحال حالات ہمارے لئے سازگار نہیں ہیں۔ میں بھی پچھلے ایک سال مسلسل اسی کام میں لگا ہوا ہوں لیکن کوئی صورت سمجھ نہ آ رہی تھی مگر اب الحمد ایک ایسی صورت پیدا ہو گئی ہے جس سے امید کی کرن جاگی ہے۔ اگر ہم اس مشن میں کامیابی حاصل کر لیتے ہیں تو مجاہدین کشمیر دوبارہ سے متحد ہو سکتے ہیں، دوبارہ سے ہم اپنی تحریک جدوجہد آزادی کو بام عروج پر پہنچا سکتے ہیں" شاہین نے جیسے ہی یہ کہا تو جانباز فوراً دوزانو ہو کر شاہین کے قدموں میں آ بیٹھا۔

"اچھا کیا واقعی؟ بتایئے تو سہی وہ کیا صورت ہے؟ میں اپنی جان لگا دوں گا مگر اس مشن کو کامیاب بناؤں گا" جانباز نے انتہائی اشتیاق سے کہا۔

''میری اپنے دوست ملک پاکستان میں ایک بہت بڑے عالم دین اور نوجوان مجاہد سے تقریباً دو ماہ سے مسلسل بات ہوئی۔ وہ مجاہد حضرت شیخ جی کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کے بیانات بھی تم نے سن رکھے ہوں گے وہ کشمیر کا عجیب درد اپنے دل میں لئے رکھتے ہیں۔ ان کی آواز میں تاثیر ہے جو سنتا ہے شیدائی ہو جاتا ہے۔ جو پڑھتا ہے وہ فدائی ہو جاتا ہے۔ ہمارے یہاں تمام کمانڈر ان کو اپنا بڑا بھی تصور کرتے ہیں۔ اگر ہم ان کو یہاں بلوا کر تمام مجاہدین سے ملاقات کروائیں اور انہیں مجاہدین کشمیر کے اتحاد کا ٹاسک دیں تو میرا نہیں خیال ہم اپنے مقصد میں ناکام ہوں گے۔ وہ بہت عظیم شخصیت ہیں ان کی شخصیت ہی اس قدر متاثر کن ہے کہ وہ ہماری ڈوبتی ناؤ کو سہارا دے سکتے ہیں اور یہاں ایک بار پھر جہاد کے زمزمے بلند ہو سکتے ہیں اور ہمارا مشن کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے'' شاہین نے اپنی بات مکمل کر کے جانباز کے چہرے کے تاثرات دیکھنے شروع کر دیئے۔

''کیا کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں؟ کیا واقعی آپ کی ان سے بات ہوئی؟ وہ تو میرے مرشد ہیں، میں انہیں غیبی طور پر اپنا استاد مانتا ہوں۔ کیا واقعی وہ کشمیر آنے کے لئے رضامند ہو گئے ہیں یا آپ کوئی مذاق کر رہے ہیں؟'' جانباز کے چہرے پر جوش دیدنی تھا۔ وہ اس بات کا صدیوں میں بھی تصور نہ کر سکتا تھا۔

''واقعی بیٹا! وہ خود کشمیر کی اس صورتحال سے کافی پریشان ہیں۔ اگرچہ ان کا یہاں آنا کس قدر خطرناک اور جوکھم بھرا کام ہے مگر وہ خود یہاں آنے کے لئے تیار ہوئے ہیں۔ یہ ان کا ہم پر ایسا احسان ہے جو شاید ہماری نسلیں بھی نہ اتار سکیں'' شاہین نے جانباز کی خوشی دیکھتے ہوئے کہا۔

''الحمد للہ واقعی یہ ان کا ہم کشمیریوں پر بہت بڑا احسان ہوگا۔ میری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی اور میں جی جان سے ان کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں۔ ان شاء اللہ کشمیر میں وہ پرانے دن لوٹ آئیں گے۔ جس میں جذبہ جہاد کی سرشاری ہوگی اور آزادی کے ولولے ہوں گے۔ ان شاء اللہ'' جانباز نے بھی اس عظیم کام کے سب سے اہم حصہ کا بیڑہ اٹھا لیا تھا۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ یہ کس قدر مشکل کام ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسے خوشی بھی تھی کہ جس نام کو سن کر اس کے دل میں جذبہ جہاد اجاگر ہوا تھا اور جن کی تقریریں سن کر وہ آزادی کا ایک سپاہی بنا تھا بہت جلد وہ ان کو دیکھ سکے گا۔

اس کے بعد شاہین اور جانباز دونوں سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور پلاننگ کرنے لگے کہ کیسے ان کو پاکستان سے یہاں لانا ہے اور پھر ان کی حفاظت کیسے کرنی ہے اور کیسے ان کو مجاہدین کمانڈرز سے رابطے میں رہنا ہے اور اجلاس منعقد کروانے ہیں۔

O......O......O

بانڈی پورہ کشمیر کا ایک بڑا اور خوبصورت علاقہ تھا۔ ہر طرف ہریالی اور سرسبز و شادابی۔ لیکن آج کل یہاں برف کا راج تھا۔ جگہ جگہ کئی کئی فٹ برف پڑی تھی۔ گھنے درختوں اور پودوں کو برف نے اپنے دامن میں چھپا لیا تھا۔

یہاں ایک سحر سا طاری تھا۔ آسمان سے دھنکی ہوئی سفید روئی کے پھوارے چپ چاپ خاموشی سے گرتے جارہے تھے۔ اس کی شدت کبھی ہلکی اور کبھی تیز ہو جاتی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے پوری کائنات ایک دبیز سفید چادر اوڑھ چکی تھی۔ حد نظر تک دودھیا سی چکا چوند پھیلی ہوئی چاندنی، کیا حسن اور سکون تھا، پیڑ پودے، شاخ، ڈالیاں سب سفید براق برف سے ڈھک چکے تھے۔ مکانوں کی چھتیں، منڈیریں اور ہر چیز کو سفیدی نے ڈھانپ لیا تھا۔

برگ وبار پہ ڈالی ڈالی پہ
دھنکی ہوئی روئی کے یہ پھوے
آسماں سے اترتے ہوئے گرتے ہوئے
ہر شے کو ڈھانپتے ہوئے
اک حسین منظر جیسے حسین خواب ہے یہ
سبحان اللہ تری قدرت کا کمال ہے یہ
چاندی سی سفیدی ہر سو پھیلی
اجلی اجلی نکھری نکھری
مشین کونسی فیکٹری کیسی
لاجواب ہے اس قادر کی صناعی

جانباز بانڈی پورہ میں ایک گھر کی کھڑکی سے قدرت کے اس حسین نظارے کو جیسے اپنے اندر اتار رہا تھا۔ اس کے حسین چہرے پر برف کی ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی۔ جو اس کے سرخ وسفید چہرے کو مزید حسین بنا رہی تھی۔ چہرے پر اگی چھوٹی چھوٹی داڑھی جواب بھیگ چکی تھی۔ اس کے گھنے سیاہ بال اس کی گالوں کو چھو رہے تھے۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ دل میں جیسے اس خوبصورت اور حسین موسم کو اپنے اندر اتار رہا ہو۔ کشمیر کا یہ موسم اسے بہت پسند تھا۔

وہ یہاں شاہین نیٹ ورک کے ایک گھر میں بیٹھا ہوا تھا۔ یہ ایک خالی گھر تھا جس میں دو کمرے تھے یہ انتہائی ایمرجنسی میں استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ گھر بانڈی پورہ شہر سے کچھ ہٹ کر واقع تھا۔ بانڈی پورہ کشمیر کا وہ علاقہ تھا جو سرحدی کہلاتا تھا۔ یہاں سے کچھ فاصلے پر باڑ واقع تھی۔ جہاں سے آگے پاکستان کی سرحد شروع ہو جاتی تھی۔ وہ یہاں ایک خاص مقصد سے آیا تھا۔ اسے یہاں ایک خاص مہمان کو وصول کرنا تھا جس کا وہ پورے چھ ماہ سے انتظار کر رہا تھا۔

رات کی تاریکی میں سرحد پار سے ایک ایسے انسان نے آنا تھا جس کے وہ صرف خواب ہی دیکھا کرتا تھا۔ جلد ہی شام ہوگئی اور سرحد پار اس نے مخصوص فریکونسی پر رابطہ کیا۔ وہاں سے اسے گرین سگنل مل چکا کہ مہمان وہاں سے آنے کے لئے مکمل تیار ہیں۔

اس نے ضروری سامان اٹھایا۔ ہتھیاروں سے مکمل لیس ہو کر وہ گھر سے باہر نکل آیا۔ رات کی تاریکی اب کافی چھا چکی تھی۔ اس نے سیاہ رنگ کا چست لباس پہنا ہوا تھا وہ رات کے اس وقت تاریکی کا ہی حصہ لگ رہا تھا۔ اسے سرحد کے بالکل پاس ایک مخصوص حصے تک پہنچنا تھا جہاں سے سرحد پار سے آنے والے مہمان کو وصول کیا جانا تھا۔ یہ ایک طویل گھاٹی تھی جو غار نما تھی۔ اس کا کچھ حصہ کھود کر یہاں جگہ پہلے ہی بنا دی تھی اس کے کچھ اوپر باڑ تھی۔ باڑ ایسی جس میں ہر وقت ہزاروں وولٹ کا کرنٹ مسلسل دوڑ

رہا ہوتا ہے اور یہاں مسلسل فوجی گشت بھی کرتے رہتے ہیں۔ جانباز کو ہر قدم احتیاط سے رکھنا تھا لیکن خطرہ اس قدر زیادہ تھا کہ کامیابی کے چانس صرف پانچ فیصد تھے مگر جانباز اور وہ مہمان یہ خطرہ مول لینے کو تیار تھے۔ بھارتی فوج کا پہرہ ہر دس منٹ بعد اس جگہ آتا تھا لیکن آج چونکہ برف باری عروج پر تھی اس لئے کچھ وقفہ بڑھنے کا امکان تھا۔ اس دوران اس چھوٹی سی گھاٹی سے جسے ایک خاص انداز میں مجاہدین کشمیر نے بنالیا تھا ایک شخص ایک وقت میں رینگ کر آ سکتا تھا۔ جانباز اب اس جگہ کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔ وہ کچھ دور ہی رک گیا۔ اس نے اپنی جیکٹ سے سائلنسر لگا پستول نکالا اور اسے مضبوطی سے تھام لیا۔ اب وہ بالکل برف میں لیٹا ہوا تھا۔ آس پاس جھاڑیاں تھیں اس نے اپنے اوپر برف ڈال لی تھی اب وہ بالکل برف کا ہی ایک حصہ لگ رہا تھا۔ اسے ابھی کچھ دیر ہی ہوئی تھی کہ اسے کچھ فاصلے پر ایک جیپ آہستہ آہستہ چلتی نظر آئی جس کے اردگرد فوجی بھی ساتھ چل رہے تھے اور جیپ پر طاقتور دوبینیں اور سرچ لائٹس نصب تھیں جس سے پورا علاقہ روشنی میں نہا سا گیا تھا۔ جانباز چونکہ کس قدر جھاڑیوں میں تھا اور برف میں پوری طرح دبا ہوا تھا اس لئے اسے دیکھے جانے کے امکان کافی حد تک کم تھے۔ کچھ دیر بعد وہ گاڑی نظروں سے اوجھل ہو گئی تو جانباز کرالنگ کرتا ہوا پیٹ کے بل لیٹتے ہوئے آگے بڑھنے لگا۔ کچھ دیر بعد وہ باڑ کے بالکل قریب پہنچ گیا اس نے منہ پر ہاتھ رکھا اور ایک مخصوص آواز تین بار نکالی یہ آواز جنگلی گیدڑ کی تھی جو یہاں بکثرت تھے۔ یہ ایک سگنل تھا کہ جلد از جلد وہاں سے گھاٹی کراس کر آ جائیں اور راستہ صاف ہے۔ بظاہر سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا اور جانباز کو اب آنے والے مہمان کا انتظار تھا۔ اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔ نظریں چاروں طرف سرچ لائٹ کی طرح گھوم رہی تھیں۔ اتنے سرد موسم میں بھی اس کی پیشانی پر پسینے کے چند قطرے نمودار ہو کر گردن پر گر گئے تھے۔

O......O......O

بانڈی پورہ کے اس فوجی کیمپ میں مکمل خاموشی تھی۔ چند پہریدار جو کہ گیٹ پر تعینات تھے جاگ رہے تھے اور چوکنا تھے کیونکہ سرحد پر اکثر کچھ نہ کچھ چلتا رہتا تھا جس سے پریشانی لاحق ہو جاتی تھی اس لئے یہاں جگہ جگہ چوکیاں بھی قائم کی گئیں تھی اور سرچنگ پارٹیاں بھی رات دن مسلسل چکر لگاتی رہتی تھیں۔

فوجی کیمپ کے بیرونی گیٹ پر چند فوجی خوش گپیوں میں مصروف تھے ان کے ساتھ آگ کا ایک الاؤ جل رہا تھا جس سے ان کو حرارت مل رہی تھی، کبھی کبھی قہقہے کی آواز بھی ابھر آتی تھی۔ اسی دوران اچانک ایک فوجی نے چونک کر باہر کی طرف نگاہ دوڑائی۔

”اوئے چپ کر! آواز سن! شاید یہ گیدڑ کی آواز ہے؟“ بولنے والے نے کہا تو سب خاموشی سے اس آواز کو سننے لگے جو مزید بھی دو دفعہ ان کو سنائی دی۔

”یار! آج بڑے دنوں بعد سنائی دی اس کی آواز۔ کیا خیال ہے شکار نہ کیا جائے؟ قریب ہی ہوگا آواز تو صاف سنائی دے رہی ہے“ ان میں سے ایک شخص بولا۔

"ٹھیک ہے نکالو جیپ۔ دو بندے یہاں بیٹھو۔ باقی سارے میرے ساتھ چلو! شکار کا مزہ لیتے ہیں آج......"

یہ کہہ کر وہ اٹھے۔ جیپ اسٹارٹ کی اور فوراً جس جانب سے آواز آئی تھی روانہ ہو گئے۔

O.....O.....O

جانباز کے لئے ایک ایک لمحہ صدیوں بھاری لگ رہا تھا۔ اچانک اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس کو آواز سنائی دی اور فوراً سے بھی پہلے وہ سمجھ گیا کہ یہ آواز فوجی جیپ کی ہے جو شاید بالکل قریب ہی ہے۔ ایک لمحے کو تو حیران ہوا کہ ابھی اسی جگہ سے پورا فوجی قافلہ گزرا ہے یہ دوسرا کیوں یہاں آرہا ہے؟

وہ بالکل پریشان ہو گیا۔ اس نے گھاٹی کی طرف دیکھا جہاں سے ابھی تک کوئی نمودار نہ ہوا تھا۔ اسے جلد فیصلہ کرنا تھا۔ اس نے دو بار مزید گیدڑ کی آواز نکالی اور پھر کچھ پیچھے سرکنا شروع ہو گیا۔ فوجی جیپ اب قریب آرہی تھی یہاں تک کہ اس نے لائٹس دیکھ لیں تھی۔ وہ پریشان ہو گیا اور اس نے لیٹے لیٹے ہی پیچھے سرکنا شروع کر دیا۔ جلد ہی وہ گھاٹی سے کس قدر ہٹ چکا تھا لیکن اب اسے فکر لاحق ہو گئی تھی کہ آنے والے مہمان اگر اس دوران پہنچ گئے تو کس قدر مشکل کھڑی ہو سکتی ہے۔ فوجی گاڑی اب بالکل قریب آ چکی تھی۔ اس نے آخری بار اس مصنوعی سرنگ کی طرف دیکھا۔ اسے کوئی نظر نہ آیا تو اس نے فیصلہ کیا اور جیب سے ایک فائر گن نکالی اس کی نال کا رخ آسمان کی طرف کیا اور ٹریگر دبا دیا۔ ایک ہلکا سا دھماکہ ہوا اور آسمان پر ایک سرخ رنگ کا شعلہ سا نمودار ہوا اور پھیل گیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ حالات خطرناک ہیں، مہمان واپس پلٹ جائیں کیونکہ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ فوجی گاڑی نے یہ شعلہ دیکھ لیا تھا اور وہ جگہ بھی دیکھ لی تھی جہاں سے یہ فائر کیا گیا تھا انہوں نے فائرنگ شروع کر دی اور جانباز نے کسی چیتے کی سی پھرتی سے وہ جگہ بدل کر جیب سے ہینڈ گرنیڈ نکالا اور گاڑی کی طرف اچھال دیا۔ ایک کان پھاڑ دھماکہ ہوا اور دونوں طرف گولیوں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی۔ فائرنگ شروع ہوتے ہی آس پاس درجنوں گاڑیاں سائرن بجاتی پہنچنے لگی اور جانباز کا شاید یہ آخری مشن ثابت ہونے والا تھا کیونکہ وہ بری طرح گھر چکا تھا۔ اسے فکر تھی تو بس مہمان کی، جن کا اسے کچھ معلوم نہ تھا۔

O.....O.....O

آگے کیا ہوا؟

کیا وہ مہمان واپس لوٹ گئے یا سرنگ کراس کر گئے؟

کیا جانباز اپنی زندگی کی سب سے خوفناک لڑائی لڑنے میں ناکام ہو گیا؟

کیا یہ عظیم مشن مکمل ہونے سے پہلے ہی ناکامی سے دوچار ہو گیا؟

آخر کیا ہوا؟

اس کے لئے پڑھتے رہیے...... مسلمان بچے

O.....O.....O

56

جانباز

جانباز چاروں طرف سے پھنس چکا تھا۔ شاید برف سے ڈھکی یہ زمین اس کا مقتل بننے والی تھی۔

جانباز چاروں طرف مسلسل فائرنگ کر رہا تھا لیکن آرمی گھیرا بنائے اس کی طرف بڑے محتاط انداز میں بڑھ رہی تھی۔ جانباز نے خود کو حوالے کرنے سے زیادہ بہتر جانا کہ وہ گرنیڈ کا دھماکہ کر کے خود اپنے ساتھ ان فوجیوں کو بھی تباہ و برباد کر دے۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس پر عمل کرتا اچانک سرحد کی جانب سے شدید فائرنگ شروع ہو گئی۔ جو جانباز کے لئے نعمت مترقبہ ثابت ہوئی۔ آرمی کا گھیرا ٹوٹ چکا تھا اب وہ تتر بتر ہو کر دو طرف سے دفاع کر رہے تھے اور پیچھے ہٹ رہے تھے۔ یہی موقع تھا جب جانباز نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ کچھ ہی دور گھنا جنگل شروع ہو رہا تھا جس میں وہ چھپ کر بھاگ سکتا تھا۔ اسے بس خطرہ تھا کہ سرحد پار سے آنے والے مہمان اس ساری صورتحال سے بچ گئے ہوں۔ اس کے ذہن میں یہ بات بھی تھی کہ اس کو بچانے کے لئے کس نے سرحد سے فائرنگ کی تھی۔ لیکن اس وقت کچھ سمجھنے یا سوچنے کا وقت نہیں تھا بس وہ پیچھے ہٹتا ہوا جنگل کی جانب بڑھتا چلا گیا، یہاں تک کہ وہ جنگل تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد اس کی منزل کچھ مشکل نہ تھا۔ جنگل اس کے لئے گھر جیسا تھا۔ یہاں اس کے پاس چھپنے کے بہت سے راستے تھے۔ یہ درخت اور پہاڑ اس کے اپنے تھے۔ وہ اسے اور یہ ان کو جانتا تھا۔ اس لئے جیسے ہی جنگل شروع ہوا۔ جانباز نے سکھ کا سانس لیا۔

☆......☆......☆

بارڈر سیکیورٹی فورسز کا ہنگامی اجلاس دہلی میں طلب

کرلیا گیا تھا۔ باقاعدہ تحقیقات شروع ہوچکی تھیں کہ رات گئے کیا واقعہ پیش آیا؟

بھارتی وزیر دفاع کے ساتھ ساتھ آرمی چیف بھی اس اجلاس میں مدعو تھے جن کے سامنے ساری صورتحال رکھی جانی تھی۔ اس اجلاس میں وہ فوجی بھی شریک ہورہے تھے جنہوں نے سارا ماجرا خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

اجلاس شروع ہوچکا تھا اس کی صدارت آرمی چیف خود کررہے تھے۔

"جی کرنل پرتاب سنگھ! آپ کی کیا رپورٹ ہے؟" جنرل نے قدرے سخت لہجے میں حکم دیا۔ حکم سنتے ہی ایک قدرے گٹھے ہوئے جسم کا مالک اٹھ کھڑا ہوا جو آرمی چیف کے ساتھ پہلی کرسی پر ہی بیٹھا تھا۔

"سر! کل رات معمول کے مطابق سیکیورٹی فورسز کا گشت بانڈی پورہ کے سرحدی علاقے میں جاری تھا کہ اچانک ایک فوجی پارٹی کو شک گزرا کہ سرحد کے آس پاس کچھ ہلچل ہورہی ہے چنانچہ ایک سرچ پارٹی موقع پر پہنچی تو ان پر اچانک فائرنگ شروع کردی گئی۔ خیال یہی ہے کہ دو یا دو سے زیادہ ملی ٹینٹ سرحد کے پار سے آئے تھے انہوں نے فائرنگ کی۔ جس کے نتیجے میں ہمارے چار فوجی موقع پر ہی مارے گئے اور دو زخمی ہوئے۔ ہمارے اہلکاروں نے ایک ملی ٹینٹ کو گھیر بھی لیا تھا مگر اچانک سرحد پار سے شدید گولہ باری شروع ہوگئی۔ دوسری طرف بھی ملی ٹینٹ تھے جس کی وجہ سے ہمارا اور نقصان ہوا اور تین فوجی مارے گئے۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ اسی افراتفری میں وہ واحد ملی ٹینٹ بھاگ نکلا۔ اس کے لئے علاقے کی گھیرابندی کردی گئی ہے۔ ممکن ہے وہ بہت جلد پکڑا جائے گا۔"

ایک طویل گفتگو کے بعد کرنل جو کہ شاید تحقیقاتی ٹیم کا سربراہ تھا بیٹھ گیا۔ لیکن اجلاس میں اس کی گفتگو کے بعد ایک خاموشی سی چھاگئی۔

"کیا خیال ہے اس کے لئے بی ایس ایف کے کمانڈر انچارج کا کورٹ مارشل کیوں نہ کردیا جائے" (آرمی چیف نے غصے سے میز پر مکہ مارتے ہوئے کہا)

"اس قدر نقصان اور ہمارا کیا ہو؟ کہ سرحد پار سے لوگ آکر ہمارے فوجیوں کو ماریں اور پھر واپس بھی چلے جائیں کیا ہم اس قدر نکمے ہوگئے ہیں۔" وزیر دفاع نے بھی اس گفتگو میں اپنا حصہ شامل کرتے ہوئے کہا۔

"سر! میں کچھ کہنا چاہوں اگر آپ اجازت دیں تو"...... اچانک ایک سویلین شخص نے جو بالکل کونے میں بیٹھا ہوا تھا ہاتھ کھڑا کرتے ہوئے کہا۔

جی جی ضرور جوگی صاحب! آپ ضرور کچھ کہیں۔ آرمی چیف نے مودب انداز میں کہا۔ شاید یہ کوئی بڑا آدمی تھا۔

"سر! میں سمجھتا ہوں کہ سرحد پار سے کچھ نہیں ہوا۔ بلکہ یہ کسی اندر کے بندے کے کام ہے۔ یعنی سرحد میں اس قدر پھرتی سے لڑائی لڑنا اور پھر محفوظ اپنے ٹھکانے تک پہنچ جانا صرف اور صرف کسی اندر والے کا ہی کام لگتا ہے۔ میں نے وہ علاقہ بغور دیکھا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ

باہر سے کوئی شخص آئے اور پھر اس قدر شدید گھیرے میں آنے کے باوجود بچ جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ

آخر ایک یا دو ملی ٹینٹ اس قدر دور سرحد کے بالکل قریب لوگوا ریا میں آخر کیا کرنے آئے تھے؟ اصل تحقیق اس بات کی کی جانی چاہیے۔ اس کے پیچھے کوئی بہت بڑی سازش لگتی ہے۔ یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے؟ یہ دو لوگ یا ایک یا جتنے بھی تھے۔ کوئی بہت ہی اہم کام سرانجام دینے آئے ہوئے تھے مگر بدقسمتی سے ناکام رہے۔ رہی سرحد پار سے جو فائرنگ ہوئی۔ اس کا بھی میں نے جائزہ لیا ہے۔ ایک کھائی جو سرحد کے بالکل پاس سے ہو کر گزر رہی ہے۔ یہاں سے کوئی شخص اگر رینگ کر کسی طرح دوسری جگہ پہنچ جائے تو جا سکتا ہے اگرچہ اسے اب گرا دیا گیا ہے۔ لیکن غور سے دیکھا جائے تو یہ کھائی قدرتی نہیں بلکہ انسانی ہاتھ سے بنائی گئی ہے۔ اس کے بارے میں تحقیق ہونی چاہیے کہ وہاں سے کون آ رہا تھا یا پھر یہاں سے لوگ وہاں جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اصل بات یہ ہے۔

اس آدمی نے جو واقعی کافی زیرک تھا نے واقعے کا کافی باریک بینی سے جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"شکریہ جوگی صاحب! ماشاء اللہ آپ کی خدمات ملک و قوم کے لئے لائق تحسین ہے۔ آپ نے خوب تجزیہ کیا ہے واقعی اس حوالے سے تو ہمارے ذہن میں کوئی بات نہیں آئی تھی۔" آرمی چیف نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

بہرحال یہ واقعہ ہماری آرمی کے لئے بہت ناخوشگوار ہے۔ اس کے لئے صرف اور صرف بی ایس ایف ذمہ دار ہے۔ لہٰذا اس کے سیکٹر انچارج کمانڈر کو فوج سے برخاست کیا جاتا ہے۔ اس کی جگہ کسی اچھے کمانڈر کو وہاں تعینات کر دیا جائے اور آئندہ وہاں اس قسم کے کوئی ایسے حالات پیش نہیں آنے چاہئیں۔ اور ہم جناب جوگی صاحب سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنی ٹیم کے ساتھ اس تفتیش کو مزید آگے بڑھائیں کہ آخر اصل مقصد کیا تھا؟

یہ کہہ کر وزیر دفاع نے آرمی چیف کو دیکھا جنہوں نے گردن ہلا کر اس بات کا اظہار کیا کہ وہ بھی اس فیصلے سے متفق ہیں۔

اس کے بعد مجلس برخاست کر دی گئی۔

☆......☆......☆

"بہت مشکل سے تم بچ گئے جانباز، اس صورتحال سے واقعی بچنا معجزہ ہی ہے۔ اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ دوسری طرف بھی خیر ہی رہی۔ تمہارے چھوڑے گئے فائر کے بعد ہمارے مہمان وہیں رک گئے اور وہاں سے واپس تشریف لے گئے لیکن انہی کے حکم پر وہاں موجود ان کے ساتھیوں نے فوجیوں پر شدید فائرنگ شروع کر دی۔ جس کی وجہ سے تم وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔" شاہین نے جانباز کو کہا جو اس وقت شاہین کے ٹھکانے پر اسے ملنے کے لئے آیا ہوا تھا۔

"میں بہت معذرت خواہ ہوں کہ آپ کا انتہائی اہم کام نہ کر سکا۔ کیا اب ہم کشمیر میں آنے والے اس خوفناک طوفان کو کیسے روک پائیں گے جس کا آپ پچھلی ملاقات میں ذکر کر رہے تھے۔" جانباز نے کس قدر افسوس سے کہا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ شکر اللہ کا کہ کوئی نقصان نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا۔ لیکن ان شاء اللہ مہمان ہمارے پاس ضرور آئیں گے۔ کسی اور طریقے سے آئیں گے۔ لیکن آئیں گے ضرور۔ میں جانتا ہوں کہ جب وہ کوئی بات کریں تو اپنی بات سے پیچھے کبھی نہیں ہٹ سکتے۔ ان شاء اللہ وہ دن جلد آئیں گے جب یہ خوفناک فتنہ ختم ہو جائے گا۔'' شاہین نے دعائیہ انداز میں کہہ کر ہاتھ اٹھا لئے۔

''ان شاء اللہ جب بھی وہ آئیں گے میں ان کے لئے اپنے دل و جان سے ان کی حفاظت کروں گا۔ ان پر کسی قسم کی آنچ نہ آنے دوں گا۔'' جانباز نے مضبوط لہجے میں کہا۔

☆......☆......☆

کمانڈر آفاق کشمیری مجاہدین کے سرخیل میں سے تھے۔ تمام کشمیری مجاہدین ان کی عزت کرتے اور انہیں اپنا قائد بھی مانتے تھے۔ بھارتی فوجیوں کو بہت مطلوب تھے لیکن پچھلے بارہ سال سے بھارتی فوج ان تک نہ پہنچ سکی تھی۔

کمانڈر آفاق ایک سال بعد اپنی والدہ سے خفیہ طور پر جیسے ہی ملنے پہنچے تو اس کی اطلاع خفیہ ایجنٹ اور غدار وطن قادر نے بھارتی فوج کو دے دی۔ اسی وقت آناً فاناً فوج ان کے گھر تک پہنچ گئی۔

کمانڈر آفاق کے ساتھ دو ساتھی ان کے مزید تھے۔ گھر میں اس وقت بوڑھی ماں اور اس کے ساتھ کمانڈر کی دو بہنیں بھی موجود تھیں جو شادی شدہ تھیں مگر بھائی سے ملنے کی محبت انہیں اس گھر میں کھینچ لائی تھی۔

شام ڈھلے بھارتی فوج نے گھر سے چند قدم دور ہی مورچے سنبھال لئے۔ کمانڈر آفاق نے بھی شہادت کی موت کو چنا۔ عورتوں کو گھر کے اندرونی حصے کی جانب بھیج دیا گیا اور خود اس کے دو ساتھی بھارتی فوج سے کے ساتھ لڑنے میں مشغول ہو گئے۔ جس قدر ہتھیار تھے ان کے بدولت لڑائی شروع ہو گئی۔ بھارتی فوج نے مسلسل گولہ باری کر کے گھر کو کافی نقصان پہنچایا مگر وہ کمانڈر آفاق تک پہنچنے میں ناکام ہو رہے تھے۔ اب رات کافی ہو چکی تھی۔ لیکن کمانڈر اور اس کے ساتھی کسی صورت ہار ماننے کو تیار نہیں تھے۔ چنانچہ بھارتی فوج نے رات کے اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے گھر کے چاروں طرف کئی کلو بارود لگا دیا۔ اور پھر ایک زوردار دھماکہ کر کے گھر کو مکمل طور پر تباہ کر دیا گیا اور اس گھر میں موجود تمام لوگ شہادت کی اعلیٰ معراج پا گئے۔ بعد ازاں انڈین فوج نے کمانڈر آفاق کی لاش کی بے حرمتی کی اور انہیں سڑک پر گھسیٹا۔ یہ مناظر اس قدر گھناؤنے تھے کہ وہاں موجود کشمیری مسلمانوں کا صبر اور ہمت جواب دے گئی اور وہ نہتے ہی فوجیوں پر پل پڑے مجبوراً فوجیوں کو لاشیں وہیں چھوڑ کر جانا پڑا۔ اس کے بعد کشمیریوں نے مل کر شہداء کرام جس میں کمانڈر آفاق کی والدہ اور دو بہنیں بھی شامل تھیں کا جنازہ پڑھا اور انہیں ایک قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ یہ واقعہ پورے کشمیر میں غم کی ایک شدید لہر پیدا ہو گیا۔ کیونکہ کمانڈر آفاق

کی یوں شہادت ظاہر کر رہی تھی کہ کشمیری مجاہدین میں اب اتحاد نہیں رہا۔

اس واقعے کے بعد تمام کشمیری مجاہدین کے لئے خطرے کا الارم بج چکا تھا۔ وہ جان چکے تھے کہ اب اگلی باری ان کی ہے۔

☆......☆......☆

پھر کیا ہوا؟

کیا کشمیری ایک ایک کر یوں شہید کر دیے گئے یا؟

یا

قادر غدار وطن کا کوئی بدانجام ہوا؟

سرحد پار سے آنے والے مہمان کا کیا ہوا؟

کیا واقعی وہ تشریف لے آئے اور کشمیری مجاہدین کو متحد کر دیا؟ یا پھر جانباز اس مشن میں ایک بار پھر ناکام ہو گیا؟

☆......☆......☆

اولاد کو وفادار بنانے کا نُسخہ!

باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اولاد کے سامنے ان کی ماں کی تعریف کرے۔

اسی طرح ماں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اولاد کے سامنے ان کے والد کی تعریف کرے۔

گویا دونوں کی مشترکہ ذمہ داری ہے کہ اولاد کے سامنے ایک دوسرے کی کوشش، محنت اور قربانی کا تذکرہ کرتے رہیں۔ تاکہ بچوں میں والدین سے وفاداری، والدین کا احساس، والدین سے محبت اور مضبوط تعلق پروان چڑھے۔

58

زبیر طیب

جانباز

جانباز کو لگا جیسے درجنوں گولیاں اس کے جسم سے آر پار ہوگئی ہوں۔ اسی ہڑبڑاہٹ میں اس کی آنکھ کھل گئی۔

وہ مچان پر بیٹھے بیٹھے سوچکا تھا۔ تبھی اسی خواب آیا کہ وہ گھیر لیا گیا ہے اور اس پر گنیں تان دی گئی ہیں۔ اس نے خواب میں لاشعوری طور پر اپنا بچاؤ کرنا چاہا اور نتیجتاً اس کی آنکھ کھل گئی۔

آنکھیں مسل کر جانباز نے فوراً ادھر ادھر دیکھا اور اطمینان کیا کہ سب کچھ ٹھیک ہے۔ ایک بار تو وہ اپنے خواب کو ذہن میں سوچ کر مسکرا دیا۔ کیا ہوتا اگر یہ سچ ہو جائے۔ دل ہی دل میں اس نے سوچا۔

اس کے چہرے پر بڑی پراسرار سے مسکراہٹ سج گئی۔ ہاں بے شک ایسے جانبازوں کے لئے یہ لمحات بڑے پراسرار سے ہی ہوتے ہیں۔ جب ان کے اور گولی کے درمیان چند سیکنڈوں کا فاصلہ ہو اور پھر گولی ان کے جسم سے آر پار ہو جائے اور ان کی روح مسکرا اٹھے۔

اب صبح ہونے کو تھی۔ اس نے دوربین سے ایک بار پھر مالیگا چھاؤنی کو دیکھا جس کی لائٹس اب بجھا دی گئی تھیں۔ کچھ چہل پہل شروع ہو چکی تھی مگر جانباز کو ان میں اپنا شکار نظر نہیں آ رہا تھا۔ جانباز کی نیند بھی اچھے سے پوری نہ ہوئی تھی۔ وہ بس تھوڑی دیر ہی کے لئے سویا تھا اور پھر اسے خواب نے جگا دیا تھا۔

جانباز درخت پر لیٹے لیٹے کس قدر تھک گیا تھا۔ اس

نے سوچا پوری طرح اجالا ہونے سے پہلے وہ ایک بار قضائے حاجت سے فارغ ہو جائے اور کچھ دیر نیچے اتر کر اپنے جسم کو ریلکس کر لے۔ اسی خیال کے تحت اس نے اپنی سنائپر گن پیچھے کندھے پر لٹکائی اور پھر مخصوص انداز میں نیچے اترنے ہی لگا کہ اسے اچانک ایک سیٹی کی آواز سنائی دی۔ ایک لمحے کے لئے تو وہ حیران رہ گیا۔ فوراً سے اس نے نیچے دیکھا جہاں سے آواز آ رہی تھی مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔ ابھی وہ ادھر ادھر دیکھ ہی رہا تھا کہ دوبارہ پھر وہی سیٹی کی آواز گونجی۔ اب یہ آواز سنتے ہی جانباز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ ایک جنگلی چوہے کی آواز تھی جو جسامت میں بلی سے بھی بڑا ہوتا ہے۔ صبح سویرے ہی یہ جانور اپنے بل کے دہانے پر کھڑا ہو زوردار آواز نکالتا ہے جو سیٹی سے مشابہ ہوتی ہے۔

جانباز مطمئن ہو کر درخت سے نیچے اتر آیا۔ بمشکل بیس منٹ اس نے نیچے گزارے اب وہ دوبارہ واپس اپنی جگہ پر تھا۔ وہ چھاؤنی پر اب مسلسل نظریں گاڑے ہوئے تھا۔ کیونکہ اب وہ ضرور باہر نکل سکتا تھا۔ اس کے پاس اس دوران وقت بہت کم رہ جاتا۔ چنانچہ وہ اب مستعدی سے مسلسل چھاؤنی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لیکن اس کا شکار برگیڈیئر اشانت اسے کہیں دکھائی ہی نہیں دے رہا تھا۔

اسے اس حالت میں بیٹھے مزید دو گھنٹے گزر گئے اب تو دن اچھا خاصا نکل آیا تھا۔ اچھی بات یہ تھی کہ برف باری کسی حد تک تھمی ہوئی تھی۔ اچانک جانباز کو چھاؤنی میں کچھ ہلچل سی محسوس ہوئی۔ ایک ہیلی کاپٹر چھاؤنی کے بالکل بیچ و بیچ بنے ہیلی پیڈ پر اتر گیا۔ اس میں سے ایک فوجی اتر کر ہیلی کاپٹر کا بغور معائنہ کرنے لگا۔ اسی دوران دو فوجی ہیلی کے قریب آئے اور اس شخص سے کچھ کہا جواباً اس نے بھی سر ہلایا اور دوبارہ سے واپس اپنی ڈرائیونگ سیٹ پر چلا گیا۔

جانباز مستعد ہو کر بیٹھ گیا کہ ضرور ہو نہ ہو اس کے شکار کے آنے میں بس کچھ ہی لمحے باقی ہیں۔

بالاخر وہی ہوا۔ جانباز کا انتظار ختم ہوا اور برگیڈیئر اشانت اپنے انہی دو ساتھیوں کے ساتھ تیز تیز قدموں سے ہیلی کی جانب بڑھتا دکھائی دیا۔ جانباز کے پاس بس کچھ ہی سیکنڈ تھے۔ اس نے نشانہ لیا مگر اس کے دونوں ساتھی اس کے دائیں بائیں تھے جن کی وجہ سے جانباز اس کا صحیح نشانہ نہ لے پا رہا تھا۔ یہاں تک کہ برگیڈیئر اشانت ہیلی پر پہنچ گیا اور اس دوران جانباز کو اپنا مشن ناممکن دکھائی دیتا نظر آیا۔ جس کے انتظار میں وہ پچھلے کئی گھنٹوں سے اس درخت پر بیٹھا تھا وہ اس کے ہاتھ سے کسی چکنی مچھلی کی طرح نکل گیا تھا۔ اس کے ہیلی کاپٹر میں بیٹھنے کی وجہ سے اب فاصلہ بھی ایک ہزار میٹر سے بڑھ گیا تھا۔ لیکن جانباز نے ہیلی کاپٹر کا نشانہ سادھا اور یہ جان کر اس کا ذہن بھک سے اڑ گیا کہ جہاں برگیڈیئر بیٹھا تھا اس کے شیشے کالے رنگ تھے۔ جانباز کا دل بیٹھنے لگا۔ اس کو صحیح نظر نہ آ رہا تھا۔ کالے شیشوں کی وجہ سے ہدف کا نظر آنا ناممکن تھا اور کوئی بھی اندھا اقدام مشن کے لئے اور اس کی خود اپنی جان کے لئے مناسب نہیں تھا یہ تو کسی خودکشی کی طرح تھا۔ جانباز کوس رہا تھا کہ اس نے ہیلی کاپٹر کے کالے شیشوں کی طرف پہلے دھیان کیوں نہ دیا۔ لیکن

اب تو جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ اسے اپنا مشن ناکام دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے پاس سوچنے کے لئے ایک منٹ سے بھی کم وقت رہ گیا تھا کیونکہ ہیلی کاپٹر اسٹارٹ ہو چکا تھا اور اسکے پنکھے گھومنے لگ گئے تھے۔

اچانک جانباز کو ایک ترکیب سوجھی۔ ترکیب اگرچہ بہت احمقانہ تھی مگر جانباز یہ رسک لینا چاہتا تھا کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ جانباز نے ہیلی کاپٹر کے گھومتے پنکھے پر نشانہ سادھا اور پھر ہیلی کاپٹر نے ہلکی سی اڑان بھری ہی تھی کہ جانباز نے ٹریگر دبا دیا۔ جو سیدھا ہیلی کاپٹر کے پنکھے کی مشین میں پیوست ہو گیا۔ پنکھا رک چکا تھا۔ لیکن کسی کو یہ معلوم نہ ہو سکا تھا فائر ہوا ہے کیونکہ ہیلی کاپٹر کی آواز اتنی شدید تھی جس نے سنائپر کی دھیمی آواز کو دبا دیا تھا۔

ہیلی کاپٹر ایک جھٹکے سے نیچے بیٹھ گیا۔ اس دوران جانباز نے ہیلی کے ان کالے شیشوں کی طرف نشانہ سادھ لیا تھا۔ اسی دوران ہی ڈرائیور نے نیچے اتر کر پنکھوں کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ یہی وہ لمحہ تھا جس کے لئے جانباز نے یہ حرکت کی تھی۔ بریگیڈئر اشانت نے شیشہ نیچے کیا اور ڈرائیور پر چیخنے لگا۔ یہی بس ایک لمحہ جانباز کے لئے کافی تھا۔ اس نے ٹریگر دبا دیا لیکن نظر اس نے دوربین پر ہی رکھی۔ گولی سیدھی اس کے سر پر لگی۔ طاقتور بلٹ نے اس کا آدھا سر اڑا دیا تھا۔ ڈرائیور بلند آواز میں چیخا اور ہیلی کا دروازہ کھول کر باقی سب کو متوجہ کرنے لگا۔ جانباز کا کام مکمل ہو چکا تھا چنانچہ اس نے نظر ہٹا کر گن کندھے پر رکھی اور نیچے اترنے کی تیاری کرنے لگا۔ کیونکہ چھاؤنی کے الارم بجنا شروع ہونے ہی والے تھے۔ اس سے پہلے پہلے وہ بھاگنے کی پوزیشن میں آنا چاہتا تھا۔

اور پھر وہی ہوا۔ سائرن بج اٹھے۔ چھاؤنی کے فوجی کسی ان دیکھے دشمن کی بو سونگھنے آناً فاناً چھاؤنی سے نکلنے لگے۔ ان کا انداز کس قدر محتاط تھا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نظر نہ آنے والے دشمن کا خوف، دکھائی دینے والے دشمن سے کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔

جانباز اب طے شدہ پلان کے تحت ایک طرف سرپٹ دوڑے جا رہا تھا۔ اس کے پاس سامان کافی زیادہ تھا۔ کیونکہ صرف ایک سنائپر کا ہی وزن اچھا خاصا تھا۔ وہ سرپٹ دوڑے جا رہا تھا۔ اس نے چشمے والا راستہ ہی اختیار کیا تھا۔ اس نے بھاگتے ہوئے جلدی جلدی اپنی بوتل ایک بار پھر فل کی اور پھر دوبارہ سے دوڑنا شروع کر دیا۔ اب چڑھائی شروع ہو چکی تھی۔ چنانچہ وہ محتاط انداز میں چڑھائی چڑھنے لگا۔ جب وہ کافی چڑھائی چڑھ چکا تو اس نے دوربین نکال کر چھاؤنی کی طرف دیکھا جہاں سے درجنوں کی تعداد میں فوجی باہر نکل کر ادھر ادھر پھیل کر آگے بڑھ رہے تھے۔ تمام کے تمام مسلح تھے۔

اس پہاڑ سے کچھ دیر ایک اور چھاؤنی بھی تھی۔ جانباز کو اس طرف سے بھی خطرہ تھا۔ کیونکہ ایک چھاؤنی سے دوسری چھاؤنی اطلاع سیکنڈوں میں پہنچا دی جاتی ہے اور پھر جنرل چیک اپ شروع ہو جاتا ہے اور گشتی پارٹیاں گشت پر روانہ ہو جاتی ہیں۔ یہی سوچ کر جانباز بہت جلد کسی محفوظ مقام پر پہنچنا چاہ رہا تھا۔

ابھی وہ پہاڑ کی چڑھائی مکمل نہ چڑھ پایا تھا کہ

اچانک اسے رکنا پڑا کیونکہ اچانک اسے اپنے سر پر ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دینے لگی۔ وہ جہاں تھا وہیں پر ہی لیٹ گیا۔ شاید یہ ہیلی کاپٹر چھاؤنی سے چیکنگ سے لئے بھیجا گیا ہوگا۔ جانباز نے لیٹتے ہوئے گن کا رخ اوپر کی جانب رکھا تھا کیونکہ ہیلی کاپٹر سے فائرنگ کی صورت میں وہ بھی فائر کرنے کی پوزیشن میں ہو۔

ہیلی کاپٹر مسلسل ادھر ادھر گردش کر رہا تھا۔ ابھی وہ ہیلی کاپٹر کو دیکھ ہی رہا تھا کہ اچانک اسے کیمپ کے مخالف سمت سے ایک فوجی گشتی پارٹی کی آواز سنائی دی۔ جانباز مزید ساکت ہو گیا۔ اب یہ قسمت پر تھا کہ گشتی پارٹی کا گشت عین اس مقام پر آتا ہے جہاں جانباز لیٹا ہوا تھا یا اس سے ہٹ کر آتا ہے۔

دونوں طرف کے دشمنوں کے نرغے میں جانباز بری طرح پھنس چکا تھا۔ ایک طرف گن شپ ہیلی کاپٹر تھا جو مسلسل فضا میں گردش کر رہا تھا جبکہ دوسری طرف یہ گشتی پارٹی تھی جو قریب آتی جا رہی تھی۔ جانباز کے قریب جھاڑیوں میں چھوٹی چھوٹی چیونٹیاں تیزی سے جانباز کے اوپر چڑھے جا رہی تھی۔ سرخ رنگ کی یہ چھوٹی چھوٹی چیونٹیاں بڑی بے دردی سے کاٹ رہی تھیں لیکن جانباز اپنی پلک تک نہیں ہلا سکتا تھا۔ یہاں تک کہ اونچا سانس بھی نہیں لے سکتا تھا۔ گشتی پارٹی قریب آ چکی تھی۔ ان کی آوازیں جانباز کو اب قریب سے سنائی دے رہی تھیں۔

☆......☆......☆

''یار! کیا نشانہ تھا اس آتنک وادی کا؟ سیدھا سر ہی اڑا دیا؟ ہماری چھاؤنی کا بریگیڈیئر تو خوف سے کانپنے لگ گیا تھا جب اسے اس خبر کا پتہ لگا تو؟''

ایک سپاہی نے کہا۔

''یہ کسی ایک کا کام نہیں ہو سکتا یہ کم از کم چار سے پانچ آتنک وادیوں کا کام ہوگا۔'' ایک اور سپاہی نے کہا۔

''یار اچھا ہوا بریگیڈیئر مارا گیا۔ بڑا کمینہ انسان تھا۔ ایسے بندے کا یہی حال ہونا تھا۔ صبح شام اس بے غیرت نے ہمیں سولی پر ٹانگ کر رکھا تھا۔'' ایک سپاہی نے جلے بھنے انداز میں کہا۔

''یار یہ چھوڑو اور گشت پر دھیان دو۔ اگر وہ زیادہ ہوئے تو ہم کیسے ان کو روک سکیں گے۔'' ایک سپاہی جوان کا کماندار لگ رہا تھا نے آگے تیز چلتے ہوئے کہا۔

''نہیں سر! ایسی بات نہیں۔ اب تک دس کے قریب چھوٹی بڑی پارٹیاں مختلف چھاؤنی سے نکل چکی ہیں۔ کل ملا کر سو کے قریب اہلکار اس وقت مختلف جگہوں پر گشت کر رہے ہیں۔ صرف ہم ہی نہیں نکلے ہوئے۔'' ایک سپاہی نے جواب دیا۔

اچانک ان میں سے کسی ایک واکی ٹاکی بول اٹھا۔

''ہیلو ہیلو اپنی لوکیشن بتاؤ''

جواب میں کماندار نے اپنی لوکیشن بتادی۔

''ٹھیک ہے تم لوگ ہوشیار رہو۔ اپنے ساتھیوں کو چوکنا کر دو۔ اور تمام کو بتا دو کہ یہاں صرف ایک بندے کی موجودگی کے آثار ملے ہیں۔ وہ بہت اچھا نشانہ باز اور منجھا ہوا سنائپر لگ رہا ہے۔ اس نے ہی بریگیڈیئر اشانت کو مارا ہے۔ آتنک وادی کسی بھی لمحے کہیں سے بھی حملہ کر سکتے ہیں۔ اس لئے تمام لوگ ہوشیار رہیں۔''

''او کے سر اوور''

اب آواز دور جاتی محسوس ہو رہی تھی۔ جانباز کو کس قدر اطمینان ہوا کہ اب وہ آسانی سے کہیں محفوظ مقام پر پہنچ سکتا ہے۔

☆......☆......☆

پھر کیا ہوا؟

کیا جانباز واقعی کسی محفوظ مقام پر پہنچ گیا؟

یا پھر اس کی کسی گشتی پارٹی سے مڈبھیڑ ہوگئی؟

آخر کیا ہوا؟

یہ جاننے کے لئے آپ پڑھتے رہیے مسلمان بچے

جانباز کی طرف سے آپ سب کو عید مبارک

☆......☆......☆

رقم الجلوس

بہتیروں سے سنا اور دیکھا ہے کہ بعض طلباء وطالبات پیپروں کے اختتام پر خوشی کی دُھن میں اپنا رقم الجلوس (رول نمبر) دماغ سے نکال پھینکتے ہیں، جس پر بعد ازاں پشیمانی کا سامنا کر رہے ہوتے ہیں جو کہ نامناسب بات ہے۔سو ان طلباء و طالبات کی خدمت میں مؤدبانہ گزارش ہیکہ حفاظتی اقدامات کرتے ہوئے گھر کی خوبصورت دیوار، فریج، بٹن بورڈ، دروازے، تکیے، پلنگ، کچن، استری، بلے، پنکھے، الماری، سیڑھی، چولہے، فروٹوں کی ٹوکری، دودھ کے گلاس، چائے کے کپ، کمپیوٹر کی ٹیبل، کھانیکے دسترخوان، کھیلنے کی شرٹ، سونے کے بستر، اشتیاق احمد کے ناولز، کرکٹ دیکھنے والے چشمے، چھت پر جانے والے راستے، موبائل کے غلاف اور سمیں رکھنے والے پاکٹ پر اپنے اپنے رولز نمبر لکھ لیں تا کہ بوقت ضرورت کام آوے۔البتہ اپنا رول نمبر یومیہ ڈائری میں، موبائل میں اور دماغ میں محفوظ رکھنے کی ضرورت نہیں۔

☆......☆......☆

بریگیڈیئر اشانت کے قتل کی خبر آس پاس کی تمام چھاؤنیوں میں پہنچ چکی تھی۔ اس سے زیادہ خوفناک بات یہ تھی کہ کشمیر میں سنائپر کارروائیوں کا آغاز ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اعلیٰ سطح کی میٹنگ بھی بلائی گئی تھی۔ تمام چھاؤنیوں میں ریڈ الرٹ بھی جاری کر دیا گیا تھا۔ یہ سب کچھ بریگیڈیئر اشانت کے قتل کے صرف پانچ گھنٹوں بعد ہی شروع ہو چکا تھا۔ کشمیر میں سنائپر کارروائی کی یہ پہلی کوشش نہیں تھی مگر اب یہ کارروائیاں بڑھتی چلی جا رہی تھیں۔ جس کی وجہ سے اب مستقل ریڈ الرٹ جاری کر دیا گیا تھا۔

☆......☆......☆

جانباز کے جسم پر سرخ چیونٹیوں کا جیسے بسیرا سا ہو گیا تھا۔ اگرچہ ابھی چیونٹیوں نے کاٹنا شروع نہیں کیا تھا مگر ان کا رینگنا ہی بہت خوفناک سا احساس پیدا کر رہا تھا۔ لیکن جانباز حرکت بھی نہ کر سکتا تھا کیونکہ قریب ہی درجن بھر سے زائد پیٹرولنگ پارٹیاں تھیں جو مسلسل گشت کر رہی تھیں۔ اس نے دور جاتی ایک گشتی پارٹی کو دیکھا اور اطمینان کا سانس لیا۔ اور فوراً اپنے جسم سے چیونٹیوں کو دور بھگانے لگا۔ جلد ہی ساری چیونٹیوں کو اس نے جسم سے اتار دیا۔ کچھ چیونٹیوں نے اسے کاٹ لیا تھا جس کا درد اسے اب محسوس ہونے لگا تھا۔ لیکن اسے اس کی فکر نہ تھی بلکہ وہ جلد از جلد کسی محفوظ ٹھکانے کی طرف جانا چاہتا تھا۔ جانباز اٹھا اور بہت احتیاط سے آسمان کی طرف دیکھ کر سمت کا اندازہ لگایا اور پھر آگے بڑھنے لگا۔ اس کی رفتار بہت تیز مگر بہت حد تک محتاط تھی۔ جلد ہی اسے بستی نظر آ گئی

لیکن وہ یہ دیکھ کر پریشان ہو گیا کہ قریبی بستی میں سخت کرفیو لگا ہوا تھا۔ پوری بستی میں گھر گھر تلاشی لی جا رہی تھی ۔ جانباز یہ دیکھ کر حیران تو نہ ہوا مگر پریشان ضرور ہو گیا۔ کیونکہ اس کے چھپنے کی جگہ اس بستی کا ایک چھوٹا سا مکان تھا۔ اب جانباز کے لئے اس بستی میں جانا کافی مشکل ہو سکتا تھا۔ وہ بستی سے باہر ہی جنگل میں موجود ایک بڑی چٹان پر کھڑے ہو کر درخت کا سہارا لے کر وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

اونچے لمبے درخت کی بڑی بڑی شاخیں نیچے زمین کی طرف جھکی ہوئی تھی۔ جانباز اس چٹان پر کھڑا کسی شیر کی مانند لگ رہا تھا۔ اس کی خوبصورت گھنی زلفیں اس کے چوڑے کندھوں کو چھو رہی تھیں۔ درخت کی شاخیں اس کے حسین چہرے کو جھوم جھوم کر محسوس کر رہی تھیں۔ سرد ہوا میں جھکی یہ شاخیں اس کے گالوں تک آ کر بوسہ دیتی اور پھر کسی ہوا کے جھونکے سے دور چلی جاتیں۔

جانباز کچھ دیر یہاں کھڑا دیکھتا رہا اور پھر سر ہلا کر ایک طرف کو چل دیا۔ درخت کی شاخیں اس کی طرف لپک کر بڑھنے لگیں لیکن تب تک وہ دور جا چکا تھا۔ ہاں یقیناً ایسے لوگوں کا وجود ہی کتنا حسین، کتنا بابرکت اور کتنا مقدس ہوتا ہے۔ ان کے وجود کا لمس، ان کے ہاتھوں کا لمس، ان کی خوشبو، ان کا بولنا، ان کا چلنا، ان کا کھانا پینا، ان کا سونا جاگنا..... آہ تصور میں کون کون یاد آ گیا۔ دنیا کی ہر چیز ان کی طرف جھکتی ہے مگر وہ اس دنیا کو دھتکار کے آگے بڑھ جاتے ہیں۔

☆—☆—☆

سرینگر کے ایک تھانے میں شدید چیخ و پکار کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے کسی انسان کو ذبح کیا جا رہا ہو۔ وہ دردناک چیخیں تھیں جو تھانے کے در و دیوار کو ہلائے جا رہی تھیں۔ یہ سرینگر میں خفیہ ایجنسی کا ایک ٹارچر سیل تھا جہاں قیدیوں پر بدترین تشدد کر کے ان سے راز اگلوائے جاتے تھے۔ دیواروں پر جا بجا خوفناک ہتھیار لٹکے ہوئے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس عقوبت خانے میں انسانیت چھو کر بھی نہ گزری ہو۔ اس ٹارچر روم میں کل تین افراد تھے۔ دو افراد میں سے ایک کے ہاتھ میں خاردار کوڑا تھا۔ جبکہ دوسرے کے ہاتھ میں تیز دھار خنجر تھا جس سے لہو ٹپک رہا تھا۔ کرسی پر تیسرا شخص لہولہان جکڑا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ پیچھے کی جانب بندھے ہوئے تھے اور اس کا سر بری طرح ڈھلکا ہوا تھا۔ دو افراد میں سے ایک آگے بڑھا اور اس نے بندھے ہوئے شخص کے بال بڑی بے دردی سے پکڑے اور ان کو اوپر کرتے ہوئے بولا:

"یہ کون سا گروپ ہے جو سنا ہے کارروائیاں کر رہا ہے۔ اب بھی نہ بتایا تو یہاں سے تیری لاش جائے گی۔" اس شخص نے غراتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں جانتا بالکل نہیں جانتا۔ پلیز مجھے جانے دو" بندھے ہوئے شخص نے کہا۔

"تمہیں ایک مہینہ دیا تھا لیکن تم ابھی تک بتانے سے قاصر ہو۔ پھر تم ہمارے کس کام کے۔" اس شخص نے ایک زوردار تھپڑ جڑتے ہوئے کہا۔

"میں کر دوں گا۔ مجھے کچھ اور ٹائم دو۔ میں تمہیں بتا

دوں گا۔" چیختے ہوئے اس نے جواب دیا۔

"اور کتنا تم دے سکتے ہیں ہم؟ اس دو ماہ میں صرف سنائپر سے ہمارے بارہ سے زائد بڑے افسر مر چکے ہیں اور کتنا تم دیں تجھے" دوسرے نے آگے بڑھ کر ایک زوردار لات رسید کی اور مزید بولا:

"کتے کی طرح تجھے پال پوس رہے ہیں۔ لیکن تو شاید اب خود کو کوئی چیز سمجھنے لگا ہے۔"......

"ایسی کوئی بات نہیں، میں سب کروں گا جو تم کہو گے۔ میں سچ کہہ رہا ہوں۔" وہ زوردار انداز میں چلایا۔

ایک کوڑا اور پڑا اور اس کی کمر کو ادھیڑ کر رکھ دیا۔ اس کی دلدوز چیخیں جیسے آسمان کو چھو رہی تھی۔

"یہ آخری وارننگ ہے اس کے بعد کسی چوک پر تیری لاش ہوگی اور کتے تیری لاش کو بھنبھوڑ رہے ہوں گے۔" ایک شخص نے اس کے قریب آ کر غراتے ہوئے کہا اور اسے کھولنے لگا۔ دونوں نے اس شخص کو کھڑے ہونے میں مدد دی مگر وہ پھر گر پڑا۔ بدترین تشدد نے اس کی ہمت ختم کر دی تھی۔

"چارہ بچے دے کتے کو۔ ٹھیک ہو کر خود ہی دفع ہو جائے گا۔" ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا اور پھر دونوں نے سر ہلایا اور کمرے سے باہر چلے گئے۔

نیچے گرے شخص نے اپنے منہ میں آئی خونی تھوک کو اچھال کر باہر پھینکا اور کانپتے وجود کو سنبھالنے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔ کوئی اور ہوتا تو شاید اس سے ہمدردی ضرور ہو جاتی لیکن یہ شخص شاید اسی ہی لائق تھا۔ یا شاید اس سے بھی بدتر تشدد کے لائق۔ یہ "قادر" تھا وہ کشمیری جس کا خون سفید ہو چکا تھا۔ جس نے اپنا ضمیر بیچ کھایا تھا اور اب وہ صرف ایک "کتا" تھا جو اپنے مالک کے اشارے پر مار بھی کھاتا اور کسی کو کاٹتا ہوتا تو اسے نقصان بھی پہنچاتا تھا۔ ایسے لوگوں کے ساتھ یہی ہوتا ہے یا شاید اس سے بھی بھیانک انجام۔ وقت پڑنے پر انہیں سر آنکھوں پر بٹھا کر میڈل بھی دیئے جاتے ہیں اور وقت آنے پر انہی کے چہرے پر گولیاں کر انہیں ساری دنیا میں ذلیل و رسوا کرا کر کسی قبر میں اوندھے منہ پھینک دیا جاتا ہے۔

سیکیورٹی ایجنسیوں نے سنائپر کاروائیاں شروع ہوتے ہی قادر کو الرٹ کر دیا تھا کہ وہ اپنے خفیہ ذرائع سے پتا چلائے کہ یہ کون سا گروپ ہے اور انہیں پکڑوانے میں مدد کرے۔ مگر قادر کی اب اصلیت تقریباً سبھی مجاہدین جاننے لگے تھے اس لئے سب اس سے محفوظ رہنے میں عافیت سمجھتے تھے۔ چنانچہ پوری کوشش کے بعد بھی قادر کسی طرح بھی ان سنائپرز کاروائیوں کے متعلق جاننے سے قاصر رہا اور بالآخر جانباز کی بریگیڈیئر اشانت کو مارنے کے بعد جیسے پوری حکومتی مشینری پاگل کتے کی طرح باؤلی ہو گئی۔ جیلوں میں موجود قیدیوں سے لے کر اپنے انسان نما پالتو کتوں کو شدید تشدد کا نشانہ بنایا مگر کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ چنانچہ اب قادر کو آخری چارے کے طور پر تشدد کر کے اسے کسی طرح معلومات لانے کا کہا گیا جس کی حامی قادر نے بھر لی اور اب مزید مہلت مانگ لی۔ قادر نے بہت زیادہ طاقت اکٹھی کر لی تھی۔ بہت سے نوآموز اور ناتجربہ کار ساتھیوں نے اسے تحریک آزادی کا

مجاہد بن کر اس میں شمولیت اختیار کر لی حالانکہ وہ اس کے اندر کے گھناؤنے کردار سے نا آشنا تھے۔ یوں دن بدن تاور ترقی کرتا چلا گیا اور آج اس کا اپنا ایک گروپ تھا جو بظاہر حراستی تھا مگر اسے چلانے والا یہ منحوس انسان اندر سے انڈیا کے ساتھ مکمل ملا ہوا تھا۔

☆......☆......☆

جانباز مسلسل دو دن تک سفر کرتا رہا۔ یہاں تک کہ بالآخر وہ ایک محفوظ ٹھکانے پر پہنچ ہی گیا۔ اس کا ارادہ اب کارروائیاں تیز کرنے کا تھا کیونکہ انڈین آرمی اب مزید بلائی گئی تھی اور وہ علاقوں کے علاقے خالی کروا کر وہاں چھاؤنیاں بنا رہی تھی۔ جانباز انہی چھاؤنیوں کا سیکیورٹی سسٹم تباہ کر کے ایک پیغام دینا چاہتا تھا کہ وہ چاہے جتنی مرضی چھاؤنیاں تعمیر کر لیں وہ کسی صورت بھی کشمیر کے مجاہدین کی مزاحمت سے نہیں بچ سکتے۔

یہی وجہ تھی کہ آج بریگیڈیر اشانت کے مرنے کے دو دن بعد ہی دہلی میں ایک ہنگامی اجلاس بلایا گیا جس میں ملک کے بڑے بڑے عہدیدار شریک ہوئے اور اس کو ہیڈ کر رہے تھے خود پرائم منسٹر۔ اجلاس میں خوب گرما گرمی ہوئی۔

"جنرل اروڑہ! کیا آپ جانتے ہیں کشمیر میں ہمارے آفیسر جس تعداد میں قتل ہو رہے ہیں اس کا مطلب کیا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم کشمیر ہار رہے ہیں۔" پرائم منسٹر نے جنرل کو مخاطب کرتے ہوئے میز پر زوردار مکا مار کر شدید غصے میں کہا۔

"سر ہم اس پر کام کر رہے ہیں۔" جنرل نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"کیا بکواس کام کر رہے ہیں۔ آپ صرف بکواس کر سکتے ہیں۔ یہاں ملک کی سلامتی داؤ پر لگی ہے۔ ہمارے جوان آئے دن مارے جا رہے ہیں۔ ان کی فیملیز پرائم منسٹر ہاؤس کے باہر سراپا احتجاج ہیں۔ ملک ہی نہیں پوری دنیا میں ہمارے جگ ہنسائی ہو رہی ہے۔ آخر آپ کر کیا رہے ہیں؟" پرائم منسٹر نے منہ سے کف نکالتے ہوئے غرا کر کہا۔

"سر! سر آئی ایم رئیلی سوری سر! آپ صرف تین دن ہمیں دیں اور پھر آپ دیکھیں کہ نہ صرف یہ سنائپر کارروائیاں رک جائیں گی بلکہ ہم اچھی طرح دوبارہ اپنی پاور حاصل کر لیں گے۔" جنرل نے اوسان بحال کرتے ہوئے کہا۔

"اٹس لاسٹ وارننگ اور نہ کورٹ مارشل کے لئے تیار رہنا جنرل!" پرائم منسٹر نے غصے سے چیختے ہوئے کہا اور ایک دم سے مڑے اور میٹنگ ہال سے باہر نکل گئے۔ سارے لوگ حواس باختہ وزیراعظم کو جاتا ہوئے دیکھتے رہے اور جنرل ہزیمت کا نشان لیے اپنی کرسی پر ڈھے سا گیا۔

اگلے چوبیس گھنٹے میں کشمیر میں جیسے زلزلہ سا آ گیا۔ کرفیو اور گھر گھر تلاشی کا عمل شروع کر دیا گیا۔ مخبروں کا جال بچھا کر انہیں ڈھونڈنے کا کام سونپ دیا گیا۔ کشمیر میں ایک طرح کی ایمرجنسی لگا دی گئی۔ تاکہ جلد از جلد کوئی کامیابی حاصل ہو جائے۔ جیلوں میں موجود قیدیوں پر تشدد شروع کر دیا گیا اور یوں انڈین میڈیا سے لے کر

انڈین فوجی تک سارے کے سارے کسی پاگل کتے کی طرح مجاہدین کی بو سونگھنے کے لئے پورے کشمیر میں پھیل گئے۔

☆......☆......☆

پٹھانہ میں آج کی شام بڑی حسین تھی۔ یہ کشمیر کے مشرقی علاقے میں ایک بہت ہی خوبصورت علاقہ تھا۔ سرسبز و شاداب علاقہ اور پھر آبشاریں۔ یہ علاقہ آبشاروں کی جنت کہلاتا تھا۔ جگہ جگہ آبشاریں تھیں اور سرسبز و شادابی اس علاقے کا حسن تھی۔ اچانک پولیس سائرن کی آوازیں اس خوبصورت ماحول کا سکون برباد کرنے لگیں۔ آسمان بجلی کا پٹر کی تیز آواز سے گونج اٹھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے بیس سے زائد گاڑیاں اور دو بجلی کا پٹروں نے ایک چھوٹی سی مگر پکے گھر کی حویلی کو گھیرے میں لے لیا اور پھر ایک گاڑی میں سے ایک شخص نے اسپیکر نکال کر اعلان شروع کیا:

"جو کوئی بھی اس گھر میں موجود ہے اگلے دو منٹ میں ہاتھ اوپر کر کے باہر نکل آئے ورنہ وہ مارا جائے گا۔"

یہ اعلان بار بار کیا جانے لگا۔ ابھی ایک منٹ بھی نہ ہوا تھا کہ اچانک ہی دو فائر آئے اور اس اعلان کرنے والے کا سینہ چھلنی کر گئے۔ اس کے بعد دونوں اطراف سے شدید فائرنگ شروع ہو گئی اور پھر تقریباً چھ گھنٹے تک شدید فائرنگ ہوتی رہی، بجلی کا پٹروں نے بھی اندر شیل برسانے شروع کر دیئے۔ یہاں تک کہ پوری عمارت کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا گیا۔

فائرنگ کی آوازیں اب معدوم ہو گئی تھیں۔ اب تلاشی کا عمل شروع کر دیا گیا۔ میجر بھاٹیہ نے اندر موجود آتنک وادیوں کی لاشوں کو اکٹھا کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ پوری حویلی کی تلاشی لی گئی تو دو نوجوانوں کی لاشیں ملیں۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہ ملا۔

میجر بھاٹیہ کا چہرہ غصے سے لال پیلا ہو گیا۔ وہ فوراً مڑا اور اپنی گاڑی کی طرف گیا:

"باہر نکل کتے کے بچے" میجر نے پچھلی سیٹ پر بیٹھے قادر کو بالوں سے گھسیٹ کر باہر نکالا۔

"کیا ہوا سر! میں نے ٹھیک مخبری کی ہے سر یہاں ہی چھپا ہوا ہے "شاہین" یہی اس کا ٹھکانہ ہے سر! میں سچ بول رہا ہوں۔" قادر نے گھگیاتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"چپ کر خبیث انسان! یہ دو آتنک وادی تیرے سامنے ہیں۔ وہ بوڑھا کہاں ہے؟ میرے دس سے زیادہ لوگ مارے گئے اور دو گاڑیاں تباہ ہو گئیں، چھ گھنٹے بعد بھی یہ دو لوگ ملے۔" میجر نے منہ سے کف نکالتے ہوئے کہا۔

"صاحب! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں خبر پکی ہے صاحب! وہ یہاں سے کہیں نہیں گیا صاحب!" قادر نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"پکڑو اسے، ابھی اس کی کھوپڑی کھولتا ہوں۔ بہت ہو گیا اس کا ناٹک۔" میجر غصے سے پاگل ہو چکا تھا۔ اسے جس کی تلاش تھی وہ اسے نہیں ملا تھا۔ بلکہ الٹا اس کا شدید نقصان ہو گیا تھا۔ دو لوگوں نے قادر نے پکڑ کر زمین پر گھٹنے کے بل بٹھا دیا اور میجر نے اس پر پستول تان لی۔

"دیکھ وقت ہے ابھی بھی بول دے۔ وہ بوڑھا

کہاں گیا؟ نہیں تو ابھی تیرے سر پر پوری میگزین خالی کر دوں گا۔" میجر نے غصے سے چلاتے ہوئے کہا۔

"صاحب! صاحب! ایک دن اور دے دو میں ڈھونڈ دوں گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔ صاحب پلیز" قادر نے خوف کے مارے آنکھیں بند کر لیں۔ اسے اپنی موت صاف نظر آ رہی تھی۔

"سر! یہاں دیکھیں۔" اچانک ایک فوجی نے چلاتے ہوئے کہا جو مکان کے ملبے کی تلاشی لے رہا تھا۔

میجر نے ایک لمحے کے لئے قادر کو دیکھا اور پھر پستول واپس ہولسٹر میں رکھ کر وہ اس فوجی کی جانب چلا گیا جس نے اسے بلایا تھا۔

"جلدی بولو کیا بات ہے؟ میرے پاس وقت نہیں ہے۔" میجر نے کرخت لہجے میں کہا۔

"سر! یہ دیکھیں اس کمرے میں یہ کنکریٹ کی دیوار ہے۔ اس قدر کچے مکان میں اس طرح کی دیوار کا ہونا ظاہر کرتا ہے کہ یہاں کوئی خفیہ تہہ خانہ یا کوئی چھپنے کی جگہ ہے۔" فوجی نے چونکتے ہوئے کہا۔

"بالکل بالکل یہ ہو سکتا ہے۔" میجر نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

اس نے وائرلیس پر سارے فوجیوں کو ملبے سے دور ہٹنے کا آرڈر دیا اور پھر ہیلی کاپٹر جو فضا میں گردش کر رہے تھے انہیں حکم دیا کہ وہ یہاں تمام ہائیک بم گرائیں تاکہ اگر کوئی خفیہ جگہ ہے وہ ظاہر ہو جائے۔

"لیکن سر! آس پاس کی آبادی کو نقصان پہنچ سکتا ہے سر! ہیلی کاپٹر پائلٹ نے جواب دیا۔

"جتنا کہا ہے اتنا کرو جوان۔ فوراً بم گراؤ۔ ہم سائیڈ پر ہو رہے ہیں۔" میجر نے کہا اور یہ کہہ کر ملبے سے دور ہٹنے لگا۔

لیکن ابھی وہ چند قدم دور ہی چلا تھا کہ اچانک ملبے میں سے ایک ڈھکن سرعت کے ساتھ کھلا اور ایک بوڑھا شخص دونوں ہاتھوں میں رائفل پکڑے باہر آ گیا۔ اسے باہر آتا دیکھ کر سب نے اس کی طرف بندوقیں تان لیں۔ اس بوڑھے شخص کی رائفل کا منہ اس میجر کی جانب تھا۔

"او ورکرو! دیکھو آخر یہ نکل ہی آیا۔ او بوڑھی ہڈی۔ بندوق پھینک اور خود کو ہمارے حوالے کر دے ورنہ ہڈیوں کا چورا کر دیں گے اسی وقت۔" میجر نے نخوت بھرے لہجے میں اس بوڑھے پر پستول تانتے ہوئے کہا۔

"او مشرک! اس بوڑھے وجود میں ابھی اتنی طاقت ہے کہ وہ تجھے دھول چٹا سکتا ہے۔" شاہین نے گرج کر کہا۔ اس کے ہاتھ مضبوطی سے دونوں رائفل کو بالکل تیار پوزیشن میں رکھے ہوئے تھے۔ انگلیاں ٹریگر پر تھیں۔ جو کسی بھی وقت چلنے کو بے تاب تھیں گویا اس شیر دل بوڑھے کے حکم کا انتظار کر رہی ہوں۔ سینہ چوڑا تھا اور آنکھوں پر عقاب جیسی چمک، جو اپنے شکار کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ شاہین کی نظر میجر سے ہٹ کر دور گھٹنوں کے بل بیٹھے "قادر" پر گئی اور شاہین نے حقارت سے اس کی جانب دیکھ کر تھوک دیا۔ قادر نے یہ دیکھ کر نظریں جھکا لیں کیونکہ اس میں اس سے زیادہ دیکھنے کی تاب نہیں تھی۔

"میں تمہیں آخری وارننگ دے رہا ہوں۔ ہتھیار پھینک دو اور ہاتھ اوپر کر کے گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ

جاؤ۔" میجر نے ایک بار پھر چیخ کر کہا۔

بوڑھے شیر نے ایک نظر سامنے کھڑی آرمی کو دیکھا جس کے ہاتھوں میں تھمی رائفلوں کا رخ اس کی طرف تھا اور پھر اس نے گرجدار انداز میں کہا:

"سنو میجر! انگلیوں کے بل وہ بیٹھا کرتے ہیں جو غلام ہوتے ہیں۔ میں آزاد پیدا ہوا اور آزاد ہی اس دنیا سے جانا پسند کروں گا۔ میں وہ شخص ہوں جس نے تم جیسوں کو دوڑا دوڑا کر مارا، کتے کی طرح بھگا بھگا کر مارا، اتنوں کو مارا کہ اب گنتی بھی یاد نہیں، میرے روحانی بیٹے تمہیں اب تک مار رہے ہیں اور نہیں چھوڑیں گے جب تک تم میری دھرتی پر قابض ہو" ...... ابھی شاہین نے اتنا ہی کہا تھا کہ میجر کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ وہ اپنی آرمی کو فائر کا اشارہ کرنے کے لئے جیسے ہی مڑا شاہین اس سے کہیں پہلے تیار تھا۔ اس نے دونوں رائفلوں کے ٹریگر کو دبا دیا۔ فل آٹو میٹک رائفلوں سے برسٹ کے برسٹ نکلے اور سامنے کھڑے میجر اور دوسرے فوجیوں کو چاٹ گئے اور اسی وقت ہی فوجیوں نے بھی فائرنگ کر دی اور بوڑھے شیر کے جسم میں بیک وقت درجن بھر گولیاں اتر گئیں۔ لال سرخ خون بوڑھے کے سفید اجلے کپڑوں کو رنگین کر گیا۔

میجر خوش قسمت تھا کہ گولی بائیں کان کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔ زمین پر گرنے کے باعث وہ بچ گیا۔ لیکن اس کا ایک کان اڑ چکا تھا۔ اس نے لیٹے لیٹے چیخ کر فائرنگ بند کرنے کا حکم دیا۔ پورے دو منٹ تک اس بوڑھے شیر پر گولیاں برسائی گئیں۔ شاہین نے جان نکلتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا۔ چہرے پر ایک مسکراہٹ سی آئی اور پھر وہ زمین پر گر گیا۔ اس کا چہرہ آسمان کی طرف تھا۔ سینے کا کوئی حصہ خالی نہیں تھا جہاں گولیوں کے چھید کے نشان نہ ہوں۔ آخر کار انڈیا کا سوسٹ واعظ ایک بزرگ کشمیری مجاہد جام شہادت نوش کر گیا تھا۔

میجر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے لاش کا معائنہ کرنے کے لئے فوجیوں کو آگے جا کر چیک کرنے کا حکم دیا لیکن اس بوڑھے شیر کی شہادت کے بعد بھی فوجی اس کے قریب جانے سے گھبرا رہے تھے۔ بالآخر میجر کے حکم پر اس لیٹے ہوئے بوڑھے شیر پر چند مزید گولیاں برسائی گئیں اور جب اطمینان ہو گیا کہ واقعی اب جان نہیں رہی تو چند فوجی آگے بڑھے اور پھر اس بوڑھے شیر کو اٹھا کر گاڑی میں رکھا اور یوں یہ شکست خوردہ قافلہ چھاؤنی سے روانہ ہو گیا۔

☆......☆......☆

شاہین کی شہادت کی خبر کیا جانباز کو معلوم ہوئی؟
کشمیر کا مستقبل شاہین کے بعد کیسا ہوگا؟
شاہین کے روحانی بیٹے آگے کیا کریں گے؟
جانباز کا رد عمل کیا ہوگا؟
ایک خوفناک مشن ...... جس کا اختتام آپ کو حیران کر دے گا۔
انتظار کیجئے۔ ...... تب تک پڑھتے رہیے ...... مسلمان بچے

☆......☆......☆

آج وہ پہلی بار پھوٹ پھوٹ کر رویا۔ وہ تب بھی نہیں رویا تھا جب اس کے باپ کو بڑی بے دردی سے شہید کر دیا گیا تھا۔ وہ تب بھی نہیں رویا تھا جس اس کی بہن کو بھارتی درندے زندہ جلانے پر آمادہ تھے۔ وہ تب بھی نہیں رو نہ سکا جب اس نے اپنے سامنے اپنے عزیز و اقارب دیکھے۔ اس کی آنکھ سے تب بھی کوئی آنسو نہ نکلا جب اس نے خوفناک جیلوں میں زندگیوں کو سسکتے دیکھا۔

مگر پہلی بار ہاں شاید پہلی بار اس کڑیل جوان کا ضبط بڑے زور کا ٹوٹا تھا۔ وہ بچوں کے مانند پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ اس وقت وہ تنہا تھا۔ کھلے آسمان تلے وہ سر جھکائے آج واقعی بچوں کی طرح دل کھول کر آنکھوں کو اپنے آنسوؤں سے دھو رہا تھا۔ آنسو اس کے گالوں سے ہوتے ہوئے سخت پتھریلی زمین پر بہتے چلے جا رہے تھے۔

اور وہ کیوں نہ روتا......

آج اس کے سر کا سایہ جو اٹھ گیا تھا

اپنے پیارے رب کے بعد اس روئے زمین پر اگر اس کا کوئی جانثار تھا، کوئی دوست تھا، کوئی ڈھارس بندھانے والا تھا، کوئی استاد تھا، کوئی غم کے دکھڑے سننے والا تھا، کوئی تسلیاں دینے والا تھا، کوئی محبتیں بانٹنے والا تھا، کوئی کندھے پر ہاتھ رکھ سہارا دینے والا تھا...... تو آج وہ جا چکا تھا۔ اسی پیارے رب کے پاس جس کے پاس سب ہی نے جانا ہے۔

آج اسے یاد آ رہی تھی تو بس "شاہین" کی یادیں، اُن کی ادائیں، اُن کا خلوص، اُن کا تڑپنا، اُن کے ہاتھوں کا کانپنا، اُن کے الفاظ کی مٹھاس، اُن کی مہک، اُن کی

آوازیں، اُن کا لہجہ، اُن کی رفاقتیں، اُن کی عبادت، اُن کی ریاضت، اُن کی دعائیں، اُن کا پیار، اُن کا گھنٹوں بیٹھے رہ کر سمجھانا، اُن کی خواہشات، اُن کا درد، اُن کا سختیاں جھیلنا، بڑھاپے میں بھی اُن کا جوش وجذبہ دیکھنا

آج اسے وہ بہت یاد آئے......

وہ کبھی ہمت نہیں آ رہا تھا شاید تب بھی نہیں جب دشمن کی گولیوں کی تڑتڑاہٹ اس کے کانوں کو پھاڑ رہی ہوتی تھیں، وہ کبھی مایوس نہیں ہوا تھا شاید تب بھی نہیں جب خوفناک ٹارچر سیل میں اسے کئی کئی دن الٹا لٹکا کر مارا جاتا، وہ کبھی اس قدر ہارا ہوا محسوس نہیں کر رہا تھا شاید تب بھی نہیں جب اس نے خود کو یخ بستہ گہرے دریا میں پھینک دیا تھا۔

مگر مگر......نہ جانے آج کیوں......

اس کی ہمت ٹوٹ سی رہی تھی، وہ کانپنے لگا تھا، وہ اداس تھا اور شاید مایوس ہو رہا تھا۔

اور پھر اس نے یکا یک آسمان کی طرف دیکھا اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ وہ مانگے چلا جا رہا تھا۔ جیسے بچے اپنی ماں سے ضد کر کے کچھ منوا ہی لیتے ہیں آج وہ بھی آنسوؤں کی جھڑی لگا کر کچھ منوانا چاہتا تھا۔ وہ شہادت مانگ رہا تھا۔ جس طرح ہمارے شاہین کو یارب آپ نے شاندار موت سے نوازا مجھے بھی نواز دیا۔ اب دل نہیں لگتا، میں تھک گیا ہوں۔ یا میرے رب اب مجھے بلا لیجئے اپنے پاس۔ وہ چیختا رہا، اس کی گونج جیسے چہار سو پھیل رہی ہو۔ رات آدھی سے زیادہ ہو چکی تھی اور وہ اپنے رب کو منوائے چلے جا رہا تھا۔ اس کی آواز کوئی اور سن لیتا تو شاید اس کا دل یہ آواز سن کر دہل جاتا یا اس کے کان یہ درد بھری آواز سن کر کانپ جاتے۔ آج وہ دل و جان سے اپنے رب کو منا رہا تھا۔ اس کی یہ دعا بھلے ہی اس دھرتی کو بُری لگ رہی ہو مگر اب وہ جانا چاہتا تھا۔ شاید ہمیشہ ہمیشہ کے لئے......

O......O......O
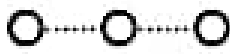
شاہین کی شہادت انڈین آرمی اور حکومت کے لئے کسی نشے کی تھی۔ سبھی اس نشے میں مست ہو چکے تھے۔ انڈین پریس بھانت بھانت کی کہانیاں بنا کر چنگھاڑ رہا تھا اور انڈین میجر "بھاٹیا" جس نے شاہین کی جگہ پر انکاؤنٹر کیا تھا بار بار ٹی وی چینلز پر آ کر لمبی لمبی ہانک رہا تھا۔ حکومت کے وزیر آتنک واد کا خاتمہ، آتنک واد کا خاتمہ جیسے الفاظ بول کر اپنے منہ کا گٹر انڈیل رہے تھے۔ ہندوستان کی ساری فضا ایک دم مکدر ہو گئی تھی۔ ہر طرف اسی بدبو کو جھونکے تھے اور کشمیر کا ہر شخص، ہر بچہ، ہر عورت اور ہر بوڑھا اپنے اس کشمیری بوڑھے شہید کو الوداع کہنے سرینگر کے ایک بڑے گراؤنڈ میں موجود تھے۔ سرزمین کشمیر نے اس سے بڑا جنازہ نہیں دیکھا تھا۔

جبکہ دوسری طرف انڈین حکومت ان فوجیوں کو اعزازات سے نوازنے میں لگی ہوئی تھی جس نے اس انکاؤنٹر میں حصہ لیا تھا۔ اسی میں خفیہ ایجنٹ "قادر" بھی تھا۔ جسے خفیہ طور پر باقاعدہ سرینگر کے اندر ایک بڑا گھر الاٹ کی گیا اور ساتھ ہی نقد انعامات سے اس کی سیوا کی گئی۔ خفیہ ایجنٹ "قادر" یہ سب دیکھ کر پھولا نہیں سما رہا

تھا۔ اس کے چہرے پر افسوس یا دکھ نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ وہ خود کو ملنے والے غداری سرٹیفکیٹس کو دیکھ کر بڑا خوش ہو رہا تھا۔

لیکن ان میں سے کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ مشرکین کو ملنے والی یہ خوشی عارضی ہے جلد ہی ان سب کے چہرے کالے پڑنے والے ہیں۔ شاہین کی شہادت اگرچہ کشمیری کاز کو بہت بڑا دھچکا پہنچانے کا سبب بن سکتے تھے مگر کشمیریوں کی تاریخ ہی قربانیوں سے لبریز ہے۔ وہ چلتے ہیں، زخم کھاتے ہیں، زمین پر گر پڑتے ہیں، ہاتھ جھاڑتے ہیں اور پھر کھڑے ہو کر اپنے مقصد کی جانب گامزن ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے کشمیر کی یہ تحریک دنیا کی طویل ترین تحریکوں میں ایک ہے۔ یہ عظیم ترین تحریک جو کئی شہیدوں کی امین ہے اس کو دبانا اس قدر آسان ہوتا تو انڈین آرمی اپنے ظلم و جبر کے پہاڑ گرا کر کب کا کر چکی ہوتی۔

شاہین کی شہادت پر انڈین حکومت نے ان انڈین فوجیوں کو اعزاز دینے کے لیئے ایک تقریب کا اہتمام کیا اور پھر ان سب کو باقاعدہ اعزازی شیلڈ اور بہادری کے میڈل پہنائے گئے۔ انڈین میڈیا نے اس خبر کی بھرپور کوریج کی اور یوں اس کی تشہیر کے لئے زمین و آسمان کے قلابے مارنے لگے۔
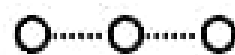
جانباز دو کھڑا بس مٹی کے اس ڈھیر کو دیکھتا رہا۔ اس کے ہاتھ میں دوربین تھی جس سے وہ شاہین کی قبر کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ وہ جنازے میں شرکت نہ کر سکا تھا کیوں کہ سیکیورٹی بہت سخت تھی اور انڈین آرمی جانباز اور شاہین کا لنک جانتی تھی اور خصوصاً خفیہ ایجنٹ غدار قادر تو لازمی جانتا تھا۔ اسی لئے بہتری اسی میں تھی کہ اس سے دور رہا جائے۔ چنانچہ جانباز نے تمام تر خواہش کے باوجود خود پر جبر کیا اور پھر اس نے ان کی قبر کا پتہ چلا لیا مگر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ قبر پر شدید قسم کا پہرہ ہے۔ چنانچہ وہ کچھ دور ایک پہاڑی کی اوٹ لے کر دوربین سے اپنے یار اور استاد کی قبر کو دیکھنے لگا۔ اس نے فاتحہ پڑھی اور پھر اس نے اس کے مشن کو آگے چلانے کا خود سے عہد لیا اور پھر ایک جانب چل دیا۔ کچھ سفر کرنے کے بعد جلد ہی وہ اپنی منزل پر پہنچ گیا۔ اس نے اپنے کالے سیاہ بیگ کو زمین پر رکھا۔ آس پاس دیکھ کر باہری دروازہ بند کیا اور پھر جھک کر بیگ کر زپ کھولی اور اس میں سے چند کاغذات نکالے اور ان کو ساتھ رکھی میز پر ڈال کر خود بھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

اس کی تیز نگاہیں ان کاغذات کو جانچ رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ انڈین آرمی پر اس قدر بڑی کامیابی کے بعد اگر کشمیری مجاہدین کی طرف سے کوئی بھرپور ردعمل یا جواب نہ دیا گیا تو انڈین آرمی مزید دلیری کے ساتھ کشمیریوں کا جینا حرام کر دے گی اس لئے وہ اپنے لئے کسی کوئی ٹارگٹ چوائس کر کے اس تک جلد از جلد پہنچ کر انڈین آرمی کو بہت بڑی زک پہنچانا چاہتا تھا۔ یہ وہ بیگ تھا جس میں جانباز کسی مشن کے دوران ہاتھ لگنے والے

ضروری کاغذات یا کسی جگہ سے کسی قسم کی معلومات ملنے والے ہر ضروری مشن یا جگہ کی تفصیلات کو بڑے سنبھال کر رکھتا تھا۔ تاکہ وقت آنے پر ان کو استعمال کیا جا سکے۔

یکا یک اس کی نظر ایک صفحے پر پڑی جس پر ایک اسکیچ بنا ہوا تھا۔ یہ اسکیچ پنسل سے بنا ہوا تھا اسی لئے واضح نہیں تھا۔ یہ اسکیچ ایک شخص کی شکل کو دکھا رہا تھا۔ اس کے نیچے جانباز کے ہاتھ کا ہی نوٹ لکھا تھا۔ "غدار"

وہ جانتا تھا کہ ان کی صفوں میں ایک غدار ہے لیکن اس کے متعلق کنفرم نہیں تھا۔ اور اب شاہین کی شہادت میں بھی اس کا نام بار بار لیا جا رہا تھا۔ جانباز کی آنکھیں یہ لفظ پڑھتے ہی سرخ ہونے لگیں۔ اسے شاہین کی شہادت کا واقعہ معلوم ہو چکا تھا اور وہ جانتا تھا کہ اس میں اسی غدار کا گروپ ملوث ہے۔ وہ وقت یہ تھی کہ وہ چہرے سے اس غدار (قادر) کو پہچانتا نہیں تھا۔ نہ کبھی ان کا آپس میں آمنا سامنا ہوا تھا اور نہ ہی اس کی تصاویر کہیں موجود تھیں۔ کشمیر کے ڈیٹا بیس تک اس کی رسائی تھی مگر انڈین آرمی نے اس کی شناخت مٹا دی تھی تاکہ کوئی اس تک نہ پہنچ سکے۔ اس لئے اس غدار کو پہچاننا اور پھر اس کو مارنا بڑی حد تک ناممکن نہ سہی مگر مشکل ترین ضرور لگ رہا تھا۔ مگر جانباز یہ بات اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اندر کی گندی مچھلیوں کو جب تک صاف نہیں کیا جائے گا گھر صاف نہیں ہوگا۔ آج اس غدار کی مخبری کی وجہ سے ایک قیمتی جان چلی گئی کل کوئی اور بھی جا سکتی ہے اور کشمیر کاز کو بے انتہا نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس لئے اس غدار کو ٹھکانے لگانا بہت بہت ضروری ہے۔ لیکن اس سے پہلے کنفرم کرنا ضروری تھا کہ کیا واقعی غداری اسی نے کی ہے؟ کیونکہ کوئی بھی اس کے متعلق ٹھیک سے نہیں جانتا تھا۔

اس نے اس سفید کاغذ کو غور سے دیکھا جیسے اسکیچ کو ذہن میں یاد کر رہا ہو اور پھر اس کے ذہن میں ایک آئیڈیا آ گیا۔ یہ اس غدار کو اس کے بل میں سے نکالنے کا بہترین آپشن ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے اس پلان کو عمل میں لانے کے لئے دو سے تین فون کیے۔ کچھ ضروری چیزیں تیار کیں اور پھر اگلے ہی دن اس نے اس مشن پر نکلنے کا پورا بندوبست کر لیا۔

O......O......O

خفیہ ایجنٹ قادر اپنے ٹھکانے پر بڑے آرام سے رہ رہا تھا۔ اسی سرینگر میں بہت بڑے عالیشان گھر میں رہائش دے دی گئی تھی۔ یہ رہائش اسے مخبری کے انعام میں دی گئی تھی جو اس نے شاہین کے لئے کی تھی۔ یہ گھر اب اس کی ملکیت تھا۔ وہ بڑا خوش تھا کہ اب اس کی زندگی کا مقصد اسے حاصل ہو گیا ہے۔ وہ اسی عالیشان زندگی کی خواہش رکھتا تھا جو اسے اب آ کر میسر آ گئی تھی۔ اس نے سب سے پہلے اپنے پرانے شوق "نشے" کی بھاری مقدار اپنے اس عالیشان بنگلے میں منگوائی اور صبح شام اسی نشے میں دھت پڑا رہ کر وہ انجوائے کرتا رہا۔ اس ایک ہفتے کے دوران اس کو کوئی خبر باہر کی تھی۔ یکا یک ایک دن اس کو فون بجا۔ جو کہ اس کے سینئر کمانڈر تھا:

ہیلو میں ایگل ون بول رہا ہوں۔ کمانڈر کی آواز ابھری

"جی جی سر! میں آپ کا خادم بات کر رہا ہوں۔"
اس نے فون اٹھا کر دھیرے سے کہا۔

"کیا کر رہے ہو؟" کمانڈر نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

"سر! میں اپنی چھٹیاں انجوائے کر رہا ہوں" قادر نے جواب دیا۔

"چھٹیاں ختم۔ اب دوبارہ کام پر لگ جاؤ، ہمیں اطلاع ملی ہے کہ کشمیری مجاہدین ایک بہت بڑا پلان بنا رہے تاکہ شاہین کا بدلہ لیا جائے۔ تم پتا لگاؤ کہ وہ پلان کیا ہے؟ اور مجھے دو دن میں رپورٹ چاہیے۔" کمانڈر نے تیز بولتے ہوئے کہا۔

"یس سر! میں کوشش کرتا ہوں سر" قادر نے گھگیاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کوشش نہیں مجھے رزلٹ چاہیے" انڈر اسٹینڈ۔ دوسری طرف سے یہ کہہ کر فون رکھ دیا گیا۔

ہن بڑے آئے رزلٹ چاہیے۔ میں جیسے ان کا نوکر ہوں۔ قادر نے خود سے ہم کلامی کرتے ہوئے کہا۔

وہ خود بُری طرح ڈرا ہوا تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ کشمیری مجاہدین اس کو نہیں چھوڑیں گے اسی لئے وہ کچھ ماہ تک کام نہیں کرنا چاہتا تھا اور انڈر گراؤنڈ رہ کر خود کو چھپائے رکھنا چاہتا تھا مگر اب اسے یہ نیا حکم مل گیا تھا اور اسے یہ کام کرنا بھی تھا کیونکہ وہ جانتا تھا اگر اس نے کام نہ کیا تو اس کا انجام بھی بہت برا ہوگا۔ چنانچہ وہیں کھڑے کھڑے اس نے فون کا ریسور دوبارہ اٹھای اور نمبر ڈائل کرنے لگا۔

اس نے اپنے ساتھ چار ایسے غداروں کو جمع کیا ہوا تھا جو اس کا ہر صحیح غلط کام کر دیتے تھے۔ یہ چاروں اس کے باڈی گارڈ بھی تھے اور صرف انہی چاروں کو معلوم تھا کہ یہ قادر کس کے لئے خفیہ طور پر کام کرتا ہے۔ چنانچہ اس نے ان چاروں کو فون کر کے الرٹ کر دیا تھا کہ اگر کشمیری مجاہدین میں سے کسی قسم کی کوئی اطلاع ملے تو اسے فوراً بتا دیا جائے۔

O.....O.....O

جانباز ایک مصروف بازار میں چائے کے ایک ڈھابے پر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ ایک مصروف بازار تھا جہاں چاروں طرف دوکانیں تھیں اور ان میں خریدار کسی رش کی صورت بھرے ہوئے تھے۔ آج ہفتہ تھا اور ہفتے کے دن کشمیری بازار یوں ہی ہنگامہ خیز ہوتا ہے۔ اسی لئے جانباز نے یہ دن اور جگہ کو چنا تھا تاکہ وہ اپنا کام ٹھیک طور سے سر انجام دے سکے۔

اس نے ایک چائے آرڈر کی اور ابھی وہ چائے پی ہی رہا تھا کہ ایک نحیف سا بوڑھا ڈھابے میں ایک چھوٹا سا بیگ پکڑے اندر داخل ہوا۔ جانباز نے اسے دیکھ کر آنکھ کا معمولی سا اشارہ کیا۔ وہ بوڑھا چپکے سے چلتا ہوا اس کے بالکل پچھلی سائیڈ پر پڑی خالی ٹیبل پر بیٹھ گیا اور ہاتھ میں پکڑے ہوئے بیگ کو نیچے رکھ دیا۔ جانباز نے چائے ختم کی اور اس بوڑھے شخص کے بیگ کو آہستگی سے ادھر ادھر دیکھ کر اپنے طرف کھینچ لیا۔ اسی دوران نے اس

نے دو بڑے نوٹ چائے کی پیالی کے نیچے رکھے اور بیگ تھامے وہ عام سے انداز میں باہر نکل گیا۔ بوڑھے شخص نے اس کے جانے کے بعد اپنی سیٹ چھوڑ دی اور جانباز کی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ دو نوٹ اس چائے کی پیالی کی نیچے پڑے تھے ان کو اٹھا کر سب کی نظریں بچا کر مٹھی میں دبا لئے۔ اس کے بعد اس نے چائے پی اور سب کو ایک نظر دیکھ کر وہ بھی چپکے سے اٹھا اور ڈھابے سے باہر نکل گیا۔ یہ سب بالکل عام سے انداز میں ہوا اور کسی کو اس کی بھنک تک نہ لگی۔

جانباز بیگ کے ساتھ اپنے خفیہ ٹھکانے پر پہنچا اور بیگ کو میز پر رکھ کر زپ کھولی تو اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ یہ چھوٹا مگر انتہائی طاقتور دستی ٹائم بم تھا جو مخصوص بٹنوں کے دباتے ہی آن ہو جاتا اور پھٹ جاتا۔ وہ بوڑھا شخص ایک ماہر کیمیکل تھا جو بم بنانے میں ماہر تھا۔ جانباز اس کو جانتا تھا۔ وہ کافی پہلے یہ کام کرتا تھا مگر پھر اس کو پانچ سال جیل بھگتنا پڑی اور واپس آ کر اس نے یہ کام چھوڑ دیا۔ مگر جانباز نے اسے راضی کر ہی لیا تھا کہ وہ اس کی مرضی کا ایک چھوٹا مگر طاقتور بم بنا کر دے۔ چنانچہ آج وہ اس کو مل گیا تھا۔

اب جانباز کو صرف ایک اور کام کرنا تھا اور اس کا مشن مکمل......

چنانچہ اس نے بیگ کو ایک سیف جگہ پر رکھا اور گھر سے باہر نکل آیا۔ اب وہ اپنے ایک انتہائی معتمد ساتھی کے پاس جا رہا تھا۔ جس پر اسے بہت زیادہ بھروسہ تھا۔ اس کا ایک چھوٹا سا گروپ تھا۔ جانباز اور اس گروپ نے کچھ کاروائیاں اکٹھے سرانجام دی تھیں۔ چنانچہ جانباز بذریعہ بس اگلے دن ہی اپنے کمانڈر دوست کے ہاں پہنچ گیا۔

''سناؤ میرے پیارے مجاہد بھائی! کیسے آنا ہوا؟'' کمانڈر ولید نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''میرے جہادی ساتھی ولید بھائی! آپ جانتے ہیں کہ شاہین جیسے عظیم مجاہد کا سانحہ ہمارے لئے کس قدر بھاری ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کا بدلہ لیا جائے اور کشمیری مجاہدین کے زخموں پر مرہم رکھا جائے۔ اسی لئے حاضر ہوا ہوں۔'' جانباز نے کہا۔

''میں جانتا ہوں کہ شاہین کا نقصان صدیوں ہم پر بھاری رہے گا۔ کیوں کہ ان کا خلاء کوئی پُر نہیں کرسکتا۔ مگر ان کی شہادت کے بعد انڈین آرمی کی جرات بہت بڑھ گئی ہے۔ انہوں نے اپنی تعداد مزید بڑھا لی ہے۔ جگہ جگہ چیک پوسٹیں، ناکے اور انکاؤنٹر کئے جا رہے ہیں۔ جس پر ذرا بھی شک ہوتا ہے اسے اٹھا لیا جاتا ہے۔ ہمارے لئے اپنے مقام سے نکلنا بھی مشکل تر ہو گیا ہے۔ اسی لئے آپ ہی بتایئے ان حالات میں ہم کیا کر سکتے ہیں۔'' کمانڈر ولید نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

میں یہی بتانے کے لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ میرے لئے کیا کر سکتے ہیں؟ جانباز نے پراسرار بنتے ہوئے کہا۔

''آپ بتایئے تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ اگر کچھ کر سکے تو یہ ہمارے لئے خوش قسمتی کی بات ہوگی۔'' کمانڈر نے

جواب دیا۔

"آپ کو کچھ نہیں کرنا صرف ایک میٹنگ کرنی ہے۔" جانباز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ک ک کیا مطلب؟ میٹنگ؟ میں کچھ سمجھا نہیں۔" کمانڈر نے نا سمجھی کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"جی میرا مطلب ایک میٹنگ کرنی ہے۔ آپ چند اپنے رفقاء کو بلا لیجئے، کچھ مزید کشمیری رہنماؤں کو بھی بلا لیجئے اور ایک خفیہ جگہ پر میٹنگ کیجئے۔ میٹنگ کی جگہ میں آپ کو بتا دوں گا۔ اس میٹنگ میں کسی فرضی حملے کی منصوبہ بندی کا کچھ تذکرہ کر دیجئے گا جیسا کہ بھارتی راجیہ سبھا پر حملے کی۔ اس میں کچھ پلاننگ کر دیجئے گا اور بس۔ اس کے بعد آپ انڈر گراؤنڈ ہو جایئے گا۔ اور آپ کو کچھ نہیں کرنا ہے۔ جانباز نے مزید پر اسرار بنتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کا مطلب سمجھا نہیں، مگر اس سے کیا ہو گا؟ منصوبہ بندی وہ بھی فرضی۔ آپ ذرا کھل کر مجھے بتائیں۔ آپ کیا چاہتے ہیں۔" کمانڈر نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کو سب کچھ سمجھا دوں گا مگر فی الوقت میں آپ کو جتنا کہہ رہا ہوں صرف اتنا کر دیجئے۔ میرا اور آپ کا رابطہ خفیہ فریکوئنسی پر ہو گا۔ میں جب آپ کو انڈر گراؤنڈ کا کہوں گا تو آپ اپنے ساتھیوں اور کشمیری رہنماؤں سمیت انڈر گراؤنڈ ہو جایئے گا۔ اس کے بعد میرا کام شروع ہو جائے گا اور ہاں میٹنگ میں جو بھی آنا چاہیے آپ اسے منع نہیں کریں گے۔ اور میٹنگ بھی اس نام سے ہو کہ شاہین کا بدلہ چکانا ہے اس لئے میٹنگ کی جا رہی ہے۔ کیا آپ میرے لئے یہ سب کریں گے۔" جانباز نے تفصیلی سمجھاتے ہوئے کہا۔

"آپ سچ پوچھیں تو میں آپ کی بات کا مقصد اب بھی نہیں سمجھا۔ مگر آپ کو جانتا ہوں اور آپ کے کارناموں کو بھی۔ اسی لئے مجھے آپ پر پورا بھروسہ ہے۔ میں ضرور کروں گا۔" کمانڈر ولید نے جانباز سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"تو پھر کل سے ہی یہ کام شروع کر دیجئے۔ میرا آپ سے رابطہ ایک مخصوص فریکوئنسی پر ہو گا۔ آپ میری اور اپنی ملاقات کا تذکرہ کسی سے نہیں کریں گے۔" جانباز نے گلے ملتے ہوئے کہا اور پھر کمانڈر ولید اسے باہر تک چھوڑنے آئے اور یوں محفل برخاست ہو گئی۔

O.....O.....O

گھنٹی کی تیز آواز گونجی تو غدار قادر نے آگے بڑھ کر فون اٹھا لیا۔

"ہیلو باس میں بات کر رہا ہوں۔"

"ہاں بولو نوید! کیا بات ہے؟" قادر نے اسے پہچانتے ہوئے کہا۔

"باس! آج معلوم ہوا ہے کہ کشمیری لیڈر کمانڈر ولید ایک بڑی میٹنگ کر رہا ہے۔ اس میٹنگ میں شاہین کے بدلے کی بات ہونے جا رہی ہے۔ میٹنگ کا مقام نہیں معلوم مگر یہ پکی اطلاع ہے باس!" بولنے والے نے تفصیلی بات بتائی۔

''ٹھیک ہے مزید کوئی بات پتا چلے تو مجھے بتانا۔''
قادر نے یہ کہہ کر فون رکھ دیا۔
کچھ سوچ کر اس نے پھر فون اٹھایا اور اگلے ہی لمحے ایک شخص کی آواز ابھری۔
''السلام علیکم'' ایک بھاری بھرکم آواز گونجی
وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!
''کیسے مزاج ہیں آپ کے؟ میں ''مشن کشمیر'' سے کمانڈر بات کر رہا ہوں۔'' قادر نے بالکل بدلے ہوئے لہجے میں بڑے بارعب انداز میں بولتے ہوئے کہا۔ یہ اس کا دوسرا روپ تھا جس ایک کشمیری محب وطن کا روپ تھا اور بظاہر ''مشن کشمیر'' نامی ایک حریت پسند جماعت کا لیڈر تھا۔
''جی بھائی کیسے ہیں آپ؟ بڑے عرصے بعد آپ نے بات کی؟'' جی میں کچھ پابندیوں کی وجہ سے مصروف رہا اور زیر زمین رہا۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ شاہین بھائی کی شہادت پر ایک میٹنگ طے ہو رہی ہے۔ اگر ایسا ہے تو کیا میں اس میں شرکت کر سکتا ہوں؟'' قادر نے کہا۔
''جی کر تو سکتے ہیں مگر اس کے لئے پہلے کمانڈر ولید سے بات کرنا ہوگی کیونکہ انہوں نے ہی یہ میٹنگ بلائی ہے۔ اور آپ جانتے تو ہیں کہ میں بس پیغام رسانی کا کام کرتا ہوں '' دوسری طرف سے کہا گیا۔
''جی بالکل! میرا دلی شوق ہے کہ ان کے نماز جنازہ میں شرکت کی سعادت نہ مل سکی۔ کم ازکم ان کی روح کے سکون کے لئے کچھ کام آسکوں۔ آپ میری طرف سے کمانڈر ولید کی اجازت طلب کیجئے۔ اگر وہ بخوشی اجازت دے دیں تو میں ضرور آنا چاہوں گا۔ ویسے یہ کہاں ہو رہی ہے؟ قادر نے چکنی چپڑی باتوں کے دوران پوچھ ہی لیا۔
''نہیں کمانڈر صاحب! فی الحال اس کے متعلق مجھے نہیں بتایا گیا۔ آپ کا پیغام ان تک پہنچا دوں گا۔ پھر جیسے وہ کہیں گے میں آپ کو آگاہ کر دوں گا۔'' دوسری طرف سے کہا گیا۔
''ٹھیک ہے جناب! بے حد شکریہ۔ فی امان اللہ''
غدار قادر نے یہ کہہ کر فون رکھ دیا۔
اسکی پیشانی ہر شکنوں کا ایک جال تھا۔ اس نے کچھ سوچا اور پھر دوبارہ سے ایک نمبر ڈائل کیا اور ریسیور کانوں سے لگا لیا۔
''ہیلو'' ایک کرخت آواز گونجی
''یس سر! میں بول رہا ہوں ایک اطلاع دینی ہے۔'' قادر نے شاید اپنے اصل مالکوں کو فون ملا لیا تھا۔
''ہاں بولو'' دوسری طرف سے کہا گیا۔
''سر! مجھے اطلاع ملی ہے کہ ایک میٹنگ منعقد ہو رہی ہے اس کے پیچھے کمانڈر ولید کا ہاتھ ہے۔ انہوں نے اس میٹنگ میں شاہین کے بدلے کے حوالے سے بات کرنی ہے۔ مقام معلوم نہیں ہو سکا۔ میں نے کوشش پوری کی تھی مگر'' قادر نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔
''میں نے تمہیں کتنی بار کہا ہے کہ ادھوری خبر نہ دے کر ہمارا وقت ضائع نہ کیا کرو۔ پوری اطلاع دو اور اس میٹنگ میں ہو سکے تو شرکت کرو اور سنو کہ وہ کیا پلان بنا

رہے ہیں۔ ایگل ون آؤٹ۔" یہ کہہ کر فون بند کر دیا گیا۔

جانباز نے ہونٹوں پر آئی خشکی کو ختم کرنے کے لئے زبان پھیری اور فون کو کریڈل پر رکھ دیا۔ نہ جانے کیوں اس کا دل گھبرا رہا تھا مگر اس کو کام پورا کرنا ہی تھا۔

○.....○.....○

آج مجاہدین کشمیر کی ایک خفیہ میٹنگ جاری تھی۔ پامہ کے دور دراز کے ایک دیہاتی علاقے یہ خفیہ میٹنگ بلائی گئی تھی۔ جس میں کشمیر کے چند بڑے نام بھی شرکت کر رہے تھے۔ یہ میٹنگ خاص شاہین کی شہادت کا بدلہ لینے کے لئے بلائی گئی تھی۔

میٹنگ میں ہر کمانڈر بڑھ چڑھ کر بول رہا تھا۔ ان سب کے چہروں پر ایک جوش و جذبے کی سی ولولہ انگیزی تھی اور وہ سب کے سب بدلہ لینے کے لئے بے چین تھے۔ سوائے ایک شخص کہ اور وہ تھا غدار قادر جو ایک بڑے کمانڈر کے جھوٹے روپ میں اس میٹنگ کا ہی ایک حصہ تھا۔ اگرچہ کمانڈر ولید اسے بلانے پر آمادہ نہیں تھا کیونکہ اکثر کشمیری رہنماؤں کے لئے قادر نامی یہ شخص ایک معما تھا اور وہ اسے قابل بھروسہ نہیں سمجھتے تھے لیکن کمانڈر ولید نے یہ شرط لازمی رکھی تھی کہ کوئی بھی آنا چاہے اسے انکار نہ کیا جائے۔

اسی دوران دور ایک پہاڑی پر چست کالا لباس پہنے ایک ہیولہ نمودار ہوا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ اس کا رخ اسی گھر کی جانب تھا جہاں اس وقت میٹنگ ہو رہی تھی۔ وہ ہیولہ گھر سے کچھ دور ایک جگہ آ کر رک گیا۔ اس نے مہمانوں کے لئے آئی گاڑیوں کی طرف رخ کیا اور جلد ہی وہاں پہنچ گیا۔ اس نے اپنے کندھے سے ایک چھوٹا بیگ اتارا اور اس میں سے ایک سرخ رنگ میں لپٹی چیز نکالی اور اسے لے کر ایک مخصوص گاڑی کی طرف آیا اور پھر نیچے لیٹ کر وہ چیز ایک مناسب جگہ پر چپکا دی۔

اس کے بعد وہ اٹھا اور ایک مشین نکالی اور اطمینان کر لیا کہ یہ ڈیوائس بالکل ٹھیک کام کر رہی ہے۔ یہ کام کر کے وہ واپس اسی اندھیرے میں غائب ہو گیا جہاں سے نمودار ہوا تھا۔

اندر میٹنگ بڑے زور شور سے چل رہی تھی۔ قادر بھی بیٹھ کر سن رہا تھا۔ یکا یک ایک آواز گونجی:

"مگر ہمارے بیچ کوئی غدار بھی ہے"

سب نے مڑ کر دیکھا تو یہ کمانڈر ولید کی آواز تھی۔

کمانڈر ولید نے ایک اچٹتی نگاہ قادر پر ڈالی اور قادر کے چہرے کا رنگ ایک لمحے کے لئے فق ہو کر رہ گیا۔

○.....○.....○

آگے کیا ہوا؟

کیا قادر کا بھانڈا وہیں پھوٹ گیا؟

جانباز کا مشن کیا تھا؟

کیا واقعی شاہین کی شہادت کا بدلہ لیا جائے گا؟

یہ سب جاننے کے لئے پڑھتے رہیے

"مسلمان بچے"

○.....○.....○

زبیر طیب

جانباز

قسط 61

قادر کے چہرے پر ایک رنگ آ کر چلا گیا۔

اس کو ایک لمحے کے لئے لگا جیسے ابھی اسی وقت اس کا بھانڈا پھوٹ چکا ہے اور یہ لوگ اس کی جان کے درپے ہو جائیں گے۔

اپنے حواس بحال کرتے ہوئے وہ زور سے بولا:

''ایسا کیسے ممکن ہے کمانڈر ولید؟ ہمارے درمیان غدار کیسے موجود ہو سکتا ہے؟ ہم یہاں پر سب ایک دوسرے کو برسوں سے جانتے ہیں اور اکٹھے ہی جہاد کشمیر کے لئے جانیں قربان کرتے چلے آئے ہیں؟ غدار قادر نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔ لیکن اندر سے اس کی کیفیت کسی میمنے کے بچے جیسے ہو رہی تھی جو موت کو سامنے دیکھ کر لرز اٹھتا ہے۔

''یہی تو بات سوچنے کی ہے جناب! آخر کون ہو سکتا ہے؟ شاہین جیسے جری مجاہد کا ٹھکانہ صرف چند لوگوں کو ہی معلوم تھا۔ اس کے علاوہ ہمارے بہت ہمدرد ساتھی اور مخلص ساتھی آئے دن ان کے خفیہ ٹھکانوں پر چھاپے مارے جا رہے ہیں۔ اکثر کو قید کر لیا گیا ہے۔ آخر ہم میں سے ہی کوئی غدار ہے جس کی وجہ سے ہمارے مشن کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے۔'' کمانڈر ولید نے جذباتی انداز میں کہا۔ اس نے اب قادر سے نظریں ہٹا لیں تھیں۔

''ہم اسے ڈھونڈ کر رہیں گے اور اگر ایسا کوئی ہوا تو اسے عبرت ناک سزا دیں گے تاکہ آئندہ پھر کوئی جرأت نہ کر سکے۔'' قادر نے جوشیلے انداز میں کہا۔ اب اس کی جان میں جان آئی تھی۔

"ٹھیک ہے ساتھیو! چونکہ شاہین کی شہادت سے کشمیری بہت غم کا شکار ہیں اور ان کے حوصلے کس قدر پست ہوگئے ہیں اس لئے ان حوصلوں کو بلند کرنے کی ضرورت ہے۔ اس سب کے بارے ہماری جو رائے سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ انڈیا کو ایک کاری ضرب لگائی جائے اور شدید نقصان پہنچایا جائے تا کہ ان کی خوشی خاک آلود ہو جائے اور ہمارے کشمیری ماؤں، بہنوں کے حوصلے بھی بلند ہو جائیں۔ اس سے ایک پیغام یہ جائے گا کہ کشمیری کسی صورت بھی اپنے کاز سے پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں ہیں۔ کمانڈر ولید نے کھڑے ہو کر کہا۔

"جی جی ضرور! ہم سب اس کے لئے تعاون کرنا چاہتے ہیں۔ آپ جو حکم کریں۔"

ایک ساتھ کئی آوازیں ابھریں۔

غدار قادر کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ یہی سننا چاہتا تھا کہ کیا پلان تیار کیا جا رہا ہے؟

"ہم راجیہ سبھا (پارلیمنٹ) پر حملہ کرنے جا رہے ہیں۔ ہمارے کشمیری فدائین تیار ہیں اور وہ اپنی جان اللہ کے سپرد کرنے کو بے تاب ہیں۔ اگر یہ اٹیک کامیاب رہا تو ہم بہت بڑی منزل پا لیں گے۔ اور اگر خدانخواستہ ناکام رہا تب بھی انڈیا کو بہت کاری ضرب لگے گی کہ ہم اس کے دل میں گھستا جانتے ہیں۔" کمانڈر ولید نے آخر میں اللہ اکبر کا نعرہ بھی لگا دیا۔ وہ مزید گویا ہوا:

"اس کے لئے آپ سب کا تعاون درکار ہوگا۔ وقتاً فوقتاً آپ کو بتا دیا جائے کہ کب اور کیسے تعاون ہم چاہیے۔ آپ سب دعاؤں میں بھی یاد رکھیں اور اس میٹنگ کو انتہائی خفیہ رکھیں۔ اپنے قریبی معتمد لوگوں کو بھی اس کے بارے میں نہ بتائیں۔"

کمانڈر ولید نے باری باری سب سے مصافحہ کیا اور سب کو رخصت کرنے دروازے تک چھوڑنے آئے۔

☆......☆......☆

غدار قادر جیسے ہی میٹنگ سے فارغ ہوا۔ وہ اڑ کر اپنے شہر پہنچنا چاہتا تھا تا کہ وہ اس بڑے حملے کی خبر دے سکے اور اپنے آقاؤں سے مزید انعام و اکرام پا سکے۔ اس نے کمانڈر ولید کو اپنے تعاون کو بھرپور یقین دلایا اور گھر سے باہر نکل آیا۔ اس کے ساتھ اس کے دو قریبی ساتھی بھی تھے۔ وہ اپنی گاڑی کی جانب بڑھا۔ لیکن کچھ سوچ کر رک گیا۔

"کیا ہوا باس" اس کے ایک ساتھی نے رکنے کی وجہ پوچھی۔

"کچھ تو گڑبڑ ہے۔ مجھے لگ رہا ہے کوئی نہ کوئی مسئلہ ضرور ہے۔" قادر نے چہرے پر شکنوں بھرا جال ابھر آیا تھا۔

اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اتنی خفیہ میٹنگ میں اس کا مدعو کیا جانا اور پھر اتنی دور اس جگہ کا انتخاب اور پھر سب سے بڑھ کر اتنی خفیہ ترین حملے کی اطلاع کھلم کھلا دی گئی تھی۔

"آخر کچھ تو دال میں کالا ہے۔" اس نے خود کلامی کی۔

"باس چلیں" اس کے ساتھی نے اسے ہلایا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔" جیسے وہ کسی گہری سوچ سے نکلا ہو۔

اسی دوران وہ تینوں کار کی جانب بڑھتے چلے گئے۔
اب کار وہاں سے نکلنے کے لئے تیار تھی۔ دور ایک پہاڑی پر بیٹھے ایک شخص کی آنکھیں اس کار کی جلتی ہیڈ لائٹ کو دیکھ رہی تھیں۔

☆......☆......☆

جانباز اب مسلسل اپنی گھڑی دیکھ رہا تھا۔ اس کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ غدار قادر کو اگر ذرا سی بھی بھنک لگ گئی تو اس کا سارا منصوبہ چوپٹ ہو سکتا ہے۔

اچانک اس نے ہاتھ میں پکڑی نائٹ ویژن واچ کو آنکھوں سے لگایا۔ لوگ ایک گھر سے نکل رہے تھے اور اندھیرے میں غائب ہوتے جا رہے تھے۔ اسی دوران اس کو اپنا شکار بھی نظر آ گیا جو اپنی گاڑی کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اچانک جانباز نے پریشانی کے عالم میں دوربین سے نظریں ہٹا کر دیکھا۔

''یہ کیوں رک گیا؟'' اس نے خود کلامی کی۔
''کیا اسے میرے منصوبے کا علم تو نہیں ہو گیا۔؟''
جانباز نے ایک بار پھر خود سے ہمکلامی کی۔

یہ سوچتے ہوئے جانباز نے فوراً اپنے بیگ کی زپ کھولی اور اس میں سے کچھ چیزیں نکالنے لگا۔ یہ ایک سنائپر گن کے پارٹس تھے۔ وہ اندھیرے میں ہاتھ ایسے چلا رہا تھا جیسے دن کے اجالے میں وہ ایک پیچیدہ گن کو جوڑ رہا ہو۔ جلد ہی اس نے گن تیار کر لی۔ زمین پر لیٹ گیا اور قادر پر نشانہ سادھ لیا۔ جانباز کی یہی سب سے اچھی بات تھی کہ وہ بیک اپ پلان ہمیشہ تیار رکھتا تھا۔ اگر ایک پلان فیل ہو رہا ہوتا تو دوسرا آپشن وہ ہمیشہ ساتھ رکھتا تھا۔ اس سارے کام میں اسے بمشکل دو منٹ ہی لگے ہوں گے۔ اس نے نشانہ سادھ لیا تھا کہ اچانک قادر اور اس کے ساتھی کار کی جانب بڑھنے لگے۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا اور پھر سے نظریں دوربین کی طرف لگا لیں۔ طاقتور نائٹ ویژن سے سب کچھ صاف دکھائی دے رہا تھا۔

کچھ دیر بعد گاڑی اسٹارٹ ہوئی اور اپنی منزل کی جانب بڑھنے لگی۔

جانباز نے اپنے کوٹ کی جیب سے ایک آلہ نکالا جس پر سبز بٹن جل بجھ رہا تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ اب تک اس کا پلان ٹھیک جا رہا ہے۔ یہ دیکھ اس کے چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ آ گئی اور اس نے دور جاتی گاڑی کو دیکھا اور ریڈ بٹن دبا دیا۔ یکلخت آلہ کا سبز بٹن بند ہو کر سرخ لائٹ دکھانے لگا۔

☆......☆......☆

کیا ہوگا؟
کیا یہ غدار خفیہ ایجنٹ کی تباہی کا پیش خیمہ ہے؟
کیا مجاہدین کشمیر شاہین کی شہادت کا بدلہ لے سکیں گے؟
کیا انڈیا کو بھاری زک پہنچ سکے گی۔
آخر کیا ہو گا۔ اس کے لئے پڑھتے رہیے......مسلمان بچے

☆......☆......☆

آلے پر سرخ رنگ کے جلنے کا یہ مطلب تھا کہ میٹر ٹھیک کام کر رہا ہے۔ یہ ایک آلہ تھا جس میں یہ خاصیت تھی کہ وہ گاڑی اب جہاں کہیں بھی جائے گا۔ یہ آلہ اسے ٹریک کرتا رہے گا۔

جانباز نے ہر طرح سے کوشش کی کہ کسی طرح اس غدار قادر کے خفیہ اڈے کا پتا چل جائے مگر اسے معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ چنانچہ اس نے یہ چال چلی اور باقاعدہ خفیہ ایجنٹ قادر کو اس کے بل سے نکال ہی لیا۔

اب وہ جہاں بھی جاتا اس کی گاڑی کا خفیہ ٹریکر جو جانباز نے مہارت سے لگا دیا تھا اسے اس کی صحیح لوکیشن بتا دیتا۔

جانباز کے چہرے پر اب اطمینان کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔ اس نے جلدی سے اپنا سامان پیک کیا اور مخابرے پر کمانڈر ولید سے ملنے کے لئے بات کرنے لگا۔

O......O......O

شام کا وقت تھا اچانک فضا میں جیٹ چنگھاڑتی گھن گرج کے ساتھ دو فضائی طیارے میزائل برساتے بستی کے اوپر سے گزر گئے۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ فوج اور پولیس کے درجنوں دستے اس جگہ پہنچ چکے تھے۔

وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔

جس جگہ ابھی چند دن پہلے میٹنگ ہوئی تھی وہاں اب راکھ کا ڈھیر تھا۔ فوج کا سارے علاقے کی گھیرا بندی کر لی تھی۔

"ہیلو کمانڈر! میں رام چند بول رہا ہوں سر! ہم نے یہاں آپریشن کیا ہے سر!" ایک کمانڈر نے کال پر کسی سے بات کرتے ہوئے کہا۔

"کیا کوئی لاش ملی؟" آگے سے سوال ہوا۔

"نہیں سر! فی الحال ملبہ بہت زیادہ گرا ہوا ہے۔ ابھی ملبہ ہٹانے کا کام شروع نہیں کیا۔ رام چند نے جو اس آپریشن کا انچارج تھا۔ نے بتاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ سارے علاقے کی گھیرا بندی کر لو۔ کوئی بچ کر نہ جانے پائے۔ اطلاع کنفرم ہے۔ یہاں آتنک وادی ہیں اور انہوں نے ایک بہت بڑا پلان تیار کر رکھا ہے۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور فون رکھ دیا گیا۔

O......O......O

خفیہ ایجنٹ قادر کے چہرے پر آج تمتماہٹ کے آثار تھے۔ اس کو ایک بہت بڑی مخبری ہاتھ لگی تھی۔ وہ جس قدر خوش تھا۔ اس نے گاڑی اپنے خفیہ ٹھکانے پر جانے کی بجائے سیدھا سری نگر انسپکٹر جنرل کے آفس کی طرف بڑھادی۔ وہ یہ خفیہ اطلاع جلد از جلد اپنے "بڑوں" کو دینا چاہتا تھا تا کہ ان سے موٹی انعامی رقم وصول کی جاسکے۔ یہ خبر ایسی تھی کہ جو انڈیا کے ایوانوں میں زلزلہ بپا کرسکتی تھی۔

اس نے انسپکٹو جنرل کے آفس میں جا کر اپنا مخصوص کوڈ دہرایا جو اس کو خاص ایسے موقعوں کے لئے دیا گیا تھا۔ چنانچہ جلد ہی اس کا رابطہ دہلی آفس میں کروادیا گیا۔

"سر! میں اینگل بات کر رہا ہوں۔" رابطہ ہوتے ہی اس نے اپنا کوڈ نام دہرایا۔

"یس! اینگل ون! کہو کیا بات ہے؟ آگے سے بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔

"سر! ایک انتہائی ضروری اطلاع دینی ہے۔ کیا میں یہاں دے سکتا ہوں۔" قادر نے رازدارانہ انداز میں کہا۔

"نہیں! یہاں نہیں! تم واپس اپنے ٹھکانے جاؤ۔ میں وہاں تم سے رابطہ کرتا ہوں۔" آگے سے یہ کہہ کر فون کاٹ دیا گیا۔

قادر جس قدر پر جوش تھا کہ اس کی اطلاع ایک دھماکہ خیز ثابت ہوگی۔ اسی قدر اسے مایوسی ہوئی اور وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

قادر ڈھیلے انداز میں انسپکٹر جنرل کے آفس سے نکلا اور واپس اپنی گاڑی میں بیٹھ کر اپنے خفیہ ٹھکانے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

وہاں جا کر اس نے اپنے ساتھیوں کو آرام کرنے کا کہا اور خود ایک کمرے میں آ کر بیٹھ گیا۔ یہ ایک مخصوص کمرہ تھا جہاں پر اس کے "بڑے" اس سے فون پر بات کرتے تھے۔ وہ فون کا منتظر تھا۔

ابھی کچھ دیر ہی گزری تھی کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ قادر نے جھپٹ کر فون اٹھالیا جیسے اگر ایک لمحے کی دیر بھی ہوگئی تو قیامت ٹوٹ پڑے گی۔

"ہیلو اینگل بات کر رہا ہوں۔" قادر نے کہا۔

"ہیلو اینگل ون بات کر رہا ہوں۔ تم کیا بات کرنا چاہ رہے تھے۔ جلدی بتاؤ مجھے اور بھی بہت سے کام ہیں" آگے سے جواب دیا گیا۔

"سر! میں آپ کے کہنے پر کمانڈر ولید کی میٹنگ میں شامل ہوا۔ یہ میٹنگ جس جگہ ہوئی وہ جگہ میں نے آپ کو ٹیکسٹ کردی ہے۔ لیکن اصل خبر یہ ہے کہ مجاہدین ایک بہت بڑا پلان بنارہے ہیں جس کے ذریعے وہ کمانڈر شاہین کا بدلہ لینا چاہ رہے ہیں۔" قادر ایجنٹ نے کہا۔

"بکواس کرنا بند کرو اور پہیلیاں نہ بجھواؤ جلدی سے بکو کہ کیا پلان ہے۔" آگے سے سختی سے کہا گیا۔

"یس سر یس سر! سوری سر سوری سر! قادر نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"سر! یہ لوگ راجیہ سبھا پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ کمانڈر شاہین کا بدلہ اسی صورت چکایا جا سکتا ہے جب اس قدر تیز اور بروقت حملہ کیا جائے۔" قادر نے کس قدر پراسرار بنتے ہوئے کہا۔

"اچھا! ہمارے خفیہ اداروں کو ایسی اطلاع بہر حال تھی لیکن طریقہ کار کیا ہے؟ کتنے فدائین ہوں گے؟ اور یہ پلان کب تیار کیا جائے گا؟" آگے سے سوال پوچھا گیا۔

"سر! میں نے کافی کوشش کی کہ اس بارے مزید کوئی معلومات مل سکے مگر کمانڈر ولید بہت چالاک تھا۔ میرے پوچھنے کے باوجود اس نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ بس وہ کوئی جذباتی تقریر کرتا رہا۔" قادر نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

"میں نے کتنی بار کہا ہے کہ معلومات ہمیشہ پوری لے کر آیا کرو ورنہ خوامخواہ میرا اور ادارے کا وقت ضائع نہ کیا کرو۔ تمہارے پاس ایک دن ہے تم نے ساری معلومات لے کر اگر مجھے نہ دیں تو میرے تمہارے حلق سے بھی نکلوا لوں گا۔" اوور اینڈ آؤٹ۔ یہ کہہ کر آگے سے فون کاٹ دیا گیا۔ اور قادر کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

O……O……O

کمانڈر ولید نے جیسے ہی میٹنگ ختم کی۔ اس نے فوراً تمام موجود لوگوں کو یہاں سے دور چلے جانے کا کہہ کر کچھ دن انڈر گراؤنڈ رہنے کا مشورہ دیا۔ کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ اس میٹنگ کے مندرجات جلد از جلد ہر جگہ پھیل جائیں گے اور پھر ان کی تلاش شروع کر دی جائے گی۔ اس لئے اس نے بستی سے کچھ دور ایسی جگہ کا انتخاب کیا جہاں سب کچھ عارضی تھا۔

کچھ دیر بعد جانباز بھی اس کے پاس آ گیا اور پھر دونوں نے مل کر مزید معاملات طے کیے۔

"آپ نے یہ سب کچھ کیوں کیا؟ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ اب آپ مجھے بتائیں گے؟" کمانڈر ولید نے کہا۔

"جی کمانڈر ولید! اب میں آپ کو بتا سکتا ہوں۔ اصل میں ہمیں بہت عرصے سے قادر نام کے اس کشمیری پر شک تھا۔ کمانڈر شاہین نے مجھے اس کے بارے کئی بار خبردار کیا مگر میں نے اسے ٹال دیا۔ لیکن جب شاہین کی شہادت ہوئی اور مجھے کچھ اندرونی ذرائع سے یہ خبر ملی کہ اس اندوہناک واقعے میں اس قادر کا ہاتھ ہے تو میں نے اسے تلاش کرنے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہا۔ مگر اس میٹنگ میں خاص طور پر اسے بلانے کے بعد اب میں اس پوزیشن میں ہوں کہ اسے پکڑ سکوں اور اس کے جرم کو آپ سب کے سامنے لے کر آ سکوں۔ تا کہ ہم اپنی صفوں میں موجود کالی بھیڑوں کو پہچان سکیں۔

اب سے کچھ گھنٹے بعد اس اجلاس کی ساری کہانی انڈیا کے ایوانوں تک پہنچ جائے گی۔ ایک تو ان پر رعب پر طاری ہو جائے گا اور دوسرا خفیہ ایجنٹ قادر کے ٹھکانے کا بھی ہمیں معلوم ہو جائے گا اور ہم اس تک با آسانی پہنچ سکیں گے۔

آپ کے تعاون کا شکریہ۔ آپ اور آپ کے تمام باقی قائدین اور ساتھی کچھ عرصہ انڈر گراؤنڈ چلیں جائیں تا کہ یہ لوگ یہاں آ کر سر پٹخ کر چلے جائیں اور آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں۔

یہ کہہ کر جانباز نے کمانڈر ولید سے ہاتھ ملایا اور باہر نکل آیا۔

اب اس کی منزل خفیہ ایجنٹ قادر کا وہ خفیہ ٹھکانہ تھا جہاں رہ کر وہ کشمیری قوم کو برسوں سے نقصان پہنچاتے چلا آ رہا تھا۔

O……O……O

پھر کیا ہوا؟ کیا قادر خفیہ ایجنٹ کا حشر عبرتناک ہوا؟ یا پھر وہ اپنی شاطرانہ چالوں کی بدولت نکل کر بھاگ گیا؟ کیا ہوا؟ یہ جاننے کے لئے پڑھتے رہیے مسلمان بچے

"گزشتہ سے پیوستہ"

سرینگر ڈی آئی جی آفس میں اس وقت ایک ہنگامہ برپا تھی۔ ایک ایمبولینس آرہی اور دوسری جا رہی تھی۔ ہر طرف سائرن کی بھیانک آوازیں تھیں گویا جنگ کا ماحول برپا ہو۔

تھوڑی دیر بعد فوجیوں میں گھری ایک بڑی جیپ سائرن بجاتی آئی اور اس میں سے ایک ادھیڑ عمر شخص بڑی عجلت میں نکلا اور عمارت میں داخل ہو گیا۔

اس کے پیچھے کوئی دس کے قریب گن مین فوجی بھی الرٹ اسی کے ساتھ چل رہے تھے۔ پورا عملہ الرٹ ہو چکا تھا۔

یہ وزیر دفاع تھے جو ہنگامی دورے پر سرینگر آئے ہوئے تھے۔ کیونکہ ایک بہت بڑی شخصیت جو وزیر دفاع کا ایک بڑا ایجنٹ تھا وہ قتل ہو چکا تھا۔ اس کے ساتھ 3 مزید آفیشلز بھی مارے گئے تھے۔ یہ بہت ہائی فائی ایجنٹ تھے جن کا مارا جانا انڈین حکومت کے لئے انتہائی حیرت ناک تھا۔

جیسے ہی وزیر دفاع ایک کمرے میں داخل ہوئے وہاں بیٹھے دو شخص جنہوں نے یونیفارم پہنی ہوئی تھی یکلخت کھڑے ہو گئے۔

"کیسے ہوا یہ سب؟" آتے ہی وزیر صاحب نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

"سر! ہمیں اطلاع ملی کہ ملٹری کے ایک خفیہ ایجنٹ کے گھر میں چار لاشیں برآمد ہوئی ہیں۔ حالانکہ وہاں مزید

ایجنٹ تعینات تھے۔ انہوں نے ہی ہمیں فون کر کے صورتحال سے آگاہ کیا۔

بتایا جارہا ہے کہ دیو صاحب کسی خفیہ مقصد سے اس گھر میں گئے تھے۔ لیکن جب دو گھنٹے تک اندر سے کوئی ہلچل نہ ہوئی تو انہوں نے دروازہ کھول کر دیکھا تو اندر لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ کیمروں کی مدد سے جاننے کی بہت کوشش کی مگر کچھ معلوم نہ ہوسکا کہ کیا ہوا ہے؟

"ایجنٹ ہمارے ایک خفیہ مشن پر تھے۔ یہ بتائیں کہ اس خفیہ ایجنٹ قادر کا کیا ہوا جس کی وجہ سے یہ سب ہوا؟" وزیر دفاع نے کہا۔

"سی سی ٹی وی کیمروں سے معلوم ہوا کہ ایک نقاب پوش شخص گھر کی پچھلی جانب سے شاید چڑھا اور وہاں سے اندر داخل ہوا۔ لیکن ہمیں کوئی کلیئر فوٹیج ابھی تک نہ مل سکی ہے۔ ہوسکتا ہے وہی شخص ہی قادر کو لے گیا ہو کیونکہ اس کی لاش تا حال نہیں مل سکی۔" ایک شخص جو کشمیر میں آرمی کا ایک جنرل تھا، نے بولتے ہوئے کہا۔

"تم لوگ یہاں کیا کرتے ہو؟ چپے چپے پر ناکے اور تمہارے لوگ؟ پھر بھی تم لوگ ایسے بھیانک قسم کے حملے روک نہیں سکتے؟ کیا میں تمہیں ابھی کے ابھی معطل نہ کردوں؟" وزیر دفاع نے غصے ہوتے ہوئے کہا۔

"سوری سر! ہم تحقیقات کر رہے ہیں۔ اور ہم جلد ہی انہیں پکڑ لیں گے۔" ایک جنرل نے گھگیائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں تمہیں تین دن کا وقت دیتا ہوں۔ اگر مجھے قادر یا اس کو لے جانے والے شخص کا معلوم نہ ہوا تو میں بڑے پیمانے پر تبدیلی کروں گا۔ کیونکہ تم سارے کے سارے نااہل اور نکمے ہو۔"

"یس سر! ہم اپنی سرتوڑ کوشش کریں گے اور مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچائیں گے۔" دونوں نے سیلوٹ مارتے ہوئے کہا۔

یہ کہہ کر جنرل نے ایک اچٹتی نگاہ سامنے اسٹریچر پر پڑے شخص پر ڈالی جو ملک کا ایک مایہ ناز ایجنٹ تھا مگر اب فقط ایک لاش تھا۔

وزیر دفاع نے لاش کو دیکھ کر ایک سہمی ہوئی سانس اندر کھینچ لی اور کمرے سے باہر نکل گئے۔

❁❁❁

جانباز کے زناٹے دار تھپڑ کی گونج جنگل کی خاموشی کو توڑ گئی۔

قادر نے چونک کر آنکھیں کھول دیں، وہ ایک درخت سے بندھا ہوا تھا۔ اتنا سخت باندھا گیا تھا کہ اس کے لئے ذرا سا ہلنا بھی ممکن نہ تھا۔

"ادھر دیکھو میرے طرف؟" جانباز نے اس کا سر اپنے دونوں ہاتھوں سے کس قدر دبا کر اپنی طرف کر لیا۔

"کون ہو تم؟" اپنی اصلیت اگر چھپائی تو ابھی زمین میں گاڑ دوں گا۔" جانباز کی زبان میں ایسی سختی تھی جو قادر جیسے بزدل کے لئے کافی تھے۔

وہ ایسے شروع ہو گیا جیسے ٹیپ ریکارڈر کا بٹن آن کرنے پر وہ چل پڑتا ہے۔

"میں کچھ عرصے سے انڈین آرمی کے لئے کام کر رہا ہوں۔ میں نے تقریباً چار سو سے کچھ اوپر مخبریاں کیں جس میں سینکڑوں مجاہدین مارے گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ میں نے شاہین جیسے کی بھی مخبری کی اور انہیں شہید کروانے کی سازش کی۔ اس کے علاوہ ہر کام میں نے وہ کیا جس سے دشمن کو خوش کیا جا سکے۔ میں نے دنیا حاصل کرنے کی خاطر اپنا ضمیر بیچ دیا۔ اپنا ایمان داؤ پر لگا دیا۔ اپنے لوگوں کو ہمیشہ کے لئے شرمسار کیا۔ اپنے نشے کی لت کو پورا کرنے کے لئے اپنا آپ فروخت کر دیا۔ اپنے ہی لوگوں کو دھوکا دیا۔ خود کو برباد کر لیا اور دیکھیں آج اس حالت میں آپ کے سامنے ہوں۔ میں نے دشمن کے قہقہوں میں اضافہ کیا۔ ان کی خوشیوں کی خاطر اپنوں کو قربان کر دیا۔

آہ!!! میں نے یہ سب کیوں کیا؟ میں خود نہیں جانتا۔ لیکن میری سزا شاید موت سے بھی بدتر ہونی چاہئیے۔

"کیوں کیا تم نے ایسا؟" جانباز روہانسا ہو گیا۔ پل بھر میں وہ دوست یاد آ گئے جو اس کے بہت اپنے تھے۔ جو اس غدار ملت کی وجہ سے اس سے جدا ہو گئے تھے۔

وہ نام لے رہا تھا اور جانباز ایک پتھر کا سہارا لے کر وہیں بیٹھ گیا۔ اس میں سکت نہ تھی کہ وہ کھڑا ہو سکے۔

وہ مارے گئے کیونکہ ایک غدار نے دھوکا دیا، ان کے اپنے ہی وطن کے باسی نے انہیں دھوکا دیا، دشمن تو ان کی گرد کو نہ پہنچ سکا مگر اس غدار وطن نے راستہ دکھایا۔

"بتاؤ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟" جانباز نے کہا۔

"اگر تم مجھے آزاد کرتے ہو تو میں تمہارے لئے کام کر سکتا ہوں۔ میں تمہارے لئے مخبریاں کر سکتا ہوں۔" قادر نے ایک پینترا بدلتے ہوئے کہا۔

"کیا اب تمہارا ضمیر جاگ گیا؟ تمہارا ضمیر تب کہاں تھا جب میرے ساتھیوں کو تمہاری مخبریوں کی وجہ سے شہید کیا جاتا رہا۔ کیا تم بھول گئے تھے کہ تم ہزاروں ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کے قاتلوں کا ساتھ دے رہے ہو۔ تب تم ہمارا ساتھ کیوں نہ دے سکے؟

جانباز نے مکوں کی بارش کر دی اور وہ اپنے آپے سے باہر ہو چکا تھا۔

مارتے مارتے جب وہ تھک گیا تو اس نے اپنی پستول نکالی اور اس پر سائلنسر لگانے لگا۔

"کیا تم مجھے واقعی مار دو گے؟" قادر نے خوف سے لرزتے ہوئے کہا۔

"ہاں تمہارے لئے یہی بہتر ہو گا کیونکہ تم جیسے لوگ ہماری اس دھرتی پر سوائے بوجھ کے اور کچھ نہیں ہو۔"

"میں منت کرتا ہوں مجھے مت مارو پلیز مجھے مت مارووووووو" ابھی اس کی آواز مکمل نہ ہوئی کہ جانباز نے عین دونوں آنکھوں کے درمیان گولی چلا دی۔ گولی اس کی کھوپڑی پھاڑتی ہوئی دوسری طرف سے نکل گئی۔ اس کے بعد جانباز کو جیسے دورہ سا پڑ گیا ہو اس نے یکے بعد دیگرے گولیاں چلائی اور پورا میگزین خالی کر دیا۔

لیکن اسکا غصہ ٹھنڈا نہ ہو رہا تھا۔ وہ ابھی بھی رو رہا تھا۔ اس کی لاش اب درخت سے بندھی ہوئی ڈھلک رہی تھی۔ ابھی وہ اپنی آنکھیں صاف کر ہی رہا تھا کہ چند آوازیں ابھریں۔

جانباز نے مہارت کام آئی اس نے فوراً اس جگہ سے ہائی جمپ کھایا اور اڑتا ہوا ایک کھائی میں جا گرا۔ وہ سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں بچ گیا تھا کیونکہ عین اسی جگہ پر ایک پورا برسٹ فائر کیا گیا تھا۔

جانباز نے فوراً گن سنبھالی اور فائر کرتا ہوا پیچھے ہٹتا چلا گیا اور پھر ایک طرف ہو کر دوڑنے لگا۔ وہ جلد از جلد حملہ آوروں کی رینج سے باہر نکلنا چاہتا تھا۔

❁❁❁

پھر کیا ہوا؟

کیا جانباز بچ گیا یا اس بار وہ پکڑا گیا؟

کیا قادر کی موت کے بعد انڈین آرمی کو کوئی ایجنٹ مل جائے گا؟

کیا ہوگا یہ سب جاننے کے لئے پڑھتے رہیے مسلمان بچے

چائے کا کپ؟

فرض کیجئے آپ چائے کا کپ ہاتھ میں لئے کھڑے ہیں اور کوئی آپ کو دھکا دے دیتا ہے، تو کیا ہوتا ہے؟؟

آپ کے کپ سے چائے چھلک جاتی ہے۔ اگر آپ سے پوچھا جائے کہ آپ کے کپ سے چائے کیوں چھلکی تو آپ کا جواب ہوگا کیونکہ فلاں نے مجھے دھکا دیا۔

غلط جواب درست جواب یہ ہے کہ آپ کے کپ میں چائے تھی اسی لئے چھلکی۔ آپ کے کپ سے وہی چھلکے گا جو اس میں ہے۔

اسی طرح جب زندگی میں ہمیں دھکے لگتے ہیں لوگوں کے رویوں سے تو اس وقت ہماری اصلیت ہی چھلکتی ہے۔

آپ کا اصل اس وقت تک سامنے نہیں آتا جب تک آپ کو دھکا نہ لگے۔

تو دیکھنا یہ ہے کہ جب آپ کو دھکا لگا تو کیا چھلکا:

صبر، خاموشی، شکر گزاری، رواداری، سکون، انسانیت، وقار یا

غصہ، کڑواہٹ، جنون، حسد، نفرت، حقارت۔

چن لیجئے کہ ہمیں اپنے کردار کو کس چیز سے بھرنا ہے، فیصلہ ہمارے اختیار میں ہے۔

وثیقہ زبیر

(گزشتہ سے پیوستہ)

جانباز نے قادر (خفیہ ایجنٹ) کے جسم میں پورا میگزین خالی کر دیا۔ اس کا غصہ ٹھنڈا نہ ہو رہا تھا۔ وہ ابھی مزید اس کے جسم میں گولیاں اتارتا مگر اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے انڈین آرمی فورس بالاخر اس کے قریب پہنچ گئی اور اگر جانباز عین وقت پر ایک جست لگا کر وہاں سے نہ جاتا تو گولی اس کے سینے میں پیوست ہو جاتی۔

جانباز وہاں سے بھاگ نکلا اور بھاگتا چلا گیا۔ اس نے مڑ کر بڑی حقارت سے قادر کی بدبودار لاش کو دیکھے جس کا چہرہ اب سیاہ ہو چکا تھا۔

وہ بھاگتے بھاگتے سوچ رہا تھا کہ قادر خفیہ ایجنٹ کے لئے یہ موت بڑی آسان رہی۔ ورنہ اس کے جرائم کو دیکھ کر تو ایسی موت دینی چاہئے تھی کہ سب عبرت پکڑتے اور اس کی بوٹی بوٹی الگ کر دینی چاہیے تھی، کیونکہ اس نے کشمیر کی خاطر لڑی جانے والی جنگ کو کس قدر نقصان پہنچا دیا، ایسے ایسے ہیروں کو کشمیریوں نے کھو دیا کہ جن میں سے ہر ایک لاکھوں کروڑوں قادر خفیہ ایجنٹ پر بھاری تھا۔

اس لئے قادر خفیہ ایجنٹ کی موت بڑی دردناک ہونی چاہیے تھی، لیکن اللہ تعالیٰ سب سے بڑا منصف ہے۔ اس دنیا میں بھلے اسے گناہوں کی سزا نہ ملے مگر آخرت میں اس کے لئے ایک دردناک عذاب تیار ہے اور اس جیسے تمام لوگوں کے لئے ہمیشہ تیار رہے گا۔

جانباز نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو درجنوں کی تعداد میں فورس اس جگہ موجود تھی جہاں وہ کچھ دیر پہلے تھا۔ آس پاس ہوٹر بج رہے تھے، کچھ فورس جانباز کے پیچھے تھی جو مسلسل فائرنگ کر رہی تھی۔

جانباز جلد از جلد ان کی رینج سے نکلنا چاہتا تھا۔ اس اثناء میں اسے ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دی۔ یہ اس کے لئے بہت خطرے کی بات تھی کیونکہ ہیلی کاپٹر کا اس قدر اچانک آنے کا مطلب یہ ہے کہ بہت ہائی لیول کا سرچ آپریشن جاری ہے۔ جانباز نے دوڑتے دوڑتے حفاظتی دعائیں پڑھیں اور مزید اپنی رفتار تیز کر دی۔ وہ جلد از

جلد اپنے ایک خفیہ ٹھکانے تک پہنچتا تھا جواب یہاں سے صرف پندرہ منٹ کے فاصلے پر تھا۔

☆......☆......☆

یس سر! یہ جانباز ہی ہے!! اس نے چیختے ہوئے اسلامیٹ فون پر کہا۔ یہ ایک میجر تھا جس کی فورس قادر خفیہ ایجنٹ کو ڈھونڈتے ہوئے عین اس مقام پر آن پہنچی تھی جہاں تھوڑی دیر پہلے ہی جانباز موجود تھا۔

جی سر! ہم پوری کوشش کریں گے کہ جانباز کو زندہ یا مردہ ہر حال میں پکڑ لیں۔ میجر نے کہا اور اپنی فورس کو ہدایات دینے لگا۔ اسے کمانڈ سے مکمل اختیار مل چکے تھے اب وہ کشمیر میں موجود کسی بھی فورس کو الرٹ کرسکتا تھا کوئی بھی مدد بلا سکتا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انڈین سنٹرل کمانڈ نے ایمرجنسی نافذ کر کے تمام فورس کو ہر کام چھوڑ کر جانباز کو پکڑنے کا کام سونپ دیا تھا اور اس کا انچارج میجر شیکھر کو بنا دیا تھا جو قادر کے پاس سب سے پہلے پہنچا تھا اور جس کی فورس اب اس وقت جانباز کے پیچھے تھی۔

ہدایات دینے کے بعد اس نے ایک اور نمبر گھمایا اور کان سے لگالیا۔ ہیلو میجر شیکھر بات کر رہا ہوں!! میجر نے فورا کہا۔

کوڈ پلیز!! آگے سے فورا کہا گیا۔

"ریڈ بل"

جی سر حکم کریں۔ آگے سے فورا کہا گیا۔ اس آپریشن کے لئے ایک اسپیشل کوڈ لانچ بھی کر دیا تھا۔ تا کہ جو شخص بھی اس کوڈ کو بول کر جو مدد لینا چاہے فورا اس کو دی جائے۔

"فورا دو گن شپ ہیلی کاپٹر میری لوکیشن پر بھیج دو اور فوراً ہائی وے پر ۱۰۰ سے زائد چیکنگ پوائنٹ بنا دیے جائیں اور اگلے چوبیس گھنٹوں کے لئے کسی گاڑی کو میری کلیرنس کے بغیر آگے جانے کی اجازت نہ دی جائے۔" میجر نے فوراً چیختے ہوئے کہا۔

یس سر! آگے سے کہا گیا اور فون آف ہو گیا۔

میجر شیکھر کی پیشانی پر شکنوں کا ایک جال آچکا تھا۔ اس کے لئے ایک موقع تھا کہ وہ انڈیا کا ہیرو بن سکتا تھا۔ جانباز کو زندہ یا مردہ پکڑنے کا ایک بڑا ہی شاندار موقع اسے ملا تھا جسے وہ کسی حال میں گنوانا نہیں چاہتا تھا۔

ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ دو ہیلی کاپٹروں کی آواز اسے سنائی دی اور اسکے چہرے پر یہ سوچ کر مسکراہٹ آ گئی کہ واقعی اس کی اتھارٹی کام کر رہی ہے۔ یہ سوچ کر ہی وہ سرشار ہو گیا۔

☆......☆......☆

جانباز نے بھاگتے بھاگتے اپنا کمپاس نکالا اور پھر ایک سمت کا اندازہ لگا کر دوڑنا شروع کر دیا۔ آسمان پر ہیلی کاپٹر ابھی بھی سرچ کر رہا تھا۔ اسی اثنا میں ایک دوسرے ہیلی کاپٹر کی آواز بھی سنائی دی۔ جانباز اب پریشان سا ہو گیا کہ یہ تو بڑی مشکل کھڑی ہو گئی۔

اس کے لئے پریشانی اب یہ تھی کہ اب وہ اپنے خفیہ ٹھکانے کے جانب نہیں جا سکتا تھا کیونکہ ہر طرف سرچ آپریشن جاری تھا۔ وہ اس ٹھکانے میں داخل ہو گیا تو پھر اس کے لئے بہت مشکل ہو جائے گا کہ وہ مقابلہ کر سکے چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ کسی طرح اس سرچ پارٹی کو دھوکہ دے کر وہ ہائی وے وغیرہ کی جانب جا نکلے تو شاید کچھ چانس بن سکتا ہے۔

چنانچہ ایک بار پھر اس نے کمپاس نکالا اور ہائی وے کی سمت کا اندازہ لگا کر وہ اس طرف دوڑ پڑا اب اس کا رخ مغربی جانب تھا۔ پیچھے سے ابھی بھی اکا دکا فائرنگ کی آواز سنائی دی رہے تھی مگر اب ان کا فاصلہ کافی زیادہ بڑھ گیا تھا۔ جانباز کے لئے ایک اکلوتی پریشانی ہیلی کاپٹر تھے کیونکہ اس میں باقاعدہ سنسر لگے تھے جو کمپیوٹرائز طریقے سے شناخت کر سکتے تھے۔

لیکن یہ ایک امید افزاء بات تھی کہ ابھی تک پائلٹوں کو جانباز کی بھنک نہ لگی تھی مگر وہ سرچ اسی جگہ زیادہ کر رہے تھے جس ایریا میں جانباز اب بھی دوڑ رہا تھا۔

بھاگتے بھاگتے اب وہ ہائی وے تک پہنچ گیا تھا۔ اس نے یہاں ایک جگہ چھپ کر کچھ دیر انتظار کیا۔ قدرے اوٹ میں ہو کر اس نے اپنا گیٹ اپ تبدیل کیا۔ اس نے اپنے چھوٹے سے بیگ سے بھاری مونچھوں کا ایک پیکٹ نکالا اور پھر اس نے ایک کریم نکالی۔ اب اس کے ہاتھ مسلسل اپنے چہرے پر گردش کر رہے تھے۔ جلد ہی اس کا روپ کس قدر بدل گیا۔ اب وہ ایک سانولا سا مونچھوں والا بوڑھا کسان لگ رہا تھا۔ جس کے سر پر ایک بڑی سی پگ تھی۔ اس نے اپنا سارا سامان یہیں چھوڑا، سوائے ایک پسٹل کے۔ وہ اس نے اپنے پاس رکھا تاکہ اگر کوئی انہونی صورت حال پیش آ بھی جائے تو وہ مقابلہ کر سکے۔

☆......☆......☆

"سر! ہم اسے تلاش نہیں کر پا رہے!! ہم نے آس پاس سب چیک کر لیا ہے۔ وہ اگر ہوتا تو یہیں کہیں چھپا ہوا ہوتا سر!!" ایک سپاہی ڈرے سہمے انداز میں میجر شیکھر کو بتا رہا تھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ ابھی تو یہاں تھا؟ پھر کیسے غائب ہو سکتا ہے کیا وہ کوئی چھلاوا ہے۔ اگر وہ نہ ملا تو میں تم سب کی چمڑی ادھیڑ کر رکھ دوں گا۔" میجر شیکھر نے غصے سے منہ سے کف نکالتے ہوئے کہا۔

اسے اپنی ہیرو بننے کی امید ختم ہوتی نظر آئی۔

اس نے ایک اور نمبر ڈائل کیا اور ہیلی کاپٹر پائلٹ سے لنک کر دیا۔

"ہیلو ہیلو پائلٹ! میجر شیکھر بات کر رہا ہوں۔!! کچھ معلوم ہوا"؟ میجر شیکھر نے دو تین بار کہا۔

یس پائلٹ اوور ہیر! نہیں سر ابھی تک کوئی کامیابی نہیں ملی۔ اب ہمارا فیول بھی بہت کم بچا ہے۔ ہمارے لئے کیا آرڈر ہے سر!

پائلٹ کی آواز سنتے ہی اس کا دل چاہا کہ وہ اپنا سر کسی پہاڑی پر دے مارے مگر اس خوف سے ہی وہ لرز گیا کہ اگر وہ ناکام رہا تو اس کا کورٹ مارشل بھی ہو سکتا ہے۔

اس نے آخری کوشش کی۔

ٹھیک ہے تم میں سے کوئی ایک فیول ٹینک فل کروا لے اور پھر دوسرا ہیلی کاپٹر جب واپس آئے تو پہلے والا چلا جائے یوں ہم چیکنگ جاری رکھ سکتے ہیں۔

اوکے سر! ایسا ہی کرتے ہیں۔!! یہ کہتے ہی میجر شیکھر نے فون آف کر دیا۔

"کہاں جا سکتا ہے یہ؟ ہر طرف ہم نے چیکنگ کر لی ہے۔؟" اس نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا۔ اچانک اسکے ذہن میں ایک خیال آیا۔

"رام سنگھ!! یہاں کتنے گھر موجود ہیں۔" اس نے

اپنے جونیئر سے پوچھا۔

"سر! اس سامنے پہاڑی پر کوئی دس کے قریب گھر موجود ہیں۔ لیکن وہاں پر بھی چیکنگ کر لی ہے۔ صرف ایک گھر خالی تھا اسے بھی اچھی طرح چیک کر لیا ہے سر، لیکن کسی شخص کے کوئی آثار نہیں ملے۔" اس نے جلدی جلدی جواب دیا۔

"او کے ٹھیک ہے۔ یہاں سے ہائی وے کتنی دور ہے؟" اس نے ایک خیال کے تحت پوچھا۔

"سر! اگر پیدل جایا جائے تو تقریباً بیس منٹ کا فاصلہ ہے۔" اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے ہائی وے کی جانب چلو فوراً!!" میجر شیکھر نے آخری کوشش کرتے ہوئے ہائی وے کا رخ کر لیا۔ اب اس کی ساری فورس جن کی تعداد تقریباً چالیس سے زیادہ تھی ہائی وے کی جانب موو کر رہے تھے اور وہ ہائی وے پٹرولنگ آفیسر سے مسلسل رابطے میں بھی تھا۔

☆......☆......☆

جانباز نے حلیہ تبدیل کر کے ہائی وے کچھ دور ہٹ کر چلنے لگا۔ اس نے اپنے کپڑوں کے اوپر ایک میلی قسم کی چادر بھی تہبند کی طرح باندھ لی تھی تا کہ وہ دور سے ایک دیہاتی ہی لگے۔ ابھی وہ تھوڑا ہی چلا تھا کہ اسے دور سے ایک لاری آتی دکھائی دی۔ جو بالکل خالی تھی۔

جانباز نے کن انکھیوں سے دیکھا تو ڈرائیور اسے ہی دیکھ رہا تھا اور پھر کچھ دور جا کر رک گیا۔ جانباز محتاط انداز میں آگے بڑھنے لگا!!

"بڑے صاحب! کہاں جانا ہے آؤ چھوڑ دیتا ہوں۔ آج تو کوئی سواری بھی نہیں!!" ڈرائیور نے اونچی آواز میں جانباز کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"بس جی! ساتھ ہی جانا ہے۔ میں چلا جاؤں گا۔ آپ چلے جاؤ۔!!" جانباز نے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔

"نہ باؤ جی! ایسے نہ کرو۔ اکیلے کتنا چل لوگے۔ آج پھر ٹریفک بند ہے۔ کوئی نہیں آئے گا لینے۔ بہتر ہے آ جاؤ۔"!! ڈرائیور نے زور دے کر کہا۔

"ٹھیک ہے بھایا! بٹھا لو مجھے۔ اگلی چوکی پر اتار دینا!!"

جانباز نے آواز بدل کر دیہاتی انداز میں جواب دیا۔

لاری پرانے زمانے سے بھی زیادہ کھٹاری تھی۔ خراماں خراماں چلتی ہوئی تقریباً دو کلومیٹر کا بمشکل سفر کیا ہو گا کہ اچانک اس کے بونٹ سے دھواں نکلنے لگا۔

"دھت تیری کی!! اس کو بھی آج ہی خراب ہونا تھا۔ لو جی بڑے میاں!! کاربوریٹر خراب ہو گیا اب کچھ ٹائم لگے گا میں اسے ٹھیک کرتا ہوں آپ ادھر سکون سے بیٹھ جاؤ۔" ڈرائیور نے کہا اور جانباز کو وہیں چھوڑ کر وہ بونٹ اوپر اٹھا کر کام میں لگ گیا۔

جانباز کے لئے بڑی مشکل آن پڑی کہ اب وہ جائے تو اکیلا ہونے کیوجہ سے مشکوک بھی ہو سکتا ہے۔ اگر ڈرائیور کے ساتھ رہے گا تو ہو سکتا ہے کوئی شک بھی نہیں کرے۔

چنانچہ جانباز نے بالآخر فیصلہ کیا کہ وہ یہیں اس کے ساتھ رکے گا۔

(بقیہ صفحہ نمبر 89)

بقیہ: جانباز

جلد ہی میجر شیکھر اور اس کی سرچ ٹیم ہائی وے پر پہنچ گئے۔ اچانک میجر شیکھر کا فون بول اٹھا۔

ہیلو ہیلو سر! پائلٹ بات کر رہا ہوں!!

"ہمیں ہائی وے ایک گاڑی دکھائی دی جو روڈ کے کنارے خراب کھڑی ہے اس کے ساتھ دو بندے ہمیں نظر آرہے ہیں۔ ہم انہیں دیکھ کر آگے چلے گئے ہیں۔ آپ اگر کہیں تو انہیں وہیں روک دیں۔" پائلٹ نے کہا۔

"گاڑیاں تو میں نے ساری بند کر دی ہیں پھر یہ کون لوگ ہیں؟ نہیں رکو! تم لوگ واپس نہ آنا ورنہ اگر وہ لوگ مشکوک ہوئے تو پھر محتاط ہو جائیں گے۔ ہم انہیں دیکھ لیتے ہیں۔" یہ کہہ کر بجلی کی تیزی سی میجر شیکھر نے اپنی گاڑی کا دروازہ کھولا اور سب کو چیخ کر روانہ ہونے کا آرڈر دیا۔ اس نے فون پر ہائے وے پر اپنی گاڑیاں منگوائی تھیں تاکہ اب انہیں مزید پیدل نہ چلنا پڑے۔

دس سے زائد گاڑیوں کا یہ قافلہ آناً فاناً ہائی وے پر دوڑتا چلا گیا۔ میجر شیکھر جلد از جلد اس جگہ پہنچنا چاہتا تھا۔

صرف دس منٹ کی ڈرائیو کے بعد بالآخر وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں گاڑی اب بھی خراب کھڑی تھی۔

☆......☆......☆

اچانک فضا میں سائرن کی آوازیں سنائی دیں تو جانباز چوکنا ہو گیا، اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو آرمی فورس بالکل ان کے قریب پہنچ چکی تھی۔ اس کے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ اس نے فوراً اپنے پسٹل کو نکالا اور پاؤں کے ساتھ بنے پاؤچ میں ڈال لیا تاکہ عین وقت پر وہ اسے نکال سکے۔

ارے باؤ جی! اب یہ لوگ کہاں سے آگئے۔ آپ پریشان نہ ہونا میں بات کروں گا۔!! ڈرائیور مطمئن انداز میں جانباز کو یہ کہہ کر آرمی والوں کی طرف مڑا۔

گاڑیاں آناً فاناً قریب آ کر رکیں اور انہوں نے پوزیشنز سنبھال لیں۔

"خبردار! تم دونوں کو گرفتار کیا جاتا ہے فوراً زمین پر لیٹ جاؤ اور اپنے ہاتھ کمر پر رکھ لو!!" چیختے ہوئے میجر شیکھر نے کہا۔

جانباز کے پاس کوئی اور چارہ نہیں تھا، ڈرائیور ڈر کے مارے فوراً زمین پر لیٹ گیا اور جانباز بھی زمین پر لیٹ کر ہاتھ اس نے اپنی کمر پر رکھ لیے۔

دو سپاہی قریب آئے اور انہوں نے بہت محتاط انداز میں دونوں کو ہتھکڑی لگا دی اور کھڑا کر دیا۔

"صاحب! میں غریب آدمی ہوں، کیا غلطی ہو گئی صاحب"! ڈرائیور کے چہرے پر ایک رنگ آرہا اور دوسرا جا رہا تھا۔ جانباز نے بھی مصنوعی پریشانی اپنے چہرے پر سجائی تاکہ کسی کو شک نہ ہو۔

میجر شیکھر نے قریب آ کر ڈرائیور سے پوچھ گچھ شروع کی!

"ہائے وے تو بند ہے تو تم کیسے آئے؟" میجر شیکھر نے ایک زوردار تھپڑ ڈرائیور کے منہ پر رسید کرتے ہوئے کہا۔

"جناب! میں ایک مزدور آدمی ہوں۔ میں تو چوکی کراس کر کے آیا ہوں۔ میرے بارے میں آپ کہیں سے بھی پوچھ سکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے جب آپ نے سڑک بند کرنے کا آرڈر دیا ہو میں اس سے پہلے وہاں سے نکل آیا ہوں صاحب!!" ڈرائیور نے گھگیائے ہوئے انداز میں کہا۔

"یہ کون ہے اور اسے کہاں سے تم نے اٹھایا ہے؟" میجر شیکھر نے جانباز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"صاحب! میں بتاتا ہوں!!" ڈرائیور کے بولنے سے پہلے ہی جانباز بول اٹھا۔ کیونکہ اگر وہ جگہ بتا دیتا تو میجر فوراً سمجھ جاتا کہ معاملہ مشکوک ہے۔

"صاحب! میں کسان بوڑھا بندہ ہوں۔ روز اپنی سائیکل پر آتا ہوں۔ آج بڑا بیٹا لے گیا سائیکل تو میں پیدل آ گیا۔ صاحب میرا کارڈ بھی بنا ہوا ہے۔ آپ چیک کر سکتے ہیں۔!!"

جانباز اس طرح کے تمام حربے پہلے سے اپنے پاس رکھتا تھا۔ وہ انہیں فیک کارڈ کی وجہ سے بہت بار فورس کو چکما دے چکا تھا۔

میجر شیکھر نے آگے بڑھ کر اس کی جیب سے ایک کارڈ نکالا جس پر اس کی شناخت اور تصویر دی ہوئی تھی۔ ایک لمحے کے لئے میجر شیکھر پریشان ہو گیا کہ کارڈ بالکل اریجنل لگ رہا تھا۔ وہ دوبارہ ڈرائیور کی طرف متوجہ ہوا۔

"کیا تم نے یہاں کسی نوجوان کو دیکھا جو پیدل دوڑ رہا ہو یا چل رہا ہو؟" میجر نے ڈرائیور سے پوچھا۔

"نہیں صاحب! بس یہ بڑے صاحب ہائے وے کراسنگ روڈ پر اکیلے چل رہے تھے ان کو میں نے اٹھا لیا۔" ڈرائیور نے بڑے متانت سے کہا۔ مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

یہ وہی روڈ تھا جہاں سے جانباز جنگل سے نکل کر ہائے وے کی جانب آیا تھا۔ میجر نے فوراً جانباز کو دیکھا۔ جانباز فیصلہ کر چکا تھا۔ اس نے شہادت کو اپنے سامنے دیکھ لیا تھا۔ اس نے اسی لمحے اپنی ہتھکڑی ایک مخصوص ٹرک کے ساتھ کھول لی تھی ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں اس نے اپنے پیچھے کھڑے فوجی کو جھک پر اپنے آگے گرایا اور پاؤں سے لگے ہولسٹر میں سے پسٹل نکال کر اس کے سر پر رکھ دی۔

سامنے چالیس سے زائد پولیس والے، گنیں تانے کھڑے ہو کر دیکھ رہے اور پھر یہ سب آناً فاناً ہو گیا۔

میجر شیکھر نے فوراً چیخ کر سب کو شانت رہنے کا کہا۔

"اپنے ہتھیار پھینک دو ورنہ! اس کی کھوپڑی کھول دوں گا۔" جانباز نے اپنی اصل آواز نکالتے ہوئے گرج کر کہا۔

"تمہیں پکڑنے کے لئے اس ایک سپاہی کی قربانی کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔" میجر شیکھر نے ہنستے ہوئے کہا! اور یکدم اس نے اپنی پستول نکال کر فوراً اس پر گولی چلا دی۔ گولی فوراً سپاہی کے سینے کے آر پار ہو گئی اور وہ جانباز کے ہاتھوں میں جھول کر رہ گیا۔

"اب تم اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو! ورنہ تمہاری لاش کو یہاں گدھ نوچیں گے۔" میجر شیکھر نے مطمئن انداز میں کہا۔

"ہم کشمیری اپنے کلمہ کے خاطر اور اپنے وطن کی خاطر آخری گولی تک لڑتے ہیں۔تم شاید کسی بھول میں ہو کہ مجھے زندہ پکڑ لوگے۔" جانباز نے گرجتے ہوئے کہا۔

"نا نا بالکل نا! کچھ بھی کرنے سے پہلے ذرا اپنے دائیں طرف دیکھو!!" میجر نے کہا۔

جانباز نے دائیں طرف دیکھا تو ایک فوجی نے ڈرائیور کو زمین پر لٹا کر اس کے پستول تان رکھی تھی۔

"اگر تم نے کوئی حرکت کی تو سب سے پہلی گولی تمہارے اس کشمیری بھائی کو لگے گی جس نے تمہیں لفٹ دی تھی۔ اگر تم ہتھیار ڈالنے کا وعدہ کرو تو میں اس کو چھوڑ دوں گا۔"

جانباز اب بری طرح پھنس چکا تھا۔ وہ ساری زندگی اپنی کشمیری قوم کے لئے لڑتا آیا تھا اور اپنے آخری خون کے قطرے تک وہ ان کے لئے لڑنا چاہتا تھا۔ مگر وہ جانتا تھا کہ اس کے زندہ گرفتار ہونے کا مطلب کیا ہے؟

اس نے اشکبار نگاہوں سے اس شخص کو دیکھا!! جس کی آنکھوں میں خوف کے آثار تھے۔

اس کے پاس دو راستے تھے۔ مقابلہ کرتے ہوئے شہادت کا راستہ اختیار کرلے مگر اس صورت میں اس کی جان کے ساتھ اس کشمیری کی جان بھی جاسکتی تھی جبکہ دوسری صورت یہ تھی کہ زندہ گرفتار ہو کر اس کشمیری کی جان بچائی جائے۔

بالآخر اس نے ایک لمبا سانس کھینچا۔ کچھ فیصلے کرنے پڑتے ہیں، اگرچہ جانتے بوجھتے ہوئے کہ اس میں نقصان ہے مگر ہم کرتے ہیں، اس کے کانوں میں ہزاروں سسکیوں اور سینکڑوں مرتے ہوؤں کی چیخیں تھیں وہ مزید ایک اور نہیں سننا چاہتا تھا۔ اسے شہادت کی جلدی تھی مگر کسی اپنے کی موت پر قدم رکھ کر ہرگز نہیں۔ بس اسی چیز نے اسے سرنڈر کرنے پر مجبور کردیا۔

اس نے اپنا پستول پھینک دیا۔ سپاہیوں نے آناً فاناً اسے ہتھکڑیوں میں جکڑ دیا۔ اسے پاؤں باندھ دیئے گئے اور اسے گاڑی میں ڈال کر لے جایا جانے لگا۔

میجر شیکھر کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

اس کامیابی کے نشے میں اس نے ایک فوجی کو اشارہ کیا۔ اس نے ڈرائیور کے سر پر گولی ماردی۔ گولی کی آواز سنتے ہی جانباز نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ڈرائیور جس کے لئے اس نے سب کچھ تیغ کردیا تھا اپنے ہی خون میں لت پت پڑا تھا۔

کچھ فیصلے جو ہم لیتے ہیں وہ غلط بھی ہوسکتے ہیں مگر ضمیر مطمئن رہتا ہے، بس یہی کچھ جانباز کے ساتھ بھی ہوا۔ وہ جسے انڈین کی ٹاپ ایجنسیاں پکڑ نہ سکیں، وہ کہ جس نے درجنوں مشن تن تنہا سرانجام دیئے آج ایک کشمیری مسلمان کو بچانے کی ناکام کوشش میں گرفتار ہوگیا تھا۔

☆......☆......☆

پھر کیا ہوا؟

انڈین میں جشن کا سماں؟

انڈیا کا ٹاپ نمبر کا دشمن آج پکڑا گیا؟

جانباز کے ساتھ کیا ہوا؟

یہ سب جاننے کے لئے پڑھتے رہیے۔۔۔مسلمان بچے

انڈین پرائم منسٹر اپنے دفتر میں معمول کی کاروائی میں مشغول تھا کہ پاس پڑے نیلے رنگ کے دفتری فون کی خفیف سی بیل سنائی دی۔ اس نے چونک کر دیکھا اور پھر ہاتھ بڑھا کر فون اٹھا لیا۔ فون پر اس کی سیکریٹری تھی۔

''سر! اسپیشل برانچ سے میجر شیکھر ارجنٹ بات کرنا چاہتے ہیں'' سیکریٹری نے مودبانہ انداز میں کہا۔

'' وہ مجھ سے کیوں بات کرنا چاہتے ہیں۔ یہ پروٹوکول کے خلاف ہے انہیں کہیں کہ اپنے جنرل سے بات کریں اور پھر جنرل مجھ سے بات کریں۔ نانسنس!!'' وزیر اعظم نے غصے سے چیختے ہوئے کہا۔

''یس سر! میں نے بھی انہیں یہی کہا مگر وہ ٹاپ سیکرٹ اطلاع دینا چاہتے ہیں۔ اس لئے بضد ہیں کہ وہ آپ سے ہی بات کریں گے۔'' سیکرٹری نے ڈرتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہی کرواؤ بات!!'' وزیر اعظم نے سوچا کہ وہ میجر سے خود بات کر کے اس کو اس کی اوقات یاد دلا دے۔

جلد ہی سیکرٹری نے لائن کلیئر کر دی اور اب میجر کی آواز گونجنے لگی!

''سر! گریٹ وکٹری سر! ہم نے تاریخ کی سب سے بڑی فتح حاصل کر لی ہے۔ آپ کو اسی لئے پروٹوکول کے برخلاف رپورٹ دے رہا ہوں سر! کیونکہ اس کا کوئی کریڈٹ کوئی اور لے لے گا۔''

نانسنس! اطلاع دو اور جلدی کہو!! وزیر اعظم نے اس کی تمہید کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ لیکن وہ اتنا سمجھ گئے تھے کہ کوئی خاص خبر ہی ہے جس نے ایک میجر کو پروٹوکول توڑنے پر اکسایا ہے۔

''سر! ہم نے جانباز کو زندہ پکڑ لیا ہے۔ وہ اس وقت میری تحویل میں ہے۔ ہم سرینگر میں ہیں اب دہلی کی طرف روانہ ہو رہے ہیں سر اس کا کریڈٹ۔۔۔۔۔''

میجر نے کہا۔

"کیا تم نشے میں ہو؟ واقعی تم سچ کہہ رہے ہو؟" وزیر اعظم نے میجر کی بات کو ٹوکتے ہوئے کہا۔ اور کرسی سے کھڑے ہو گئے۔

"یس سر! سو فیصد سچ کہہ رہا ہوں سر! میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں سر!" میجر نے اپنے اندر کی خوشی کو ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"ویلڈن میجر! تم بے فکر رہو۔ تمہاری پروموشن اور اس کا انعام تمہیں ضرور ملے گا۔ تم اسے دہلی لے کر آؤ۔ اس خبر کو فی الحال خفیہ رکھو جب تک یہ دہلی نہیں پہنچ جاتا اسے ہر صورت تم خفیہ رکھو۔ ورنہ ہمیشہ کی طرح پھر کوئی چکر چل جائے گا اور یہ بھاگ جائے گا۔" وزیر اعظم نے خوشی سے چلاتے ہوئے بمشکل خود پر کنٹرول کیا۔

"او کے سر! میں اپنی طرف سے پوری کوشش کروں گا۔" میجر نے کہا اور وزیر اعظم نے فون رکھ دیا۔

✿✿✿

جانباز گرفتار ہو چکا تھا۔ یہ خبر کشمیری مسلمانوں پر بجلی بن کر گری۔ ہزاروں مسلمان سڑکوں پر نکل آئے۔ کشمیری رہنما پریشان ہو گئے۔ کشمیر کا ایک بیٹا جس نے کشمیر کے لئے اپنی جوانی لٹا دی آج گرفتار ہو چکا تھا۔

یہ خبر نہیں چھپ سکی اور پریس میں ہر جگہ پھیل گئی۔ جانباز کے لئے زمینی صورتحال خطرناک ہو چکی تھی۔ کیونکہ ہزاروں نوجوان اپنی جان کی بازی لگا کر جانباز کو آزاد کروانا چاہتے تھے۔ چنانچہ حکومتی سطح پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ جانباز کو بذریعہ ہیلی کاپٹر دہلی لے جایا جائے۔ چنانچہ سرینگر آرمی ہیلی کاپٹر کے ذریعے جانباز کو منتقل کرنے کی تیاریاں مکمل تھیں۔

کشمیری مائیں بہنیں بھی دہائیاں دیتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ مصلے بچھائے جا چکے تھے اور جانباز کی زندگی کی سلامتی کے لئے دعائیں ہو رہی تھیں۔

کشمیریوں کو محسوس ہو رہا تھا کہ آج ان کا رکھوالا اور ان کا چوکیدار نہیں رہا۔ وہ خود کو بہت غیر محفوظ تصور کر رہے تھے۔ جبکہ دوسری طرف انڈیا میں آج جشن کا سماں تھا۔ ٹی وی چینلز چنگھاڑتے ہوئے اعلان کر رہے تھے کہ

"آج انڈیا نے کشمیر کو فتح کر لیا کیونکہ سب سے بڑے آتنک وادی کو پکڑ لیا گیا ہے۔ اسی طرح کی اور ڈھیروں ہیڈ لائنز تھیں۔ چیختے چلاتے اور ہنستے ہوئے اینکرز تھے۔ جو جانباز کی گرفتاری پر انوکھے انداز میں سب کو آگاہ کر رہے تھے۔ جانباز کو کوئی مافوق الفطرت شخص قرار دے رہے تھے اور اس کی تعریف و توصیف اور کارناموں پر زمین و آسمان کے قلابے ملا رہے تھے۔

بہت سوں کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ جانباز کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے میڈیا کے نمائندے صبح سے سرینگر کی ہائی سیکیورٹی زون میں رش لگائے کھڑے تھے۔ لیکن ابھی تک ان کو اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہوئی تھی۔

✿✿✿

جانباز کو ایک کمرے میں رکھا گیا تھا۔ اس کے ہاتھ پشت کی طرف بندھے ہوئے تھے۔ گردن سے لے کر پیر

تک ایک لمبی زنجیر تھی جس پر دو بھاری قفل لگے ہوئے تھے۔ منہ پر بھاری کپڑا ڈالا گیا تھا۔ اس کو اس حالت میں تقریباً 12 گھنٹے سے زائد ہو رہے تھے۔ جانباز کے چہرے پر کوئی پریشانی نہ تھی۔ اس کی زبان پر ذکر تھا اور وہ مطمئن تھا۔ اس کی آنکھ میں دو لمحوں کے لئے آنسو آئے تھے وہ بھی صرف اس معصوم کشمیری ڈرائیور کے لئے جس کو بے دردی سے شہید کر دیا گیا تھا۔

اس کے علاوہ اس کے خوبصورت چہرے پر سوائے مسکان کے اور کچھ نہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے گا۔ وہ ان سب مشکلات کے لئے تیار تھا۔ اور اس آزمائش پر ثابت قدم رہنے کی دعائیں اس کی ہونٹوں پر جاری تھی۔ ابھی وہ یہ سب سوچ ہی رہا تھا کہ بھاری قدموں کی چاپ سنائی دی۔ دو لوگ تھے جنہوں نے جانباز کو دونوں اطراف سے بازؤں سے اٹھایا اور لے کر جانے لگے۔ جانباز پاؤں میں بیڑیاں ہونے کی وجہ سے چل کم اور گھسٹ زیادہ رہا تھا۔

جلد ہی اسے عمارت کے بیرونی حصے کی طرف لایا گیا۔ اس کے اطراف میں درجن بھر سے زائد کمانڈوز تھے جو اسے لے کر چل رہے تھے۔ جانباز کے کانوں میں ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ اسے ہیلی کاپٹر کے ذریعے یہاں سے لے جایا جا رہا ہے۔

اس نے ادھ کھلی آنکھوں سے نیچے اپنے قدموں کی جانب دیکھا۔ اسے اپنے کشمیر کی مٹی نظر آئی اور اسی لمحے اس کے خشک لب ہلے اور دعا نکلی کہ یا اللہ اس سرزمین کو ان ناپاک وجود سے خلاصی عطا فرما۔ آمین

✿✿✿

پرائم منسٹر ہاؤس میں آج شام گہما گہمی تھی۔ وزیر اعظم نے آج پارٹی رکھی تھی۔ جانباز کی گرفتاری سے انہوں نے اپنی سیاست بھی تو چمکائی تھی۔ چنانچہ فوجی و عسکری قیادت سمیت میجر شیکھر وغیرہ اور سیاسی رہنماؤں کو بھی دعوت دی گئی تھی۔ اس لئے صبح سے ہی مہمانوں کا رش تھا کہ مسلسل بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

شام کا وقت ہوا تو ہال کا دروازہ بند کر دیا گیا اور وزیر اعظم اپنے حواریوں کے ساتھ ہال میں داخل ہوئے۔ ہر کوئی انہیں اس کامیابی پر مبارک باد دے رہا تھا۔ انہوں نے مائیک سنبھالا اور بولے:

"ابھی ہماری کامیابی ادھوری ہے۔ جانباز سے ہر اس فوجی کا بدلہ لیا جائے گا جو آج ہمارے درمیان موجود نہیں ہے۔ اس کو تختہ دار پر چڑھایا جائے گا مگر اس سے پہلے اسے اپنے تمام جرائم کا عذاب بھگتنا پڑے گا۔"

یہ کہہ کر وزیر اعظم نے سب کا شکریہ ادا کیا اور پھر میجر شیکھر کو اعلیٰ فوجی اعزاز سے نوازا جانے لگا۔

✿✿✿

پھر کیا ہوا؟

کیا جانباز کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا؟

کیا جانباز کو چھڑوانے کے لئے کشمیری مجاہدین کی جدوجہد رنگ لائے گی؟

آخر کیا ہوگا؟

یہ سب جاننے کے لئے

پڑھتے رہیے مسلمان بچے

زبیر طیب

جانباز

قسط 67

بند اندھیرے کمرے میں چار نقاب پوش موجود تھے۔ اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک بزرگ اندر آتے دکھائی دیئے۔ وہ جیسے ہی داخل ہوئے چاروں نقاب پوش احتراماً کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے فرداً فرداً سب سے ہاتھ ملایا اور سب کو بیٹھنے کو اشارہ کیا۔

درود شریف پڑھنے کے بعد انہوں نے اونچی مگر اپنی نحیف آواز میں بولنا شروع کیا۔

”جیسا کہ آپ سب کو علم ہے کہ ہمارے ہر دلعزیز جانباز کو انڈین مشرکوں نے قید کر لیا ہے۔ اس نے ہر لمحہ قربانی دی ہے اور کشمیر کی آزادی کے لئے اپنے گھر بار تک کو چھوڑ کر اپنی جان ہتھیلی پر رکھی ہے۔ کیا ہم آج اس کے لئے قربانی دے سکتے ہیں؟

سب نے بیک وقت ہاتھ اٹھائے جس کا مطلب تھا کہ ہم جانباز کے لئے اپنی جان دینے سے دریغ نہیں کریں گے۔

بہت اچھا! میرے پاس ایک پلان ہے، اگر ہم اس پر عمل کرتے ہیں تو بہت حد تک امید ہے کہ جانباز کو ہم ان کی گرفت سے آزاد کروالیں گے۔

”ٹھیک چھ دن بعد عدالت میں اس کی سنوائی ہے۔ شنید ہے کہ اسے بائی روڈ عدالت لے کر جایا جا رہا ہے۔ اگر ہم راستے میں یہ منصوبہ سرانجام دیں تو نوے فیصد امید ہے کہ ہم جانباز کو اس قید سے رہائی دلا سکتے ہیں۔ اگرچہ اس میں ہماری جانیں چلی جائیں۔

سب نے بیک وقت ان شاء اللہ کہا۔ بزرگ نے ایک نقشہ کھولا اور پانچوں اسی نقشے پر جت گئے۔ اور ایک منصوبہ بنانے لگے۔

جلد ہی وہ ایک نتیجے پر پہنچ گئے۔ ان کا پلان بہت خطرناک مگر قابل عمل تھا۔ اس میں ان کی زندگیوں کو بہت خطرات لاحق ہو سکتے تھے۔ مگر انہیں اس کی پرواہ نہیں تھی۔

یہ چاروں ماہر کمانڈوز تھے۔ اور ان کی صلاحیتوں سے وہ بزرگ واقف تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنی تنظیم سے انہی چار کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا۔

چاروں اٹھ کر ایکدوسرے سے گلے ملے اور اسکے بعد بزرگ نے انہیں سینے سے لگا کر دعاؤں سے نوازا اور جلد ہی وہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

☆......☆......☆

جانباز کو اندھیری کال کوٹھری میں رکھا گیا تھا۔ وہ اس قدر تنگ تھی کہ اس میں ٹھیک سے بیٹھنے اور جگہ اور نہ ہی ٹھیک سے لیٹنے کی جگہ تھی۔ اور اس میں روشنی کا گزر تک نہ تھا۔ جانباز کے لئے یہ انہوں نہیں تھی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ہندو مشرک اس سے بھی بڑھ کر اس کے ساتھ معاملہ کرنے والے تھے۔ وہ بس ذکر میں مشغول رہتا اور اسکی زبان ذکر الٰہی سے تر رہتی۔

اچانک اسے اپنے آس پاس قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اسے دو لوگوں نے اس عجیب و غریب کال کوٹھری سے نکالا اور گھسیٹ کر دوسرے کمرے کی طرف لے گئے۔ جلد ہی اسے دوسرے کمرے میں لے جایا گیا۔ یہ ایک قسم کا ٹارچر سیل تھا۔ جس کی دیواروں پر خوفناک تشدد کرنے والے آلات لٹکے ہوئے تھے۔ جانباز سمجھ گیا کہ اس کا امتحان شروع ہو چکا ہے۔

اسے کمرے کے بیچ و بیچ ایک رسے سے باندھ دیا گیا۔ ان میں سے ایک بظاہر افسر ٹائپ لیکن شکل سے کسی حیوان سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ آہستگی سے اٹھا اور ایک عجیب و غریب قسم کا پلاس لے آیا۔ جانباز کے قریب آکر اس کا ہاتھ تھاما اور ایک ایک کر کے ناخن اکھیڑنے لگا۔ تین ناخن اترنے تک جانباز نے بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا مگر چوتھے ناخن کے اترنے پر اس کے منہ سے چیخ نکل گئی لیکن وہ شخص ایسے کاٹ رہا تھا جیسے اسے جانباز کی چیخوں سے فرق ہی نہ پڑتا ہو۔ وہ ایک ایک کر کے سارے ناخن کھینچتا چلا گیا۔ درد کی ایک لہر تھی جو جانباز کے سارے جسم کو رگید رہی تھی۔ اگلے پانچ منٹ میں اس کے دونوں ہاتھوں کے ناخن اکھیڑے جا چکے تھے۔ خون سے اس کے دونوں ہاتھ بھر چکے تھے۔ اور اس کی چیخوں سے کمرہ گونج رہا تھا۔ لیکن وہ شخص اس قدر انہماک سے اپنا کام کر رہا تھا جیسے اس کو جانباز کی چیخیں سنائی نہ دے رہی ہوں۔

اس کے بعد اس نے ایک تیز دھار خنجر اتارا اور جانباز کے ننگے سینے پر بہت چھوٹے چھوٹے کٹ لگانے لگا۔ اب کی بار جانبا کو ایسے لگا کہ جیسے کسی نے اس کے سارے جسم میں گرم لاوا اتار دیا ہو۔

وہ بہت چھوٹے مگر مخصوص جگہ پر کٹ لگا تا جا رہا تھا اور جانباز کا جسم خون سے بھر چکا تھا۔ اور جانباز درد کی شدت سے بے ہوش ہو چکا تھا۔ اس شخص نے ایک اچٹتی نگاہ جانباز پر ڈالی اور اوزار واپس دیوار پر لٹکائے۔ ایک کپڑے سے اپنے ہاتھوں کو صاف کیا اور اس نے پیچھے

کھڑے دونوں فوجیوں کو اشارہ کیا کہ وہ جانباز کو لے جائیں، انہوں نے جانباز کو ویسے ہی بے دردی سے گھسیٹا جیسے وہ انسان ہی نہ ہو۔ اور اسے دوبارہ سے اسی تنگ کال کوٹھڑی میں پھینک دیا گیا۔

کچھ دیر بعد جانباز کو ہوش آیا تو درد کے مارے اس کی حالت خراب ہوگئی۔ زبان سوکھ کر کانٹا ہوگئی۔ اس کے جسم پر جا بجا خون سے دھبے تھے۔ شدید درد اور تکلیف سے وہ ایک بار پھر بے ہوش ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆

آج سب کی نظریں ٹیلی ویژن پر اٹکی ہوئیں تھیں۔ جیسے سب کسی اہم خبر کے انتظار میں ہوں۔ چوکوں، چوراہوں اور بازاروں میں ہر جگہ لوگوں کا اشتیاق بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ کشمیر میں مائیں بہنیں اور بزرگ ہاتھ اٹھائے دعائیں مانگ رہے تھے۔ کہ آج اسلام اور مسلمانوں کے ایک محافظ کا عدالتی فیصلہ آنے والا تھا۔

سب کاروائی بند کمرے میں رکھی گئی۔ سیکیورٹی کے پیش نظر آخری وقت پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ جانباز کو عدالت میں نہیں لایا جائے گا بلکہ اس کے لئے خصوصی عدالت قائم کی گئی جو جیل میں ہی بنائی گئی۔ جج کو جیل میں پہنچا دیا گیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں یہ ایک فرضی کاروائی تھی۔ جو دنیا کے قانون کے مطابق سرانجام دی جا رہی تھی۔ انہوں نے جو فیصلہ اس کے لئے کر رکھا تھا وہ نافذ تو ہونا ہی تھا۔

کچھ دیر بعد ٹیلی ویژن پر خبریں نشر ہونے لگیں۔ جس کے مطابق جانباز دس سال قید با مشقت اور ایک سو پچاس بار پھانسی کا حکم جاری کیا گیا۔

جانباز نے سزا سننے کے بعد جج کی طرف ایک نظر دیکھا اور جج نے اسے کہا کہ آپ اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتے ہیں؟ جانباز جانتا تھا کہ یہ بھی بس ایک معمول کی کاروائی ہے۔ لیکن وہ بولنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنی نحیف مگر پرزور آواز میں بولنا چاہا۔ مسلسل تشدد نے اس کی طاقت کو مفلوج کر دیا تھا۔

میں نے جو کچھ کیا میں اس پر فخر کرتا ہوں اور اپنے رب کے حکم پر راضی ہوں۔ میں کشمیر کے ہر بچے، بزرگ اور خواتین کے لئے اپنی آخری سانس تک جدوجہد کرتا رہوں گا۔ اسلام کی خاطر اپنی جان دینا میرا اولین فریضہ ہے اور اس میں بخوبی نبھاؤں گا۔ ان شاء اللہ

میں نے ہمیشہ موت کی طرف قدم بڑھایا ہے۔ اس لئے مجھے پھانسی اور اس جیسے تشدد سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میرا اللہ میرے ساتھ ہے۔

یہ کہہ کر جانباز نے ہاتھ کے اشارے سے کہا کہ بس وہ اتنا ہی کہنا چاہتا ہے۔

جج نے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی اور کاغذ پر دستخط کر دئے۔ وزیر دفاع جیل کے باہر میڈیا کو بریفنگ دیتے ہوئے انصاف انصاف کے نعرے لگا رہے تھے۔ ساری دنیا میں اس کا شور ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆

آگے کیا ہوا؟

کیا جانباز اس بار واقعی گرفتار ہو گیا اور وہ اب رہا نہ ہو پائے گا؟

یہ جاننے کے لئے پڑھتے رہیے۔ مسلمان بچے

ویڈیو دیکھنے کے بعد چاروں اسی نتیجہ پر پہنچے کہ اندھا دھند اندر جانا حماقت ہے۔ جانباز کی جان کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ پھر ایسی کاروائی کا کیا فائدہ جس میں سوائے جان کے ضیاع کے اور کوئی فائدہ حاصل نہ ہو۔ یہ سوچ کر چاروں آج سر جوڑے کسی اچھے اور فول پروف پلان کے بارے میں سوچ رہے تھے۔

''کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ پچھلی جانب سے جیل کی دیوار میں نقب لگائیں؟'' اسماعیل نے کہا۔

''نہیں اس کے تین جانب انتہائی گہری کھائی ہے۔ اس کے صرف سامنے کے حصے سے ہی اندر داخل ہوا جا سکتا ہے۔ پچھلی جانب سے تقریباً ناممکن ہے۔'' محمد نے کہا جو ان تمام کا لیڈر تھا۔

''تو اس کا مطلب ہے کہ ہمیں گیٹ پر کسی قسم کی افراتفری کا سامان کرنا ہوگا تا کہ وہ لوگ حواس باختہ ہو جائیں اور ہم آسانی سے اندر داخل ہو جائیں۔'' اسماعیل نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''یہ بھی ایک حل ہو سکتا تھا مگر مسئلہ یہ ہے کہ گیٹ پر کسی قسم کی گڑبڑ کرنے سے فوراً الارم بج جائے گا اور جیل کے اصولوں کے تحت جیسے ہی الارم بجتا ہے۔ جیل کے اندرونی آہنی دارواز ے خودکار انداز میں بلاک ہو جاتے ہیں۔ ان کو عبور کر پانا پھر ناممکن ہو جائے گا۔'' محمد نے سوچتے ہوئے کہا۔

''یہ تو واقعی بہت مسئلہ ہو جائے گا۔ پھر تو پہلے اندر داخل ہونا ہی پڑے گا۔ لیکن ہم سامان یعنی اسلحے کے ساتھ کیسے اندر داخل ہو سکتے ہیں؟ چاروں کی پیشانیوں پر گہرے تاثر نمودار ہوئے جیسے وہ یہاں آ کر پھنس گئے ہوں۔

''اوہ میرے دماغ میں ایک آئیڈیا آیا ہے اگر اس پر عمل ہو جائے تو ہم آسانی سے اندر پہنچنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔'' محمد نے خوشی سے چلاتے ہوئے کہا اور باقی

تینوں کے چہرے پر بھی خوشی کے آثار نمودار ہو گئے۔

"وہ کیا ہے؟" تینوں نے بیک وقت کہا۔

وہ بھاگ کر دوسرے کمرے میں گیا اور جیل کا نقشہ اٹھا کر لے آیا۔

"یہ دیکھو! یہاں جیل کے بالکل ساتھ ایک ریسٹورنٹ ہے۔ جہاں با آسانی ہم اپنی سہولت کے ساتھ کوئی کمرہ لے سکتے ہیں۔ اگر ہم دس فٹ نیچے سے کھدائی شروع کریں تو ہم بآسانی اگلے دس دن میں جیل کے اندرونی احاطے میں پہنچ سکتے ہیں۔ اگر خیر خیرت ہوئی تو ہم اسی راستے سے باہر بھی با آسانی آسکتے ہیں۔" محمد نے جوش بھرے انداز میں کہا۔

"لیکن محمد بھائی! ہم ڈرل کرنے والی بھاری مشینری کیسے لائیں گے اور مٹی کیسے باہر نکالیں گے؟ ڈرل کے دوران آواز پیدا ہوتی ہے اسے کیسے دبائیں گے؟ اور پھر کیا گارنٹی ہے کہ جیل کے اندرونی احاطے میں ہم اس سرنگ کے ذریعے پہنچ جائیں گے؟" اسماعیل نے کئی سوال اٹھا دیئے۔

"ہاں یہ سب مسائل تو ہیں لیکن اگر ہم اس پر کام کریں تو اس پلان کو مزید بہتر سے بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ اگر آپ میں سے کسی کے پاس اس سے بہتر پلان ہے تو بے شک میں سننا چاہوں گا۔" محمد نے کہا۔

یہ سن کر سب خاموش ہو گئے۔ کیونکہ واقعی کوئی بھی ایسا پلان فی الواقع موجود نہیں تھا جسے وہ عمل میں لا کر جانبازوں کو زندہ سلامت باہر لا سکتے تھے۔

اگلے دو دن مزید سرنگ کے مشورے میں گزر گئے اور بالآخر سب اسی پلان پر راضی ہو گئے۔ چاروں نے خود کو دو دو کی ٹولیوں میں بانٹ لیا۔ تاکہ چار لوگوں کا گروہ دیکھ کر لوگ مشکوک نہ ہو جائیں۔ اگلے ہی دن صبح چاروں ضروری سامان کے ساتھ ہوٹل کے دائیں جانب والے دو کمروں میں بیس دن کے لئے رہائش پذیر ہو گئے۔ ان کے کاغذات کی مکمل جانچ پڑتال کی گئی، چونکہ کاغذات اصلی تھے اسی لئے انہیں کسی قسم کا کوئی شک نہ گزرا تھا۔ وہ یہاں پر بزنس ٹور کے لئے آئے تھے اس لئے ہوٹل انتظامیہ نے معمول کی کاروائی کر کے کمرے الاٹ کر دیئے تھے۔ ہوٹل کافی بڑا اور مکمل رش والا تھا۔ اس لئے یہ دیکھ کر انہیں اطمینان ہوا کہ لوگوں کی بھیڑ اور شور کے ماحول میں وہ اپنا کام با آسانی سرانجام دے سکتے ہیں۔

چنانچہ دن کے وقت ہی انہوں نے اپنا پلان شروع کر دیا۔ چاروں نے دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے نصرت طلب کی اور پھر کمرے کے ایک کونے کا انتخاب کر کے انہوں نے ڈرل کا استعمال شروع کر دیا۔ باہر کے شور اور اندر کے پنکھے تلے جدید ڈرل کی آواز دب سی گئی تھی۔

چنانچہ مطمئن ہو کر وہ اپنا کام کرتے چلے گئے۔ مغرب کے وقت انہوں نے کام بند کیا اور پھر دو بیگ مٹی کے بھر کر انہوں نے ایسے اٹھائے جیسے اس میں کپڑے یا دیگر سامان ہو۔ باہر جا کر انہوں نے وہ بیگ خالی کیا اور اس میں کاغذ بھر کر واپس لے جاتے۔ رات کو کام بند کر دیا جاتا تاکہ شور نہ ہو اور دن کے وقت وہ ڈرل کرتے رہتے۔ اگلے ہی دن محمد نے انہیں مکمل اسلحہ بھی حوالے کر دیا تھا کہ حالات کے مطابق وہ اس کا استعمال کر سکتے ہیں۔ چنانچہ جلد ہی وہ

دس فٹ گہرائی میں جا کر اب جیل کی طرف ڈرل شروع کر چکے تھے۔ان کا پلان بالکل درست سمت میں جا رہا تھا۔

☆☆☆

کمپیوٹر پر نظریں جمائے ایک نوجوان کی بورڈ پر انگلیاں چلا رہا تھا۔اس کے نظریں سامنے اسکرین پر تھی۔
اچانک اسکرین پر ریڈ کلر کا ایک کاشن نمودار ہوا۔نوجوان نے اپنی عینک درست کی اور آنے والے کاشن کے پیغامات کو پڑھنے لگا۔پڑھنے کے بعد اس نے بنا وقت ضائع کئے اس کا پرنٹ نکالا اور پرنٹ لے کر وہ فوراً باہر کی طرف بھاگا۔یہ ایک بڑا آفس تھا جہاں سینکڑوں لوگ اپنا کام کر رہے تھے۔نوجوان کا رخ انتہائی بائیں جانب ایک بڑے آفس کی طرف تھا جہاں ایک بوڑھا شخص بیٹھا سگار پینے میں مصروف تھا۔اس نے وہ پرنٹ لا کر اس شخص کے حوالے کیا۔پرنٹ کی طرف دیکھ کر وہ بوڑھا شخص ایک دم چونک پڑا۔
اس نے فوراً نوجوان کو باہر جانے کا کہا اور فون ملا لیا۔اس کی انگلیاں فون کے ڈائل پر تیز حرکت کر رہی تھیں جلد ہی کال مل گئی۔سر میں شانک بات کر رہا ہوں ہیڈ کوارٹر سے!!
سر ابھی انٹیلی جنس کی طرف سے ای میل موصول ہوئی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ جانباز کو رہا کروانے کی سازش کی جا رہی ہے۔اس کے لئے دہلی شہر میں آتنک وادی حرکت میں ہیں اس لئے جیل اور اسکے آس پاس کے علاقے کی سیکیورٹی سخت کر دی جائے۔ادھر سے آواز سننے کے بعد اسنے فون رکھ دیا۔یہ وزارت دفاع کا ہیڈ کوارٹر تھا اور بات کرنے والا آپریشنل چیف تھا جس نے ابھی منسٹر سے بات کی تھی۔اس کے بعد اس نے دو تین اور فون ملائے اور جیل کی کڑی سے کڑی حفاظت کے لئے انتظامات کرنے کے آرڈر دیئے۔

☆☆☆

''ہم تمہارے ساتھ ایک سودا کرنا چاہتے ہیں؟''
ایک باوردی جنرل جانباز کے آمنے سامنے بیٹھا تھا۔جانباز کے سامنے انواع قسم کے پھل اور کھانے رکھے تھے۔اسے اجلا لباس پہنا کر نہلا دھلا کر جنرل کے سامنے لایا گیا تھا۔آرام دہ صوفے پر بٹھا کر اس سے سودے بازی کی کوشش کی جا رہی تھی۔
''کیسا سودا؟'' جانباز نے سر اٹھا کر بڑی شان سے کہا۔اسکے لہجے میں اب بھی شیر کی گرج تھی۔
''اپنے تمام ساتھیوں کے نام بتا دو بس'' پھر تمہیں جو چاہو ملے گا'' جنرل کے آگے کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔
''ہاہاہاہا......تم غلط جگہ اپنا وقت ضائع کر رہے ہو جنرل!! میں اکیلا کام کرتا ہوں۔میرا کوئی نہیں۔کوئی ساتھی نہیں۔اس لئے یہ سب بے کار ہے۔'' جانباز نے خفیف سی مسکان کے ساتھ جواب دیا اور ہنسنے لگا۔
اس کی ہنسی جنرل کو پاگل کر گئی۔وہ اٹھا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔بزدل فوجی ڈنڈے لے کر اس پر پل پڑے اور.....................
پھر کیا ہوا؟ کیا جانباز کے ساتھیوں کا منصوبہ کام کرے گا؟
ضرور پڑھتے رہیے مسلمان بچے!!

زبیر طیب

جانباز

قسط 70

جیل کے بالکل ملحقہ ہوٹل میں اس وقت کھدائی جاری تھی۔ سرنگ آدھے سے زیادہ کھودی جا چکی تھی۔ چاروں ساتھی انتہائی محنت اور محتاط طریقے سے سرنگ کھودنے میں مصروف تھے۔ وہ ہر روز کی مٹی اپنی بیگوں میں بھرتے اور ان میں سے دو ساتھی باہر جا کر ان بیگ کو الٹ دیتے اور خالی کر کے واپسی پر ان میں کاغذات بھر لاتے تا کہ کسی کو شک بھی نہ ہو۔ یہ کام کرتے ہوئے آج انہیں چھٹا روز تھا۔ جوں جوں وہ سرنگ کھودتے جا رہے تھے ان کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی چلی جا رہی تھیں۔

کیونکہ وہ جو کام سرانجام دینے جا رہے تھے اس میں بہت زیادہ خطرہ تھا۔ لیکن وہ تو بہت پہلے سے جان ہتھیلی پر رکھے ہوئے تھے، انہیں اپنی جان کی پرواہ نہ تھی وہ تو جانباز کے لئے فکر مند تھے۔

لیکن پھر ایسا ہو گیا جس کی کسی کو توقع نہ تھی۔

☆......☆......☆

وزارت دفاع کی بڑی سی عمارت کے ایک شاندار آفس میں تین لوگ سر جوڑے بیٹھے تھے۔ ان کے چہرے پر پھیلی سراسیمگی سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ لوگ کسی گہری سوچ بچار میں ہیں۔

”کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم اسے خفیہ جگہ پر رکھ دیں تا کہ باہر کسی کو اطلاع ہی نہ ہو“ ایک شخص نے کہا۔

”نہیں جنرل! ہم ایسا رسک نہیں لے سکتے۔ کیونکہ

کسی خفیہ سینٹر سے جانباز کو نکالنا زیادہ آسان ہے نسبتاً ایک عام جیل کے کیونکہ وہاں ہائی رسک سیکیورٹی بہرحال چوبیس گھنٹے موجود ہوتی ہے۔" میز کے دوسری طرف بیٹھے شخص نے کہا جس کے چہرے پر کرختگی کے آثار تھے۔ یہ وزیر دفاع تھا جو جانباز کے معاملے کو خود سے ہینڈل کر رہا تھا۔ انٹیلی جنس کی رپورٹ جب سے آئی تھی کہ کچھ لوگ جانباز کو چھڑوانے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں تب سے سیکیورٹی اداروں کی مسلسل میٹنگز جاری تھی۔

تقریباً سبھی کا یہی ارادہ تھا کہ جانباز کو کسی اور جیل یا کسی خفیہ سینٹر یا کسی فوجی چھاؤنی میں رکھا جائے تا کہ وہاں تک اس کے ساتھیوں کا پہنچنا ممکن نہ ہو سکے۔ لیکن وزیر دفاع مسلسل اس کا انکار کرتے چلے آرہے تھے۔

لیکن جب سبھی کی رائے یہی آئی تو آج حتمی فیصلہ کرنے کے لئے تین بڑوں کو بیٹھک جاری تھی۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ جانباز کے ساتھی اس جیل پر اٹیک کر سکتے ہیں؟" وزیر دفاع نے ایک بار پھر پوچھا۔

"جی سر! ہمیں پورا یقین ہے۔ ہم نے جیل کے آس پاس کا گشت کافی بڑھا دیا ہے۔ کچھ مشکوک لوگوں سے پوچھ گچھ بھی کی ہے۔ تاحال سرچ آپریشن جاری ہے۔ تب تک جانباز کو ڈارک روم میں رکھا گیا ہے۔" سامنے بیٹھے ایک باوردی شخص نے جواب دیا۔

"تو ٹھیک ہے جانباز کو ٹھیک تین دن بعد مکمل انتظامات کرتے ہوئے رات کی تاریکی میں شفٹ کیا جائے کہ کسی کو کانوں کان بھنک نہ پڑے۔ کہ اسے کہاں لے جایا جا رہا ہے۔ صرف دو سے تین اتھارٹی کے لوگوں کو اس کی خبر ہو تا کہ بات زیادہ پھیلنے نہ پائے۔ میڈیا میں اسی بات کو پھیلایا جائے کہ جانباز کو اسی جیل میں رکھا گیا ہے۔ اگر یہ بات لیک ہوگئی تو ہم تینوں ہی اس کے ذمہ دار ہوں گے اور سزا کے طور پر کورٹ مارشل کا بھی سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ اس لئے اپنے بدترین دشمن کی خاطر احتیاط کریں۔ کسی صورت بھی یہ خبر لیک نہ ہو۔ ہم نے ابھی بہت سے بدلے چکانے ہیں۔ وزیر دفاع نے آخری فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔

"یس سر! ایسا ہی ہوگا۔ ہم اس معاملے میں کلیئر ہیں۔ آپ کو کسی قسم کی شکایت کا موقع نہیں دیں گے۔ ہم خود جانباز کے معاملے میں بہت زیادہ جذباتی ہیں۔ آج سے ہی اس کی شفٹنگ کے معاملات جاری کر دیتے ہیں۔ اور اسے ایسی جگہ پھینکتے ہیں جہاں اس کی روح تک کانپے گی۔ جنرل نے جذباتی ہوتے ہوئے کہا۔ وزیر نے گردن ہلائی اور دونوں نے کھڑے ہو سیلیوٹ کیا اور کمرے سے باہر چلے گئے۔

☆......☆......☆

جانباز کو واقعی اس جیل سے شفٹ کر دیا جائے گا۔
اس کے لئے کھودی جانے والی سرنگ کا کیا ہوگا؟
کیا ان چاروں کی محنت رائیگاں چلی جائے گی یا
ان کی محنت رنگ لائے گی۔
انتہائی دلچسپ موڑ۔
ضرور پڑھتے رہیے
مسلمان بچے

گزشتہ سے پیوستہ

(جانباز کو ایک جیل سے رہا کروانے کی کوشش کی جا رہی تھی، اس کے ساتھی مسلسل سرنگ کھود رہے تھے، ایک ہوٹل کے کمرے میں رہ کر دن کے وقت سرنگ کھودی جا رہی تھی۔ جبکہ دوسری طرف خفیہ انٹیلی جنس رپورٹ کے مطابق جانباز اس جیل میں محفوظ نہیں تھا۔ اس لئے اسے منتقل کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ چنانچہ طے یہ ہوا کہ جانباز کو کسی اور خفیہ سینٹر میں منتقل کرنا چاہیئے تا کہ وہاں بقول ان کے جانباز کو کسی صورت آزاد نہ کروایا جا سکے)

❁......❁......❁

جانباز کو ڈارک روم میں رکھا گیا تھا۔ یہ جیل کا وہ خوفناک حصہ ہوتا تھا جس میں انسانی قد سے تقریباً آدھے سیل تھے۔ جس میں نہ ٹھیک سے انسان کھڑا ہو سکتا تھا اور نہ ہی ٹھیک سے بیٹھ سکتا تھا اور نہ ہی ٹھیک سے لیٹ سکتا تھا۔ جانباز کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ اسے کتنے دن ہو گئے ہیں۔ اسے صرف تھوڑی دیر کے لئے قضائے حاجت کے واسطے لے جایا جاتا وہاں بھی مکمل اندھیرا ہی تھا۔ جس کی وجہ سے جانباز کو کسی صورت اندازہ نہ ہوتا تھا کہ دن ہے یا رات؟ یا اسے کتنے دنوں سے یہاں رکھا گیا ہے۔ لیکن وہ ضرور جان گیا تھا کہ باہر ضرور کچھ نہ کچھ مسئلہ ہے جس کی وجہ سے اسے اس قدر خفیہ سیل میں رکھا گیا ہے۔ جانباز اشارے سے ہی نماز ادا کرتا اور اندازے سے ہی نماز کا فرض بجالاتا۔ وہ جانتا تھا کہ اس مشکل ترین صورت حال میں صرف اللہ تعالیٰ کی یاد اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہی اس کو اس تکلیف سے نجات دے سکتی ہے۔

اچانک اس کے سیل کا دروازہ کھولا اور دو فوجیوں نے اسے گھسیٹ کر باہر نکالا اور تقریباً اسے نوچتے کھسوٹتے ہوئے لے جانے لگے۔ کچھ ہی دیر بعد وہ ٹارچر روم میں پہنچ چکے تھے۔ وہاں اسے ایک سٹریچر پر لٹا دیا گیا۔ جانباز کی آنکھیں بند تھیں۔ اس کی زبان ورد کر رہی تھی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کی آزمائش کا وقت شروع ہونے والا ہے۔ اچانک ایک بھاری بھرکم شخص کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے داخل ہوتے ہی دونوں فوجی الرٹ ہوگئے۔ اس کے اشارے پر ایک فوجی نے آگے بڑھ کر ایک کرسی اسٹریچر کے سامنے رکھ دی جس پر وہ بھاری بھرکم شخص بیٹھ گیا۔

میں میجر آنند ہوں۔ مجھے یہاں بلیک کیٹ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ میں آنکھ بند کر کے ایسے ایسے راز اگلواتا ہوں جس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔ مجھے چیخیں سننے میں مزہ آتا ہے۔ اس لئے میں جو پوچھ رہا ہوں مجھے سچ سچ بتاؤ ورنہ تمہاری روح تک چیخ اٹھے گی۔ اب یہ بتاؤ کہ کون ہے تمہارے لوگ جو تمہیں چھڑوانے کی کوشش کر رہے ہیں؟

جانباز نے ادھ کھلی آنکھ سے اس سانڈ نما شخص کو دیکھا اور کہا:

میں نہیں جانتا۔

اور وہ واقعی نہیں جانتا تھا۔ کیونکہ اسے واقعی معلوم نہیں تھا۔

میں ایک بار پھر پوچھتا ہوں۔ ہوسکتا ہے تمہاری یاداشت واپس آجائے۔ کون ہیں وہ لوگ جو تمہیں آزاد کروا رہے ہیں؟

میں واقعی نہیں جانتا۔

ٹھیک ہے اسے اب میں مزہ چکھاتا ہوں۔ میجر نے غصے سے کرسی پرے پھینک دی۔

وہ ساتھ پڑی ہوئی میز پر گیا اور وہاں برف کا بلاک رکھا ہوا تھا۔ اس نے ایک اوزار کی مدد سے اس برف کے بلاک سے دو چھوٹی برف کی ڈلیاں کاٹی اور ساتھ پڑی ایک ٹیپ اٹھائی اور واپس آگیا۔

جانباز کے ہاتھ دونوں اطراف سے بندھے ہوئے تھے۔ اس کا جسم کے گرد ایک پٹہ تھا جو میز کے گرد لپٹا ہوا تھا۔ جانباز معمولی سی حرکت کرنے سے بھی قاصر تھا۔ اس کی آنکھیں کھلیں تھی اور وہ ذکر میں مشغول تھا کہ اب یہ جلاد نما شخص نہ جانے اس کے ساتھ کیا ظلم ڈھانے والا ہے۔

وہ شخص قریب آیا اور اس نے ایک اوزار سے جانباز کے ناک کے نتھنے کو اوپر اٹھایا اور اس میں برف کا ٹکڑا رکھ دیا اور دوسرے ناک میں بھی ایسا ہی کیا اور پھر ناک کے دونوں سروں کو ٹیپ سے بند کر دیا۔

اور پھر اطمینان سے کرسی واپس اپنی جگہ پر رکھ کر وہاں بیٹھ گیا۔ جانباز کو چند سیکنڈ بعد ہی محسوس ہوا جیسے اس کی دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔ جانباز نے بہت برداشت کیا لیکن جب درد کی لہریں دماغ تک پہنچی تو وہ چیخنے لگا۔ اس کی چیخیں دیواروں کو چیر دینے والے تھیں۔

لیکن وہ شخص اطمینان سے گھڑی پر ٹائم دیکھتا رہا۔ جانباز کا چہرہ سرخ پڑ چکا تھا۔ وہ کسی مچھلی کی مانند اسٹریچر پر تڑپنے

لگا۔

وہ شخص اٹھا اور اس نے پھر وہی سوال دہرایا کہ بتاؤ تمہارے ساتھیوں کے نام کیا ہیں؟

جانباز نے اس کی طرف دیکھا اور پھر گردن نہیں میں ہلادی۔ ظاہر ہے اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

اس کا نہیں سن کر وہ شخص غصے سے باؤلا ہو گیا۔ اس نے ناک کی ٹیپ کھولی اور برف کی سل نکال کر جانباز کو بری طرح پیٹنے لگا اور ساتھ میں اس کے منہ سے مغلظات نکل رہی تھی۔ وہ حیران تھا کہ یہ شخص کس قدر مضبوط اعصاب کا مالک ہے۔ اس قدر گھناؤنے ٹارچر سے بڑے سے بڑے جغادری کو بھی وہ ہلا چکا تھا۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے اسے حیران کر دیا تھا۔ اسی لئے وہ مارتے مارتے جب ہانپنے لگا تو اس کے سیکیورٹی کے اہلکاروں نے اسے پکڑا اور باہر لے گئے۔ جانباز لہولہان ہو چکا تھا۔ ظالم نے ڈنڈے سے اس کے جسم کو ادھیڑ ڈالا تھا۔

کچھ دیر وہ ایسے ہی اسٹریچر پر پڑا رہا اور پھر دو ڈاکٹر آئے انہوں نے زخموں پر بینڈیج کی اور جانباز کو ڈارک روم سے نکال کر دوسرے روم میں شفٹ کر دیا گیا، کیونکہ اس کی حالت کافی نازک تھی۔ اس کی جان ان کے لئے بہت قیمتی تھی۔ اس لئے اسے زندہ رکھنے کا بھرپور انتظام کیا جا رہا تھا۔

❁......❁......❁

ہوٹل کے ایک کمرے میں جانباز کے چار جانثار اپنے کام میں تقریباً جتے ہوئے تھے۔ لیکن اب ان کے لئے یہ مرحلہ کافی مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ کیونکہ باہر سیکیورٹی رسک تھا۔ اندر کی مٹی باہر نکالنا بے حد مشکل ہو رہا تھا۔ کمرے کے اندر ویٹرز آتے جاتے رہتے تھے ان سے چھپانا اب مشکل سے مشکل تر ہوتا چلا جا رہا تھا۔

”کیا ہم اس مشن میں ناکامی کی طرف بڑھ رہے ہیں؟ اب تک ہمیں سرنگ کھود لینی چاہیے تھی۔“ محمد نے اپنے ساتھیوں سے کہا جو اس مشن کا لیڈر تھا۔

”نہیں! ہم اب بہت قریب ہیں۔ ایسا مت کہیں۔ ہم اس مشن کو ادھورا چھوڑ کر قطعاً نہیں جا سکتے۔ نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔“ اسماعیل نے کہا جو قدرے باتونی واقع ہوا تھا۔

”مگر باہر اس قدر پوچھ گچھ اور پکڑ دھکڑ۔ ضرور کچھ نہ کچھ گڑ بڑ ہے۔ انٹیلی جنس کو اطلاعات مل چکی ہیں کہ یہاں کچھ ہو رہا ہے۔ ہم چاروں ہی سے وقتاً فوقتاً پوچھ گچھ ہو چکی ہے۔ کسی بھی وقت یہاں ریڈ ہو سکتی ہے۔ تب ہم کیا کریں گے؟ اور کیا گارنٹی ہے کہ جانباز کو اس جیل سے منتقل نہیں کیا گیا؟“ محمد نے یہ سارے پوائنٹ سب کے سامنے رکھ دیئے۔

تقریباً سبھی یہ سن کر لاجواب ہو گئے۔ کیونکہ واقعی محمد کی یہ ساری باتیں حق سچ تھیں۔ وہ جانتے تھے کہ فضا ان کے حق میں نہیں۔ وہ ہر روز آگے جانے کی بجائے پیچھے کی طرف جا رہے ہیں۔ لیکن وہ اپنے تن من دھن کی بازی لگانے والے تھے اس لئے اس مشن سے پیچھے ہٹنا ان کے لئے ممکن نہیں تھا۔

وہ گومگوں کی صورتحال میں تھے کہ آخر کیا کریں۔

اسی دوران اچانک دروازے پر دستک ہونے لگی۔ دستک تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ محمد نے تینوں کو خاموش ہونے کا کہا اور اپنے پاکٹ میں ہاتھ ڈال اس نے پستول کو ریڈی حالت میں رکھا اور پھر دوسرے ہاتھ سے دروازہ کھول دیا۔ ایک شخص عجیب حلیے میں باہر کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھی جس پر برتن پڑے ہوئے تھے۔ اس نے ایک نظر محمد کو دیکھا اور کچھ قریب ہوا جلدی میں بولا:

"جلدی یہاں سے نکلو۔ تمہارے پاس پندرہ منٹ ہیں۔ یہاں ریڈ ہونے والی ہے جس قدر جلدی ہو سکے یہاں سے فوراً نکل جاؤ۔" اس شخص نے کہا اور فوراً مڑ گیا۔

پہلے تو محمد کافی دیر ساکت کھڑا رہا یہ شخص کون تھا۔ مگر پھر جیسے اسے سمجھ آ گئی۔ وہ فوراً ساتھیوں کے طرف مڑا انہیں صورتحال بتائی۔

"یہ ٹریپ بھی تو سکتا ہے۔" اسماعیل نے کہا۔

"بالکل ہو سکتا ہے اور شاید خدائی مدد بھی" محمد نے کہا اور ساتھیوں کو اشارہ کیا۔ ابھی وہ سامان پیک کر رہی تھے کہ اچانک ہوٹل کے باہر سائرن کے آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ٹھیک ہے دوستو! چاروں الگ الگ ہو کر ہوٹل سے باہر نکلنے کی کوشش کرو۔ اگر بچ گئے تو زیرو پوائنٹ پر ملاقات ہو جائے گی۔ کسی صورت گرفتار نہیں ہونا باقی تم سب سمجھدار ہو۔ محمد نے کہا اور دروازے سے باہر نکل گیا۔ صورت حال کافی گھمبیر ہو چکی تھی۔

❁......❁......❁

یہ وزارت دفاع کا ایک بڑا ہیڈ کوارٹر تھا۔ ایڈ وائزری سیکشن میں وہ شخص فیکس مشین کے سامنے بیٹھا تھا۔ اچانک ایک فیکس آیا۔ اس نے معمول کے مطابق اسے دیکھا اور پھر ایک دم چونک گیا اور فوراً سے پہلے وہ اپنے سپروائزر کے آفس میں وہ فیکس لے کر بھاگا۔ سپروائزر نے فیکس دیکھا تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے فوراً کال ملائی اور آگے سے فوراً آنے کا کہا گیا اور وہ کمرے سے نکل گیا۔ فیکس اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس کا رخ جنرل سیکشن میں چیف کے کمرے کی طرف تھا۔ کچھ ہی دیر میں وہ وہاں پہنچ گیا۔

وہاں ایک شخص بیٹھا تھا جس کے کندھے پر جنرل کا بیج تھا۔ یہ انٹیلی جنس کا چیف تھا۔ اس نے فیکس دیکھا اس پر جیل کے باہر سی ٹی وی کیمرے کی ایک فوٹیج تھی جس پر ایک تصویر تھی۔ نام لکھا تھا "سلمان احمد" المعروف "محمد جہادی"

یہ وہی جیل تھی جس میں جانباز کو قید رکھا گیا تھا۔

جنرل نے خوشی سے چیخ ماری اور فوراً کال ملائی اور اس نے آرڈر جاری کر دیا۔ اس نے سپروائزر کی طرف دیکھا اور خوشی سے کہا:

"جیک پاٹ"

❁......❁......❁
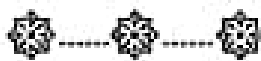
آگے کیا ہوا؟

کیا محمد اور اس کے ساتھی بھی گرفتار ہو گئے؟

جانباز کی مشکلیں آسان ہو گئیں یا مزید بڑھ جائیں گی؟ آخر کیا ہو گا؟

"جنرل نے "جیک پاٹ" کا نعرہ لگایا اور فوراً فون گھمایا...... جیسے ہی آگے سے فون اٹھایا گیا اس نے احکامات دینے شروع کر دیئے۔"

کچھ ہی دیر میں ایک موسٹ وانٹڈ جہادی "محمد" کو پکڑنے کا ایک مکمل پلان بن چکا تھا۔ سی سی ٹی وی فوٹیج کے ذریعے پتہ بھی لگا لیا گیا کہ یہ کس ہوٹل میں قیام پذیر ہیں...... چنانچہ کچھ ہی دیر بعد میں ایک پوری بریگیڈ کو محمد اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری پر لگا دیا گیا۔

لیکن ان کو اندازہ نہیں تھا کہ ان کی مکمل تیاری کو ایک خفیہ آنکھ مسلسل دیکھ رہی ہے...... دراصل یہ شاہین کا ایک سیٹ اپ تھا۔ اس نے حساس دفاتر میں اپنے چند ایک مخبر لگا دیئے تھے تاکہ اگر کبھی کسی ایمرجنسی کی صورتحال بنے تو ان کے ذریعے سے کام لیا جا سکے......

اکرام وہاں ایک مسلمان سوئیپر تھا...... صبح سے شام تک جھاڑو پوچھا لگاتا مگر اپنے کان کھڑے رکھتا...... اس نے جیسے ہی یہ چہل پہل دیکھی تو اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس نے جنرل کے کمرے کے باہر بڑی مشکل سے کچھ الفاظ سنے اور کچھ نہ سن سکا مگر وہ اس قدر ضرور سمجھ گیا تھا کہ کشمیر کے ایک بڑے ہر دلعزیز مجاہد جانباز کو چھڑوانے کے لئے گئے ساتھیوں کے بارے میں کوئی خطرناک اطلاع ہے۔ اب پریشانی یہ تھی کہ اس کو معلوم نہ تھا کہ وہ لوگ کہاں ہے۔ اس کو صرف اس ہوٹل کا نام معلوم تھا۔ جہاں محمد جہادی اور اس کے ساتھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ چنانچہ اس نے فوراً سے پہلے ہوٹل جانے کا سوچا تاکہ جا کر ان کو مطلع کر دے۔ جلد ہی وہ ہوٹل پہنچ گیا۔ لیکن اس کے پاس وقت کم تھا کیونکہ پیچھے سے ان کے کمانڈوز کی گاڑیاں بھی پہنچ ہی رہی تھیں۔ اس نے ہوٹل کے لوگوں سے ایک کمرے کے بارے میں سنا کہ

وہاں کچھ آتنک وادی رکے ہوئے ہیں۔ اس لئے اس لابی کو کلوز کیا جا چکا ہے۔ چنانچہ اس نے کوشش کر کے اس کمرے تک جانے کا سوچا۔ وہاں پہنچا اور اس نے دروازہ بجادیا......

❀❀❀❀

محمد جیسے ہی کمرے سے باہر نکلا اسے نیچے لابی میں دور سے دوڑتے کمانڈوز نظر آ چکے تھے۔ اس نے لفٹ کے ذریعے چھت پر جانے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ اسے چھت سے شاید کوئی موقع مل سکتا تھا وہاں سے بھاگنے کا......

اس کے کندھے پر ایک بیگ تھا جس میں اس کی ضرورت کا سامان موجود تھا۔ وہ فوراً لفٹ کی طرف پلٹا......لفٹ کے متعدد بٹن دبائے مگر لفٹ شاید بند کر دی جا چکی تھی۔ اس کے پاس وقت کم تھا کیونکہ کمانڈوز اوپر کسی بھی وقت پہنچ سکتے تھے۔ اس نے سیڑھیوں کے ذریعے اوپر جانے کا فیصلہ کیا۔ وہ تیز تیز چڑھتا جا رہا تھا۔ ہوٹل اٹھارہ سے بیس منزلہ تھا۔ اس لئے اس کی رفتار خاصی تیز تھی۔ جلد ہی وہ اوپر پہنچ گیا۔ لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یہ عمارت دوسری کسی بھی عمارت سے الگ تھی۔ سوائے جیل کی عمارت کے۔ یہ قدرے قریب تھی۔ لیکن جیل کی طرف پھلانگنا بذات خود پھنسنے کے مترادف تھا چنانچہ اس نے واپس جا کر نیچے سے بھاگنے کے بارے میں سوچا۔ اس نے ریوالور چیک کیا کیونکہ اب اس کے پاس رسک ختم ہوتا جا رہا تھا......

جلد ہی وہ نیچے والی منزل تک پہنچا اور ایک دروازے کے سامنے آ کر رک گیا......دروازے کا لاک بند تھا۔ اس نے زور لگا کر دروازہ کھولا اور کود کر اندر آ گیا۔ کمرے میں کوئی شخص نہ تھا......اس نے دروازہ واپس بند کیا اور کمرے کے چیزوں کو بغور دیکھنے لگا۔ شاید اس کے کام کی کوئی چیز مل جائے......اس کے نظریں تیزی سے گھوم رہی تھیں اور ساتھ ہی ساتھ وہ مایوس ہو رہا تھا کہ اسے کوئی چیز ایسی نہ لگی اس کے کام کی ہو......اس کے ریوالور تھا اور فائٹ کے لئے تیار ہو گیا...... بوٹوں کے آواز قریب آتی چلی جا رہی تھی وہ بس یہ دعا کر رہا تھا کہ اس کے ساتھی کسی طرح نکل چکے ہوں......

❀❀❀❀

خفیہ اداروں کی دو عدد بکتر بند گاڑیاں جیل کے احاطے میں جیسے ہی رکیں۔ جیل وارڈن نے فوراً ان کا استقبال کیا۔ فرنٹ سیٹ سے اترنے والے ایک کرنل نے اپنا تعارف کروایا اور کہا:

"ہمیں آرڈر ملے ہیں کہ جانباز کو یہاں سے شفٹ کیا جائے۔ یہ رہے اس کی منتقلی کے آرڈر۔" یہ کہہ کر اس نے ایک کاغذ جیل وارڈن کو تھما دیا۔

"جی بالکل مجھے سرکار کی طرف سے یہ حکم پہلے ہی مل چکا ہے۔" جیل وارڈن نے کہا۔

"چونکہ قریب ہی آتنک وادیوں کے خلاف آپریشن جاری ہے اس لئے ہم اسے رات کے کسی وقت منتقل کریں گے۔ آپ تب تک جانباز کو تیار کریں" کرنل نے کہا اور جیل کے اندرونی احاطے کی جانب چلا گیا۔

جلد ہی جانباز کو اس سیل سے نکال دیا گیا۔ اسے نہانے کے لئے ایک شاور کے نیچے کھڑا کر دیا۔ جانباز

کے جسم پر جیسے ہی پانی کی بوند پڑی اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ اس آخری تشدد کے بعد اس کے جسم سے ابھی تک خون رس رہا تھا۔ جلد ہی اسے نہلا کر صاف کپڑے پہننے کو دیئے گئے۔ جانباز حیران بھی ہو رہا تھا اور کس قدر پریشان بھی کہ اس قدر عنایت کیوں؟ کیا کچھ نیا ہونے والا ہے؟ کیونکہ یہ لوگ تبھی اس قدر خیال کرتے ہیں جب انہوں نے اپنی کوئی بات منوانی ہو۔ لیکن جانباز نے اس پر زیادہ نہ سوچا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جو بھی ہوگا سب سامنے آجائے گا اسے بس ثابت قدم رہنے کی دعا مانگنی چاہیے۔

❁❁❁❁

میجر زیڈ اے اگروال بڑا منجھا ہوا آفیسر تھا۔ جیسے ہی اپنی مکمل برگیڈ کے ساتھ وہ ہوٹل کی لابی میں داخل ہوا۔ پورے ہوٹل کو اس نے سیل کر دینے کے احکامات دیئے۔ اس نے کیمروں کی مدد سے بالآخر جلد ہی معلوم کر لیا کہ ایک شخص ہوٹل کی سب سے اوپر والی منزل کے ایک کمرے میں چھپا ہوا ہے۔ اس کے فوجیوں کو فوراً بھیجا تاکہ وہ اس شخص کو زندہ گرفتار کر کے آئیں......

چنانچہ اس نے دو درجن کے قریب فوجیوں کو فوراً کمرے کے باہر پہنچنے کا حکم جاری کیا اور باقیوں کو دوسرے روم چیک کرنے کے احکامات جاری کر کے وہ اس کمرے میں آیا جہاں سرنگ کھودی جارہی تھی۔ اس کی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں کہ کیسے ایک منظم انداز میں یہ سب کام کیا جا رہا تھا۔ کمرے میں کوئی شخص موجود نہیں تھا مگر سامان تمام موجود تھا جیسے کوئی عجلت میں نکلا ہو......

اس نے ہوٹل کے چپے چپے پر فوجی کھڑے کر دیئے اور خود وہ منیجر کے ساتھ چھت کی طرف روانہ ہو گیا تاکہ اس آپریشن کی خود نگرانی کر سکے۔

جلد ہی وہ ہوٹل کی سب سے آخری منزل میں اس کمرے کے باہر پہنچ گئے جس میں انہوں نے محمد جہادی کو جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس نے اسپیکر پر اعلان کیا:

"ہم نے تمہیں چاروں اطراف سے گھیر لیا ہے۔ اپنے ہاتھ اوپر کر کے سرنڈر کر دو اور باہر آجاؤ...... بھاگنے کا تمام راستے بند ہو گئے ہیں......ہم دس تک گنتے گے اگر باہر نہ آئے تو ہمارے فورسز اندر آجائیں گی" میجر نے کڑکتی آواز میں کہا......

جلد ہی دس تک گنتی مکمل ہو گئی۔ میجر نے اپنے فوجیوں کو اشارہ کیا۔ جنہوں نے ایک چھوٹا سا بم دروازہ پر لگایا اور کچھ ہی سیکنڈ میں دروازہ ایک دھماکے سے اڑ کر دور جا گرا اور فوجی کمرے میں داخل ہو گئے......

مگر اندر کا منظر ان کے لئے بہت حیرت انگیز تھا......

❁❁❁❁
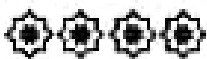
پھر کیا ہوا؟

کیا محمد جہادی اپنے ساتھیوں سمیت پکڑا گیا......

یا میجر خالی ہاتھ واپس لوٹ گیا......

کیا ہوا آخر......اور جیل میں سسکتے جانباز کا کیا ہوا؟

......یہ ضرور جانئے مگر اگلے شمارے میں......

محمد جہادی کے پاس وقت بہت کم تھا۔ اسے اپنے دوسرے ساتھیوں کی بھی فکر کھائے جا رہی تھی۔ کہ نہ جانے وہ نکل پائے ہوں گے یا نہیں۔ دل ہی دل میں وہ ان کی عافیت و حفاظت کے لئے دعا مانگ رہا تھا۔ اسی اثناء میں وہ لانڈری روم کے اس لحیم شحیم شخص کے پاس پہنچ گیا جس کے پاس لانڈری روم کے باہری دروازے کی چابی تھی۔ جس کے خفیہ طور پر ہوٹل کے ملازمین باہر جایا کرتے تھے۔ جانباز اس کے قریب ہو کر بے تکلفی سے انداز میں اس کے کان کے قریب آ کر چابی کا کہنے لگا اور دائیں ہاتھ سے اس کے ہاتھ میں ایک کڑکڑاتا نوٹ رکھ دیا۔ پہلے تو وہ شخص قدرے حیران ہوا مگر نوٹ دیکھ کر اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

اس نے پاس پڑے ایک تختے کے نیچے ہاتھ ڈالا اور وہاں سے ایک پرانی سی چابی اسے تھما دی۔ اس کے منہ میں پان تھا۔ جس کی جھاگ سے اس کا منہ سرخ ہو رہا تھا۔ بڑی مشکل سے وہ بولا:

"باہر سے جاتے ہوئے تالا لگا دینا اور ایک گھنٹے میں واپس آ جانا"

جانباز نے اثبات میں سر ہلا دیا اور بڑی سرعت سے نکلتے ہوئے وہ دروازہ کراس کر گیا۔ باہر سے اس نے لاک کر دیا تاکہ اگر فوجی اس کے پیچھے آئیں تو وہ اس دروازے سے اس کے پیچھے نہ آ سکیں۔

باہر نکلتے ہی اس نے نارمل انداز میں ادھر ادھر دیکھا تو باہر خاموشی تھی۔ کیونکہ یہ دروازہ ہوٹل کی بالکل پچھلی سائیڈ پر تھا اس لئے یہاں کوئی نہیں تھا۔ محمد جہادی نے باہر نکلتے ہی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اب اسے اپنا حلیہ بدل کر ہوٹل کے سامنے کے حالات معلوم کرنا تھے۔ وہ جانتا تھا کہ جیسے ہی حکام کو سرنگ کو معلوم ہو گا وہ لازمی

بھوکے کتے کی طرح جانباز پر چڑھ دوڑیں گے اور اسے یہاں سے منتقل کرنے کی کوشش کریں گے۔ یہ سوچ کر اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ اس کا ذہن تیزی سے کچھ سوچ رہا تھا۔ اس نے نیچے ہاتھ رکھا اور سڑک پر پڑی مٹی سے اپنے سر اور چہرے کو اچھی طرح مل لیا۔ اپنی شرٹ اتار دی اور نیچے اس نے بنیان پہنی ہوئی تھی۔ اب وہ شکل سے فقیر جیسا لگ رہا تھا۔ بوٹ پہن رکھے تھے وہ اس نے اتار دیئے اور اب وہ پاؤں سے ننگا تھا۔ اس کے بعد اس نے قریب کوڑے کے ڈھیر سے ایک خالی بوتل شراب کی بھی اٹھالی تاکہ وہ لوگوں کو نشئی محسوس ہو۔ اس کے بعد وہ بوتل تھامے کسی نشئی کی سی حرکت کرتے ہوئے ہوٹل کے فرنٹ پر پہنچ گیا۔ یہاں بیرئر لگا کر راستہ بلاک کر دیا گیا تھا اور لوگوں کا ایک ہجوم تھا۔ دونوں اطراف سے سینکڑوں کی تعداد میں فوجی جوان الرٹ کھڑے تھے۔ وہ لوگوں کے درمیان جا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی تھی۔ اس طرح کے حلیہ یہاں فقیروں کا عام تھا، اس لئے محمد جہادی کو یہی سب سے بہتر سوجھا تھا۔ وہ آس پاس کا بڑی تیزی سے معائنہ کر رہا تھا۔ تاکہ وہ اپنے ساتھیوں کو تلاش کر سکے۔ مگر اسے اپنی ساتھی کہیں نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ کچھ دیر وہیں رکا اور پھر اس کے ذہن میں ایک آئیڈیا آیا۔

جب یہ لوگ یہاں مشن کی ابتداء کر رہے تھے تب انہوں نے ہوٹل کے قریب ہی ایک اور ہوٹل کا کمرہ بھی ریزرو کر لیا تھا تاکہ مشکل وقت میں ان کے پاس ایک محفوظ مقام موجود ہو۔ لیکن اب وہاں جانے کا مسئلہ تھا۔ کیونکہ وہ کسی نشئی فقیر کی مانند لگ رہا تھا۔ اب وہ اپنے اس حلئے کو بدل نہیں سکتا تھا۔

چنانچہ اس کے ذہن میں ایک آئیڈیا آیا۔ وہ ہنگامی حالت میں استعمال ہونے والا دروازہ استعمال کرنے لگا جسے فائر ڈور بھی کہتے تھے کیونکہ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

❁❁❁

جیل میں اچانک ہنگامی حالت کا سائرن بجا دیا گیا تھا۔ اضافی سیکیورٹی طلب کی جا چکی تھی۔ کیونکہ باہر کا ماحول مکمل خراب ہو چکا تھا۔

جانباز کو ہاتھوں میں ہتھکڑی اور پاؤں میں بیڑیاں ڈالنے کے بعد اسے گھسیٹے ہوئے ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا جہاں پہلے سے ایک بڑی مونچھوں والا آفیسر اسکا منتظر تھا۔

''جانباز تمہارے دن گنے جا چکے ہیں ہمیں بتاؤ یہ کون لوگ ہیں جو تمہیں چھڑوانے کے لئے سرنگ کھود رہے تھے۔ یاد رکھو ہم صرف سچ سننا چاہتے ہیں۔'' آفیسر نے دھمکی آمیز لہجے میں پوچھتے ہوئے کہا۔

''دیکھو آفیسر! میں کتنے عرصے سے جیل کی بالکل تنگ و تاریک کوٹھڑی میں ہوں۔ مجھے نہیں معلوم باہر کیا ہو رہا ہے۔ نہ میرا کسی سے کوئی رابطہ ہے اور نہ ہی میرا پہلے سے ایسا کوئی پلان تھا۔'' جانباز نے مضبوط لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

''تم ہمیں بتاؤ گے ورنہ آج ہم تمہیں یہیں اسی وقت مار ڈالیں گے۔'' آفیسر نے کرسی سے اٹھتے ہوئے جانباز
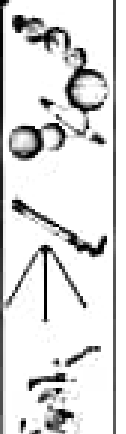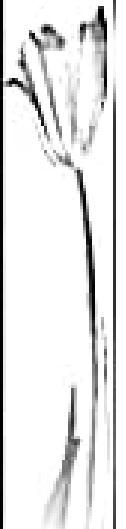
کو ایک تھپڑ رسید کیا اور اسکے بعد گھونسوں کی بارش کر دی۔

"تم ایک نہتے اور بندھے ہوئے شخص کو ہی مارنے کے قابل ہو۔" جانباز نے منہ میں آئی خون کی تھوک کو باہر پھینکتے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پر چھائی گہری مسکان نے آفیسر کو جیسے باؤلے کتے کے جیسے پاگل کر دیا۔

اس کے بعد اس نے جانباز کو کرسی سے اٹھا کر مارنا شروع کر دیا۔ اور تب تک مارتا رہا جب تک اس درندے کے ہاتھ نہیں تھکے۔ کچھ دیر بعد اس نے دروازہ کھولا اور دو لوگوں کو اشارہ کیا اور انہوں نے خون سے لت پت جانباز کو اٹھایا اور گھسیٹتے ہوئے واپس اس کے عارضی سیل روم میں ڈال دیا۔

❁❁❁

محمد جہادی کے نئے ہوٹل کے عقبی طرف پہنچ چکا تھا۔ اسے فائر ڈور نظر آ گیا جو خوش قسمتی سے کھلا ہوا تھا۔ اس نے دروازہ کھولا اور سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ وہ کمرہ نمبر جانتا تھا اور چابی اس کے پاس موجود تھی۔ چنانچہ وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ بوتل اس نے پھینک دی تھی اور منہ بھی کافی حد تک صاف کر لیا تھا تاکہ اس نئے ہوٹل کے لوگ مشکوک نہ ہو جائیں۔ جلد ہی وہ دوسری منزل کے اس کمرے کے باہر پہنچ گیا جس کی چابی اس کے پاس تھی۔ چنانچہ دروازہ کھول کر وہ جیسے ہی داخل ہوا ایک دم چونک گیا کیونکہ اگلا منظر اس کے لئے نہایت حیران کن تھا۔

❁❁❁

میجر زیڈ اے اگروال ہوٹل کی لابی میں موجود تھا۔ اس نے ہوٹل کے سارے اسٹاف اور تمام رہائشی لوگوں کو اکٹھا کر کے شناخت پریڈ کروائی لیکن اسے کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ محمد جہادی اس کی عین نظروں کے سامنے غائب ہو چکا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اسے کیا سزا مل سکتی ہے۔ ہوٹل کا عملہ ڈرا سہما اس کے اگلے آرڈر کا انتظار کر رہا تھا۔ یکا یک اس کے فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے فون کان سے لگا کر ہیلو بولا اور پھر آگے سے بات سن کر اس نے ڈھیلے انداز میں فون رکھ دیا۔ اس کو واپس بلایا جا چکا تھا۔ اس کا کورٹ مارشل یقینی تھا۔ اس نے پاس کھڑے اپنے ڈپٹی کو یہاں چارج سنبھالنے کا کہا اور خود ڈھیلے انداز میں ہوٹل کے دروازے سے باہر نکلنے لگا۔ کیونکہ یہاں کا چارج لینے کے لئے کس نئے کرنل کو بھیجا جا رہا تھا جو نئے سرے سے تلاش کا کام جاری رکھے گا۔

اس کے کندھے جھکے ہوئے تھے اور آنکھیں پتھرائی ہوئی تھی۔ ایک دم اس کو خیال آیا۔ اس کی آنکھیں شعلے نکلنے لگی۔ وہ جیل کے سامنے پہنچ گیا۔ اس کو پروٹوکول کے ساتھ اندر بلا لیا گیا۔ جانباز سے ملاقات طے کروائی گئی اور پھر جانباز سے سوال جواب کرنے کے بعد جس شخص نے کسی باؤلے کتے کی مانند جانباز پر تشدد کیا وہ کوئی اور نہیں یہی میجر زیڈ اے اگروال تھا۔

پھر کیا ہوا ؟ کہانی اپنے اختتام کی طرف گامزن ہے۔ وقت بہت کم اور مشن انتہائی نازک مرحلے میں داخل ہو گیا ہے۔ کیا ہو گا۔ یہ تو وقت ہی بتائے گا۔

پڑھتے رہیے۔۔۔۔۔ مسلمان بچے

❁❁❁

جیسے ہی محمد جہادی ہوٹل کے کمرے میں داخل ہوا تو اس کے ہوش اڑ گئے کیونکہ سامنے اس کے تینوں ساتھی موجود تھے۔

وہ تینوں بھی محمد جہادی کو دیکھ کر خوشی سے کپکپانے لگے۔ سلام دعا کے بعد محمد جہادی نے اپنے ساتھ پیش آنے والی ساری صورتحال ان کے گوش گزار کر دی۔

''ہم خود آپ کے لئے بے حد پریشان ہو گئے تھے۔ لیکن ہماری خوش قسمتی کے ہم آرمی کے ہوٹل میں داخل ہونے سے عین چند لمحوں پہلے ہی ہوٹل سے باہر نکلے چکے تھے اور ہم سیدھے یہیں آ گئے تھے کیونکہ ایسا ہی طے ہوا تھا۔ مگر جب آپ کی طرف سے تاخیر ہوئی تو ہم کچھ اور سوچ رہے تھے۔'' اسماعیل نے کہا۔

''اچھا!! کیا سوچ رہے تھے؟'' محمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''نہیں ایسے ہم نہیں بتا سکتے۔ اب آپ خیریت سے آ گئے ہیں تو یہ بتائیں اب کیا پلان ہے؟'' اسماعیل نے دونوں ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہمارا مشن اب بھی وہی ہے ساتھیو! جب ایک بار جان ہتھیلی پر رکھ دی تو اب پیچھے نہیں ہٹ سکتے، ہمارا مشن ادھورا ہے۔ لیکن چونکہ اب حالات مختلف ہیں اس لئے آپ لوگ مشورہ دے سکتے ہیں کہ ہم اس موقع کو چھوڑ دیں یا پھر جو ہمارا مشن ہے اسے ہر صورت مکمل کرنے کی کوشش کریں۔

''ہم تینوں اب بھی یہی چاہتے ہیں کہ مشن کو ہر صورت مکمل کیا جائے۔ مگر اب آرمی کا سرچ آپریشن وسیع پیمانے پر شروع ہو جائے گا اور ہمارے لئے کام کرنا ناممکن رہے گا۔ لیکن ہم چاہتے بھی ہیں کہ کام ہر صورت مکمل ہو جائے۔'' اسماعیل نے کہا تو باقی دونوں نے بھی

اس کی تائید میں سر ہلا دیا۔

"میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے مگر اس میں خطرہ بہت ہے۔ اس لئے تم سب کو اختیار ہے جو بھی جانا چاہے تو ابھی جا سکتا ہے۔ میں اس ترکیب پر عمل کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ سرخرو ہو سکوں۔ محمد جہادی نے کہا اور اٹھ کر اپنا حلیہ سدھارنے واش روم کی طرف جانے لگا۔

❀❀❀❀

بڑی سی میز کے پیچھے تین آدمی کچھ وقفہ دے کر بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے ایک کرسی خالی تھی۔ تینوں باری باری ہال کے واحد دروازے کی طرف دیکھتے اور پھر آپس میں کھسر پھسر شروع کر دیتے تھے۔ اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک گیم شیم سا شخص سامنے سے چلتے ہوئے نظر آیا۔ یہ وزیر دفاع تھا۔ اس کے آنے پر تینوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ وزیر دفاع اپنی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا اور تینوں کو اشارہ کیا تو وہ بھی اپنی اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔

"سر! ہم نے میجر اگروال کو واپس بلا لیا ہے اور اسے برخاست کر کے انکوائری کمیٹی کے سامنے پیش ہونے کا حکم دیا ہے۔" وزیر کے اشارے پر ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا۔ یہ بریگیڈئیر رانا تھا جو اس آپریشن کا انچارج تھا۔

"بریگیڈئر رانا! آپ جانتے ہیں کہ ہمارا اس مشن میں کس قدر نقصان ہو چکا ہے۔ آپ کا سب سے قابل آفیسر ناکام ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ محمد جہادی جیسے آتنک وادی کی مکمل رپورٹ ہونے کی باوجود آپ اسے پکڑنے میں ناکام رہے اور اس کے تینوں ساتھی ابھی تک لاپتہ ہیں۔ اس سب کا یہی مطلب ہے کہ آپ اپنا کام ٹھیک سے نہیں کر رہے ہیں۔" وزیر دفاع نے غصے سے کہا۔

"سر! ہم نے سرچ کا دائرہ بڑھا دیا ہے۔ وہ چاروں جلد ہی پکڑے جائیں گے۔ یہ ہمارا آپ سے وعدہ ہے۔ میں نے اپنی ٹیم بھی تعینات کر دی ہے اب وہ بچ کر نہیں جا سکتے۔" ایک اور شخص نے کھڑے ہو کہا۔ یہ جنرل تھا جو بھارتی خفیہ ایجنسی کا چیف تھا۔

"ہمیں ان چاروں سے کوئی مسئلہ نہیں۔ اصل مسئلہ جانباز کا ہے۔ اب آتنک وادی یہ جانتے ہیں کہ جانباز کو اسی جیل میں رکھا گیا ہے اس لئے وہ مسلسل کوشش کرتے رہیں گے تاکہ اسے جیل سے چھڑوا سکیں۔ اس لئے میں نے اس کے ٹرانسفر آرڈر جاری کئے ہیں تاکہ جلد از جلد اسے یہاں سے موو کیا جا سکے۔" وزیر دفاع نے کہا۔

"سر اس کے لئے آپ مجھے سیوا کا موقع دیں۔ جانباز کی سیکیورٹی ہم فول پروف انداز میں کریں گے۔ کوئی بھی اس حصار کو توڑ نہیں سکے گا چاہے وہ کچھ کیوں نہ کر لے۔" تیسرا شخص جو چپ بیٹھا تھا اب بولنے لگا۔ یہ ایک اور بھارتی خفیہ ایجنسی کا چیف کرنل بالا تھا۔ انتہائی خونخوار اور انتہائی ظالم اور تشدد پسند۔ اس کے سامنے انسان اور جانور ایک جیسے تھے۔ اس کی اپنی ایک ٹیم تھی جو پورے انڈیا میں دہشت پھیلاتی تھی اور قتل دنگے فساد کروانے میں مشہور تھی۔

"یس کرنل! میں یہ ذمہ داری آپ کو ہی دینے والا تھا۔ مجھے آپ جیسے ہی کی تلاش تھی۔ آپ آج ہی جانباز کو جیل سے رسیو کر کے کسی پرائیویٹ جیل میں خفیہ طور پر

قید رکھیں جب تک کہ معاملہ ٹھنڈا نہ ہو جائے۔ ہم جانباز کو کسی صورت کھو نہیں سکتے۔ اس کا زندہ رہنا ہی ہماری ساکھ کو بچا سکتا ہے۔" وزیر دفاع نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

میٹنگ برخاست ہو چکی تھی۔ کرنل بالا کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ تھی جیسے اس کو اس کا من پسند کام دے دیا گیا ہو۔

❁❁❁❁

محمد جہادی اور اس کے تینوں ساتھی اب مکمل تیار ہو چکے تھے۔ انہوں نے کھڑکی سے پردہ ہٹایا اور باہر کی طرف جھانکا۔ کچھ ہی دور انہیں سرچ لائٹس کا ایک سیلاب سا دکھائی دیا۔ رات آدھی گزر چکی تھی، مگر اب بھی وہ سڑک انتہائی روشن تھی۔ محمد جہادی نے قریب آ کر اپنے ساتھیوں کو مکمل پلان سمجھا دیا تھا۔ تینوں نے سر ہلایا اور ہوٹل کے باہری جانب بڑھتے چلے گئے۔ وہ تینوں اکٹھے نہیں جا رہے تھے بلکہ الگ الگ ہو کر فائر ڈور سے نکل رہے تھے۔ چاروں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو الوداع کہا اور چاروں ہی منہ پر ماسک لگائے اور ہاتھوں میں گن لئے مختلف سمت روانہ ہو گئے۔

❁❁❁❁

کرنل بالا جیل پہنچ چکا تھا۔ جانباز کو ہتھکڑیوں میں جکڑ کر بکتر بند گاڑی میں بٹھا دیا گیا تھا۔ کرنل بالا کی ٹیم میں چالیس منجھے ہوئے اور انتہائی خونخوار فوجی تھے جو بے دریغ قتل و غارت گری میں مشہور تھے۔ آٹھ گاڑیوں کا یہ قافلہ گیٹ سے باہر نکلنے والا تھا۔ جانباز کے چہرے پر پٹی باندھ دی گئی تھی۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ ایک نئی آزمائش اور ایک نئی منزل۔ وہ اپنے رب سے ہمت اور نصرت مانگ رہا تھا۔

جیل کے چاروں اطراف میں سرچ لائٹ نصب تھیں اور چاروں طرف گارڈز تعینات تھے۔ جو اسلحے سے مکمل لیس اور چاک و چوبند تھے۔

کرنل بالا نے انتظامات کا آخری بار جائزہ لیا اور پھر جانباز جس بکتر گاڑی میں تھا اس کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا اور وائرلیس پر سب کو چلنے کے احکامات دے دیئے۔ آناً فاناً جیل سے گاڑیاں نکل کر سڑک پر پہنچ گئیں۔

کرنل بالا نے وائرلیس پر سب کو ہوشیار رہنے کا حکم دیا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔

اچانک ایک گاڑی سائیڈ سے نکلی اور اس نے کرنل سے پچھلی گاڑی کو ٹکر ماری اور فضا میں زوردار دھماکے کی آواز سنائی دی۔ دھماکہ اس قدر شدید تھا کہ آس پاس کے دروازے کھڑکیاں اڑ کر دو جا گریں۔ پانچ سے زیادہ گاڑیاں الٹ چکیں تھیں۔ کرنل بالا وائرلیس پر چیخنے لگا مگر اس سامنے کا منظر اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز تھا۔

❁❁❁❁
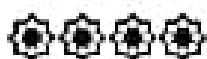
کیا ہوا آخر؟ کیا جانباز کے ساتھی اس کو اس خونخوار سے چھڑوانے میں کامیاب ہو گئے؟ یا خود اس کا شکار ہو گئے؟

ایک فیصلہ کن معرکہ۔ کیا آپ تیار ہیں؟

ضرور پڑھتے رہیں مسلمان بچے

جانباز کی ہتھکڑی کھل چکی تھی۔ محمد جہادی اور اسماعیل نے اپنے ہیرو کو دیکھا۔ ہاں کشمیر میں ایسے لوگ ہی ہیرو ہوتے ہیں جو اپنے دین اور وطن کے لئے سب کچھ داؤ پر لگانے کو ہر لمحہ تیار ہوتے ہیں۔

وقت بہت کم تھا۔ وہ گارڈ مضبوط اعصاب کا مالک تھا اس لئے قطعی طور پر پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تھا۔ البتہ اس نے اسماعیل اور محمد جہادی کے گن پھینک کر دور جانے کی بات پر رضامندی ظاہر ہونے کے بعد جانباز کی ہتھکڑی اور کپڑا ہٹا دیا تھا۔ اب بات ماننے کی باری محمد جہادی اور اسماعیل کی تھی۔ باہر مسلسل فائرنگ ہو رہی تھی۔ جلد ہی ہوائی مدد پہنچنے کو تھی۔ اس لئے انہیں جلد کوئی فیصلہ کرنا تھا۔

ابھی وہ دونوں پیچھے ہٹنے کا سوچ ہی رہے تھے کہ جانباز نے انہیں ایک مخصوص اشارہ کیا۔ اسماعیل ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصہ میں بات سمجھ گیا تھا۔ اس نے پستول نیچے رکھنے کے بہانے تھوڑا سا جھکا اور یہی لمحہ جانباز کو چاہیے تھا جب اس گارڈ کی پوری توجہ اسماعیل پر تھی۔ جانباز ایک دم سے بیٹھے بیٹھے ہی نیچے جھکا۔ جانباز نے فل طاقت لگا کر خود کو نیچے جھکا لیا تھا۔ اور اسماعیل جو اس لمحے کی تاک میں تھا اس نے پستول کا رخ گارڈ کی طرف کر کے گولیاں چلا دیں۔ گارڈ کی گردن میں یکے بعد دیگرے دو گولیاں پیوست ہو گئیں اور وہ گر گیا۔

اسی اثناء میں ہیلی کاپٹرز کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ ہیلی کاپٹرز دو مخالف سمت سے جیل کی طرف بڑھ رہے تھے۔ وقت کم تھا۔ محمد جہادی نے جانباز کو اٹھا کر کندھے پر ڈالا کیونکہ مسلسل تشدد کے باعث جانباز بے حد نقاہت محسوس کر رہا تھا۔

واپسی کا پلان پہلے سے تیار تھا۔ دو گاڑیاں آناً فاناً جیل کے باہر سے نکلی اور دونوں کا رخ مخالف سمت میں تھا تا کہ اگر کوئی پیچھے آنے والا ہو تو وہ بھٹک جائے کہ جانباز کس گاڑی میں ہے۔ کچھ ہی دور جانے کے بعد دونوں گاڑیاں اب ایک دوسرے کے پیچھے دوڑ رہی تھیں۔

جانباز رہا ہو چکا تھا۔ بڑے شاندار انداز میں اور بڑی فتح کے ساتھ۔ ایک مکمل گروپ کا خاتمہ اور اس قدر تباہی کے بعد اللہ تعالیٰ نے فتح ان کی جھولی میں ڈال دی تھی۔ تیز ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے وہ تینوں ساتھی سرشار تھے اور اپنے اس چوتھے ساتھی کا پرنم آنکھوں سے شکریہ ادا کر رہے تھے جس کی قربانی کی بدولت ایسا سب ممکن ہو سکا۔ جبکہ تیسرے ساتھی کو دو گولیاں لگی تھیں مگر وہ ٹھیک تھا۔ چاروں کا ایک خواب تھا جو بالآخر دو سال کے عرصے میں مکمل ہوا۔ انہوں نے مبارک خواب دیکھا اور پھر اس کی تعبیر میں اپنے جسم و جاں کو وقف کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے بالآخر ان کی قسمت میں فتح رکھ دی اور وہ اس قدر خوفناک مشن کے بعد بالآخر پہلے سے طے شدہ اپنی منزل کی طرف گامزن تھے۔

......*

کرنل بالا کو جیسے ہی ہوش آیا وہ ایک بستر پر تھا۔ اسے آہستہ آہستہ یاد آنے لگا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ اس کے سر پر مسلسل ایک بھاری بھرکم گن کے بٹ مارے گئے تھے جس کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ اس نے ادھر ادھر نظریں گھمائیں تو تقریباً آس پاس سبھی بیڈز پر اس کی فورس کے بیشتر ساتھی لیٹے ہوئے تھے۔ اس کی حالت اس زخمی کتے جیسے ہو رہی تھی جسے کسی شیر نے بھنجھوڑ کر آزاد چھوڑ دیا ہو۔ اسے قریب ہی بھاری بوٹوں کی آواز سنائی دی۔ وہ سمجھ گیا کہ اعلیٰ حکام پہنچ چکے ہیں۔ اس نے بمشکل خود کو کھڑا کیا اور ہونٹ بھینچ لئے۔

"کرنل! کیا تم جانتے ہو یہ سب کچھ جو تمہاری وجہ سے ہوا ہے اس کا خمیازہ تمہیں کیا بھگتنا پڑ سکتا ہے۔ کاش میں تمہاری سفارش ہی نہ کرتا۔ دیکھو اپنے آس پاس ایسا لگتا ہے جیسے کسی فوج نے تم پر حملہ کر دیا ہو۔" آنے والے نے چیخ کر کہا۔

اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھیں باہر ابلنے کو تیار تھیں۔ یہ چیف آپریشن انچارج جنرل گستو گی تھا۔

"سوری سر! واقعی ان کا حملہ اس قدر اچانک اور خطرناک تھا کہ میری ٹیم سنبھل نہیں سکی۔ مگر ہم انہیں ڈھونڈ نکالیں گے سر! ہم زمین آسمان ایک کر دیں گے۔" کرنل نے نظریں نیچی کرتے ہوئے کہا۔

"اب ڈھونڈو گے تم انہیں؟ جب وہ پاس تھا تب تو تم ان کو کچھ کہہ نہیں سکتے۔ تیس کے بدلے صرف ایک ہی کو مار سکے تمہارے یہ خونخوار بھیڑیے۔ تمہیں اور تمہاری ساتھیوں کو اس کی سزا بھگتنی ہوگی کرنل۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔" جنرل نے غصے سے چیختے ہوئے کہا۔

"سر سر! پلیز سر! کرنل اس جنرل کو روکتا رہ گیا مگر جنرل نے پیچھے مڑ کر دیکھا تک نہیں۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے باقی ماندہ ساتھیوں کو اب جیل میں ساری زندگی سڑنا پڑے گا۔ اس نے غصے سے پاس پڑی میز پر سے ساری چیزیں الٹا دیں۔ ظاہر ہے اب اس کے بچنے کی امید ختم

اور ساری امید اس جانباز کی وجہ سے مٹی میں مل چکی تھی۔

......*

جانباز کو عباس پور کے قدرے ایک ویران گھر میں لے جایا گیا۔ وہاں پہنچے انہیں تین گھنٹے سے زائد ہو چکے تھے۔

"آپ لوگوں نے کیوں اس قدر تکلیف اٹھائی؟ وہ بھی میرے جیسے شخص کی خاطر۔" جانباز نے سبز چائے کا کپ تھامے آہستگی سے پوچھا۔

"آپ جیسا شخص کا کیا مطلب؟ آپ ہی وہ شخص ہیں جن کی خاطر ہماری آنے والی نسلیں بھی آپ کے لئے قربان کی جاسکتی ہیں۔" اسماعیل نے فرط جذبات سے مغلوب ہو کر کہا۔

"میرے نوجوانو! زندگی کے ان نشیب و فراز میں نہ جانے کتنے ایسے لمحات آئے جب مجھے لگا کہ شاید اب میں اندر سے ٹوٹ جاؤں گا اور امید ختم ہو جائے گی۔ مگر پھر ایک دم سے امید جاگ جاتی۔ ایک خواب تھا اور ایک مشن کہ کسی طرح اپنے کاز کو اپنے سامنے مکمل ہوتا دیکھوں۔ مگر ہم تو ایک مہرہ ہوتے ہیں کامیابی نہ جانے کب مقدر ہو مگر ہم سیڑھی کا کردار ضرور ادا کر سکتے ہیں۔ میں اپنی زندگی میں شاید انڈیا کا تسلط کشمیر سے آزاد ہوتا نہ دیکھ سکوں۔ مگر ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے ایک نہ ایک دن یہ فتح ہمارے نام ہوگی۔ بس ہمیں اپنے مشن پر فوکس رہنا ہے۔ گھر بار سے دور، خواہشات سے دور، فیشن پرستی اور تن آسانی سے دور ہو کر ہم اپنے مشن میں جتے ہوئے ہیں۔ یہی ہمارا جینے کا مقصد اور اس کی خاطر شہادت کی خواہش بس ۔۔۔۔ آج ہمارے ایک ساتھی کی شہادت ہو گئی۔ انہوں نے ایک بڑے مقصد کی خاطر جان دی۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی قربانی کو اپنی بارگاہ میں قبول کرے۔ بلاشبہ ایسی عظیم ہستیاں کشمیر کے محسن ہیں۔ ہمیں ان کی قدر کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔" جانباز کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اسے لگا جیسے اس کا سانس رک جائے گا۔

"ہم اور ہماری آنے والی نسلیں اس کشمیر کاز پر اپنی جانیں قربان کر دیں گے ہم ہندو بنیے کے سامنے کبھی نہیں جھکیں گے۔ ان شاء اللہ!!" محمد جہادی نے جانباز کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھامتے ہوئے کہا۔

جانباز نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ صبح کی سرخی آسمان پر چھا چکی تھی۔ وہ آزاد فضاؤں کا پنچھی تھا۔ آج آزاد فضا میں سانس لے کر اس نے اپنے اندر ایک قوت محسوس کی۔ اس نے دور پہاڑوں کی جانب جلتے بجھتے قمقمے دیکھے اور پہاڑوں پر اونچے لمبے قد کے چیڑ کے درخت۔ اس نے اپنے عزم کو اس سے بھی بلند کرنے کا سوچا۔

......*

جانباز کی رہائی کی خبر جنگل میں آگ کی طرح میڈیا پر پھیل گئی۔ اگرچہ اسے دبانے کی پوری کوشش کی گئی مگر میڈیا نے ایک عجیب قسم کی ہاہپ پیدا کر دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے پورے انڈیا اور پورے کشمیر بلکہ پوری دنیا میں جانباز کی رہائی کی خبر عام ہو گئی۔ کشمیری اپنے گھروں سے نکل آئے اور جشن منانے لگے۔ وہ خوشی سے جھوم رہے تھے ان کو لگ رہا تھا جیسے آج عید کا دن ہو۔

وہ جانباز جس نے اپنے جسم وجاں کو اسلام کے لئے وقف کردیا آج یہ لوگ اسی کی خوشی منا رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔ مائیں مصلے پر بیٹھ کر اپنے رب کا شکریہ ادا کررہی تھیں کہ ان کا بیٹا لوٹ آیا ہے۔ بہنیں اپنے سر پر ایک سائبان محسوس کررہی تھیں اور بھائی اپنے بازو مضبوط ہونے کا احساس کر پا رہے تھے۔ اہل ایمان کو ایسی خوشیاں جب ملتی ہیں تو ان کے لئے عید کا سماں ہوتا ہے۔ آج کشمیر میں بلاشبہ عید کا سماں تھا۔

جبکہ دوسری طرف صف ماتم بچھی ہوئی تھی۔ انڈیا کا وزیراعظم ہاؤس آج سوگ کی کیفیت میں تھا۔ سبھی وہاں جمع تھے۔ صدر سے لے کر اعلیٰ حکام تک سبھی سر جوڑ کر بیٹھے تھے۔ سرچ پارٹیاں مسلسل تلاش میں لگی تھیں مگر کسی طرف سے کوئی حوصلہ افزاء خبر نہ آرہی تھی۔ کشمیر میں جگہ جگہ تلاشی ہورہی تھی۔ بارہ گھنٹے گزر چکے تھے مگر جانباز کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ ملک بھر کی سبھی ایجنسیاں اسی ایک کام میں جتی ہوئی تھیں مگر ناکامی، نا امیدی وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی جارہی تھی۔

کرنل بالا اور اسکی ٹیم کو گرفتار کر کے کورٹ مارشل کرنے اور کرنل بالا سے ساری ترقیاں لے کر اسے ملک دشمن قرار دینے کی تیاریاں مکمل ہوچکی تھی۔ ایجنسیاں اس کے اثاثے کی چھان بین میں لگی تھیں کہ کہیں پیسے دے کر جانباز کو نہ چھوڑ دیا گیا ہو۔

کرنل بالا ہسپتال کے بیڈ پر مجبور پڑا بس چھت کو گھورے جارہا تھا۔ یہ صورتحال اس کے لئے موت سے زیادہ دردناک تھی۔ ایک دم اس نے کچھ سوچا۔ اس کے لئے اس تکلیف کو مزید برداشت کرنا ممکن نہ رہا تھا۔ اس نے اپنی جیکٹ سے ایک کیپسول نکالا اور منہ میں رکھ لیا۔ کچھ دیر بعد اس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگی اور جسم ایسے ہچکولے کھانے لگا جیسے اس کے جسم میں کسی نے کرنٹ چھوڑ دیا ہو۔ نرسیں بھاگ کر اس کے پاس آئیں تب تک وہ ختم ہوچکا تھا۔ اس نے سائنائیڈ کا کیپسول نگل لیا تھا اور اپنی جان خود ہی جہنم میں دھکیل دی تھی۔ اس کے لئے اپنی زندگی کو یوں ختم کرنا شاید زیادہ آسان لگا۔ اس کے ساتھی فوجیوں کی آنکھیں اس کی بیڈ پر پڑی لاش کو دیکھ کر حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔

اچانک دائیں جانب سے ایک بے ہوش فوجی نے چیخ ماری اور ہوش میں آگیا۔ وہ شدید زخمی تھا اور اس کے بچنے کی امید کم تھی۔ اس کے ہوش میں آتے ہی نرسیں اس کی طرف بھاگیں۔ اس نے ایک نرس کے کانوں میں کانپتے ہونٹوں سے کچھ کہا اور نرس اندر کی طرف بھاگی۔ تھوڑی دیر بعد اعلیٰ حکام کی ایک پوری فوج ظفر موج اس کے بیڈ کے قریب کھڑی تھی۔

......*

''کیا تم واقعی سچ کہہ رہے ہو؟'' کیا واقعی ایسا ہوسکتا ہے؟'' جنرل نے فوراً پوچھا۔

''بالکل جنرل! کرنل صاحب نے مجھے اپنی ٹیم میں اسی لئے رکھا ہوا تھا۔

جانباز کے وقت پر انہوں نے مجھے ایسا کچھ نہیں کہا مگر میں یہی سمجھا کہ وہ بھول گئے ہوں گے اس لئے میں نے ازخود یہ کام کرلیا۔'' اس فوجی نے کہا۔

''ٹھیک ہے پھر فوراً سے کام پر لگ جاؤ۔ اسی وقت فوجی کو ہیڈ کوارٹر منتقل کرو۔ اس کی مشین ساتھ لاؤ میں خود اس کی نگرانی کروں گا۔'' جنرل نے جوش بھرے لہجے میں کہا اور واپس مڑ گیا۔ اس کی نظر بیڈ پر کرنل کی لاش پر پڑی تو کہا:

''بہت جلدی کر دی کرنل کاش تم ہوتے تو ابھی خوشی سے پاگل ہو جاتے۔''

یہ کہہ کر وہ تقریباً بھاگنے والے انداز میں ہسپتال کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

اسے جس کام کی جلدی تھی وہ اس مردہ کرنل سے کہیں زیادہ ضروری تھا اور وہ یہ بات جانتا تھا۔

......*

جنرل اپنے ہیڈ کوارٹر پر پہنچ کر سیدھا اپنے آفس میں گیا اور فون اٹھا لیا۔ اس نے پرائم منسٹر ہاؤس کے نمبر ڈائل کیے۔ اس کے ہاتھ بجلی کی سی تیزی سے کام کر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد وہاں رابطہ ہو گیا۔

''جی سر! میں جنرل گستوگی بول رہا ہوں۔'' جنرل نے جوش بھرے لہجے میں کہا۔

'' جی کہیے کرنل ! وزیر اعظم نے ڈھیلے لہجے میں جواب دیا۔

'' سر ایک گڈ نیوز ہے۔ ہمیں جانباز کا پتہ لگ گیا ہے۔ آپ کا کیا حکم ہے؟ گرفتار کیا جائے تو اٹیک کیا جائے؟ جنرل نے پراسرار لہجے میں کہا۔

'' کلک کک کیا واقعی؟ تم سچ کہہ رہے ہو جنرل؟ کیا واقعی ایسا ممکن ہو گیا ہے؟'' وزیر اعظم نے فوراً کہا۔

'' جی سر میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔ کرنل بالا کی ٹیم کے ایک ممبر نے جانباز کے کپڑوں میں ٹریکر لگا دیا تھا۔ جسے ٹریک کیا جا سکتا ہے۔ یہ ایک چپ ہے جو کپڑوں میں آرام سے رکھی جا سکتی ہے۔ اس کا علم ہمیں ابھی ابھی ہوا ہے۔'' جنرل نے کہا۔

'' اوہ تو پھر انتظار کس بات کا جنرل فوراً کرنل بالا کو وہاں بھیجو اور اس بار مجھے کامیابی کی رپورٹ چاہیے اور ڈائریکٹ اٹیک کرو ہم گرفتاری کا رسک نہیں لے سکتے کرنل۔'' وزیر اعظم نے چیختے ہوئے کہا۔

'' سر کرنل بالا کی ڈیتھ ہو گئی ہے میں ایک اور کرنل کو بھیج رہا ہوں۔ ہم ڈائریکٹ اٹیک کریں گے سر! آپ بے فکر ہو جائیں۔ جانباز اس بار ہماری گرفت سے نہیں بچ سکے گا۔'' جنرل نے کہا اور دوسری طرف سے اوکے کہہ کر فون بند کر دیا گیا۔

جنرل نے سارے انتظامات کا حکم دے دیا۔ تین گن شپ ہیلی کاپٹرز اور درجنوں زمینی گاڑیوں کو تیار رہنے کا حکم دے دیا۔ جلد ہی اس فوجی کو اسٹریچر پر ہیڈ کوارٹر پر لے آ گیا۔ اب ان کی نظریں ایک چھوٹی سی مشین پر تھیں جس پر نقشہ کبھی ادھر تو کبھی ادھر گھوم رہا تھا۔ اچانک ایک جگہ جا کر وہ سبز ہو گیا۔

'' وہ مارا'' جنرل نے چیخ ماری۔ یہی جگہ ہے جہاں وہ ہیں اس نے وائرلیس پر احکامات دینے شروع کر دیے۔

......*

جانباز سونے کے لئے لیٹ چکا تھا۔ اس کے باقی

تینوں ساتھی بھی کچھ دیر ستانے کے لئے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔
''اسماعیل! ہمیں پہرے کا انتظام کرنا چاہیئے۔ کسی وقت کچھ بھی ہوسکتا ہے ہمارے ہاتھ میں ایک بڑی ذمہ داری ہے۔'' محمد جہادی نے کہا۔
''جی محمد بھائی بات تو آپ کی ٹھیک ہے مگر آپ بے فکر رہیں یہاں تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ ہم نے ہر سراغ ختم کر دیا ہے۔ آپ جانتے ہیں ہم نے اس بارے میں کتنی احتیاط کی ہے۔'' اسماعیل نے کہا۔
''ٹھیک ہے ہم دونوں باری باری پہرہ دیتے ہیں۔ پہلے میں پہرہ دیتا ہوں۔'' محمد جہادی نے کہا اور اپنی گن اٹھا کر باہر صحن میں چلا گیا۔
گھر میں صحن میں بیٹھے بیٹھے اس نے اللہ تعالیٰ کا ذکر شروع کر دیا۔ کیونکہ وہ مسلسل بارہ گھنٹے سے سفر میں تھے اور اب تھکن سے اس کی آنکھیں بند ہونے کو تھیں لیکن وہ اپنے فرض سے کس طرح کوتاہی برت سکتا تھا۔ اچانک اسے ہیلی کاپٹرز کی بہت ہلکی سی آواز سنائی دی۔ وہ چونک گیا اس نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا جو صاف تھا۔ مگر آواز قریب سے قریب تر آتی چلی جارہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد آواز زیادہ بڑھی تو جانباز کی بھی آنکھ کھل گئی اور اسماعیل اور دوسرا ساتھی بھی جاگ گئے۔ جانباز نے دوڑ کر اسماعیل سے صورت حال پوچھی مگر وہ انجان تھا۔ اچانک محمد جہادی بھاگتا ہوا اندر آیا۔ ہمارا گھیراؤ کیا جارہا ہے۔ ہیلی کاپٹرز نے تینوں اطراف سے گھیرا بنا لیا ہے۔ شاید ان کو پتا لگ گیا کہ ہم یہاں ہیں۔

''ٹھیک ہے اب میری بات غور سے سنو تو جوانو! یہ میرے لئے آئے ہیں۔ تم تینوں زمینی مدد پہنچنے سے پہلے نکل سکتے ہو میں ان کو ایک طرف مصروف رکھتا ہوں۔'' جانباز نے کہا اور محمد جہادی سے گن لے لی۔
''نہیں ، بالکل نہیں! ایسا نہیں ہوسکتا۔ آپ نکل جائیں ہم ان کو سنبھال لیں گے۔'' اسماعیل نے کہا۔
''بالکل نہیں! اس وقت میں تمہیں ایک کمانڈر کی حیثیت سے حکم دے رہا ہوں۔ تمہارے امیر ہونے کی حیثیت سے۔ تم پر بھاری ہے مگر تمہیں یہ ماننا ہی ہوگا۔ جاؤ میرے نوجوانو! اب کشمیر کی ذمہ داری تمہاری کندھوں پر ہے۔ مگر میں خوش ہوں کہ تم جیسے جانباز میری کشمیر دھرتی کے لئے موجود ہیں۔'' جانباز نے گرج کر کہا۔ اس کی آواز میں اس قدر سختی تھی کہ تینوں گھبرا گئے اور سر ہلا دیا۔
جانباز گن تھامے اور گولیوں سے بھری بیلٹ جس کے ساتھ گرنیڈ بھی تھے انہیں اٹھائے باہر صحن میں قدرے اوٹ میں آگیا۔ اسے اب ہیلی کاپٹرز والوں کی توجہ کو اپنی طرف کرنا تھا تاکہ اس کے ساتھی نکل سکیں۔ اس نے گن کا رخ اوپر کر کے گولیاں چلا دیں۔ گولیاں ہیلی کاپٹر کی باڈی کو چھو کر گزر گئیں۔ دوسری سمت میں اس نے گرنیڈ بھی پھینک دیا۔ اب ہیلی کاپٹر سے بھی فائرنگ کی جانے لگی۔ تینوں اطراف سے شدید فائرنگ شروع ہو گئی۔ گن شپ ہیلی کاپٹر سے مسلسل فائرنگ نے گھر کے پرخچے اڑا دیئے۔ جانباز مسلسل جگہ بدل کر حملہ کر رہا تھا۔ ایک ہیلی کاپٹر اس کی رینج میں آیا تو اس نے تاک کر نشانہ

لگایا جو سیدھا پنکھے میں لگا اور بجلی کا پٹر لہرا کر نیچے گرا اور اس سے آگ کے شعلے نکلنے لگے۔ ایک بجلی کا پٹر ہٹ ہو چکا تھا۔ اب فوجی بجلی کا پٹر سے نیچے اترنے لگے۔ ان کی تعداد درجن سے زائد تھے۔ وہ مسلسل فائرنگ اور گرنیڈ کا استعمال کر رہے تھے۔ اچانک ایک شگاف سے گرنیڈ پھٹا اور جانباز کو ہٹ کر گیا۔ جانباز کئی فٹ اچھلتا ہوا دور جا گرا۔ اس نے اپنے گن سیدھی کی اور مسلسل فائرنگ کرنے لگا۔ وہ کافی زخمی ہو چکا تھا۔ اس کا چہرے پر گرنیڈ نے چھید کر دیئے تھے۔

زمینی فوج بھی درجن بھر گاڑیوں کے ساتھ پہنچ چکی تھی۔ پورا مکان تقریباً بلاسٹ ہو چکا تھا۔ مگر جانباز کے اندر ابھی بھی شیر جیسی ہمت موجود تھی۔ اس نے آخری کوشش کی اپنی ہمت کو جمع کیا اور اوٹ میں ہو کر اس نے ایک برسٹ فائر کیا جو سامنے موجود فوجیوں کو لگا مگر دوسری طرف سے بجلی کا پٹر پر موجود سنائپر نے نشانہ لے لیا تھا۔ اس نے فائر کیا اور جانباز کا سینہ چھلنی ہو گیا۔ جانباز گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھا اور اس کی گردن جھک گئی۔

......*

محمد جہادی نے اسماعیل کو پکڑا ہوا تھا، کیونکہ وہ واپس جانباز کے پاس جانا چاہ رہا تھا۔ وہ وہاں سے نکل کر اب پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہو کر منظر دیکھ رہے تھے۔

جانباز ان کے بارے میں صحیح تھا۔ بجلی کا پٹر زجیسے ہی جانباز کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ پچھلے دروازے سے باہر جا چکے تھے۔ جانباز نے آخری دم تک مقابلہ کیا۔ وہ جانتے تھے کہ وہ جانباز کے حکم کو نہیں ٹال سکتے اور جانباز کسی صورت اب بھاگنا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے شہادت کو گلے لگا لیا۔ تینوں کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ مگر یہی قدرت کو منظور تھا۔

......*

فائرنگ ختم ہو چکی تھی۔ گھر کے اندر جانے کی کوئی ہمت نہیں کر رہا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے سے زائد تک مقابلہ کرنے کے بعد جانباز بالآخر شہادت نوش کر چکا تھا۔

مگر فوجی ڈر کے مارے ابھی تک اندر جانے سے گھبرا رہے تھے۔

اعلیٰ حکام جائے وقوعہ پر پہنچ چکے تھے۔ جنرل اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھر میں داخل ہوا تو انہوں نے کونے میں جانباز کو گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے دیکھا تو ایک دم وہ سارے ایسے پریشان ہو گئے جیسے انہوں نے کوئی خطرناک چیز دیکھ لی ہو۔

فوجیوں نے اندر آ کر جانباز پر گولیاں برسائی اور وہ جو گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا تھا گر گیا۔ یہ دیکھ کر ان کی جان میں جان آئی اور وہ اندر داخل ہو گئے۔

......*

جانباز نے جام شہادت نوش کر لیا مگر کشمیری قوم کو ایک پیغام دے گیا۔ اگر مسلسل مزاحمت اور مسلسل جدوجہد جاری رکھیں تو ایک نہ ایک دن آزادی کا سورج ضرور طلوع ہوگا۔ ان شاء اللہ

......*

لگایا جو سیدھا پنکھے میں لگا اور بجلی کا پٹر لہرا کر نیچے گرا اور اس سے آگ کے شعلے نکلنے لگے۔ ایک بجلی کا پٹر ہٹ ہو چکا تھا۔ اب فوجی بجلی کا پٹر سے نیچے اترنے لگے۔ ان کی تعداد درجن سے زائد تھے۔ وہ مسلسل فائرنگ اور گرنیڈ کا استعمال کر رہے تھے۔ اچانک ایک شگاف سے گرنیڈ پھٹا اور جانباز کو ہٹ کر گیا۔ جانباز کئی فٹ اچھلتا ہوا دور جا گرا۔ اس نے اپنے گن سیدھی کی اور مسلسل فائرنگ کرنے لگا۔ وہ کافی زخمی ہو چکا تھا۔ اس کا چہرے پر گرنیڈ نے چھید کر دیئے تھے۔

زمینی فوج بھی درجن بھر گاڑیوں کے ساتھ پہنچ چکی تھی۔ پورا مکان تقریباً بلاسٹ ہو چکا تھا۔ مگر جانباز کے اندر ابھی بھی شیر جیسی ہمت موجود تھی۔ اس نے آخری کوشش کی اپنی ہمت کو جمع کیا اور اوٹ میں ہو کر اس نے ایک برسٹ فائر کیا جو سامنے موجود فوجیوں کو لگا مگر دوسری طرف سے بجلی کا پٹر پر موجود سنائپر نے نشانہ لے لیا تھا۔ اس نے فائر کیا اور جانباز کا سینہ چھلنی ہو گیا۔ جانباز گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھا اور اس کی گردن جھک گئی۔

......*

محمد جہادی نے اسماعیل کو پکڑا ہو تھا، کیونکہ وہ واپس جانباز کے پاس جانا چاہ رہا تھا۔ وہ وہاں سے نکل کر اب پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہو کر منظر دیکھ رہے تھے۔

جانباز ان کے بارے میں صحیح تھا۔ بجلی کا پٹر زجیسے ہی جانباز کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ پچھلے دروازے سے باہر جا چکے تھے۔ جانباز نے آخری دم تک مقابلہ کیا۔ وہ جانتے تھے کہ وہ جانباز کے حکم کو نہیں ٹال سکتے اور جانباز کسی صورت اب بھاگنا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے شہادت کو گلے لگا لیا۔ تینوں کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ مگر یہی قدرت کو منظور تھا۔

......*

فائرنگ ختم ہو چکی تھی۔ گھر کے اندر جانے کی کوئی ہمت نہیں کر رہا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے سے زائد تک مقابلہ کرنے کے بعد جانباز بالآخر شہادت نوش کر چکا تھا۔

مگر فوجی ڈر کے مارے ابھی تک اندر جانے سے گھبرا رہے تھے۔

اعلیٰ حکام جائے وقوعہ پر پہنچ چکے تھے۔ جنرل اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھر میں داخل ہوا تو انہوں نے کونے میں جانباز کو گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے دیکھا تو ایک دم وہ سارے ایسے پریشان ہو گئے جیسے انہوں نے کوئی خطرناک چیز دیکھ لی ہو۔

فوجیوں نے اندر آ کر جانباز پر گولیاں برسائی اور وہ جو گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا تھا گر گیا۔ یہ دیکھ کر ان کی جان میں جان آئی اور وہ اندر داخل ہو گئے۔

......*

جانباز نے جام شہادت نوش کر لیا مگر کشمیری قوم کو ایک پیغام دے گیا۔ اگر مسلسل مزاحمت اور مسلسل جدوجہد جاری رکھیں تو ایک نہ ایک دن آزادی کا سورج ضرور طلوع ہوگا۔ ان شاء اللہ

......*

میں ملا عمر بنوں گا

جویریہ فاروقی

"میں ان شاء اللہ! بڑا ہو کر ملا عمر مجاہد بنوں گا"

عمر کی بات سن کر پوری کلاس پر سکتہ طاری ہو گیا۔

آج جماعت ہشتم کا ریاضی کا ٹیسٹ تھا۔ کلاس کے اکثر طلبہ کا ٹیسٹ بہت اچھا ہوا تو استاد توفیق نے خوش ہو کر اگلے پریڈ میں طلبہ کو فری ٹاسک دیتے ہوئے مختلف غیر نصابی مقابلے کرائے۔

پھر استاد صاحب طلبہ سے ان کی دلچسپی کے متعلق مختلف سوال پوچھنے لگے۔ تمام طلبہ ذوق و شوق سے ان کے سوالات کے جواب دینے لگے۔

درمیانے بینچ پر بیٹھے محمد عمر کے جواب نے پوری کلاس کو خاموش کر دیا۔

ایک لمحہ کے توقف کے بعد توفیق صاحب گویا ہوئے۔

"عمر! آپ ڈاکٹر، پائلٹ اور انجینئر کی بجائے ملا عمر کیوں بننا چاہتے ہیں؟"

"سر! میری امی جان نے میرا نام ان ہی کی نسبت اور ان سے محبت کی وجہ محمد عمر مجاہد رکھا تھا اور انہوں نے بچپن سے ہی میرے ذہن میں یہ بات ڈالی کہ ہے میں نے بڑا ہو کر ملا محمد عمر مجاہد جیسا عظیم مجاہد بننا ہے۔"

پورے کلاس ایک نظر ڈال کر عمر مزید بولا۔

"ان شاء اللہ! میں اپنی امی جان کا وعدہ اور خواہش ضرور پوری کروں گا!" جوش سے تمتماتے چہرہ کے ساتھ عمر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

"آہا سر! پھر طالبان کی طرح عمر صاحب بھی لڑکیوں کی تعلیم کے خلاف ہوں گے۔" رمیض نے تمسخر سے عمر کی طرف دیکھ کر کہا۔

عمر کو غصہ تو بہت آیا لیکن وہ خاموش بیٹھا رہا۔

''سر! میری ممی کہتی ہیں، یہ ملا عمر اور طالبان پہلے آئے تھے نا تو یہ خواتین کو باہر نکلنے نہیں دیتے تھے۔ یہ طالبان اب بھی ایسا ہی کریں گے۔'' کلاس کے کونے سے ایک آواز ابھری۔

''سر! یہ پگڑی والے، اجڈ، گنوار لوگ حکومت کیسے چلائیں گے۔ بیچارے افغانیوں کا تو بس اللہ ہی حافظ ہے۔'' رمیض نے دوبارہ طنز کا تیر پھینکا۔

اب عمر سے برداشت نہ ہوا، وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

''سر! طالبان نا اجڈ گنوار ہیں، نا کم تعلیم یافتہ۔ ان شاء اللہ! وہ اللہ کی نصرت اور مدد سے حکومت اتنے اچھے طریقے سے چلائیں گے کہ دنیا والے حیران رہ جائیں گے۔ دوسری بات طالبان خواتین کی تعلیم کے خلاف نہیں ہے، بلکہ وہ شریعت کی متعین کردہ حدود میں خواتین کے ہر حقوق کا بہت اچھے سے خیال کرتے ہیں۔ ہمیں اپنی آنکھیں کھلی رکھنی چاہیئے۔'' عمر نے کسی کو مخاطب کیے بغیر ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

''بچو! اب بحث کو ختم کرو!'' توفیق صاحب نے اشارے سے سب طلباء کو خاموش کرایا، پھر عمر کی طرف متوجہ ہوئے۔

''بیٹا! ابھی آپ کو ایسی باتیں نہیں سوچنی چاہیے، اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے آپ کو ملک اور قوم کی خدمت کرنی ہے۔ آپ ماشاء اللہ! ذہین ہو۔''

عمر کا دل بجھ گیا، پھر کسی بھی سرگرمی میں اس کی دلچسپی نہ رہی۔ چھٹی کے وقت گھر میں داخل ہو کر اس نے امی جان کو سلام کیا اور خاموشی سے بستہ رکھنے چلا گیا۔

حفصہ نے اس کے بجھے چہرے اور خاموش انداز کو نوٹ کیا۔ آج اس نے بہنوں سے بھی کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی تھی۔

دسترخوان پر کھانا چن کر حفصہ نے سب بچوں کو کھانے کے لیے بلایا۔ عمر بھی چھوٹے بہن بھائیوں کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کر خاموشی سے کھانا کھانے لگا۔

''لگتا ہے آج سکول میں کچھ ہوا ہے؟ جو عمر صاحب اتنے خاموش ہیں۔''

حفصہ کی پر سوچ نگاہیں عمر کے چہرے پر جمی تھی۔ کھانے سے فارغ ہو کر وہ دسترخوان سمیٹ کر کمرے میں آئی تو عمر ایسی ہی منہ بنا کر بیٹھا تھا۔

''عمر! ادھر آؤ۔۔۔! آج آپ کو کیا ہوا ہے؟''

حفصہ قریب بیٹھ کر اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے گویا ہوئی۔

عمر نے کوئی جواب دیے بغیر زمین پر پنجوں کے بل بیٹھ کر اپنا سر حفصہ کی گود میں گھسا دیا۔

''آج محمد عمر مجاہد کو کیا ہوا ہے بھئی؟ آج تو آپ کا ٹیسٹ تھا نا؟''

حفصہ لاڈ سے اس کا پورا نام لے کر اس کے بالوں میں محبت سے انگلیاں چلانے لگی۔

چند لمحوں بعد عمر نے سر ماں کی گود سے اٹھایا تو اس کا چہرہ آنسو سے بھیگا ہوا تھا۔

''عمر! میرے بچے کیا ہوا ہے؟ ماں کو نہیں بتاؤ گے

کچھ؟'' اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے بے تاب ہوئی۔

''امی جان!۔۔۔آ آ آج کلاس میں سب طالبان ۔۔۔پر جملے کس رہے تھے۔۔۔م م میں نے جب بتایا۔۔۔میں ملا عمر مجاہد جیسا بنوں گا۔۔۔تو۔۔۔سب نے مذاق اڑایا۔''

عمر نے ہچکیوں کے درمیان اپنی بات مکمل کی۔

''امی جان! لوگ طالبان کو برا کیوں کہتے ہیں؟ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔''

حفصہ نے محبت سے اپنے بیٹے کے چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں بھر لیا۔

''بیٹا! کسی کے کچھ کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اصل میں اسلام کی کھلی فتح کچھ لوگوں کو ہضم نہیں ہو رہی تو اس لیے وہ ایسی باتیں کرتے ہیں۔'' چند لمحے ٹھہر کر وہ مزید گویا ہوئی۔

''بیٹا! یہ تو اس دور کے میں صحابہ کی یاد تازہ کرنے والے اللہ کے منتخب کردہ لوگ ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کی خدمت اور اپنی راہ میں قربانیوں کے لیے چنا ہے۔ بس اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان لوگوں میں شامل فرمائے۔'' حفصہ کی باتوں سے عمر پرسکون ہو گیا۔

''امی جان! آپ بھی میرے لیے دعا کیجئے نا کہ اللہ مجھے بھی ان منتخب کردہ لوگوں شامل فرمائے۔'' عمر ماں کے ہاتھ تھام کر پرعزم لہجے میں بولا۔

''میرے بیٹے! تم ہمیشہ اس بات کو یاد رکھنا کہ تم ایک ایسی ماں کے بیٹے ہو، جس نے تمہارا نام اس عظیم مجاہد پر رکھتے ہوئے اپنے رب سے وعدہ کیا تھا کہ وہ تمہیں اس عظیم جماعت کا سپاہی بنائے گی۔''

''ان شاء اللہ! امی جان!''

عمر نے فرط محبت سے اپنی ماں کے ہاتھوں کا بوسہ لے لیا۔

❀❀❀❀

نعمت
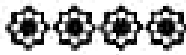
جب تک کوئی نعمت چھن نہ جائے اس کی قدر نہیں ہوتی دنیا میں بہت سے ایسے بیمار موجود ہیں جو اپنی آنکھوں کی پلکیں نہیں اٹھا سکتے آپ دن میں کتنی بار پلکیں جھپکتے ہیں؟

کبھی نوٹ کیا کہ آنکھ کا بند ہو جانا کھل جانا بھی بہت بڑی نعمت ہے کہ آنکھوں میں بینائی کا نور ہے کانوں میں سماعت کی آمد ہے زبان الفاظ ادا کرتی ہے ہاتھ طاقت رکھتے ہیں کام کرتے ہیں۔ ہم چیزیں گنتے ہیں جبکہ ہمیں نعمتیں شمار کرنی چاہئیں جو اتنی زیادہ ہوتی ہیں کہ ان کا شمار ہو ہی نہیں سکتا۔

محمد مسعود